باغی
رضیہ بٹ

باغی

دیوان خاص کی شیشوں جڑی چھت شہنشاہ اکبر کو اپنے اوپر گرتی محسوس ہو رہی تھی۔لیکن معمر شہنشاہ اپنا اضطراب مستور رکھنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔وہ زرنگار مسند سے اٹھ کر دبیز ایرانی قالینوں پر ٹہل رہے تھے۔انہوں نے دربار کا شاہی لباس زیب تن کر رکھا تھا ـــــ کمر کے سنہری پٹکے میں آبدار خنجر لٹک رہا تھا۔گلے میں بیش قیمت موتیوں کی مالائیں تھیں اور سر پر سنہری بلدار پگڑی تھی۔جس میں سے ان کے کالے سفید بال جھانک رہے تھے۔شہنشاہ کے چہرے پر بے پناہ جلال تھا۔وہ اس وقت اپنی عمر کے انحطاطی دور میں تھے ـــــ لیکن مضبوط اعصاب اور گھٹے بدن کا شہنشاہ اپنے اوپر عمر کے زوال کو کسی طور مسلّط نہیں ہونے دیتا تھا۔

دیوان خاص کے اس گوشے میں شہنشاہ کے علاوہ ان کے دست راست اور وزیر امور سلطنت عبدالرحیم جو خان خاناں کہلاتا تھا موجود تھا ـــــ تھوڑی ہی دیر پہلے مخبر دلاور خان حاضر خدمت ہوا تھا۔اس نے تخلیئے میں بات کرنا چاہی تھی۔اس لیے خان خاناں کے سوا سب کو یہاں سے چلے جانے کا حکم دیا گیا تھا۔مسند کے پیچھے خوبرو اور خوش لباس کنیزیں جو مورچھل لیے کھڑی تھیں انہیں بھی وہاں سے ہٹا دیا گیا تھا۔

دلاور خان حکومت کے باغی نادر خان کے متعلق کچھ ضروری اور اہم معمولات حاصل

کر کے آیا تھا ___ جو شہنشاہ کے گوش گزار کی تھیں ___ ان خبروں نے شہنشاہ کو بڑی حد تک پریشان کر دیا تھا ___ خان خاناں بھی مضمحل تھا۔ لیکن آداب شاہی ملحوظ تھا۔ اس لیے سر جھکائے چپ کھڑا تھا ___ جب تک شہنشاہ اسے خود مخاطب نہ کرتے وہ کچھ کہنے کا تصرّف کرنے کا مجاز نہیں تھا۔ عبدالرحیم بڑا زیرک بہت ذہین اور فطین تھا۔ اکبر کے اتالیق بیرم خان کا یہ بیٹا اکبر کے نورتنوں میں اک باوقار مقام رکھتا تھا۔ اکبر کی قربتیں باقی نورتنوں سے زیادہ ہی حاصل تھیں۔ لیکن اس نے پاس ادب اور رعب شاہی کو ہمیشہ ہی ملحوظ خاطر رکھا۔

اس وقت بھی وہ خاموش سر جھکائے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ منتظر تھا کہ شہنشاہ کوئی بات کریں تو وہ اپنی رائے پیش کرے۔ اونچے لمبے قد اور دبلے پتلے جسم کا عبدالرحیم بھی اس وقت درباری لباس میں تھا۔ تنگ پاجامہ گھیر دار کرتا۔ چست سینہ بند اور تنگ بازو والی کرتی۔ سر پر پٹکا اور کمر بند میں ایک طرف خنجر اور دوسری طرف دو دھاری تلوار۔ چمڑے کے نوکدار جوتے ___ کانوں میں موٹے موٹے نگ اور گلے میں دوہری مالائیں۔ اکبر کے نورتن ایسا ہی لباس پہنتے تھے۔ صرف ہندو رتن پگڑی فرقی انداز میں باندھتے تھے۔ اور ماتھے پر کشک اور ٹیکا لگاتے تھے۔

شہنشاہ نے اضطرابی انداز میں دو تین چکر کاٹے۔ پھر مسند کے قریب رک گئے۔ چند لمحے ان کی آنکھوں میں سوچیں لہریں لیتی رہیں۔ پھر انہوں نے گردن موڑ کر عبدالرحیم کو دیکھا۔

"خان خاناں" ان کی رعب دار آواز گونجی۔

"عالم پناہ" خان خاناں نے اک پل کو شاہ کی طرف دیکھا اور پھر نگاہیں جھکا لیں۔

"دلاور خان کچھ اچھی خبریں نہیں لایا ___"

"عالی جاہ! خبریں اچھی نہیں۔ لیکن ان سے تشویش بھی نہیں ہوئی۔"

"گویا تمہیں یقین ہے کہ نادر خان گرفتار کر لیا جائے گا۔"

"بالکل عالی جاہ ___ نادر خان کی وقعت اور حیثیت ہی کیا ہے جو مغل فوجوں کی

یلغار کے سامنے وہ ٹھہر سکے ___"

"لیکن وہ روپوش ہو چکا ہے۔ مغل فوجوں سے بے شک مقابلے کی تاب نہیں تھی اس میں ___"

"اس کی خودسری اسے مہنگی پڑے گی عالی جاہ۔ بندھیل کھنڈ کا چپہ چپہ ہمارے مخبر اور فوجی کھوج رہے ہیں۔ وہ اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"ہم اسے زندہ یا مردہ ہر حالت میں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں خان خاناں ___ ہم اس نامراد اور بے فیض انسان کو دیکھنا چاہتے ہیں، جس نے ہماری شفقتوں اور نوازشوں کا ناجائز فائدہ اٹھایا ___"

"وہ جلد پابہ زنجیر حاضر خدمت کر دیا جائے گا۔ سالار قطب خان کو میں نے بطور خاص اس مہم پر روانہ کیا ہے اور سالار کی جانثاری اور جرأت کسی تعارف کی محتاج نہیں عالم پناہ"

"ہاں ہم جانتے ہیں ___" شہنشاہ نے دو ایک بار اپنی تنی ہوئی گردن ہلائی ___ وہ چند لمحے چپ رہے ___ ان کے اندر جو ہلچل مچی تھی ___ وہ اس کا اظہار کرنے سے گریزاں تھے لیکن

خان خاناں کی نظریں اس اضطراب کو بخوبی دیکھ رہی تھیں۔

نادر خان بیحد جیالا بہادر اور جرأت مند انسان تھا۔ اس کی وفاداری کسی لمحہ بھی مشکوک نہیں ہوئی تھی ___ اس نے آگرہ کے اسی شاہی قلعے میں شاہی محلات میں پرورش پائی تھی۔ اکبر کے چہیتے لاڈلے اور جان سے زیادہ عزیز بیٹے سلیم سے اس کی دوستی تھی شہزادہ سلیم ہی کی وجہ سے شہنشاہ اکبر نے نادر خان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی تھی ایسے جانبازوں کو اپنے حلقہ میں رکھنا شہنشاہ اور اس کی وسیع و عریض سلطنت کے استحکام کے لیے ضروری بھی تھا۔

نادر خان پر شاہ کی خصوصی مراعات باران رحمت کی طرح برستی تھیں۔ وہ خود بھی تخت و

تاج کا وفادار تھا۔ اور یہ وفاداری شک و شبہ سے بالا تھی۔

نادر خان مغل حکومت کی توسیع کے لیے شہنشاہ کے عزائم سے باخبر تھا۔ اس حکومت کو اکبر جتنا مضبوط اور مستحکم بنانا چاہتے تھے اس سے بھی اس کو آگاہی تھی ــــ وہ ہمہ وقت شاہ کے عزائم کی تکمیل کے لیے سربکف رہتا تھا ــــ دو ایک مہمات میں اس نے جرأت و بہادری کے ایسے جوہر دکھائے تھے ــــ کہ شہنشاہ نے خوش ہو کر اسے مالا مال کر دیا تھا ــــ صرف زر و جواہر ہی نہیں بخشے تھے۔ اسے دریائے گنگا کے مشرقی کنارے کا بہت بڑا علاقہ اور وہاں کا قلعہ بطور جاگیر بخش دیا تھا۔ اسے دس ہزاری کا منصب بھی عطا کیا اور پچاس ہاتھی اور پانچ سو گھوڑے بھی عنایت فرمائے۔

یہ سب شہنشاہ نے نادر خان کی بہادری سے خوش ہو کر اسے بخشا تھا۔ لیکن در پردہ یہ ایک مستحکم قدم بھی تھا۔ شہنشاہ اکبر نے مغل سلطنت کو بے تحاشا بڑھا لیا تھا بنگلہ سے کابل ٹھیک طور سے چلانے کے لیے شہنشاہ نے بہت سے اقدام کیے تھے۔ ایک قدم یہ بھی تھا کہ وسیع و عریض جاگیریں اپنے اعتماد اور بھروسے کے مصاحبین کو دے دی تھیں۔ تاکہ وہ اپنے اپنے علاقے میں مغل پرچم تلے امن و امان قائم رکھیں اور اگر کوئی سر پھرا علم بغاوت بلند کرے تو اسے وہیں کچل دیں۔ ہندو راجاؤں کی بیٹیوں سے شادیاں بھی اسی سلسلے کی کڑیاں تھیں۔ رشتہ داری کے یہ بندھن ہندو راجاؤں کو سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑتے تھے۔

شہنشاہ کی سوچ مثبت تھی۔

لیکن

اس سے منفی پہلو بھی نکلتے تھے۔

کچھ مصاحبین اور راجے مہاراجے ایسے بھی تھے۔ جن کے ذہنوں میں باغیانہ خیالات پکتے رہتے تھے اقتدار کا نشہ انہیں بہت کچھ کرنے پر اکساتا رہتا تھا۔ اور وہ جب بھی موقع ملتا مغل

حکومت کے شکنجے سے نکلنے کی جدوجہد کرنے لگتے۔

نادر خان کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ بنگلہ کے چند سرکردہ افغان سردار جو دل میں مغل حکومت کے لیے کدورتیں بھرے تھے اور اس وسیع سلطنت کا ایک بیکار پرزہ بن کر رہ رہے تھے نادر خان سے ملے ــــ اسے اکبر کے چنگل سے نکلنے کی ترغیب دی۔

"ہم آپ کے ساتھ ہیں ــــ"

"ہماری فوجی قوت آپ کے لیے ہے"

"ہم آپ کو اپنا سربراہ مانتے ہیں"

"ہم مغلوں کے تسلط سے آزاد ہونا چاہتے ہیں ــــ"

"گنگا کا مشرقی علاقہ آپ کی جاگیر ہے۔ یہ علاقے ہمارے قلعوں سے ملتے ہیں۔ ہم تن من اور دھن کی بازی لگا دیں گے۔ ہم اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھے ہوئے ہیں۔ آپ ایک قدم اٹھائیں۔ ہم جانیں نچھاور کر دیں گے"

"ہمیں آپ میں وہ جرأت و بہادری نظر آتی ہے۔ جو مغل فوجوں کو دندان شکن جواب دے سکتی ہے ــــ"

"مغل حکومت آپ کے کندھوں پر بار ڈالے ہے۔ آپ اپنے کندھوں پہ اپنی حکومت کا بار اٹھائیں ــــ"

نادر خان کو ورغلانے اور بہکانے میں کچھ ہندو راجے بھی شامل تھے جو اکبر کے دلی دشمن تھے۔ انہیں گوارہ نہیں تھا کہ ان کی راجکماریاں اکبر کے حرم میں ہوں اس کے شہزادوں اور مصاحبوں کی زوجیت میں آئیں ــــ اکبر کی چہیتی بیگم رانی جودھا بائی تھی شہزادہ سلیم کی تین شادیاں اس نے ہندو راجکماریوں سے کی تھیں ــــ اس کی پہلی بیوی راجہ بھگوان داس کی پتری تھی۔ دوسری راجا ادے سنگھ کی بیٹی تھی اور تیسری راجا کیشو داس کی سپتری تھی۔

ان کے علاوہ بھی شاہی محلات میں رہنے والے کئی شہزادے شہنشاہ کی اجازت اور

مرضی سے ہندو راجکماریوں سے رشتہ ازدواج جوڑے ہوئے تھے۔

یہ سب راجے مہاراجے جو چھوٹی بڑی ریاستوں کے حکمران تھے ان میں سے کئی دل ہی دل میں مغلوں سے انتقام کے خواہاں تھے۔

ایسے کئی راجاؤں نے بھی نادر خان کو ممکنہ اعانت کا یقین دلایا مالی اور فوجی امداد فراہم کرنے کا وعدہ کیا۔

اقتدار کا نشہ جب چڑھ جائے تو سوچنے سمجھنے کی ساری کیفیتیں اور صلاحیتیں مفلوج ہوکر رہ جاتی ہیں یہی حال نادر خان کا بھی ہوا۔ اس نے شہنشاہ اکبر کی نوازشوں عنایتوں اور محبتوں کو فراموش کردیا —— اور ان مفاد پرستوں کی باتوں میں آگیا۔ اس کے دل میں خود مختاری کی ہوس کروٹیں لینے لگی اور وہ اک بادشاہت کے خواب دیکھنے لگا۔ ایسی بادشاہت جو بنگلہ کے سرداروں اور کئی ہندو ریاستوں کے راجاؤں کی مدد و اعانت سے قائم ہونا تھی۔ اور جو گنگا کے مشرقی کناروں پر پھیلی جاگیر پر محیط ہونا تھی۔

نادر خان نے ایک دم ہی علم بغاوت بلند نہیں کیا۔ اس میں ایک ہی رکاوٹ تھی۔

اور

وہ

تھی

مہرتاج

حسن وجمیل مہرتاج جو نادر خان کی پہلی محبت اور پہلا عشق تھی۔ شاہی محل میں شہنشاہ اکبر کی خواب گاہ میں فانوس روشن کرنے والی یہ کنیز حرم کی بیشمار کنیزوں میں منفرد اور ممتاز تھی —— چاندی ایسے بدن اور چاند ایسے روشن چہرے والی یہ لڑکی نادر خان کے دل ودماغ پر حکمرانی کررہی تھی —— اگر نادر خان شہنشاہ اکبر کی معیت میں مختلف معرکوں اور جنگوں میں مصروف نہ رہا ہوتا تو مہرتاج اس کی شریک حیات بن چکی ہوتی۔ لیکن کچھ ایسی مصروفیات رہی تھیں۔

زندگی ایسے ہنگاموں میں الجھ گئی تھی کہ وہ اپنی محبوبہ کو اپنی زوجیت میں نہ لے سکا تھا۔ عشق قائم تھا اور روز افزوں ترقی پذیر تھا۔ نادر خان کو جب سے جاگیر عطا ہوئی تھی تب سے وہ شہنشاہ کی خدمت میں حاضر ہوکر مہرتاج کا ہاتھ مانگنے کا سوچ رہا تھا۔ مہرتاج عام کنیز نہ تھی۔ شہنشاہ کی خاص نظر عنایت تھی اس پر اور رانی جودھا بائی کی بھی وہ منظور نظر تھی۔ اسے محل کی عام شہزادیوں کی سی مراعات حاصل تھیں۔ صرف شہزادیوں کی پہچان کا دوپٹہ نہیں اوڑھ سکتی تھی اور نہ ہی تقریبات میں عام شہزادیوں کی طرح ترچھی ٹوپی پر لمبوترا ہیرا لگا سکتی تھی۔ صرف یہی فرق تھا۔ باقی سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا عام حرم کی شہزادیوں کا حق تھا —— محل کے مشرقی جھروکے کے عقب میں جو بڑا سا کمرہ تھا اس کی رہائش اس میں تھی سرخ قالین، ارغوانی پردے آرائشی چیزیں گدیلی نشستیں اور قیمتی فانوس اس کے کمرے میں موجود تھے۔

وہ مہ لقا تھی۔ نازک اندام تھی —— مزاج شاعرانہ تھا۔ شعر گوئی میں بھی ملکہ حاصل تھا —— محلوں کی بیگمات جب ادبی نشستیں بپا کرتیں۔ تو انتظام و انصرام کے علاوہ اسے بھی کلام سنانے کی اجازت ہوتی —— اسے موسیقی سے بھی والہانہ لگاؤ تھا۔ مصوری بھی کرتی تھی۔ اس نے شہزادی بہار النساء بیگم اور کماری ارچنا کے دالانوں میں چمڑے پر بنائی خوبصورت تصویریں آویزاں کی تھیں۔ رانی جودھا بائی نے بھی اس سے فرمائش کرکے ایک دھرمشالے کی تصویر بنواکر اپنی نشست گاہ میں لگوائی تھی ——

اس نے رقص کی تربیت بھی حاصل کی تھی۔ گھڑسواری بھی جانتی تھی۔ پیراکی بھی آتی تھی۔ تیغ زنی اور تیراندازی بھی شوق رکھتے ہوئے سیکھی تھی۔

اس کے آباؤاجداد افغانستان سے مغل حکمران بابر کے ساتھ ہندوستان آئے تھے سلسلۂ نسب شاہی نہیں تھا۔ لیکن نسل در نسل محلات میں رہنے سے آداب شاہی سے آگہی تھی۔

حسن وجمال میں بھی یکتا تھی۔ اس لیے اس کو شہزادی سمجھنا ناممکن نہیں تھا۔

نادر خان نے اسے ایک تقریب میں دیکھا تھا۔ پہلی نظر ہی میں فریفتہ ہوگیا تھا۔ نظروں

کی زبان نظروں نے سمجھی تھی اور وہ بھی بے اختیارانہ اس کی طرف کھنچی چلی آئی تھی۔

دونوں ایک دوسرے کے دیوانے تھے۔

ہر ملاقات اس دیوانگی میں اضافہ کرتی تھی۔

جب تک نادر خان کو جاگیر عطا نہیں ہوئی تھی یہ ملاقاتیں پائیں باغوں اور خوبصورت پھولوں لدے گوشوں میں ہوتیں۔ کبھی محل کی بارہ دریوں۔ کبھی راہداریوں اور کبھی پرپیچ غرفوں والی بالکنیوں میں ہوتیں ــــ کبھی چاندنی راتیں عشق کے حسین بندھنوں کی گواہ ہوتیں اور کبھی گھپ اندھیرے رازوں کے امین ہوتے۔

اور

جب

نادر خان کو مہمات کے سلسلے میں کئی کئی دن شاہی محل سے دور رہنا پڑتا تو دونوں کی بے چینیاں نقطۂ عروج کو پہنچ جاتیں ــــ کبھی کبھی تو نادر خان دور دراز کے علاقوں سے راتوں رات میلوں سفر طے کر کے اسے ملنے چلا آتا ــــ اور کبھی اپنے سدھائے ہوئے نامہ بر کبوتروں کے ذریعے اپنے جذبات کی آنچ اس تک منتقل کرتا رہتا۔

جاگیر عطا ہونے پر جہاں نادر خان کی خوشیوں میں بے پناہ اضافہ ہوا تھا۔

وہاں

دل کی لگی نے غمزدہ بھی کر دیا تھا ــــ وہ مہرتاج سے دور ہو گیا تھا۔ لیکن فاصلے قربتوں پر محیط تھے ــــ نادر خان شہنشاہ سے فرمان حاصل کرنے آگرہ آ جاتا تھا ــــ نہ آ سکتا تو پیغامبر پالتو کبوتر دل کے احوال سنانے نامہ لے کر آ جاتے۔

حسین ملن کی آس میں مہرتاج بھی پل پل گن کر گزار رہی تھی۔ نادر خان کی محبت پر اس کا پورا یقین و بھروسہ تھا ــــ اس لیے ہجر بھی وصال ہی کی طرح کیف افزا تھا۔

نادر خان کو جب مصاحبوں نے بے طرح اکسایا ــــ تو اسے مہرتاج کو بھی وقتی طور پر

نظرانداز کرنا پڑا ــــ

وجہ یہ تھی کہ انہی دنوں چتوڑ کے راجہ نے بغاوت کر دی تھی۔ اور شہزادہ سلیم اک لشکر جرار لے کر اس کی سرکوبی کو روانہ ہو گیا تھا۔ شہنشاہ اکبر کے بہادر اور جیالے فوجی اس کے ساتھ گئے تھے ــــ

افغان سرداروں اور چھوٹے موٹے راجاؤں نے یہی موقع غنیمت جانا۔

"نادر خان یہ سنہری موقع ہے۔ بہترین لشکری چتوڑ کے محاذ پر جا چکے ہیں ــ اس وقت خودمختاری کا اعلان کر دینا فائدہ مند ہے ــــ"

"ہماری بہترین اور جرار فوجیں تمہاری پشت پناہی کریں گی۔"

"موقع اچھا ہے۔"

"موزوں ہے۔"

"ہمارے لشکری مل جائیں تو مغل سپاہ کا منہ موڑ دیں گے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ مغل فوج کے بہترین سپاہی شہزادہ نورالدین سلیم کے ساتھ چتوڑ کی سرکوبی کے لیے آگرے سے جا چکے ہیں ــــ اور الہ آباد میں بھی فوج نہ ہونے کے برابر ہے۔"

نادر خان نے بھی یہ موقع مناسب سمجھا۔ مہرتاج گو شاہی محل میں تھی۔ لیکن اسے وہاں سے نکال لے آنا ممکن نہیں تھا۔ وہ ایسے کئی حربے اور طریقے جانتا تھا۔ اس لیے اس نے اس موقع کا فائدہ اٹھانے کے لیے علم بغاوت بلند کر دیا۔

لیکن

اس بغاوت کے سر اٹھاتے ہی شہنشاہ اکبر نے اک لشکر جرار روانہ کر دیا، جس کی پہلی یلغار ہی فیصلہ کن ثابت ہوئی اور چند دن کے خونی معرکے کے بعد نادر خان کی ملی جلی سپاہ کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔

نادر خان جان بچا کر بھاگنے میں کسی نہ کسی طور کامیاب ہو گیا ــــ وہ بچتا بچاتا بھاگتا

دوڑتا بندھیل کھنڈ کی طرف چلا گیا ——

شہنشاہ اکبر کے لشکر جرار نے نادر خان کی فوجوں کو چیونٹیوں کی طرح مسل دیا تھا۔ شاہ کو یقین تھا —— کہ نادر خان کے مقدر میں پسپائی کی سیاہی ہوگی۔ لیکن انہیں اس کی غداری کا دکھ بھی بہت تھا۔ یہ مار آستین تھا —— شہنشاہ نے اس پر کچھ زیادہ ہی بھروسہ کیا تھا —— جس کی وجہ سے دلّی آزاد ہوا تھا۔ نادر خان کی حیثیت و وقعت مغل حکمران کے آگے تنکے کی سی تھی۔ جو سیلابی یلغار سے بہہ گیا ——

مغل فوجی اور مخبر اب اس کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ گو ابھی وہ اسے گرفتار کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ تاہم گرفتاری یقینی تھی۔

اور

اب

تو

شہنشاہ اکبر نے ایک فرمان جاری کر دیا تھا۔ جس کے ذریعے نادر خان کو زندہ یا مردہ گرفتار کرنے والا منہ مانگا انعام پا سکتا تھا۔ اس لیے فوجی اور مخبر تو الگ، عام رعایا بھی نادر خان کی گرفتاری کے سلسلے میں کوشاں تھی —— شاہی دربار میں نادر خان کو پیش کر کے منہ مانگا انعام پایا جا سکتا تھا —— کئی افغان سردار اور ہندو راجے جنہوں نے نادر خان کو بھڑکایا تھا اب اسے گرفتار کرنے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ دربار اکبری سے یوں وہ منہ مانگی مراد پا سکتے تھے

انعام کی یہ ترغیب بے مثال تھی۔

پھر بھی

نادر خان اب تک گرفتار نہیں ہو سکا تھا۔ اور کچھ ہی دیر پہلے مخبر دلاور خان جو خبریں شہنشاہ کے گوش گزار کر کے گیا تھا، وہ حوصلہ افزا نہیں تھیں۔ شہنشاہ کو ان خبروں نے مضطرب کر دیا تھا۔

"خان خاناں"، شہنشاہ کچھ دیر ٹہلنے کے بعد مسند کی پشت تھام کر کھڑے ہو گئے۔

"عالم پناہ"، عبدالرحیم سینے پر ہاتھ رکھ کر قدرے جھکا اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ شہنشاہ نے اک طائرانہ نگاہ چاروں طرف ڈالی۔ دیوان خاص کی وسیع و عریض عمارت کو دیکھا۔ مدور اور منقش بے شمار ستونوں پر گنبد نما شیشے جڑی چھتوں والی یہ عمارت شایان شان طریق سے سجی تھی۔ سرخ دبیز ایرانی قالین حد نگاہ تک بچھے نظر آتے تھے محرابی دروں پر حریری پردے لہرا رہے تھے۔ سرخ بانات پر سونے چاندی سے بنی آرائشی تصاویر جگہ جگہ آویزاں تھیں سنہری اونچی پشتوں والی اور ارغوانی گدیلی نشستوں والی مسند نما کرسیاں نورتنوں کے لیے مخصوص تھیں چند سیڑھیوں کی اونچائی پر شاہ کا تخت تھا —— جس کے پائے گنگا جمنی تھے اور جس کی پشت سنہری تھی —— آرام دہ گاؤ تکیے وہاں پڑے تھے۔ سنہری کامدانی چوکی بھی وہاں پڑی تھی۔ جس پر شہنشاہ مسند نشین ہوتے وقت پاؤں ٹکایا کرتے تھے ——

عبدالرحیم حکم عالی کا منتظر کھڑا تھا ——

شہنشاہ خاصے طویل وقفے کے بعد گویا ہوئے —— "خان خاناں ——"

"عالی جاہ ——"

"ہم چاہتے ہیں۔ کہ اپنے شیخو کے لیے ایک مضبوط اور مستحکم سلطنت چھوڑ جائیں۔ ہم آج تک پوری قوت اور ہمت سے اس سلطنت کا حسن نکھارتے رہے ہیں۔ اسے مضبوط بناتے رہے ہیں —— مستحکم کرتے رہے ہیں۔ توسیع دیتے رہے ہیں۔ اس لیے کہ ہم مغلوں کے پرچم ہمیشہ سربلند دیکھنے کے خواہاں ہیں —— ہمارے بعد بھی یہ پرچم یونہی لہراتا رہے اور ہمارا بیٹا اس وسیع سلطنت پر سکون و اطمینان سے حکومت کرتا رہے ——"

"عالم پناہ —— خدا آپ کو اپنی پناہ میں رکھے۔"

"عبدالرحیم ہم مایوس نہیں۔ لیکن یہ بات ہمیں تکلیف ضرور دیتی ہے۔ کہ عمر کے اس حصے میں ہماری نظریں مملکت میں سرکشی اور بغاوت کا دھواں اٹھتا دیکھ رہی ہیں ——"

"ظلِ سبحانی۔ یہ عاقبت نا اندیش لوگ ہیں۔ سرپھرے اور بیوقوف ہیں مغل حکومت کے سامنے ان کی رائی برابر بھی حیثیت نہیں۔ باغی سر اٹھاتے ہی کچل دیئے جاتے ہیں۔ نادان ہیں۔ نہیں جانتے کہ وہ علم بغاوت بلند کرکے کس کس سے ٹکر لیتے ہیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ وہ بابر کی شمشیر، ہمایوں کی تقدیر اور اکبر کی تدبیر سے ٹکر لے رہے ہیں ——"

شہنشاہ کے منہ سے بے اختیارانہ واہ نکلا۔ وہ قدرے مسکرائے۔ ہاتھ اٹھا کر عبدالرحیم کو داد دی —— پھر چند قدم چل کر سامنے آئے اور مسند کے زریں بازو کو زور سے پکڑتے ہوئے پرجلال لہجے میں بولے "تم نے ٹھیک کہا عبدالرحیم ——"

عبدالرحیم نے کورنشی انداز میں ہاتھ ماتھے سے چھوا۔

شاہ پرغضب آواز میں بولے "ہمارے سامنے بیشمار بغاوتوں نے جنم لیا۔ سرکشی کے شعلے بھڑکے، تلواریں بے نیام ہوئیں۔ ہم نے سب کو تحس نحس کر دیا —— اب۔ اب شاید یہ سرپھرے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم بوڑھے ہو چکے ہیں ——"

"نہیں عالم پناہ ——"

"ہمارے بازوؤں میں اب بھی اتنی سکت ہے کہ ہم بڑی سے بڑی بغاوت کچل دیں۔"

"ان بازوؤں پر ہم سب کو مان ہے ظل سبحانی۔ جو بازو دو جوانوں کو بغل میں دبا کر قلعے کی دیوار پر دوڑ سکتے ہیں۔ ان کی توانائی سے کون انکار کر سکتا ہے ظل الٰہی ——"

شہنشاہ گھوم کر سامنے آئے اور مسند پر بیٹھ گئے —— اور مسند کی روپہلی سنہری ہتھی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولے "نادر خان نے جو حماقت کی ہے۔ اس کی سزا وہ ضرور بھگتے گا۔"

"بالکل عالم پناہ۔ وہ بہت جلد پابہ زنجیر خدمت عالی میں پیش کر دیا جائے گا۔"

"ہاں ہم اس لمحے کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں —— ہم اسے زندہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہماری شفقتوں اور نوازشوں کو بھلا کر اس کے چہرے کا کیا رنگ ہوا ہے۔ ہماری محبت کی جگہ ہمارے عتاب کو للکار کر اس نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے۔ خان خاناں

ہمیں کہنے میں باک نہیں کہ نادر خان کی بغاوت نے ہمیں صدمہ پہنچایا ہے —— وہ نادر خان جس پر ہم نے اپنے بچوں کی سی شفقتیں لٹائیں اسے اپنا جانا —— اس پر بھروسہ اور اعتماد کیا کیا وہ یہ ساری باتیں بھول گیا —— اسے شرم نہ آئی —— وہ —— وہ ایسا تو نہیں تھا —— اس نے دودمان مغلیہ کے لیے ہمیشہ اپنا آپ پیش کیا۔ اس کی تلوار اس کی حفاظت کے لیے ہمیشہ بے نیام رہی۔ اس نے اپنے خون کی پیش کش سے بھی کبھی دریغ نہ کیا تھا ——"

شہنشاہ چند لمحے خاموش رہے۔

پھر گرجدار آواز میں بولے "نادر —— تم نے ہماری بخششوں کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ ہمارے عتاب کو للکارا۔ ہم تمہیں اس کا مزہ چکھا دیں گے۔"

"عالم پناہ —— وہ بچ کر جائے گا کہاں؟"

"ہم اسے بچنے بھی نہیں دیں گے۔ ہم نے وزیر قانون کو آج ہی یہ فرمان جاری کرنے کے لیے حکم صادر فرمایا ہے کہ آج سے ہر باغی کی سزا موت ہوگی ——"

"جی سرکار عالی —— یہ فرمان چند دنوں کے اندر سلطنت کے کونے کونے تک پہنچ جائے گا۔"

"اس پر پوری طرح عمل کیا جائے گا معافی یا بخشش کی گنجائش نہیں ہوگی۔"

"بالکل۔ ظل سبحانی۔ بالکل ——"

"تم جانتے ہو خان خاناں کہ ہم نے یہ فرمان کیوں جاری کیا ہے؟"

"جی عالم پناہ —— باغی سزائے موت پا کر دوسروں کے لیے باعث عبرت ہوگا۔ یہ موت اس طرح واقع ہوگی کہ بغاوت کرنے والا علم بغاوت اٹھانے سے پہلے کئی بار سوچے گا۔ یوں سرکشی کرنے والے دم نہ مار سکیں گے۔"

"اور یہ سب اس لیے۔ کہ ہم اپنے عزیز ترین بیٹے شیخو کے لیے ایک صاف ستھری اور

پُرامن حکومت چھوڑنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا بیٹا اپنے دورِ حکومت میں کسی مصیبت
سے آشنا نہ ہو ـــــ اسے ایک مضبوط سلطنت ورثے میں ملے ـــــ"

"جان عالم شہزادہ نورالدین سلیم کے لیے حضور والا کے دل میں جو عشق ہے محبت ہے
اس سے خانہ زاد بے خبر نہیں ـــــ"

"ہاں، ہاں ـــــ شیخو ہماری جان ہے۔ راحت ہے نورِ نظر ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ظلِ سبحانی ـــــ"

"ہم اپنی بقیہ زندگی سلطنت کو مزید مستحکم بنانے میں صرف کرنا چاہتے ہیں ـــ جنوبی
دکن میں جو ریاستیں آپس میں برسرپیکار ہیں اور مغل حکومت کے لیے مسلسل دردِ سر بنتی ہوئی
ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ان کی سرکوبی کے لیے ہم بہ نفس نفیس وہاں پہنچیں ـــــ"

"خانہ زاد کی بھی یہی رائے ہے۔"

"شہزادہ سلیم چتوڑ سے کامیاب ہو کر لوٹیں تو ہم امورِ سلطنت ان کے حوالے کر کے اس
مہم پر روانہ ہو جائیں گے۔"

"چتوڑ کے پرچم سرنگوں ہونے ہی والے ہیں ـــــ"

"ہم اس خوشخبری کے منتظر ہیں ـــــ"

"انشاءاللہ چند دنوں میں یہ خوشخبری حضور کے گوش گزار کر دی جائے گی۔"

"ہاں ہمیں اپنے بیٹے کی صلاحیتوں کا علم ہے۔"

شہنشاہ مسند سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ خان خاناں نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ پھر سینے
پر ہاتھ باندھ کر بولا ـــــ "شہزادۂ عالی کی جنگی صلاحیتوں کا اعتراف سب کرتے ہیں۔ چتوڑ
کا راجہ محاصرے میں ہے۔ قلعہ چند دنوں میں مغل فوجوں کے تسلط میں ہو گا ـــــ چغتائی پرچم وہاں
لہرائے گا ـــــ لیکن ـــــ"

"لیکن کیا ـــــ عبدالرحیم"

عبدالرحیم چند لمحے خاموش رہا۔ پھر آہستگی سے بولا "شہزادہ عالم کے ساتھ بلند بخت اور
راجہ نرسنگھ دیو بھی اس مہم پر گئے ہوئے ہیں ـــــ"

"ہاں۔ ہم جانتے ہیں۔ ان کے علاوہ چند دن پیشتر ہم راجہ مان سنگھ کو بھی اس کے لشکر
کے ہمراہ روانہ کر چکے ہیں ـــــ"

"جی عالم پناہ ـــــ"

"پھر ـــــ تم کہنا کیا چاہتے ہو ـــــ"

"جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔"

"ہمیں تمہاری ذہنی استعداد پر ناز ہے خان خاناں ـــــ تم فوجی امور سے آشنا اور آگاہ
ہو ـــ ہم تمہاری معیت میں کئی معرکے سر کر چکے ہیں اور آئندہ دکن کی مہمات پر بھی آپ ہمارے
دست راست ہوں گے ـــــ"

خان خاناں کی یوں ہمت افزائی ہوئی تو وہ اک گہری سانس لے کر بولا "میرے ذہن
میں کچھ خدشات سر اٹھا رہے تھے عالم پناہ"

"خدشات؟"

"جی حضور ـــــ مجھے راجہ نرسنگھ دیو بلند بخت اور راجہ مان سنگھ کی تخت شاہی سے
وفاداریاں کچھ مشکوک لگتی ہیں ـــــ ان پر کڑی نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔"

شہنشاہ نے ہلکا سا تمسخرانہ قہقہہ لگایا پھر بولے "ہم تمہاری عقلمندی اور وفاداری کے مداح
ہیں۔ لیکن خان خاناں یہ بات جو تمہارے ذہن میں خدشہ بن کر سر اٹھا رہی ہے قطعاً بے بنیاد
ہے ـــ تم جانتے ہو راجہ نرسنگھ دیو شہزادہ سلیم کے ماموں ہیں اور راجہ مان سنگھ اس کی
رانی مان بائی کملاوتی کا بھائی ہے۔ بلند بخت جیسا سپہ سالار لشکریوں کی خوش نصیبی کا ضامن ہوتا ہے۔"

خان خاناں نے آہستگی سے سر ہلایا ـــــ

اکبر اعظم نے ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر لاتے ہوئے خان خاناں سے کہا "اپنا ذہن ان کی

طرف سے صاف کر لو عبدالرحیم۔ تشویش کی کوئی بات نہیں۔ تخت و تاج سے ان کے خونی اور جگری رشتے ہیں ـــــ رانی جودھا بائی ہمارے حرم کی خاتونِ اول ہے ـ وہ سلیم کی ماں ہیں۔ اور رانی جودھا بائی نرسنگھ دیو کی بہن ہیں۔ اسی طرح رانی کملاوتی سلیم کے حرم میں ہے اور مان سنگھ کملاوتی کا بھائی ہے۔ اور تم جانتے ہو بھائی بہنوں کے گھر بساتے ہیں بگاڑتے نہیں۔ خاص کر ہندوستان کے یہ راجپوت اس معاملے میں بڑے کٹر اور محتاط ہوتے ہیں ـــــ"

"جی عالم پناہ ـــــ میں جانتا ہوں۔"

"اسی لیے مابدولت فرما رہے ہیں کہ یہ خدشات ذہن سے نکال دو ـــــ ایسی کوئی بات نہیں۔ ہم اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں۔ ہم نے تا حال ان سب کو جاں نثار اور وفادار ہی پایا ہے۔ ذرہ بھر بھی گڑبڑ ہوئی تو ہم اتنے ذی فہم ہیں کہ پہچان پائیں ـــــ"

"خدا صاحب کراں کو شاد و آباد رکھے" عبدالرحیم نے شہنشاہ سے کہا۔

"اب تم جا سکتے ہو خان خاناں ـــــ"

"ظلِ الٰہی خانہ زاد کی تشویش سے آپ کو ملال ہوا ہو تو معافی کا خواستگار ہوں۔"

"نہیں خان خاناں مابدولت خوش ہوئے ہیں کہ تم پورے خلوص سے ہر بات پر نگاہ رکھتے ہو ـــــ اور تمہاری سوچ ہمارے مفاد پر مبنی ہوتی ہے۔ اندازے صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی۔ بہر حال ہمیں خوشی ہے کہ تمہاری دور بین نگاہیں کچھ نہ کچھ تلاش کرتی رہتی ہیں۔ اور یہ تلاش تخت و تاج دودمانِ مغلیہ کی بہتری ہی کے لیے ہوتی ہے۔"

عبدالرحیم نے جھک کر کورنشی انداز میں شہنشاہ کو سلام کیا اور الٹے قدم چلتا محرابی در کی طرف چلا گیا ـــــ

شہنشاہ نے بھی محل کی طرف جانے کے لیے قدم اٹھایا۔ ان کے تالی بجاتے ہی غلام و خدام صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ نوکدار سنگینیں اور تلواریں سرنگوں کر دی گئیں ـــــ نقیب نے شہنشاہ کی محل میں آمد کی خبر نوبت بجا کر اور تعریفی الفاظ ادا کر کے دی۔

دریائے جمنا کا پانی ڈوبتے سورج کی سرخیوں سے لال ہو رہا تھا۔ لگتا تھا پانیوں میں آگ لگی ہے ـــــ فضا میں پرندوں کے پرے کے پرے تھے۔ دن بھر دانا دنکا چگنے اور اڑانیں بھرنے کے بعد ٹھکانوں کو واپس لوٹ رہے تھے۔ ہوائیں مترنم تھیں اور دھیرے دھیرے بہہ رہی تھیں ـــــ شاہی محل کے گرداگرد پھیلے گھنیرے باغوں میں نم آلود مہک پھیلی ہوئی تھی ـــــ محلسرا سے چہل قدمی کے لیے آئی ہوئی شہزادیاں اور شہزادے واپس جا رہے تھے۔ ان کے ہمراہ کنیزیں اور خواجہ سرا تھے ـــــ باغوں میں جو چہل پہل سہ پہر سے تھی وہ اب ختم ہو رہی تھی ـــــ

مہندی کی باڑ کے پار بنی بارہ دری کے مرمری ستون کے ساتھ لگی مہر تاج ڈوبتے سورج کی سرخیوں کو تکتے ہوئے سوچوں میں گم تھی ـــــ اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ زمان و مکاں کی قید سے آزاد کھڑی ہے ـــــ اس کے حسین چہرے پر افسردگی کی لہریں بڑی واضح تھیں اس کی نیلگوں آنکھوں میں آزار تھا ـــــ

"مہر تاج"، سوسن اسے تلاش کرتی ادھر آ گئی۔ چند لمحے ایک ٹک اسے تکتی رہی۔ وہ متوجہ نہ ہوئی تو آگے بڑھ کر اس کا کندھا ہلاتے ہوئے اس کا نام پکارا۔

"ہاں ـــــ سوسن تم ـــــ"

"جی ہاں بندی کو سوسن ہی کہتے ہیں ـــــ" سوسن نے اپنا جھلمل کرتا دوپٹہ کندھوں

پر ٹھیک سے ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا بات ہے" مہرتاج نے اس کے سراپا پر نظر ڈالی۔

"کہاں گم ہو" وہ نگاہیں نچاتے ہوئے بولی۔

مہرتاج نے ایک گہری سانس لی اور مرمریں ستون سے الگ ہوتے ہوئے قدم سیڑھی پر رکھا۔

"بی بنو — شام اُتر رہی ہے اور تم ابھی یہیں ہو —" سوسن نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ٹھوڑی کو چھوا۔ اس کے ہاتھوں میں پڑے کنگن چھنک اٹھے۔ اور فضا میں بڑا خوبصورت سا ترنم گھل گیا۔

"میں بہت پریشان ہوں سوسن" مہرتاج بولی۔

"اس پریشانی میں فرض بھی یاد نہ رہا — شام اترنے والی ہے اور تم یہاں ہو۔ شاہی خوابگاہ اس وقت روشن کی جاتی ہے مہرتاج —"

"ہاں۔ میں آ ہی رہی تھی۔"

"جس انداز سے کھڑی تھیں۔ لگتا تھا تمھیں یاد ہی نہیں۔ وہ تو مجھے دیری کا احساس ہوا اور میں تمھیں ڈھونڈتی چلی آئی۔"

"تم میری بہترین سہیلی ہو —"

"بجا فرمایا جناب نے۔ اب آیئے تشریف لایئے — حواس بجا کیجئے اور چل کر خوابگاہ کے فانوس روشن کیجئے — مہارانی صاحبہ سرِ شام ہی خوابگاہوں میں روشنی چاہتی ہیں۔ سمجھیں۔"

"ہاں۔ میں جانتی ہوں —"

"مہرتاج"

"ہوں"

"ایک بات کہوں"

"کہو —"

"یوں گم صم رہنا چھوڑ دو — تم تو اپنے آپ سے بھی بیگانہ ہوئی جا رہی ہو —"

"تو میں کیا کروں سوسن —" مہرتاج کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ گلوگیر آواز میں بولی "تم ہی تو میرا حالِ دل جانتی ہو —"

"میں تو جانتی ہوں — لیکن میں یہ نہیں چاہتی — کہ تمھارا راز مشتہر ہو جائے۔ ہر کوئی جان جائے جانتی ہو۔ یہ راز منتشر ہوا۔ تو تمھارا کیا حال ہوگا —"

مہرتاج نے اپنی آنکھوں کے گیلے گوشے الٹی ہتھیلی سے صاف کرتے ہوئے سر ہلایا۔

"مہرتاج" سوسن نے اس کے گلے میں بازو حمائل کر کے اسے اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے ہولے سے کہا "ایسی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کرو مہرتاج —"

"تو پھر کیا کروں —"

"حوصلے اور صبر سے کام لو —"

"جوں جوں وقت گزر رہا ہے۔ میری ہمت ٹوٹ رہی ہے سوسن۔ نادر جانے کہاں ہے کس حال میں ہے —"

"اپنی حماقت کی سزا بھگت رہا ہے —"

"ہاں سوسن اس نے بہت بڑی حماقت کی ہے۔ لیکن —"

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔ اب اسے بھلانے کی کوشش کرو —"

"یہ بھی تو ممکن نہیں۔ میں اپنے آپ کو بھلا سکتی ہوں اسے نہیں —"

"پھر حوصلے سے وقت کا انتظار کرو کہ وہ کس کروٹ رخ بدلتا ہے"

"وہ تو نظر ہی آ رہا ہے۔ نادر کی تلاش جاری ہے۔ اسے زندہ یا مردہ گرفتار کرنے والا منہ مانگی مراد پانے کا حقدار ہے"

"اور نیا فرمان بھی جاری ہوا ہے باغیوں کے لیے —"

"ہاں۔ ہر باغی کی سزا موت قرار دی گئی ہے — اور اس میں معافی یا بخشش کی کوئی گنجائش نہ ہوگی —"

”یہ بھی جانتی ہو۔ کہ شہنشاہ عالی کا فرمان جب جاری ہو جائے تو اسے بدلا نہیں جا سکتا۔ ان کے نورتنوں یا درباری مصاحبوں کو بھی ایسا کرنے کی جرأت نہیں ہوتی ۔۔۔“

”اسی لیے تو دل اتنا پریشان ہے سوسن ۔۔۔“

”اور اسی لیے تو میں کہتی ہوں کہ ہمت اور حوصلے کا دامن نہ چھوڑنا۔ نوشتۂ تقدیر ہے سب۔“

”لیکن میں نادر کے بغیر جی نہیں سکتی سوسن ۔۔۔“

”ایسی محبتیں تباہ کن ہوتی ہیں ۔۔۔ لیکن میں نہیں چاہتی کہ تم تباہی سے ہمکنار ہو۔“

”تباہ تو میں ہو چکی۔“

”من تباہ ہوا ہے۔ تن کو تو تباہی سے بچاؤ ۔۔۔ مجھے تو ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا ہے۔ کہ تمہارا راز محبت افشا نہ ہو جائے ۔۔۔ کہیں کسی کے کانوں میں بھنک پڑ گئی کہ تمہارا نادر سے میل جول تھا تو پتہ ہے نا کیا ہوگا ۔۔۔ اس کی غداری کا الزام تم سے بھی وابستہ کر دیا جائے گا ۔۔۔ اور پھر انجام؟“

سوسن کا وجود لرز گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کانوں کی لوؤں کو چھوا۔

مہرتاج نے اک گہری بے سکون سانس چھوڑی ۔۔۔ اس کے اندر طوفانی اضطراب تھا ۔۔۔ اس اضطراب کو اس نے اندر ہی اندر دبانا تھا۔ سوسن نے جو کچھ کہا تھا۔ ٹھیک کہا تھا۔ نادر آجکل محلسرا میں ایک موضوع بنا ہوا تھا ۔۔۔ شہنشاہ اور مہارانی سے لے کر دوسری بیگمات اور شاہی خاندان کے ارکان اس کی غداری پر نفرین بھیجتے تھے۔ خود مہرتاج کو بھی بے انتہا دکھ تھا۔ نادر خان نے شاہی مراعات کا ناجائز فائدہ اٹھایا تھا۔ علم بغاوت بلند کر کے اس نے وفاداری اور جانثاری کے جذبوں کی توہین کی تھی۔ اس نے اقتدار اور خود مختاری کے نشہ میں مہرتاج کو بھی نظر انداز کر دیا تھا ۔۔۔ اسے سوچنا چاہیے تھا کہ مہرتاج کا کیا بنے گا ۔۔۔ علم بغاوت بلند کرنا ہی تھا تو پہلے مہرتاج کو یہاں سے لے جاتا ۔۔۔ دکھ اور سکھ میں سنگ رہنے کی

جو قسمیں کھائی تھیں جو وعدے کیے تھے وہ تو ایفا ہوتے۔

اب

اب تو

وہ جانے کہاں تھا۔ دوریاں اتنی تھیں کہ انہیں پلٹنے کا خیال بھی محال لگتا تھا۔ ملن کی آس تو ٹوٹ ہی گئی تھی۔ موت دونوں کے درمیان سنگین دیوار بن کر حائل ہو گئی تھی۔

لیکن

دل کے معاملے بھی تو اپنی اہمیت منواتے ہیں۔ مہرتاج اور نادر محبتوں کی انتہاؤں کو چھو چکے تھے۔ وہ متقاضی تھیں کہ بچھڑنے کا غم جی بھر کر کیا جائے۔

نادر خان کے متعلق تو مہرتاج کو اب کچھ معلوم نہیں تھا۔ لیکن اپنے آپ سے تو آگہی تھی۔ گو نادر خان کا فعل اس کے لیے ناپسندیدہ تھا۔ لیکن وہ تھا تو اس کا محبوب۔ اسے اس نے ٹوٹ کر چاہا تھا۔ اپنے مستقبل کے حسین خواب دیکھے تھے۔ اس کی زوجیت میں آنے کا تصور جانفزا تھا۔ اور اس تصور میں پہروں ڈوب کر اس نے لذت و کیف کی دنیا بسائی تھی۔ نادر کی جیون ساتھی بن کر وہ آزادی خود مختاری اور عزت و احترام کی زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ کنیز کی پخ جو اس کے نام کے ساتھ وابستہ تھی نادر خان کو اپنا کر ہمیشہ کے لیے دور ہو سکتی تھی۔ اس کی شریک حیات بن کر وہ بھی دوسری بیگمات کی طرح محترم و مکرم ہو سکتی تھی۔ یہ سہانے اور سنہری خواب وہ عرصے سے آنکھوں میں سجائے ہوئے تھی۔

اس کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا تھا۔ اس کے سپنے ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔ اور ٹوٹے سپنوں کی کرچیاں اسے لہولہان کر رہی تھیں ۔۔۔ وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر دیوانوں کی طرح در و دیوار سے سوال کرتی۔

”یہ سب کیا ہو گیا ہے؟“

”کیوں ہو گیا ہے؟“

”نادر تم نے کیوں ایسا قدم اٹھایا“

”تم نے شہنشاہ کی قوت و طاقت کا کیوں اندازہ نہیں کیا“

”تم انجام و عواقب سے کیوں بے پرواہ ہو گئے“

”تم نے اپنی محبت کو بھی نہ دیکھا“

”تم نے میری پروا بھی نہ کی“

سوال اُٹھتے رہتے۔ جواب کوئی نہ ملتا۔ ماہئ بے آب کی طرح تڑپنا اس کا مقدر بن گیا تھا۔

لیکن

ان سب بے قراریوں پریشانیوں اور دکھوں کے باوجود اسے محل میں عام لوگوں کی طرح رہنا پڑتا تھا ــــ اپنی بے چینی سوائے سوسن کے کسی پر آشکارا نہ کر سکتی تھی۔ دل رو رہا ہوتا پھر بھی اسے ہونٹوں پر ہنسی سجانا پڑتی۔ آنکھوں میں گھٹاٹوپ اندھیرے مچل رہے ہوتے لیکن اسے ان میں جوت جگانا پڑتی۔

یہ ظاہر داری کرتے اور نبھاتے دو ماہ ہو چکے تھے۔ سوسن اس کی ہمت نہ بندھاتی تو جانے کب کی بات ظاہر ہو کر اس کے لیے مصائب و آلام کے طوفان اٹھا چکی ہوتی۔ باغی نادر کے ساتھ کسی طور جڑا ناطہ حکومت اور قانون کی نظروں میں سنگین تھا۔ باز پرس یقینی تھی۔ اور کئی پیچیدگیوں کا پیدا ہونا بھی ضروری تھا۔

ہاں کبھی کبھی جب مہرتاج دل اور جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو جاتی، انہیں مستور رکھنے میں ناکام ہو جاتی تو پھر خرابئ طبع ہی کا بہانہ کارگر ہوتا۔

یوں اب تک

اس کی اور نادر خان کی رفاقت اور محبت پر پردہ ہی پڑا ہوا تھا۔

سوسن اس معاملے میں اس کی سچی بہی خواہ اور پردہ دار تھی۔ اسی لیے آج جب اس

نے دیکھا کہ آفتاب غروب ہو گیا ہے۔ اس کی لالیاں اندھیروں کی یلغار روکنے میں ناکام ہو رہی ہیں تو وہ مہرتاج کی تلاش میں پائیں باغ میں آ گئی ــــ کیونکہ یہ وقت فانوس روشن کرنے کا تھا۔ اور وہ تھوڑی ہی دیر پہلے شہنشاہ کی خواب گاہ میں پردے برابر کرنے آئی تھی۔ تو فانوس روشن نہیں ہوئے تھے ــــ

وہ فکر مند ہوئی تھی

اور

مہرتاج کو اس کا کام یاد دلانے اس کی تلاش میں نکل آئی تھی۔

مہرتاج اسے مہندی کی باڑ کے پار والی بارہ دری میں نظر آ گئی تھی۔ وہ اکثر مہندی کی باڑ والے اسی چمن میں ہوا کرتی تھی ــــ

”چلو اب آنکھیں صاف کر لو اور چہرے پر بشاشت کا لبادہ ڈال لو ــــ“ سوسن نے محل کی طرف رخ کر کے قدم اٹھایا۔

”سوسن ــــ“ مہرتاج گلوگیر آواز میں بولی ”مجھ سے اب یہ سب کچھ نہیں ہو سکے گا“

”تو چڑھ جاؤ پھانسی پر ــــ“

مہرتاج کے لبوں پر اک سوگوار سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ پھر وہ سوسن کو دیکھ کر بولی ”تو کیا سمجھتی ہے سوسن ــــ مہرتاج کی تو اک اک سانس پھانسی کے پھندے سے ہو کر آتی ہے“

”میری ہمدردانہ رائے اور گزارش یہی ہے۔ کہ یہ سب کچھ اس وقت تک چھپائے رکھو جس وقت تک نادر خان کا کچھ پتہ نہیں چلتا“

اس نے اک دلدوز سانس کھینچی اور بولی ”پتہ چل بھی گیا تو اس کے بھیانک انجام کو کون روک سکے گا ــــ“

”خدا سے دعا کیا کرو مہرتاج۔ یوں مایوسیوں کے اندھیروں میں بھٹکنے سے کچھ نہیں ملے گا“

”ہاں ــــ میں جانتی ہوں ــــ“

دونوں باتیں کرتی شیش محل کے اندر چلی گئیں۔ آج واقعی مہر تاج کو کچھ دیر ہو گئی تھی۔ افق پر لالیاں سیاہ پڑ رہی تھیں۔ اس وقت تک شاہی خواب گاہ کے فانوس روشن ہو جایا کرتے تھے ـــــ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ مزاج شاہاں سے آگہی تھی۔ ذرا سی بات بھی طبع گرامی پر گراں گزر سکتی تھی۔

اس نے جلدی جلدی روپہلی تھال میں بے دود شمعیں رکھیں۔ اور تھال احتیاط سے دونوں ہاتھوں پر اٹھائے شفاف چمکتی دمکتی راہداری سے ہوتی محرابی دروں کو عبور کرتے شاہ کی خوابگاہ کی طرف بڑھ گئی ـــــ وہ دل ہی دل میں ہول رہی تھی۔ خاص کر رانی جودھا بائی کے سامنے سے کترا رہی تھی۔ رانی جودھا بائی اندھیروں کا وجود برداشت نہیں کرتی تھی ـــــ اندھیرے اندھیر بن سکتے ہیں۔ مہارانی اکثر کہا کرتی تھی ـــــ اس کا حکم تھا کہ محل کے سارے فانوس اور شمعیں غروب آفتاب کے وقت روشن ہونے چاہئیں۔

مہارانی کے عتاب سے خوفزدہ مہر تاج اِدھر اُدھر وحشی ہرنی کی طرح دیکھتی جلد جلد قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی ـــــ اس نے ہلکے پیلے رنگ کی کامدانی کام کی گھیردار پیشواز پہن رکھی تھی سبز رنگ کا گوٹے کناری لگا دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا اور اس کے چہرے پر پیلے اور سبز رنگ نے مل کر عجب سی پژمردگی کا تاثر بکھیر رکھا تھا۔

چند طویل کمرے عبور کر کے وہ شہنشاہ کی خواب گاہ میں داخل ہو گئی۔ خوش قسمتی سے اس کا ٹکراؤ مہارانی سے نہیں ہوا۔ نہ ہی دوسری بیگمات دکھائی دیں۔ کنیزیں اور غلام ہی اپنی اپنی دھن میں کام میں لگے ہوئے تھے۔ شاہی خوابگاہیں سنوار رہے تھے۔ دروں کے آگے پردے کھینچے جا رہے تھے اور مسہریوں کے چمکتے دمکتے بستر ٹھیک سے لگائے جا رہے تھے ـــ

شہنشاہ کی خوابگاہ کے باہر ان کے خاص محافظ تلواریں لیے کھڑے تھے۔ اور ان کا خاص الخاص غلام ملک کافور بیرونی جھروکے کے قریب کھڑا تھا۔

مہر تاج نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور احتیاط سے فانوس روشن کرنے لگی تھوڑی ہی دیر میں خوابگاہ روشنیوں سے منور تھی۔

مدور ستونوں پر اٹھی گنبد نما چھتوں والے وسیع و عریض ہال نما کمرے میں مہارانی جودھا بائی مسند پر گاؤ تکیوں کے سہارے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ محرابی دروں پر مہین پردے لہرا رہے تھے۔ فرش ارغوانی قالینوں سے ڈھکا تھا اور منقش دیواروں کے روپہلے گل بوٹے چمک دمک رہے تھے۔ مسند کی مرمریں جالیوں کے پیچھے خوش لباس کنیزیں کھڑی تھیں۔ جن کے ہاتھوں میں مورچھل تھے۔ مسند کے سامنے شاہی بیگمات اور دوسری رانیوں کی نشستیں تھیں۔

رانی جودھا بائی نے گنگا جمنی ساڑھی زیب تن کر رکھی تھی۔ ہوائی دوپٹہ اوپر اوڑھا ہوا تھا۔ ہار سنگار کیے ہوئے تھی ـــــ زیورات سے لدی تھی ـــ ماتھے پر مہارانی کی شناخت کا لمبوترے ہیرے کا ٹیکا تھا۔ بالیوں میں پھولوں کے گچھے تھے ـــــ

مہارانی کے پاس ہی مسند پر شہزادہ سلیم کا بیٹا شہزادہ خرم شاہی لباس پہنے بیٹھا تھا۔ اس کی چھوٹی بہن شہزادی بہار النساء بیگم بھی وہیں تھی۔ نوعمر شہزادہ اور کم سن شہزادی رانی ماں کے پاس بیٹھے اپنے شاہ بابا کی باتیں سن رہے تھے ـــ کچھ بیگمات بھی بیٹھی تھیں۔ اور سلیم کی بیگم حسن آرا شاہ بانو اور رانی کملاوتی بھی وہیں تھیں۔ سب بہت خوش تھیں ـــ تھوڑی ہی دیر پہلے شہنشاہ یہاں تشریف لائے تھے اور انہوں نے مہارانی جودھا بائی کو مژدہ سنایا تھا۔

"مبارک ہو مہارانی۔ تمھارے بیٹے نے چتوڑ کا قلعہ سر کر لیا ہے۔ راجہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ نکلا ہے ۔۔۔ اور کہیں جنگلوں میں روپوش ہو گیا ہے۔ سلیم اب قلعہ پر قابض ہے اور وہاں مغلوں کا پرچم لہرا رہا ہے ۔۔۔ ہمارے شیخو نے بہت بڑا معرکہ مارا ہے۔"

مہارانی کے چہرے پر رنگ بکھر گئے تھے۔ آنکھیں چمک اٹھی تھیں اور بے اختیارانہ ہاتھ جوڑ کر اس نے شہنشاہ سے کہا تھا "مہاراج یہ سب آپ کی محبت اور تربیت کا کمال ہے۔"

"آج ہم بہت خوش ہیں ۔۔۔" شہنشاہ بولے تھے۔

"خوشی کی بات ہے عالی جاہ" کسی بیگم نے زرنگار دوپٹہ کندھوں پر ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

"اس خوشی میں جشن کا اہتمام ہونا چاہیے رانی ماں" سلیم کی مسلمان بیگم نے اپنی ہندو ساس سے کہا تھا۔

"شیخو کی آمد پر ہم بہت بڑے جشن کا اہتمام کریں گے شہزادی حسن بانو ۔۔۔" اکبر بولے تھے تھوڑی دیر مبارک سلامت کا مسرور سا شور رہا تھا پھر شہنشاہ اٹھ کر چلے گئے تھے بیگمات اور رانیاں باتوں میں مشغول ہو گئی تھیں۔ مہارانی جودھا بائی خوشی سے پھولی نہ سما رہی تھی اسے اپنے بیٹے کی کامیابی کی نوید ملی تھی۔ چتوڑ کا قلعہ معمولی قلعہ نہ تھا۔ اسے سر کرنا جان جوکھوں کا کام تھا ۔۔۔

"رانی ماں" نوعمر شہزادہ خرم نے مہارانی کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"جی راجے" مہارانی نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"ہمارے بابا کب واپس آئیں گے ۔۔۔"

"بہت جلد ۔۔۔ ایک مہینے تک"

"میرا دل ان سے اداس ہو گیا ہے"

"میرا بھی" ننھی شہزادی جھٹ سے بولی "رانی ماں بابا سے کہیں نا جلدی واپس آ جائیں"

"آ جائیں گے آ جائیں گے ۔۔۔" رانی ماں نے دونوں بچوں کو اپنے بازوؤں میں بھر کر پیار

کر لیا۔

"اداس ہونے کی کیا بات ہے۔ شاہ دادا تمھارے پاس ہیں ۔۔۔ میں ہوں ۔۔۔ اور سب ہیں" رانی ماں بائی کملاوتی نے پیار سے بچوں کو دیکھا پھر زیر لب مسکراتے ہوئے بولی "بچے اپنی اداسی کا اظہار کر دیتے ہیں ۔۔۔ لیکن بڑے ۔۔۔"

شاہ بانو کملاوتی پر نگاہ ڈالتے ہنسی "تو گویا رانی صاحبہ بھی اداس ہو گئی ہیں"

"اپنے دل پر ہاتھ رکھیے" کملاوتی نے خوبصورت نگاہ شاہ بانو پر ڈالتے ہوئے کہا۔

حسن بانو نے ننھا سا قہقہہ لگایا اور بولی "سچی بات۔ ہم سب ہی اداس ہو گئے ہیں۔ اب شہزادۂ عالم کو لوٹ ہی آنا چاہیے ۔۔۔"

"تین ماہ سے اوپر ہو چکے ہیں انہیں گئے" شہنشاہ اکبر کی چھوٹی بیگم شرف النساء بیگم بولی "آپ سب کا اداس ہونا فطری ہے"

"ابھی واپسی میں بھی مہینہ ڈیڑھ لگ جائے گا"

"وہ تو ہے ۔۔۔"

"وہاں کا انتظام و انصرام کرتے بھی وقت لگے گا"

"راجہ مان سنگھ اور نرسنگھ دیوان کے ساتھ ہیں۔ دونوں میں سے کسی ایک کو وہاں چھوڑ کر آنا پڑے گا"

"ہاں بغاوت دب بھی جائے تب بھی عرصے تک چنگاریاں سلگتی رہتی ہیں"

سب آپس میں باتیں کرنے لگیں۔ شہزادہ سلیم کی کامیابی پر سب فخر محسوس کر رہی تھیں ادھر ادھر کی باتوں کے بعد رانی جودھا بائی نے بچوں کو اپنے سے الگ کرتے ہوئے انہیں پشت پر کھڑی کنیز کے حوالے کرتے ہوئے کہا "انہیں باغ میں لے جاؤ۔ دوسرے شہزادوں کے ساتھ کھیلنے دو انہیں اور دیکھو شہزادہ شہریار اور پرویز کہاں ہیں" مہارانی نے اپنے دوسرے پوتوں کا نام لیا "سب کو باغ میں لے جاؤ ۔۔۔"

"بہت بہتر سرکار" کنیز کورنش بجالائی۔ پھر دونوں بچوں کا ہاتھ پکڑا اور پردے ہٹا کر انہیں باہر لے گئی ——

رانی جودھا بائی نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا "چتوڑ کا قلعہ فتح ہو گیا ہے —— لیکن ——"

"کیا رانی ماں" کئی آوازیں آئیں۔

"پتہ نہیں کیا بات ہے" وہ قدرے متفکرانہ انداز میں بولی "ایک قلعہ سر ہوتا ہے۔ تو کہیں دوسرے قلعے میں باغی سر اٹھانے لگتے ہیں۔ سرکشی اور بغاوت ان دنوں کچھ زیادہ سر اٹھا رہی ہے ——"

"ہاں۔ حالات کچھ ایسے ہی ہیں" بیگم شرف النساء بولی۔

"نادر خان جیسے آدمی نے علم بغاوت بلند کر دیا تھا۔ جس پر صرف شہنشاہ ہی کو نہیں سارے اراکین سلطنت کو مان تھا ——"

"مہاراج بعض اوقات بڑے پریشان ہو جاتے ہیں" جودھا بائی بولی "وہ اپنی سلطنت کو مضبوط بنانا چاہتے ہیں۔ ساری عمر انہوں نے اسی کوشش میں گزاری ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کے بعد ان کے بیٹے کو کسی قسم کی تکلیف ہو ——"

"سنا ہے اسی لیے شہنشاہ اب دکن کی طرف کوچ کرنے کا سوچ رہے ہیں" شاہ بانو نے کہا۔

"ہاں دکن میں بھی گڑبڑ ہے۔ اور شاہ چاہتے ہیں کہ وہ ان ریاستوں کو برسرپیکار ہونے سے باز رکھیں۔ یہ مملکت کے لیے اک مسلسل دردسری ہے" حسن بانو جو ملکی سیاست میں کچھ سوجھ بوجھ رکھتی تھی —— بولی۔

"ہاں ادھر کی خبریں کچھ اچھی نہیں آ رہیں ——" مان بائی کملاتی بولی۔

"لیکن مغل حکومت کا یہ کچھ نہیں بگاڑ سکتیں ——"

"وہ تو ہے —— لیکن امن سے بیٹھنا بھی تو نصیب نہیں ہوتا۔ شہنشاہ اب عمر کے جس حصے میں ہیں انہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

"وہ خود بھی تو سہل پسند نہیں ہیں" مہارانی بولی "حالانکہ اب شہزادہ سلیم بار عنان حکومت سنبھال سکتے ہیں۔ چتوڑ کا قلعہ سر کر کے انہوں نے اپنی اہلیت ثابت کر دی ہے۔ پر کیا کیا جائے —— مہاراج ابھی ان کے کندھوں پر راج کا بار نہیں ڈالنا چاہتے ——"

"شہزادۂ عالم سے انہیں جو پیار ہے محبت ہے۔ یہ اسی بات کے متقاضی ہیں۔"

"شہنشاہ کا بس چلتا تو وہ چتوڑ کی مہم پر بھی خود ہی روانہ ہو جاتے ——"

"بالکل —— وہ تو شہزادۂ عالم نے ایک طرح سے ضد ہی کی تھی جو انہیں اس مہم پر روانہ کیا گیا تھا ——"

"ہاں مہاراج کے دل میں جو شہزادے کے لیے پیار ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔"

"اب شہنشاہ بے صبری سے شہزادۂ عالم کی واپسی کا انتظار کریں گے۔"

"بالکل ایک ایک پل گن گن کر گزاریں گے۔"

"خوشیاں بھی دل کھول کر منائی جائیں گی۔"

"خزانوں کے منہ کھل جائیں گے۔"

"شہنشاہِ عالی ایسے موقع پر قیدیوں کو بھی ضرور رہا فرمائیں گے۔"

"رعایا کی خوشنودی کا خیال رکھنا وہ اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ رعایا کو بے انتہا خوشیاں بخشیں گے۔ بڑی بڑی مراعات سے نوازیں گے۔"

"اور شہزادۂ عالم کو بھی تو خوب نوازیں گے۔ الٰہ آباد کی جاگیر تو انہیں مرحمت فرمائی ہوئی ہے اب ضرور کوئی اور علاقہ بھی ان کے تسلط میں دے دیں گے۔"

بیگمات شہزادیاں اور رانیاں باتیں کر رہی تھیں۔ رانی جودھا بائی زیر لب مسکرائی اور پہلو بدل کر گاؤ تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے بولی "سب کچھ شیخو ہی کا تو ہے۔ یہ جاگیروں کی

بخشش تو ایسے ہی دل خوش کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ پورے ہندوستان کی حکمرانی ہمارے بیٹے ہی کی تو ہے ——"

"ہاں رانی ماں ٹھیک کہہ رہی ہیں" شاہ بانو بولی "شہزادہ عالم ہی کا تو ہے سب کچھ۔ اور کون ہے جس کے لیے اتنی وسیع و عریض سلطنت ہے —— اکلوتے شہزادے ہی کا ہے سب کچھ ——"

"اکلوتے اور بے انتہا لاڈلے" حسن آرا نے ہنس کر کہا۔

"بھئی لاڈلے تو ہیں ہی —— پتہ ہے نا کتنی منتوں مرادوں کے بعد پایا تھا انہیں" شاہ بانو نے کہا۔

کملاوتی شاہ بانو کی بات سن کر بولی "رانی ماں! سنا ہے۔ جب آپ کے اولا نہیں تھی۔ تو مہاراج بڑے اداس اور پریشان رہا کرتے تھے ——"

"بات تھی بھی پریشانی کی" ایک معمر بیگم بولی ——

"میری شادی کو دس سال بیت چکے تھے" جودھا بائی سینے پر پڑی بیش قیمت مالاؤں کو ٹھیک کرتے ہوئی بولی "اولاد نہیں ہوئی تھی —— شہنشاہ کو بچوں کی بڑی خواہش تھی۔ راج پاٹ جوں جوں پھیلتا جا رہا تھا ان کی تشویش بڑھتی جا رہی تھی۔ کسی بیگم سے بھی اولاد نہ ہوئی تھی۔ مجھ سے بھی نہیں"

"آپ بھی تو پریشان ہوتی ہوں گی رانی ماں" ایک شہزادی بولی۔

"کیوں نہیں —— میں تو بھگوان سے رو رو کر پراتھنا کیا کرتی تھی۔ سب ہی فکرمند تھے ——" مہارانی بولی۔

"دربار کے سارے امیر وزیر بھی اس کمی کو محسوس کرتے تھے۔ اتنی بڑی سلطنت کا کوئی ولی عہد ہی نہ تھا۔ وارث ہی نہیں تھا ——"

"واقعی فکرمندی کی بات تھی ——"

"مہاراج انتیس برس کے ہو چکے تھے" مہارانی بولی "اتنی عمر میں صاحب اولاد نہ ہونا بڑی پریشانی کی بات تھی —— وہ تو بھلا ہو خان خاناں کا —— جو وہ مہاراج کو شیخ سلیم چشتی کے پاس لے گئے ——"

"وہ بزرگ جو چند سال ہوئے فوت ہو گئے ہیں"

"ہاں"

"فتح پور سیکری میں ان کا مزار بن رہا ہے نا"

"ہاں مہاراج ان کا مزار بہت ہی بڑا اور خوبصورت بنوانا چاہتے ہیں۔ بڑا لگاؤ تھا مہاراج کو ان سے ——" مہارانی نے کہا۔

"بہت پہنچے ہوئے بزرگ تھے شیخ سلیم چشتی" معمر بیگم بولیں "شہنشاہ ان کے پاس جاتے رہے۔ دعا کراتے رہے۔ انہیں کی دعائیں خدا نے سن لی تھیں۔ انہوں نے ہی شہنشاہ کو شہزادے کی نوید دی تھی ——"

"اچھا ——" سب بولیں۔

"انہوں نے فرمایا تھا —— تین بیٹے ہوں گے"

"تین ہی ہوئے ——؟"

"ہاں" مہارانی نے اک گہری سانس چھوڑی "چھوٹے دونوں زندہ نہ رہ پائے۔ بھگوان نے شیخو کو زندگی دی ——"

"اللہ انہیں تا قیامت زندہ رکھے"

"آمین ——"

"رانی ماں —— جب شہزادہ عالی پیدا ہوئے ہوں گے تو سب بے انتہا خوش ہوئے ہوں گے" شاہ بانو نے کہا۔

"خوشیوں کا ٹھکانہ ہی نہیں تھا —— مہابلی نے تو خزانوں کے منہ کھول دیئے تھے۔ یہ

قیدی رہا کرنے کی رسم تب ہی تو شروع ہوئی تھی ـــــ رعایا کو مالا مال کر دیا تھا۔ مہینوں تو پورے ملک میں چراغاں ہوا تھا ـــــ کئی سڑکیں بنوائی گئی تھیں ـــــ دور دراز علاقوں میں کنوئیں کھدوائے گئے تھے۔ باؤلیاں بنوائی گئی تھیں ـــــ بہت کچھ ہوا تھا ـــــ"

شہزادیاں بیگمات اور رانیاں تجسّس اور شوق سے مہارانی کی باتیں سن رہی تھیں۔ یہ باتیں پہلے بھی وہ کئی بار ان سے سن چکی تھیں۔ بلکہ اکثر یوں ہوتا تھا کہ رانی ماں کے ساتھ جب کوئی محفل جمتی یہی باتیں ہوتیں ـــــ سبھی ان باتوں سے لطف لیا کرتی تھیں۔

"رانی ماں"

"ہوں"

"یہ بھی تو سنا ہے۔ کہ شاہ حضور نے منّت مانی تھی کہ ان کے بیٹا پیدا ہوا تو وہ اجمیر شریف خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پیدل جائیں گے ـــــ" حسن آرا نے پوچھا۔

"ہاں ـــــ شیخ سلیم چشتی سے انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ اگر بیٹا ہوا تو وہ ان کے بزرگ کے مزار پر حاضری دیں گے۔ صرف پیدل چل کر ہی نہیں ننگے پاؤں چل کر جائیں گے۔"

"پھر وہ گئے ہوں گے ـــــ"

"ہاں شیخو پانچ ماہ کا تھا۔ جب گئے تھے ـــــ"

"پیدل!"

"ننگے پاؤں؟"

"ہاں ـــــ گئے تھے ـــــ وعدہ جو کیا تھا۔ پھر خدا نے اتنی بڑی نعمت سے نوازا تھا کیسے نہ جاتے،" معمر بیگم بولیں ـــــ "ان کے شوق کی انتہا تھی ـــــ دربارِ چشتی پر حاضری دی ـــــ بہت سے امیر وزیر بھی ساتھ گئے تھے۔ ہاں شہنشاہ نے راستہ ننگے پاؤں طے کیا تھا۔"

"کتنی بڑی بات ہے ہندوستان کا شہنشاہ اور ننگے پاؤں چل کر جا رہا ہے۔"

"دل کی لگن تھی نا ـــــ خدا نے دامن مراد بھر دیا تھا۔ اس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جاتا کم تھا ـــــ"

"اسی بات سے اس محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو شہنشاہ کے دل میں شہزادہ عالی کے لیے ہے۔"

"بالکل ـــــ" مہارانی بولی۔

پھر وہ سب کی فرمائش اور اصرار پر انہیں شیخو کے بچپن کی باتیں سنانے لگیں سب ہنستے مسکراتے سن رہی تھیں۔

کچھ ہی دیر بعد کنیزیں چمکیلے خوان پوشوں سے ڈھکے خوان اٹھائے اجازت لے کر اندر آ گئیں ـــــ کھانے پینے کی چیزیں تھیں ـــــ سب نے خوان پہلے مہارانی کو پیش کیے پھر ان کی اجازت سے سامنے گاؤ تکیوں اور مسندوں پر بیٹھی بیگمات اور رانیوں کو پیش کرنے لگیں۔

شہنشاہ اکبر مسندِ شاہی پر براجمان تھے۔ گٹھے اور مضبوط بدن پر لباس شاہی بڑا پُروقار لگ رہا تھا۔ زربفت کے گھیر دار لیکن تنگ سینہ بند کے کُرتے پر سنہری ڈوریوں کے ٹکمے تھے۔ ان پر بیش قیمت مالائیں تھیں۔ سر پر بلدار پگڑی تھی۔ جس پر سامنے ہی شاہ کی نشاندار بڑی سی کلغی تھی۔ جو سونے کی تھی اور ہیروں جڑی تھی۔ شہنشاہ کے چہرے پر بے پناہ جلال تھا۔

ان کے سامنے نیچے دالان میں ان کے نورتن اپنی اپنی زریں نشستوں پر درباری لباس پہنے بیٹھے تھے ـــــ سرے پر خان خاناں کی اونچی پشت والی نشست تھی۔ اس کے ساتھ راجہ ٹوڈرمل بیٹھا تھا ـــــ ان وزراء کے بیٹھنے کی ترتیب مخصوص تھی۔ اور سب اپنی اپنی جگہوں پر اسی ترتیب سے بیٹھے تھے۔ راجہ ٹوڈرمل کے قریب حکیم ابوالفتح تھا۔ ساتھ حسین ٹکریہ ابوالفضل، بیربل، عزیز کوکلتاش فیضی اور حکیم ہمام سب اپنی جگہوں پر بیٹھے تھے۔ شہنشاہ نے ان سب کو چتوڑ کی فتح کے سلسلے میں بلایا تھا ـــــ شہزادہ سلیم کی اس عظیم الشان کارکردگی کا جائزہ لینا تھا۔ چتوڑ کے انتظام وانصرام کی بات کرنا تھی۔ اور اس فتح کی خوشی کو شایانِ شان طریق سے منانے کے لیے ان رفقا کا مشورہ لینا تھا۔ شہنشاہ گفت وگو کا آغاز کر چکے تھے۔ سب نورتن بے انتہا خوش تھے۔ ہاں خان خاناں کے چہرے پر بڑی سنجیدہ سی چھاپ تھی۔

شہنشاہ نے سلیم کی شاندار کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا "ہمارے بیٹے نے چتوڑ کے

آہنی قلعے کو سرنگوں کر دیا ہے۔ راجہ جنگلوں میں بھاگ گیا ہے۔ یہاں مغلوں کا پورا تسلط اور قبضہ ہے۔ باجگزار والی بات بھی نہیں رہی۔ لیکن ہم شیخو کا وہاں زیادہ دیر رکنا پسند نہیں فرماتے۔ اسی لیے ہم نے قاصد بھجوا دیئے ہیں۔ وہاں راجہ نرسنگھ دیو کو چھوڑ کر وہ واپس آئیں ـــــ"

"راجہ نرسنگھ دیو ـــــ" خان خاناں نے زیرِ لب کہا۔ شہنشاہ نے اس کی آواز سن لی۔ وہ ہولے سے مسکرائے، خانِ خاناں کو دیکھا اور پھر گویا ہوئے۔ خان خاناں۔ کیا آپ ہمارے فیصلے سے مطمئن نہیں ـــــ"

"غلام کی کیا مجال ظلِ سبحانی ـــــ" وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر سر جھکاتے ہوئے بولا۔

شہنشاہ نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر بولے "یہ ذہن انسانی ہوتا ہی ایسا ہے۔ ایک بار خدشہ بیٹھ جائے تو نکل نہیں پاتا"

"کیسا خدشہ عالم پناہ"، عزیز کوکلتاش، جو شہنشاہ کو اپنے مفید مشوروں سے ہمیشہ الجھاؤ سے نکالا کرتا تھا، بصد عجز بولا ـــــ

"خان خاناں کسی مشکل میں پڑے ہیں" شاہ چونکہ آج بہت خوش تھے اس لیے مسکرائے۔

"خانہ زاد معلوم کرنے کی جسارت کر سکتا ہے؟" کوکلتاش نے خانِ خاناں کی طرف دیکھا۔

"یہ کوئی ایسا بڑا مسئلہ نہیں ہے عزیزِ من"، عبدالرحیم نے گردن قدرے گھما کر کوکلتاش کو دیکھا۔

"شہنشاہِ عالی آپ سے کسی خدشے کے بارے میں کہہ چکے ہیں"، فیضی نے اس پر نگاہ ڈالی۔

"بیربل ہر خدشے سے نمٹنے کی کوئی نہ کوئی ترکیب نکال سکتا ہے مہابلی" راجہ بیربل نے اپنے کشک کھینچے ماتھے تک انکساری سے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

باقی درباری بھی اپنی اپنی رائے پیش کرنے لگے۔ عبدالرحیم کو الجھن سی ہونے لگی۔ اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ اسے شہنشاہ کے اس فیصلے سے کہ چتوڑ میں راجہ نرسنگھ دیو مہارانی جودھا بائی کا بھائی ضرور تھا۔ لیکن خانِ خاناں نے اس کی آنکھوں میں ہندو مسلم ملاپ کے متعلق کبھی خوشگوار تاثر نہیں دیکھا تھا اس کی ہندو بہن مسلمان بادشاہ کی بیوی تھی۔ گو

کہ یہ مسلمان بادشاہ تقریباً پورے ہندوستان پر راج کر رہا تھا۔ اور رانی کے بطن سے اس سلطنت کے ولی عہد نے بھی جنم لیا تھا۔ پھر بھی اس کے دل میں مسلمانوں کے لیے جو سرد سی نفرت تھی اور شہنشاہ اکبر کے اس فعل کے لیے ناپسندیدگی تھی، خانِ خاناں اچھی طرح محسوس کرتا تھا۔

اسی لیے

وہ نہیں چاہتا تھا کہ راجہ نرسنگھ دیو یا شہزادہ سلیم کی ہندو رانی جو شہزادہ خسرو کی ماں تھی اس کا بھائی راجہ مان سنگھ دونوں کلیدی عہدوں پر فائز ہوں۔ نہ ہی ان دونوں کی قربتیں وہ شہزادے کے لیے اچھی سمجھتا تھا۔

لیکن

چتوڑ کی سرکوبی کے لیے وہ دونوں شہزادے کے ہمراہ گئے تھے۔ اور اب چتوڑ کی فتحیابی کا سہرا جہاں شہزادے کے سر تھا وہاں یہ بھی اس کامیابی کے حقدار قرار پائے تھے اور شہنشاہ اب ان پر مراعات اور نوازشات کی بارش کرنے والے تھے۔ چتوڑ پر مغل پرچم لہرا لیا گیا تھا۔ راجہ نرسنگھ دیو کو وہاں کا حاکم مقرر کرنا خانِ خاناں کے خیال میں ٹھیک نہیں تھا۔

چونکہ

وہ شاہ سے اپنے خدشے کا اظہار پہلے کر چکا تھا۔ اسی لیے شاہ نے آج گفت وگو کے تار اس دن کی بات چیت سے ملائے تھے۔

اب

ہر کوئی اس خدشے کے متعلق جاننے کی کوشش کر رہا تھا اور اپنی ذہنی صلاحیتوں کا عاجزانہ اور انکسارانہ اظہار کرتے ہوئے اس خدشے کا حل پیش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

بات شاید اور بڑھتی۔

لیکن

ملک عنبر کی باریابی کی اجازت نے سب کو خاموش کر دیا۔

حبشی نژاد یہ غلام اس ہال کے باہر راہداری میں پہرے داروں کا سالار تھا اور دروازۂ خاص پر متعین تھا — وہ اونچے لانبے قد کا مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ اس نے فولادی پیرہن پہن رکھا تھا۔ اس کے کندھے پر نوکدار سنگین تھی جسے شاہ کے حضور آتے ہی اس نے سرنگوں کر دیا تھا۔ اس کی مضبوط کمر کے پٹکے میں تلوار آبدار لٹک رہی تھی۔

اس نے فرشی سلام کرتے ہوئے کئی بار اپنا ہاتھ ماتھے سے لگایا۔

"کہو ملک عنبر — کیا بات ہے۔" شہنشاہ نے ہاتھ ذرا سا اونچا کر کے اس کا سلام قبول کیا۔

"ظل الٰہی! — عظمت آغا شرف باریابی چاہتے ہیں،" وہ جھک گیا۔

"عظمت آغا! — ؟" شاہ نے کہا۔ نورتنوں کے منہ سے بھی یہ نام بے آواز سی سرسراہٹ سے نکلا۔

"جی جہاں پناہ —"

"کہاں سے آ رہے ہیں —"

"وہ خود حاضر خدمت ہو کر عرض کرنا چاہتے ہیں —"

"باریابی کی اجازت ہے۔" شہنشاہ نے اجازت مرحمت فرمائی۔

ملک عنبر نے اپنا گرانڈیل پیکر جھکایا۔ فرشی سلام کیا اور الٹے پاؤں اطلسی پردہ ہٹا کر باہر نکل گیا۔

"عظمت آغا یقیناً کوئی اہم خبر لائے ہیں۔" شہنشاہ نے کہا ان کے ماتھے پر شکنیں واضح ہو گئیں اور آنکھوں میں سوچ کے گہرے سائے رینگ گئے۔

"جی عالم مقام — " خانِ خاناں نے کہا "عظمت آغا یقیناً دکنی ریاستوں کی کوئی خبر لے کر آئے ہیں —"

"ہاں یقیناً" راجہ ٹوڈرمل نے کہا "وہ پچھلے مہینے دکن روانہ ہوئے تھے۔"

"وہ کوئی مستند خبر ہی لائے ہیں" حکیم ابوالفتح نے ہولے سے کہا۔

"عظمت آغا کی کسی خبر کو غیر مستند نہیں کہا جا سکتا"، حسین خان ٹکریہ نے بھی مبہم سی آواز میں کہا۔

شہنشاہ زریں اور زرنگار مسند سے اٹھ کھڑے ہوئے ــــ ان کے چہرے کا جلال اندرونی جذبات کی عکاسی کر رہا تھا۔

اطلسی پردہ پھر ہٹا ــــ ملک عنبر نے عظمت آغا کی رہنمائی کی ــــ دونوں ارغوانی دبیز قالینوں پر چلتے اونچائی پر رکھی زریں مسند کے سامنے آ گئے۔ ملک عنبر الٹے قدموں واپس لوٹ گیا ــــ عظمت آغا کورنش بجا لایا ــــ شاہ نے سلام قبول کیا تو اس نے نورتنوں کو بھی فرشی سلام کیا۔

وہ چند لمحے سر جھکائے سینے پر ہاتھ باندھے شہنشاہ کے سامنے کھڑا رہا۔ شہنشاہ چند زینوں کی اونچائی پر مسند شاہی کے قریب کھڑے تھے۔ وہ منتظر رہا کہ شہنشاہ اکبر اس سے حاضر ہونے کے بارے میں استفسار کریں۔

شہنشاہ نے اس کے سراپا پر گہری نگاہ ڈالی۔ دوسرے نورتن خاص کر خان خاناں اس کی جانب بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ عظمت آغا کوئی اہم اور تشویشناک خبر ہی لے کر آیا ہے۔

شہنشاہ نے عظمت آغا کو لب کشائی کی اجازت دی تو وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر جھک گیا پھر بولا ــــ

"غلام جو کچھ عرض خدمت کرے گا۔ وہ بالکل صحیح ہو گا شاہ والا۔"

"عرض کرو ــــ"

"غلام دکن سے آ رہا تھا ــــ"

"یقینی بات ہے کہ دکنی ریاستوں کی چپقلش کی خبر لا رہے ہو گے۔ ہم آگاہ ہیں اور بہت جلد دکن کی طرف اپنے لشکر بے پناہ کے ساتھ کوچ کرنے والے ہیں۔ یہ چھوٹی موٹی ریاستیں ہماری یلغار کے سامنے ٹھہر نہ سکیں گے ــــ"

"غلام دکنی ریاستوں کے متعلق نہیں کہہ رہا عالم پناہ۔"

"تو پھر ــــ" شاہ نے مسند کے بازو پر اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے پوچھا، "کہو کہاں کی خبر لائے ہو۔ تمہارے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ خبر یقیناً خوش خبری نہیں لیکن کہو ما بدولت سننے کو تیار ہیں ــــ"

عظمت آغا نے پھر سینے پر ہاتھ باندھ کر سر جھکایا۔ پھر ہلکی لیکن صاف آواز میں بولا۔

"ظل سبحانی غلام بغاوت کی منحوس خبر لے کر آیا ہے۔"

"بغاوت!" شاہ گرجے اور نورتنوں کے چہروں پر بھی تناؤ سا آ گیا۔

"کس بدبخت نے اب یہ جرأت کی ہے" خان خاناں اپنی نشست سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ریاست ساموگڑھ کے حکمران نے علم بغاوت بلند کیا ہے۔ اس نے اپنی ریاست کے اردگرد کے علاقوں میں لوٹ مار شروع کر دی ہے۔ ہمارے لوگوں کو پریشان کر رہا ہے گاؤں کے گاؤں خالی ہو رہے ہیں۔ کھیت جلائے جا رہے ہیں اور ــــ"

"بس بس ــــ" شہنشاہ کی گرج گونجی ــــ

عظمت آغا نے سر جھکا دیا۔

شہنشاہ اکبر نے بے اختیاری کے عالم میں مسند کے آگے دو ایک بار ادھر سے ادھر اضطرابی انداز میں ٹہلنا شروع کیا۔ نورتن دم بخود ہو گئے

"ساموگڑھ کے حاکم کی یہ مجال" شہنشاہ رک کر پر جلال آواز میں بولے۔ پھر چند لمحوں کے بعد کہا "عظمت آغا ــــ کیا یہ خبر زبانی لائے ہو۔ یا کچھ ثبوت بھی ہے؟"

"عالی جاہ" اس نے اپنی کرتی کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا ــــ اور چند کاغذات جو چھوٹی سی لکڑی پر گول کیے ہوئے تھے نکالے ــــ پھر انہیں شاہ کے قدموں میں رکھنے کے لیے زینے پر قدم رکھا۔

"خان خاناں" شاہ نے کہا۔

"جی عالم پناہ"

"ملاحظہ کیا جائے"

"جو حکم عالی"

خان خاناں آگے بڑھا اور اس نے دستاویز عظمت آغا سے لے کر کھولی۔ یہ حاکم ساموگڑھ کے مہر لگے احکامات تھے جو اس نے مغل تسلط سے گلو خاصی کے بعد جاری کیے تھے۔

خان خاناں کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ بصد تعظیم و احترام کاغذات لیے سیڑھیاں چڑھا اور شاہ کو یہ ثبوت پیش کرتے ہوئے واضح کر دیا کہ بغاوت سر اٹھا چکی ہے۔

"بغاوت۔ بغاوت —— بغاوت" شہنشاہ کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں ان کا چہرہ سُرخ ہو گیا تھا اور وہ غیظ و غضب کا مرقع نظر آ رہے تھے۔

ایوان پر خاموشی طاری ہو گئی۔ یوں لگتا تھا دم سینوں کے اندر گھٹ گئے ہیں۔ جو جہاں تھا بت بن گیا ——

شہنشاہ نے وقفوں وقفوں سے پھر بغاوت کا لفظ اس طرح چبا چبا کر دہرایا جیسے وہ باغیوں کو پیس کر رکھ رہے ہوں —— سب لوگ دم بخود تھے۔

شہنشاہ بے انتہا غصے میں تھے —— انہیں حاکم ساموگڑھ کی اس دیدہ دلیری پر اس قدر غصہ آ رہا تھا۔ کہ سامنے ہوتا تو شہنشاہ اسے چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیتے۔

چیونٹی کی طرح مسلنے کی اب بھی ان میں طاقت و قوت تھی۔

اسی لیے

وہ پُر جلال آواز میں گرجے "بغاوت۔ اس دفعہ سرکشی اور بغاوت نے ساموگڑھ میں پناہ لی ہے —— ہم اس قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ ہم حاکم ساموگڑھ کی لاش کو قلعے کی دیوار پر الٹا لٹکا دیں گے۔ اس کی حالت ایسی ہو گی —— کہ دوسروں کے لیے سالوں نہیں صدیوں عبرت نگاہ ہو گی ——"

سب سینوں پر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ شاہ نے چند لمحے پُر جوش پُر ہیبت اور پُر زور تقریر کی ——

پھر خان خاناں سے پوچھا "کیا ہمارا فرمان ملک کے گوشے گوشے میں پہنچ چکا ہے کہ ہر باغی کی سزا موت ہو گی اور اس میں ذرہ بھر معافی یا بخشش کی گنجائش نہیں ہو گی"

"ظل سبحانی۔ فرمان عالی مشتہر کیا جا چکا ہے"

"پھر بھی ساموگڑھ کے حاکم کی یہ مجال ——"

"اس نے اپنی موت کو للکارا ہے عالم پناہ" عظمت آغا نے کہا —— "ہماری افواج جو مغربی بنگالہ میں ہیں، مہابت خان کی قیادت میں ساموگڑھ کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ اس کے ساتھ کثیر فوج ہے اور اس کی جانثاری اور وفاداری قابل ستائش ہے۔ وہ بہت علم بغاوت فرو کر لے گا ——"

"ہم انتظار نہیں کریں گے ——" شہنشاہ گرجے "ہم خود اس باغی کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے لشکر کشی کریں گے"

"ظل سبحانی ——" عزیز کوکلتاش نے کچھ کہنا چاہا۔

لیکن

شہنشاہ اس سلسلے میں کچھ سننے کو آمادہ و تیار نہ تھے۔ انہوں نے حکم صادر فرمایا۔

"خان خاناں لشکر کو تیاری اور کوچ کے احکامات جاری کیے جائیں —— ہم اس لشکر کی قیادت خود فرمائیں گے۔ ہم دشمنوں کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ اس عمر میں بھی ہم میں اتنی ہمت و طاقت ہے کہ باغیوں کے سر کچل سکیں —— اور اپنی سلطنت سے ان کے ناپاک وجود ختم کر سکیں —— آپ تیاریاں شروع کر دیں۔ ابوالفضل ہمارے ساتھ جائیں گے"

سب نے سر خم کر دیئے۔

کچھ ہی دیر بعد شہنشاہ نے محفل برخواست کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ وہ خود محلسرا میں جانے

کے لیے پلٹے۔ دروازے پر کھڑے غلام نے شاہ کی واپسی کی اطلاع نقیب کو دی شہنشاہ باہر آئے تو باہر کھڑے نقیب نے شاہ کے خطابات اور القابات پرشکوہ اور پرہیبت انداز میں پکارنا شروع کیے۔ شہنشاہ سایہ فگن پہرے داروں کی سنگینوں اور تلواروں تلے آگے بڑھنے لگے۔

نوبت بجتی رہی اور نقیب کی آواز گونجتی رہی۔

"حدنگاہ ــــ پیش نظر ــــ خدادب ــــ نگاہ روبرو ــــ سرنگوں ــــ ظل سبحانی آفتاب مملکت۔ عالم پناہ شہنشاہ جلال الدین اکبر تشریف لاتے ہیں ــــ"

راجہ نرسنگھ دیو بڑا کایاں آدمی تھا۔ جب سے وہ مغل حکومت سے منسلک ہوا تھا اس کی کوشش رہی تھی کہ کسی طرح وہ وزارت عظمیٰ تک پہنچ جائے۔ اس سلسلے میں وہ ہر ممکنہ کوشش کر چکا تھا۔ لیکن شہنشاہ اکبر کے وزیر اعظم ہونے کا اعزاز نہ پا سکا تھا۔ اسے بڑی مراعات حاصل تھیں۔ رانی جودھا بائی کا بھائی ہونے کے ناطے وہ شہنشاہ کے قریب بھی تھا۔ لیکن شہنشاہ کے نورتن حکومت کی بساط پر مہروں کی طرح جمے ہوئے تھے۔ انہیں اپنی جگہ سے ہٹانا کسی طور ممکن نہیں تھا۔

نرسنگھ دیو نے رانی جودھا بائی سے بھی کئی بار اشاروں کنایوں میں بات کی تھی لیکن مہارانی اپنے پتی دیو کی پجارن اور سچی ہندوستانی عورت تھی۔ وہ شہنشاہ کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ سلطنت کا انتظام و انصرام جن ہاتھوں میں تھا وہ جانتی تھی کہ شہنشاہ کو ان پر مکمل اعتماد اور بھروسہ ہے۔ وہ بھی شاہ کے بہی خواہ اور جاں نثار ہیں۔ اس لیے ان میں سے کسی ایک کو منصب سے الگ کر کے نرسنگھ دیو کے لیے عہدہ خالی کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے جب بھی نرسنگھ دیو اس سلسلے میں مہارانی سے کچھ کہتا وہ پیار سے ٹال دیتی۔

وہ کہتی "راجہ بھیا۔ تمھیں کس چیز کی کمی ہے۔ تم اپنی ریاست کے اب بھی راجہ ہو

شہنشاہ سے تمہاری اتنی قریبی رشتہ داری ہے اور اس رشتہ داری کی وجہ سے تمہیں پوری مغل حکومت کی پشت پناہی حاصل ہے۔ تمہیں کسی اور بات کی خواہش تو کرنا ہی نہیں چاہیے۔"

وہ ہنس کر بات بناتا "رانی ریاست کی حکمرانی پورے ہندوستان کی حکمرانی والا نشہ کہاں رکھتی ہے۔"

"تم ہندوستان کی حکمرانی کے خواب دیکھتے ہو؟"

"حکمرانی کے نہیں۔ مہامنتری بننے کے خواب ضرور دیکھتا ہوں۔ تم سفارش کر دو تو کام بن سکتا ہے ——"

"ایسی بات جو ممکن ہی نہ ہو زبان سے نکالنی ہی نہیں چاہیئے۔"

"ممکن کیوں نہیں —— شہنشاہ کی ساری بیگمات میں سے تم بلند درجہ رکھتی ہو۔ تم ولی عہد کی ماں ہو —— تم جو چاہو کر سکتی ہو۔"

"نہیں نرسنگھ دیو —— تم نہیں جانتے —— میرا تعلق راج کے کاموں سے بالکل نہیں۔"

"ہونا چاہیے ——"

نرسنگھ دیو مہارانی کو بھی اکسانے کی کوشش کرتا۔ لیکن وہ اپنی حیثیت سے مطمئن تھی۔ وہ شہنشاہ کی چہیتی بیوی تھی۔ محل میں اسے ایک خاص مقام حاصل تھا۔ شہزادہ سلیم کی ماں ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت بھی بہت تھی۔ وہ اسی لیے خوش تھی مطمئن تھی۔ نرسنگھ دیو کی ہر کوشش بیکار تھی۔

مہارانی کے ہاتھوں کام بنتے نہ دیکھا تو نرسنگھ دیو شہزادہ سلیم کو ہاتھوں پر ڈالنے کی کوشش میں لگ گیا۔ وہ اکثر شہزادے کو بہکاتا۔ باتوں باتوں میں احساس دلاتا کہ اب عنان حکومت اس کے ہاتھ میں آنی چاہیئے —— شہنشاہ اکبر بوڑھا ہو چکا ہے۔ راج پاٹ اب شہزادے کو ملنا چاہیئے۔

شہزادہ کبھی کبھی تو بات ہنس کر ٹال دیتا۔ جواب دیتا "راجہ ماما یہ سب کچھ ہمارا ہی تو

ہے۔ شاہ بابا ہمارے ہی لیے تو اس عمر میں کام کر رہے ہیں —— وہ اک وسیع سلطنت ہمارے لیے چھوڑنا چاہتے ہیں —— اسی لیے دن رات اسی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ سارا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ ہم ہر ذمہ داری سے آزاد ہیں ——"

لیکن

کبھی کبھی شہزادہ عالم سنجیدگی سے سوچنے لگتے —— "شاہ بابا کو اب آرام کرنا چاہیئے۔ ہم اس قابل ہو چکے ہیں کہ بار سلطنت اپنے کندھوں پر اٹھا سکیں۔ کیا واقعی شہنشاہ اقتدار کے حریص ہیں۔ ہمیں الہ آباد کی جاگیر دے کر بہلا رہے ہیں۔ خود پورے ہندوستان کے حکمران ہیں اور ہم چھوٹی سی جاگیر کے مالک —— کیا وجہ ہے۔ کہ وہ ہمیں تخت و تاج نہیں سونپ رہے ہے۔"

یہ باتیں نرسنگھ دیو کے ساتھ کھل کر بھی ہوتیں رانی مان بائی گملاوتی کا بھائی راجہ مان سنگھ بھی نرسنگھ دیو کا حامی تھا —— ان دونوں نے سالار بلند بخت کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا تینوں شہزادہ عالم کو اکثر اکساتے رہتے بھڑکاتے رہتے اور باپ کے خلاف کان بھرتے رہتے۔

"شہزادے۔ راج پاٹ اب آپ کا حق ہے ——"

"آپ کی عمر تیس سال سے زیادہ ہو چکی ہے ——"

"آپ چھ بچوں کے باپ بن چکے ہیں۔ لیکن ابھی تک شہزادے ہیں۔ اب تو آپ کو شہنشاہ بننا چاہیئے ——"

"شہنشاہ کو اب راج پاٹ سے الگ ہو جانا چاہیئے۔ خود تو تیرہ چودہ سال کی عمر سے تخت نشین ہیں۔ آپ کو اتنی عمر میں بھی اقتدار سنبھالنے نہیں دیتے۔"

"وہ اب بوڑھے ہو چکے ہیں۔ اسی لیے باجگزار ریاستیں پھر سے اپنی آزادی کے لیے سر اٹھانے لگی ہیں۔ کبھی کہیں بغاوت سر اٹھا رہی ہے کبھی کہیں۔ ایسا نہ ہو۔ شہنشاہ کے بڑھاپے سے فائدہ اٹھا کر کوئی اور ہی تخت و تاج پر قبضہ کر لے اور آپ صرف خواب ہی دیکھتے رہ جائیں۔"

"تخت و تاج آپ کا ہے —— یہ اب آپ کو ملنا چاہیے —— ہم سب آپ کے خیر خواہ

ہیں آپ کی بھلائی ہی کے لیے ایسا سوچتے ہیں ـــــ"
"آپ جوان ہیں اور بوڑھے شہنشاہ کے مقابلے میں راج پاٹ کو بہتر طور سے سنبھال سکتے ہیں۔"

بوند بوند پانی پڑتا رہے تو کچھ نہیں ہوتا۔

لیکن

جب بوند بوند پانی تسلسل و تواتر سے ٹپکتا رہے تو پتھر میں بھی گڑھا سا بن جاتا ہے۔

شہزادہ سلیم کے ذہن میں بھی ہلچل سی مچی رہتی۔ بدظنی سر ابھارنے لگتی اور شہنشاہ بننے کا تصور جانفزا لگنے لگتا۔

باپ کی طرف سے شہزادے کا ذہن مسموم ہوتا جا رہا تھا لیکن وہ کچھ کر نہیں پاتا تھا۔ شاہ بابا سے کچھ کہنے کی جرأت نہیں تھی۔ ہاں رانی ماں سے کبھی کبھی دھیمے لہجے میں بات ہو جاتی۔ رانی ماں بڑے پیار و دلار سے کہتی "سب کچھ تیرا ہی تو ہے بیٹے ـــــ تو نہیں جانتا تیرے باپ کو تجھ سے کتنا پیار ہے۔ وہ تیرے لیے سلطنت کو وسعت دے رہے ہیں۔ پھیلا رہے ہیں۔ تیری خاطر انہوں نے دن کا چین اور راتوں کا سکون حرام کر رکھا ہے۔ اس عمر میں بھی تیری خاطر سارا بار اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔"

"میں یہ بار خود اٹھا لوں تو کیا بری بات ہے رانی ماں۔"

"یہ تو ان کا پیار ہے بیٹے۔ تمھیں تکلیف نہیں دینا چاہتے۔"

"میں کوئی بچہ تو نہیں ـــــ"

"ہمارے لیے تو بچہ ہی ہے۔"

ایک دن ایسی ہی باتیں ہو رہی تھیں۔ شہزادے نے اپنے حق کے لیے کچھ تند لہجے میں بات کی تو رانی ماں حیران ہو گئیں۔ پوری آنکھیں پھیلا کر بیٹے کو دیکھا اور پریشان ہو کر بولیں۔ "تمھاری باتوں سے بغاوت کی بو آتی ہے۔ تمھاری سوچیں کس رخ مڑ رہی ہیں۔ ایسے خیالات کا کہیں مہاراج کے سامنے ذکر نہ کر دینا۔ انہیں صدمہ ہو گا ـــــ وہ تمھیں بہت چاہتے ہیں۔

بڑا پیار کرتے ہیں۔ اس چاہت اور پیار کو دھچکا لگا تو ـــــ تو وہ سہہ نہ پائیں ـــــ"

شہزادہ کچھ نادم سا ہو گیا۔ ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر پیار کرتے ہوئے بولا "آپ پریشان ہو گئیں رانی ماں ـــــ"

"تم نے باتیں ہی ایسی کی ہیں ـــــ"

"معاف کر دیں ـــــ"

"آئندہ ایسی کوئی بات نہ کرنا ـــــ مجھے دکھ ہوا ہے ـــــ"

پھر

شہزادہ سلیم نے ماں سے ایسی کوئی بات تو نہیں کی، لیکن ذہن سے یہ بات نکالی بھی نہیں۔ ماں سے کہیں زیادہ بے تکلفی سے وہ اپنے راجہ ماما سے بات چیت کیا کرتا تھا اور راجہ نرسنگھ دیو کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا ـــــ جو شہزادے کو بے راہ نہ کرے۔

چنانچہ

جب

چتوڑ کی سرکوبی کے لیے شہنشاہ نے خان خاناں کے مشورے سے اپنے بہادر جرنیل ترک خان کو بھیجنا چاہا تو راجہ نرسنگھ دیو نے شہزادے کے کان بھرے، شہزادہ خود اس مہم میں حصہ لینا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش کو دیکھتے ہوئے نرسنگھ دیو نے اسے اور بھڑکایا "چتوڑ کا معرکہ کوئی معمولی معرکہ نہیں ہو گا۔ اور مجھے تمھاری صلاحیتوں پر پورا اعتماد ہے کہ تم یہ معرکہ سر کر لو گے۔ تمھارے شاہ بابا اسی لیے تو قیادت تمھیں نہیں سونپتے۔ وہ تمھاری صلاحیتوں کو دبا رہے ہیں ـــــ تم ضرور اس مہم کو سر کر لو۔ اپنے شاہ بابا کو دکھا دو۔ کہ تم کتنے قابل اور اہل ہو۔ وہ تمھاری صفات کو زنگ آلود کر رہے ہیں۔ یہ ناانصافی ہے۔ تم اپنا حق مانگو اور کچھ کر کے دکھا دو ـــــ"

اسی لیے

شہزادے نے اس مہم کی کمان اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے اصرار کیا۔ تو شہنشاہ کو لاڈلے

بیٹے کی بات ماننے ہی بنی۔

راجہ نرسنگھ دیو بلند بخت اور راجہ مان سنگھ نے چتوڑ کو فتح کرنے کے لیے جانیں لڑا دیں شہزادے کو سرخرو کر کے وہ اپنا مقصد پانے میں کامیاب ہو سکتے تھے۔

اسی لیے جب چتوڑ فتح ہوا۔

راجہ بھاگ گیا۔

راج محل پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔ تو مان سنگھ کے مشورے سے نرسنگھ دیو نے بہت بڑے جشن کا اہتمام کروایا ——— محلوں میں کومل اور نازک اندام سیمیں بدن راجکماریاں اور عشوہ طراز لونڈیاں باندیاں نکال کر جشن ہال میں لائی گئیں۔ راج نرتکی سینا جو حسن کی مورتی اور ناز و ادا کی ساحرہ تھی شہزادے کے حضور پیش کی گئی۔ اس نے قیامت خیز رقص پیش کیا شہزادہ اک اک ادا پر فریفتہ ہوا۔

اس موقع پر بیش قیمت شراب کے خم کے خم اڑائے گئے۔ شہزادے اور اس کے ساتھیوں کے علاوہ لشکر کے سپاہیوں کو بھی مئے ناب فراوانی سے پیش کی گئی۔

شہزادہ سلیم راجے کی گدی پر بیٹھا تھا۔ شعلہ جوالا حسینائیں سنگھاسن کے ارد گرد مچلتی لپکتی بجلیاں بنی ہوئی تھیں۔ سہمی سہمی راجکماریاں قطار در قطار سامنے بیٹھی تھیں —— کچھ کے چہرے شکست خوردگی کے احساس سے بجھے بجھے تھے۔ لیکن حسن کے یہ انداز بھی قاتلانہ تھے۔ کچھ خوش نظر آ رہی تھیں۔ مغل شہزادہ ان کی نگاہوں کا مرکز تھا۔ اور اس کے حرم میں شمولیت کی خواہش سے ان کے سینے روشن تھے۔ شہزادہ حسن پسند اور حسن پرست تھا۔ جدھر نگاہ اٹھتی تھی۔ سیراب ہو کر لوٹتی تھی شراب اور عورت حواس پر چھائی جا رہی تھی۔

ایسے میں نرسنگھ دیو نے شاہی خزانوں کی تفصیلات شہزادے کو پیش کیں۔

" مال غنیمت یہی کیا کم ہے راجہ ماما"، شہزادہ بہکا۔

" بہت بڑا خزانہ ہاتھ آیا ہے شیخو ——" نرسنگھ دیو نے خوشی سے کہا۔

" ہاں —— ہم نے فہرست دیکھ لی "

" اس کا کیا کیا جائے "

" اسے گھوڑوں اور ہاتھیوں پر لدوا کر آگرہ بھجوانے کا بندوبست کیا جائے "

نرسنگھ دیو کمال ہوشیاری سے بولا " آگرہ کیوں۔ الہ آباد کیوں نہیں ——"

شہزادے کے ہونٹوں سے راجکماری کوشلیا نے جام لگا دیا۔ وہ دو گھونٹ لینے کے بعد بولا

" الہ آباد —— ؟"

" ہاں شہزادے۔ میری رائے یہی ہے۔ یہ سارا مال و متاع اور حسن و جمال سمیٹ کر الہ آباد لے جایا جائے —— وہاں روز جشن بپا ہو اور داد عیش دی جائے۔ آگرہ میں تو آپ کے شاہ بابا اس کی اجازت نہیں دیں گے ——"

شہزادہ جھوم کر بولا " ٹھیک راجہ ماما —— ٹھیک۔ آپ نے ٹھیک کہا —— جیسا کہہ رہے ہیں کریں —— ہماری طرف سے اجازت ہے ——"

شہزادہ رنگ و روپ کی بھول بھلیوں میں کھویا رہا۔

اور

راجہ نرسنگھ دیو خزانے لدوا کر الہ آباد بھیجنے کی تیاریوں میں لگ گیا۔

شہزادیاں پائیں باغ میں اتری ہوئی تھیں۔ رنگا رنگ لباس چمکتے دمکتے زیورات اور
حسین مترنم قہقہوں کی پھوار باغ کی فضا کو رنگین وحسین بنا رہی تھی۔ جواں سال شہزادیاں
جن کی آنکھوں میں مستقبل کے سنہرے خواب سجے تھے اور جن کے دل محلسرا کے کسی نہ کسی خوبرو
شہزادے کی آواز پا پر دھڑکنا سیکھ چکے تھے۔ ایک دوسری کو انہی خوابوں سے چھیڑ چھاڑ رہی
تھیں —— شہزادی حسن بانو —— شاہ پری۔ زیب النساء بیگم، جہاں آرا، ممتاز بیگم، گلرخ،
افروز آراء اور دیگر نوجوان شعلہ جوالا لڑکیاں بارہ دریوں میں بیٹھی چھیڑ چھاڑ میں مشغول تھیں ننھی منی
شہزادیاں اور کم عمر شہزادے بھی خوبصورت لباسوں میں ملبوس باغ میں کھیل رہے تھے۔ کچھ
رنگین تتلیوں کے تعاقب میں بھاگ دوڑ رہے تھے اور کچھ خوش رنگ پھول توڑ کر دامن بھر
رہے تھے۔

بے شمار خوش رو اور خوش لباس کنیزیں بھی باغ میں موجود تھیں جو شہزادیوں اور شہزادوں
کی تفریح میں شامل تھیں۔ —— ان کے ذمہ ان کی دیکھ بھال اور کھلانے پلانے کا کام تھا۔
کچھ خواجہ سرا بھی تھے۔ انہوں نے بھی رنگین لباس پہن رکھے تھے اور باغوں کے
کناروں پر پہریداروں کی صورت کھڑے تھے۔ کبھی کبھی شہزادیاں ان کی مردنما آواز میں زنانہ
باتیں سننے کے لیے انہیں پاس بلا لیتی تھیں۔ اور جب یہ ہاتھ ہلا ہلا کر گردن مٹکا مٹکا کر

باتیں کرتے تو نازک اور کومل بدن ہنسی سے دوہرے ہو ہو جاتے۔ قہقہے پھوار کی صورت برس
اٹھتے خواجہ سرا داد اور شہہ پاکر کچھ زیادہ ہی بن بن کر بولنے لگتے۔

موسم بیحد خوشگوار تھا۔ فضا میں کل برسنے والے بادلوں کی نمی رچی ہوئی تھی۔ ہوائیں
مہک رہی تھیں۔ آسمان پر اب بھی بدلیاں تیر رہی تھیں۔ کبھی ہوائیں تند و تیز ہو جاتیں
تو ان بدلیوں کو سینۂ چرخ پر ادھر سے ادھر اڑا لے جاتیں۔ بادلوں کا رنگ و روپ بدل جاتا،
کبھی پھیل جاتے اور کبھی ٹکڑیوں میں بٹ جاتے —— خنکی بڑی خوشگوار تھی۔

ایسے موسم میں شہزادیاں تفریح کے لیے محلسراؤں سے پائیں باغ میں نکل آیا کرتی تھیں۔
شہزادے بھی تاک میں رہتے۔ چھپ چھپا کر وہ بھی ملن کی راہیں تراش لیتے اور کسی کنیز یا
باندی کو مالائیں یا بازو بند تھما کر اپنی دلپسند شہزادی تک پیغام پہنچا دیتے کہ دل مضطر فلاں جگہ
چشم براہ ہے۔ خراماں خراماں چلی آئیں۔

دل دھک دھک کرتے۔ جذبات شوق بھڑکتے اور شہزادیاں پھولوں لدی کنجوں، گھنے
درختوں اور مہندی اور کیوڑے کی باڑوں کے پیچھے گم ہو جاتیں۔ حسن وعشق کی آنکھ مچولی ہوتی۔
کئی محبوب نظر کنیزیں بھی خوابوں کو حقیقت کا روپ دینے کسی نہ کسی شہزادے یا منصب داروں
کے جواں سال بیٹوں کے پہلو گرمانے کو روپوش ہو جاتیں۔

مہرتاج بھی ایسے موقعوں پر باغ میں آیا کرتی تھی۔ اور اکثر نادر خان سے ملنے کسی
کنج یا پھولوں کی پہاڑی کے پیچھے غائب ہو جایا کرتی تھی —— سوسن اس کی ہمراز تھی۔ وہ پہرہ داری
کے فرائض انجام دیا کرتی تھی ——

مہرتاج سے گانا سننے کی فرمائش اکثر شہزادیاں کیا کرتی تھیں۔ کسی وقت بھی آواز پڑ جاتی،
تو سوسن مہرتاج کو خبردار کر دیا کرتی تھی —— یوں وہ چپکے سے نادر خان کو خدا حافظ کہہ کر کھسک
آیا کرتی۔ کسی کو پتہ بھی نہ چلتا کہ وہ کچھ عرصہ کے لیے غائب ہو گئی تھی —— وہ آتی ستار اٹھاتی
اور بارہ دری میں شہزادیوں کے ہجوم میں گھر جاتی۔

پھر

وہ کوئی بے انتہا خوبصورت نغمہ چھیڑ دیتی۔ اس کی آواز میں جادو ہوتا۔ اور ملن کی گھڑیوں کا سارا سرور نغمے کے دل میں دھڑکتا ——

"تم کتنا اچھا گاتی ہو مہرتاج۔"

"تمھاری آواز دل کے تاروں کو چھو لیتی ہے۔"

"روح میں اتر جاتی ہے۔"

"خوشی کے پھول کھل اٹھتے ہیں۔"

"بہاریں رقصاں ہو جاتی ہیں ——"

شہزادیاں داد کے طور پر کہا کرتیں اور مہرتاج نازک سا ہاتھ ماتھے تک لیجا لیجا کر آداب کہتی۔ اس کی جھولی انعام و اکرام سے بھر جاتی ——

آج بھی جب شہزادیوں کا جی دوڑ بھاگ کھیل کود سے بھر گیا۔ کچھ اپنے محبوبوں کا دیدار بھی کر چکیں تو مہکتے چہکتے موسم کی دلفریبی بڑھانے کو موسیقی کی طلب محسوس ہوئی۔

"گانا سننا چاہیے۔" شہزادی ممتاز بیگم نے پھول چھڑی سے حسن بانو کا گال چھوا۔

"بالکل۔ موسم سازگار ہے۔" حسن بانو نے شہزادی ممتاز کی آنکھوں میں جھانک کر اسے عادل بیگ سے ملاقات کا احساس دلاتے ہوئے چھیڑا۔

"ہو جائے پھر" وہ بھی چہکی۔

"کیا ہو جائے" شہزادی شاہ پری تو پریوں ایسی لگ رہی تھی۔ بارہ دری کے مدور مرمریں ستون سے ہٹتے ہوئے ان سے گویا ہوئی۔

"آؤ بیٹھو ——" گلرخ نے اپنا پیازی روپہلی سنہری لباس سمیٹتے ہوئے گدیلی نشست پر اس کے لیے جگہ بنائی۔

"یہ بیضوی دائرہ کس لیے بن رہا ہے" گلرخ نے بیٹھتے ہوئے اردگرد نگاہ ڈالی۔ سب

شہزادیاں مرمریں بارہ دری کی نشستوں پر، جن پر سرخ اور پیلے اطلسی غلافوں والے گدے پڑے تھے، براجمان تھیں۔ تقریباً نصف دائرے کی صورت بیٹھی تھیں۔ درمیان میں بارہ دری کے فرش پر، جہاں دبیز ارغوانی ایرانی قالین پڑے تھے —— کچھ کنیزیں بیٹھی تھیں۔ ان کے سامنے خوان پوشوں سے ڈھکے خوان رکھے تھے جن میں موسمی پھل۔ خوشبودار مشروبات اور میٹھی چیزیں تھیں —— وقفوں کے بعد وہ کھانے پینے کی چیزیں سب کو پیش کر رہی تھیں —— سونے چاندی کے منقش ظروف میں یہ چیزیں پیش کی جا رہی تھیں ——

کچھ کنیزیں ننھے منے شہزادوں شہزادیوں کے ساتھ تھیں اور کچھ اپنی اپنی شہزادیوں کے پیچھے کھڑی تھیں۔ منہ چڑھی کنیزیں ہنسی مذاق بھی کر رہی تھیں ——

"چنبیلی ——" حسن بانو نے پیچھے کھڑی کنیز سے کہا۔

"جی سرکار" وہ گھوم کر سامنے آ گئی۔

"مہرتاج نظر نہیں آئی ——" حسن بانو نے پوچھا۔

"ہاں واقعی آج اسے دیکھا نہیں" شاہ پری نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔

"اس کی طبیعت ان دنوں ٹھیک نہیں رہتی ——" گلرخ نے کہا۔

"کیوں بیمار ہے کیا" زیب النساء نے پوچھا۔

"نہیں بیمار تو نہیں ——" افروز آرا بولی "آج صبح ہی تو مجھ سے ملی تھی۔ بھلی چنگی ہے۔"

"جی سرکار ——" چنبیلی کی جگہ سوسن بولی "بالکل ٹھیک ہے وہ ——"

"آج باغ میں نہیں آئی وہ ——" جہاں آرا نے پوچھا۔

"آئی ہوئی ہے سرکار ——" سوسن نے کہا۔

"ہم نے تو نہیں دیکھا اسے" شاہ بانو بولی۔

"ہاں سوسن" دوسری کنیز کرن کلی نے کہا "میں نے بھی نہیں دیکھا اسے"

"یہیں کہیں ہو گی" سوسن بولی۔

"شہزادی شرف النسا بیگم صاحبہ کو لے کر اس طرف گئی تھی" دلاری نے مغربی گوشے کی طرف اشارہ کیا "ساتھ شہزادۂ عالی خرم بھی تھے ——"

"ہاں۔ وہ بچوں کو کہانی سنا رہی تھی" کوئی باندی بولی۔

"آجکل نظر کم ہی آتی ہے وہ ——" حسن بانو نے کہا پھر کرن کلی سے بولی "جاؤ بھاگ کر اسے بلا کر لاؤ ——"

"گانا سنیں گی سرکار" سوسن نے پوچھا۔

"ہاں۔ ارادہ تو یہی ہے۔ موسم کو دیکھتے ہوئے دل چاہ رہا ہے۔ آج کوئی خوبصورت سی چیز سنیں گے ——" افروز بولی۔

"وہ جو کچھ بھی سنا دے گی خوبصورت ہی ہوگا —— خدا نے اسے بے مثال آواز دی ہے" شاہ پری بولی۔

"پچھلے جشن مہتابی میں کیا سماں باندھا تھا اس نے یاد ہے نا۔ شاہی مغنیہ کے بھی پر کاٹ گئی تھی ——"

"واقعی —— بڑا لطف آیا تھا ——"

"کسی دن اس کے رقص کو بھی آزمانا چاہیئے ——"

"شاہ بابا سے فرمائش کریں گے"

"درباری رقاصہ انارکلی کو مات دے دے گی"

"یہ تو اس کا رقص دیکھنے پر ہی پتہ چلے گا۔ ویسے انارکلی کا جواب نہیں۔ اس کے بدن میں بلا کی لچک ہے۔ اور حسن —— واہ وا ——"

چند شہزادیاں جو درباری رقاصہ انارکلی کا رقص دیکھ چکی تھیں، اس کی تعریفیں کرتے ہوئے اس کے کمال کو سراہنے لگیں ——

کرن کلی مہرتاج کو بلانے چلی گئی —— سوسن اس کا ستار لینے چل دی۔

کچھ ہی دیر بعد مہرتاج اور اس کا ستار حاضر ہو گئے —— کنیزوں نے اپنے خوان اٹھائے اور بارہ دری کے دوسرے حصے میں لے گئیں۔

مہرتاج نے سب شہزادیوں کو کورنشی انداز میں سلام پیش کیا۔ اس نے مہین ہوائی دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ سفید ریشمی پشواز پر آسمانی رنگ کی تاروں بھری کرتی پہنی ہوئی تھی، جو اس کی نازک کمر پر بٹنوں سے بند تھی۔ اور کھلے چوڑے گریبان سے اس کا جھلملاتا گلوبند بہار دکھا رہا تھا۔ اس کے کانوں میں آویزے تھے اور مانگ میں سنہری موتیوں بھری لڑی چمک رہی تھی۔ اس کی ناک میں مہارانی کی دی ہوئی سات ہیروں والی کیل جگمگا رہی تھی، جو اس کے خوبصورت چہرے پر ایک خوبصورت اضافہ تھی —— نازک بدن مہرتاج اس وقت شہزادیوں سے بھی بڑھ کر حسین نظر آ رہی تھی ——

جب وہ جھک کر اپنا نازک سا ہاتھ ماتھے تک لیجاتے ہوئے شہزادیوں کو سلام کر رہی تھی تو اس کی لمبی سیاہ موباف گندھی چوٹی شانوں سے سرک سرک کر آگے آجاتی تھی اور کسی ناگن کی طرح جھوم جھوم جاتی تھی۔ اس کی سڈول کلائیوں میں پڑی چوڑیوں کی چھنک اس ناگن کو اور مست کر دیتی۔

وہ تسلیمات بجا لا چکی تو شہزادی حسن بانو نے شائستگی سے کہا "مہرتاج بیٹھو"

وہ قالین پر دوزانو ہو کر نیازمندانہ طریق سے بیٹھ گئی۔

"ہم نے تمھیں بلایا ہے" افروز نے کہا۔

"زہے نصیب" اس نے کہا۔

"گانا سنیں گے" شاہ بانو نے کہا۔

"اتنا شاندار موسم اور رپائیں باغ کی خوبصورت فضا تمھارے نغموں کے بغیر ادھوری ہے" گل رخ نے کہا۔

"محفل سجا دو —— رنگ بھر دو مہرتاج" جہاں آرا نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

سب نے باری باری فرمائش کی تو مہرتاج نے سرخم کرتے ہوئے کہا "جو حکم عالی ___"

سوسن ستار اس کے حوالے کرتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ گئی۔ مہرتاج کا جی آج بالکل گانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ جب سے وہ باغ میں آئی تھی چپہ چپہ گوشہ گوشہ اسے نادر خان کی یاد دلا رہا تھا ___ وہ بہت اداس اور بڑی افسردہ ہو گئی تھی۔ نادر خان کا ابھی تک کچھ پتہ نہیں ملا تھا اسے ___ دل مضطرب اور روح پریشان تھی۔

لیکن

شہزادیوں کی فرمائش بھی نہ ٹال سکتی تھی ___ یہ تاب یہ مجال کہاں تھی۔ اسی لیے ستار سنبھالا اور مضراب انگلی میں پہنی ___ اس نے رخ بدلا اور پھر ستار کے تاروں کو چھونے لگی۔ پہلے بے ترتیب سی جھنجھناہٹ بکھری۔ پھر لے سر تال یکجا ہوئے ___ مہرتاج کی گنگناہٹیں بکھریں اور پھر ایک خوبصورت آواز کا سحر جاگ اٹھا۔ اس نے ایک دلفگار سا گیت سنایا ___ لہو لہو نغمہ دلوں کو دکھی کر گیا۔ مہرتاج آنکھیں بند کیے کھوئی رہی گاتی رہی ___ فضا میں سوگوار سا حسن پگھلتا رہا ___ دل تھم تھم گئے کائنات کی نبضیں گویا رک گئیں ___

اور

جب نغمہ تھما تو سب جیسے مدہوش تھیں ایک دم ہی داد نہ دی واہ واہ کا غلغلہ بلند نہ ہوا۔ مہرتاج نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے ستار ایک طرف کرتے ہوئے سب سے پوچھا

"پسند آیا سرکار ___"

تب سب کو جیسے ہوش آ گیا ___ بے اختیارانہ داد دے ڈالی گئی شہزادیوں نے اپنے قیمتی ہار اُتار کر مہرتاج کی طرف پھینکے اور زوردار داد دیتے ہوئے کہا "آج تو تم نے ہمیں بت بنا دیا۔ کیا فسوں پھونکا جادو جگا دیا ___ خوش رہو۔ دل خوش کر دیا مدھر گانے سے ___"

دیر تک اسے داد ملتی رہی اور وہ آداب کرنے کے لیے ماتھے کو انگلیوں سے چھوتی جھکتی رہی۔

شام اترنے والی تھی۔ جب پائیں باغ کی رونقیں سمٹ کر طویل راہداریوں اور منقش

چھتوں والے گنبدوں تلے روپوش ہونے لگیں

مہرتاج سوسن کو ستار دے کر خود شہزادی شرف النساء بیگم اور شہزادہ خرم کو لینے چل دی۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتے جا رہی تھی کہ اسے اپنے سر کے اوپر پروں کی پھڑپھڑاہٹ سی سنائی دی۔ اس نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ ایک سفید اور نسواری دھبوں والا کبوتر فضا میں عین اس کے سر کے اوپر چکر کاٹ رہا تھا۔

اس کا دل دھک دھک کرنے لگا

"کیا ___ کیا یہ پیغام رساں کبوتر ہے" اس نے گردن اٹھا کر پھر کبوتر کو دیکھا۔ جو چھوٹا سا دائرہ کاٹتے ہوئے اس کے سر کے اوپر سے گزر رہا تھا۔

وہ رک گئی

اور

کبوتر ایک چھوٹا سا چکر کاٹنے کے بعد اس کے کندھے پر آ بیٹھا۔

مہرتاج نے ہاتھ بڑھا کر کبوتر کو پکڑ لیا ___ وہ پالتو اور پیغام رساں کبوتر ہی تھا ___ اس کے گلے میں تعویذ نما چیز تھی۔

مہرتاج سمجھ گئی ___ کہ یہ کبوتر اس کے لیے پیغام لایا ہے۔

مہرتاج کا دل رک جانے کو تھا ___ نادر خان کا پیغام اس کی سلامتی کا مظہر تھا۔

اس نے جلدی سے کبوتر کی گردن سے تعویذ نکالا ___ اور کاغذ کھول کر بے تابی سے پڑھنے لگی۔

چرمی مومی کاغذ پر نادر کا پیغام تھا۔ اس نے بدھ کی رات اسے قلعے سے باہر جمنا کے کنارے اس ٹیلے پر آنے کی دعوت دی تھی، جہاں وہ کبھی کبھی پہلے بھی ملا کرتے تھے۔

مہرتاج کی حالت دیدنی تھی۔ ایک لمحہ کو تو وہ بالکل ٹھنڈی پڑ گئی۔ پھر پسینے میں نہا گئی۔ اس کے بعد اس کا بدن دہکنے لگا۔

اس نے پیغام دوبارہ پڑھا پھر وحشی ہرنی کی طرح چاروں طرف دیکھا۔ خواجہ سرا دو تین شہزادوں

کے ساتھ پرے درختوں کے نیچے سے گزر رہا تھا۔ کچھ لوگ بائیں ہاتھ بنے مرمریں راستے سے محلسرا کی طرف جا رہے تھے۔

مہرتاج نے جلدی سے کاغذ توڑ مروڑ کر اپنی چولی کے اندر چھپا لیا اور پھر قدموں کے قریب غٹرغوں کرتے کبوتر کی طرف متوجہ ہوئی۔ جلدی سے اس نے اپنی انگلی سے نازک سا سونے کا چھلا اتارا تعویذ کی جگہ وہ چھلا دھاگے میں ڈالا ــــ کبوتر کو گال سے لگایا اور دھاگہ اس کے گلے میں باندھا۔

پھر بازو اونچا کرتے ہوئے کبوتر چھوڑ دیا ـــــ کبوتر واپسی رسید لے کر فضا میں تیرنے لگا وہ شمالی رخ اڑتا چلا جا رہا تھا۔

مہرتاج دل بے تاب کو تھامے اسے فضاؤں میں گم ہوتے تکتی رہی۔

ابوالفضل خان اعظم خاصہ متفکر نظر آ رہا تھا۔ حسین خان ٹکریہ راجہ ٹوڈرمل اور عزیز کوکلتاش نشست گاہ میں موجود تھے۔ وہ تکیوں کے سہارے قالینوں پر بیٹھے تھے ــــ وہ سب شہنشاہ کے بہی خواہ تھے۔

"عالم پناہ کے حکم کے مطابق لشکر کو تیاری کا حکم دے دیا گیا ہے۔ دو ایک دن میں کوچ کے لیے تیار ہوں گے سب ـــ" ابوالفضل نے گاؤ تکیے میں کہنی گاڑتے ہوئے پہلو بدلا۔

"مہاراج نے اپنا ارادہ نہیں بدلا" ٹوڈرمل اپنی تیکھی ٹوپی سر پر ٹھیک سے جما کر گویا ہوا
"میں نے بہت بنتی کی ـــ"

"ہاں ـــ وہ خود باغیوں کی سرکوبی کے لیے جانے پر بضد ہیں" کوکلتاش نے کہا۔

"میں نے انتھک کوشش کی ہے" خان اعظم متفکر لہجے میں بولا "اس عمر میں دور دراز مغربی بنگلہ اور دکنی علاقوں میں مہمات پر جانا ٹھیک نہیں۔ انھیں اب آرام کی ضرورت ہے ــ ہم سب دودمان مغلیہ کے وفادار اور جانثار ہیں۔ فوجوں کی کمان کر سکتے ہیں۔ یہ مہمات سر کرنے کی ہم میں سکت ہے ـــ"

"بالکل۔ ہماری جانیں شاہ پر نثار ـــ" حسین خان نے خلوص سے کہا "ہم کیا کم ہیں شہنشاہ حکم فرمائیں ـــ ہم باغیوں کا صفایا کر دیں گے۔"

"لیکن وہ مانتے نہیں ـــ وہ خود ہر مہم سر کرنا چاہتے ہیں" ابوالفضل بولا۔ "اس عمر میں اتنا سفر!"

"آپ بھی تو ان کے ہمراہ ہوں گے" عزیز کوکلتاش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں تو ان کے ساتھ جا رہا ہوں ـــ یہی تو ان سے عرض کیا تھا کہ جب یہ غلام جا رہا ہے تو آپ تشریف نہ لے جائیں ـــ مہم انشاءاللہ سر ہو جائے گی اور باغی ان کے قدموں میں لا ڈالے جائیں گے ـــ"

"ہوں" راجہ ٹوڈرمل کچھ سوچتے ہوئے بولا ـــ "ابوالفضل ـــ"

"جی ـــ"

"مہاراج کو روکنے کی ایک ترکیب ذہن میں آتی ہے۔"

"وہ کیا" سب بولے۔

"وہ یہ ـــ کہ ـــ" ٹوڈرمل نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا "وہ یہ کہ مہارانی صاحبہ سے کہا جائے۔ وہ انہیں نہ جانے پر مجبور کریں۔ یقیناً مہارانی صاحبہ کا کہا مہاراج نہیں ٹالیں گے ـــ"

ابوالفضل نے سر ہلایا پھر دھیرے سے بولا "مہارانی صاحبہ بھی انہیں قائل نہیں کر سکیں"

"کیا وہ اس سلسلے میں مہاراج سے بات کر چکی ہیں ـــ"

"جی ہاں ـــ"

"وہ ان کی بات بھی نہیں مانے"

"ہاں ـــ"

"شہنشاہ کی عمر یقیناً ساٹھ سے تجاوز کر چکی ہے ـــ"

"بالکل ـــ"

"واقعی اس عمر میں اتنا لمبا سفر ـــ جو صعوبتوں سے پر ہے ـــ"

"اسی لیے تو میں نہیں چاہتا تھا کہ عالم پناہ اس مہم کو سر کرنے خود جائیں۔ مہابت خان اپنی فوجوں کے ساتھ وہاں پہنچ رہا ہوگا ـــ کچھ دستے ہم لے کر جاتے تو چند دنوں میں سامو گڑھ کی سنگین فصلیں سرنگوں ہو جاتیں ـــ"

"لیکن کیا کیا جائے ـــ شہنشاہ کی خدمت میں ہم لوگ صرف عرض کر سکتے ہیں، انہیں مجبور نہیں کر سکتے ـــ"

چاروں کچھ دیر یہی باتیں کرتے رہے۔ خان اعظم کے دو مستعد خدمت گار وقفوں کے بعد ایرانی فنجانوں سے خوشبودار قہوہ ان کی خدمت میں پیش کر رہے تھے۔

عزیز کوکلتاش نے بے ڈنڈی کی نفیس پیالی غلام کی طرف بڑھاتے ہوئے اور قہوہ طلب کیا۔ "بہت مزیدار قہوہ ہے ـــ"

"ہاں واقعی ـــ" حسین خان ٹکریہ بولا۔

"ٹوڈرمل" خان اعظم نے کہا "تم بھی چکھ دیکھو ـــ"

"انہیں قہوے سے کوئی رغبت نہیں ـــ" حسین خان نے مذاق سے کہا "یہ تو ام الخبائث کے رسیا ہیں ـــ"

"تم کیا کم ہو" ٹوڈرمل نے کہا "میں تو اسے پیتا ہوں۔ تم اس کے لیے جیتے ہو۔"

"یہ سراسر بہتان ہے" اس نے احتجاج کیا۔

"پہلے تم نے بہتان لگایا۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں شراب نہیں پیتا ـــ"

"میرے متعلق بھی تو بے پر کی اڑائی تم نے ـــ"

"بھئی ـــ" خان اعظم نے ہاتھ اٹھا کر کہا "بس ـــ ہم لوگ یہاں جس سوچ بچار کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں۔ اس میں یہ لے دے نہیں آتی ـــ"

"یہ دونوں موضوع سے ہٹ رہے ہیں" کوکلتاش نے کہا۔

"موضوع سے نہ ہٹیں جب بھی ہونا تو وہی ہے۔ جو شہنشاہ چاہیں گے ـــ"

”یہ بات تو ہے ——“

”پھر کیا کیا جائے“

”سب کچھ اللہ کے سپرد ——“

”بالکل ——“

”شہنشاہ جب مہارانی کے کہنے سے بھی نہیں رک رہے تو پھر ٹھیک ہے۔ خدا ان کا حافظ و ناصر ہے —— خان خاناں آپ فکر مند نہ ہوں ——“

”تیاریاں تو ہو چکی ہیں ——؟“

”ہاں بالکل ——“

”اچھا ہوتا جو شہزادہ سلیم کی واپسی کا انتظار کر لیا جاتا۔ وہ اب واپس آنے ہی والے ہیں، شاید شہنشاہ ان کی بات مان جاتے ——“

”ان ہی کے لیے تو وہ سارا تردد کر رہے ہیں۔ جانتے تو ہو۔ شہنشاہ ان کے لیے ہر طرح سے مضبوط اور مستحکم سلطنت بنانا چاہتے ہیں ——؟“

”یہ کون نہیں جانتا —— شہزادۂ عالی سے شہنشاہ کو محبت ہی نہیں ہے عشق ہے۔ یہ چتوڑ کی مہم بھی وہ خود ہی سر کرتے —— وہ تو شہزادۂ عالی نے ضد کی تھی —— خود جانے کی“

”اس قلعے کی سرکوبی سے شہنشاہ کو دوہری خوشی ہوئی ہے۔ ایک تو یہ مشہور قلعہ سرنگوں ہوا —— دوسرا یہ معرکہ ان کے لخت جگر نے مارا —— شیخو کی کامیابی نے شاہ کو شاد کر دیا“

”ساموگڑھ پر بھی شہزادے کی قیادت میں فوج کشی کرنا چاہیے تھی“

”توبہ کرو —— شہنشاہ کبھی نہیں مانتے یہ بات کہ شہزادے کو چتوڑ سے بلا کر ساموگڑھ بھیج دیتے۔ وہ تو چاہیں گے کہ شہزادۂ عالی اب ایک طویل عرصہ آرام کریں ——“

”اور خود اس عمر میں بھی بے آرام ہوتے رہیں ——“

”یہ ان کے من میں شہزادے کا بے پناہ پیار ہے نا ——“

سب باتیں کر رہے تھے۔ وہ سب یہی چاہتے تھے کہ اس عمر میں شہنشاہ اتنے دور دراز کا پُرصعوبت سفر نہ کریں —— لیکن شاہ ایک بار حکم صادر فرما چکے تھے کہ وہ بہ نفس نفیس اس مہم میں حصہ لیں گے۔ اب اس حکم کو ٹالنے یا بدلوانے کی کسی میں مجال نہ تھی۔ یہ تو ان لوگوں کی محبت اور وفاداری تھی جو اس انداز سے سوچ رہے تھے اور اپنی اپنی رائے دے رہے تھے۔ شہنشاہ نے اپنی چہیتی مہارانی کا کہا نہیں مانا تھا۔ امراء وزراء تو بعد میں آتے تھے۔

خان اعظم بھی جانتا تھا کہ شہنشاہ رکیں گے نہیں۔ اس نے لشکر کی تیاری کا حکم بھی یہ بات مدنظر رکھتے ہوئے دیا تھا۔ قیادت شاہ نے کرنا تھی۔ اس لیے ان کے شان شایان تیاریاں ہوئی تھیں —— خان اعظم بھی چاہتا تھا کہ شاہ اس عمر میں اس قضیئے میں نہ پڑیں۔ لیکن

اس کے متفکر ہونے کی وجہ یہ نہیں تھی۔ وہ خود بھی اس لشکری کوچ میں شریک ہو رہا تھا۔ شاہ کی ہمرکابی حاصل ہونا تھی —— قدم قدم پر شاہ کا خیال رکھ سکتا تھا۔ اسے فکر تھی تو شہزادہ سلیم کی —— جو راجہ نرسنگھ دیو اور راجہ مان سنگھ کے زیر اثر تھا۔ خان خاناں کی دور بین نظریں ایک عرصے سے دیکھ رہی تھیں کہ شہزادہ ان دونوں پر کچھ زیادہ ہی انحصار کر رہا ہے۔ خان اعظم کے علم میں یہ بھی بات آ چکی تھی کہ یہ دونوں شہزادے کو شہنشاہ سے بدظن کرنے کی غیر محسوس طریق سے کوشش کر رہے ہیں۔ انہیں احساس دلا رہے ہیں کہ اب حکومت کرنا ان کا حق ہے۔ شہنشاہ کو اس عمر میں تخت سے دستبردار ہو جانا چاہیے۔ اور حق حکمرانی شہزادے کو ملنا چاہیے۔

شہزادے کو شہنشاہ بنا کر وہ اس کے دست راست بننے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ راجہ نرسنگھ دیو کے متعلق تو خان اعظم کو یہ بھی پتہ چلا تھا کہ وہ شہزادہ سلیم کو تخت پر بٹھا کر عنانِ حکومت خود سنبھالنا چاہتا ہے۔ شہزادے کو شراب و شباب کا رسیا بھی وہی بنا رہا تھا

خان خاناں کے دل میں عرصے سے وسوسے سر اٹھا رہے تھے۔ خدشات پریشان

کر رہے تھے۔ اس نے شاہ پر بھی ان کا اظہار کیا تھا۔ لیکن شہنشاہ نے اسے در خور اعتنا نہیں سمجھا تھا۔ دونوں راجے شہنشاہ کے رشتہ دار تھے۔ اس لیے خان اعظم کو بھی عبدالرحیم خان خاناں کی طرح چپ ہونا پڑا تھا۔

لیکن

تشویش اپنی جگہ تھی۔

شہنشاہ کے ٹال دینے کے باوجود ٹلی نہیں تھی۔ اس تشویش میں جو خطرات چھپے تھے وہ مغل حکومت کے لیے خطرے کا باعث بھی بن سکتے تھے۔

خاندان میں ان ہندو راجوں مہاراجوں کی شمولیت ایسے خطروں کو جنم دے رہی تھی جسے اس کی دور بین نگاہیں دیکھ رہی تھیں۔

شہنشاہ نے ہندو راجکماریوں سے شادیوں کا رواج ڈالا تھا۔ ان کی مہارانی ہندو تھی۔ سلیم کی تین بیویاں ہندو راجاؤں کی بیٹیاں تھیں۔ شہنشاہ اور شہزادے کی دیکھا دیکھی اور بھی شہزادوں نے راجکماریوں سے شادیاں رچائی تھیں۔ کئی امراء اور وزراء کے گھروں میں ہندو عورتیں آ گئی تھیں۔ شہنشاہ کے پیش نظر اک سیاسی مقصد تھا۔ یہ چھوٹے چھوٹے ریاستی راجے مہاراجے مغلوں کی حکومت سے برسرپیکار رہتے تھے۔ اکثر بدامنی کا سبب بنتے تھے۔ ان پر لشکر کشی کرنا پڑتی تھی ـــــ شہنشاہ نے سیاسی مقصد مدنظر رکھتے ہوئے ان راجاؤں کی راجکماریوں سے شادیاں کیں ـــــ رشتہ داری اور مراسم بڑھانے سے ملک میں امن امان کی صورت حال کو بہتر بنانا مقصود تھا۔ یہ مقصد حل بھی ہوا۔

لیکن

ہندو راجے مغلوں کو غیر ملکی حملہ آور سمجھتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ باہر سے آئے لوگ ان کی سرزمین پر قابض ہو کر ان پر اس طرح حکمرانی کریں۔ کہ ان کی بیٹیاں ان کے حرموں کی زینت بنیں۔

مغلوں کی حکومت اتنی بڑی تھی، اتنی مضبوط تھی ـــــ کہ یہ لوگ براہ راست ٹکرانے کی جسارت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن بدلے اور انتقام کی آگ ان کے سینوں میں سرد نہیں ہوئی تھی۔ اس آگ کی تپش خان خاناں اور خان اعظم محسوس کر رہے تھے۔ اسی لیے متفکر تھے۔

اور

اب جبکہ شہنشاہ نے ساموگڑھ کا معرکہ خود سر کرنے کا پلان بنایا تھا۔ ان کی تشویش بڑھ گئی تھی ـــــ شاہ کی آگرے سے غیر حاضری میں یہ لوگ من مانی کر سکتے تھے۔ شہزادے نے چتوڑ فتح کیا تھا۔ اس فتح کے نشے میں وہ اسے بہکا سکتے ہیں۔ ان کے ساتھ سپہ سالار بلند بخت بھی تھا، جو مغلوں کا بہی خواہ نہیں تھا۔

خان اعظم اپنے ساتھیوں سے ان خدشات کا تذکرہ تو نہیں کر سکا۔ ہاں شہنشاہ کو ساموگڑھ جانے سے روکنے کے لیے ان کی صلاح و مشورے کی ضرورت سمجھی تھی۔ اسی لیے ان سب کو بلایا تھا۔

لیکن

کوئی بات نہ بن سکی۔ شہنشاہ جو عزم کر چکے تھے اس سے انہیں باز رکھنا ممکن نہیں تھا۔

وہ

سب

کافی دیر تک باہمی صلاح و مشورے کرتے رہے۔

سونے کی موٹی موٹی زنجیروں اور چاندی کے منقش پایوں والے جھولے پر مہارانی بیٹھی تھی۔
جھولا پھولوں سے لدا تھا۔ گاؤ تکیوں پر موتیے کے ہار پڑے تھے۔ جھولے کی پائیوں کے نیچے
سونے چاندی کی چھوٹی چھوٹی گھنگرو نما گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں ـــــ پیچھے کھڑی باندیاں
جب جھولے کو ہلکورے دیتیں تو گھنٹیاں اک مترنم شور فضا میں بکھیر دیتیں۔ یہ جھولا ایک
وسیع و عریض چبوترے پر پڑا تھا۔ جس پر دبیز قالین بچھے تھے۔ چبوترے کی چوڑی اور لمبی
سیڑھیاں بھی قالینوں سے ڈھکی تھیں۔ آرائشی مجسمے اور بڑے بڑے گلدان کناروں پر سجے
تھے ـــــ سیڑھیوں کے آگے کھلی جگہ پر بھی قالین پڑے ہوئے تھے ـــــ کئی جگہ اونچی پشت
والی زرنگار کرسیاں بھی رکھی ہوئی تھیں ـــــ چاروں طرف کے محرابی منقش دروں میں مہین ریشم
کے پردے لہرا رہے تھے۔ دروں کے مدور ستونوں پر پچی کاری بڑی خوبصورت تھی۔ اس
پچی کاری میں قیمتی پتھر خاص طور پر زمرد اور فیروزہ استعمال کیے گئے تھے۔ جو روشنی میں بڑی
بہار دکھاتے تھے ـــــ اور اندھیرے میں جگنوؤں کی طرح چمکتے تھے۔

مہارانی نے بھاری بنارسی ساڑھی زیب تن کر رکھی تھی۔ کامدانی ہوائی دوپٹہ اوپر اوڑھ
رکھا تھا۔ وہ سولہ سنگھار کیے ہوئے تھی۔ بالوں میں موتیے کے ہار سجے تھے۔ ماتھے پر بندی لگی
تھی اور مہارانی کا نشان دار ٹیکہ مانگ میں چمک رہا تھا ـــــ وہ جڑاؤ زیورات میں لدی ہوئی تھی۔

مہارانی اس وقت اپنے خاص راج محل میں تھی۔ یہ محل شہنشاہ اکبر نے بطور خاص اس
کے لیے بنوایا تھا ـــــ اس محل میں چھوٹا سا مندر بھی تھا۔ مہارانی اس میں پوجا پاٹ کیا کرتی
تھی۔ مسلمان بادشاہ کے حرم میں آ کر بھی اسے اپنے مذہبی فریضے ادا کرنے کی پوری آزادی تھی۔
اسی محل میں وہ جھروکہ بھی تھا جہاں طلوع آفتاب کے وقت شہنشاہ اپنی رعایا کو درشن
دینے کے لیے آتے تھے۔ یہ ان کا اپنی رعایا سے براہ راست رابطہ تھا۔ درشن دینے کے بعد
وہ اکثر مہارانی کے پاس تھوڑی دیر کے لیے یہاں آتے۔ مہارانی پوجا پاٹ سے فارغ ہو کر صبح
کی تازگی اپنے اندر اتارنے کے لیے اسی چبوترے پر آیا کرتی۔ لونڈیاں باندیاں ساتھ ہوتیں۔
جھولا پھولوں سے لد دیا جاتا اور مہارانی ان پھولوں کی مہک سے معطر فضا میں سانس لے کر
اپنے کو تر و تازہ محسوس کرتی۔ وہ بہت خوش نظر آیا کرتی۔

لیکن آج

آج

وہ خوش نظر نہیں آ رہی تھی۔ چہرے پر بشاشت کی جگہ کچھ تشویش بکھری تھی اور آنکھیں
دھواں دھواں سی تھیں۔ باندیاں اسے خوش کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ کچھ چٹکلے کچھ لطیفے
گوش گزار کر رہی تھیں۔ لیکن مہارانی کے چہرے پر بیزاری تھی۔

دن بڑا خوشگوار تھا۔ نکھری ہوئی دھوپ بلند و پست پر پھیلی تھی۔ ہواؤں میں نم آلود
مہک رچی ہوئی تھی۔

مہارانی جھولے میں نیم دراز تھی۔ لونڈیاں وقفوں کے بعد ہلکے ہلکے ہلارے دے رہی
تھیں۔ سیمیں اور نقرئی گھنٹیوں کی مدھر آوازیں ان ہلاروں سے ہلکا سا رسیلا شور مچا دیتی تھیں۔

"رکو" مہارانی نے ہاتھ اٹھا کر پیچھے کھڑی دلاری اور رام کلی سے کہا۔ دونوں باندیاں ہاتھ
روک کر کھڑی ہو گئیں

"مہارانی جی ـــــ" منہ چڑھی دلاری موٹی سونے کی زنجیر کو پکڑ کر جھولا ٹھہراتے ہوئے بولی

"ہوں"

"کیا بات ہے مہارانی جی ___ آپ کس سوچ میں ہیں ___" وہ مہارانی کے سامنے آتے ہوئے بولی سانولی رنگت کی پرکشش دلاری اس وقت چست چولی اور تلنگا طرز کی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ وہ تراشی ہوئی مورتی لگتی تھی۔ اس نے بھی زیورات پہن رکھے تھے اور ماتھے پر تلک لگائے ہوئے تھی ___

مہارانی نے اس پر اک نگاہ ڈالی پھر ہولے سے بولی "سوچ کوئی خاص تو نہیں۔ بس ___"

"مہاراج رن پر جا رہے ہیں۔ اس لیے طبیعت اچاٹ ہے مہارانی جی"

"ہاں ___ یہ بات بھی ہے۔ لیکن بڑی بات یہ ہے کہ شیخو کی کامیابی کا جشن منانے کا جو اعلان کیا تھا وہ نہیں منائیں گے۔"

"کیوں مہارانی جی ___ شہزادہ عالی واپس آ رہے ہیں ___"

"ہاں شیخو تو آ رہا ہے۔ لیکن مہاراج جا رہے ہیں۔ میں یہ خوشی مہاراج کے بغیر کیسے منا سکتی ہوں ___"

"تو پھر مہاراج کو ہی کچھ دنوں کے لیے روک لیجئے نا ___"

"وہ نہیں رک سکتے"

"آپ کے کہنے سے بھی نہیں؟"

"نہیں ___"

"کہہ کے تو دیکھئے؟"

"کہہ چکی۔ بلکہ بنتی بھی کر چکی۔ لیکن وہ سامو گڑھ خود جانا چاہتے ہیں وہ اپنے راج سے بغاوت کرنے والے کا سر خود کچلنا چاہتے ہیں۔"

دلاری چپ ہو گئی ___ مہارانی کچھ کہنے ہی والی تھی۔ کہ دور سلطانی محل سے گونگ

پر ضرب پڑنے کی صدا سنائی دی ___ پھر کچھ دیر ہی بعد چوبدار کی کڑک دار آواز کی گونج سنائی دی۔

"شاید مہاراج قصر لالہ سے باہر تشریف لا رہے ہیں ___"

"ہو سکتا ہے وہ ادھر ہی آ رہے ہوں۔ آج جھروکے میں لوگوں کو درشن دینے کے بعد واپس چلے گئے تھے نا ___"

"ہاں انہیں لشکر کے معائنے کے لیے جانا تھا ___ کوچ کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔" وہ باتیں کر رہی تھیں۔ کہ نقیب کی زوردار آواز باہر سے آئی۔

"حدِ نگاہ۔ پاس ادب۔ نگاہ روبرو ___"

"سلطان ابن سلطان ___"

"ظل سبحانی۔ بادشاہ غازی"

"شہنشاہ جلال الدین اکبر آفتاب دودمان مغلیہ"

"تشریف لاتے ہیں ___"

"باخبر ___"

"باملاحظہ"

"ہوشیار ___"

"نگاہ روبرو"

"حد ادب پیش نظر ___"

کنیزیں سنبھل کر کھڑی ہو گئیں۔ مہارانی نے پاؤں جھولے سے اتار کر تاروں بھری جوتی پر ٹکا دیئے شہنشاہ کی آمد کی خبر نقیب کی زوردار آواز سے سب کو ہو گئی تھی۔ جو جہاں تھا وہیں

جم کر رہ گیا تھا۔ حافظتی پہریدار ننگی سنگینوں کے پھل زمین کی طرف کرتے ہوئے سر جھکا کر کھڑے ہوگئے تھے۔ شہنشاہ شاہی لباس زیب تن کیے متانت سے قدم اٹھاتے ہوئے مہارانی سے ملنے آ رہے تھے۔

محرابی دروں کے مہین پردے لہرا رہے تھے۔ شاہ نے جس دروازے سے برآمد ہونا تھا، اس پر اطلسی پردہ لہرا رہا تھا۔

چوبدار کی آواز پہ باندیاں آگے بڑھیں اور شاہ کے قدموں کی آواز جب قریب آئی تو بھاری پردہ ایک طرف کر دیا۔

شہنشاہ اندر تشریف لے آئے۔ وہ سیدھے اس چبوترے کی طرف بڑھے جہاں مہارانی جھولے سے اتر کر کھڑی تھی۔ کنیزیں اور باندیاں نگاہیں جھکائے سر نیچے کیے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوگئیں۔ انہوں نے خالص ہندوانہ طریقے سے شہنشاہ کو تعظیم دی۔ ان کے قدموں تک جھک گئیں ـــــ شہنشاہ آگے بڑھتے جاتے اور وہ ان کے چرنوں کی دھول ماتھے پر لگاتی جاتیں ـــــ

شہنشاہ چبوترے کے اوپر آ گئے

"مہاراج" مہارانی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر انہیں پرنام کیا اور جھک کر ان کے چرن چھوئے شہنشاہ نے اسے کندھوں سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کیا۔

لونڈیاں باندیاں جو چبوترے پر جھولے کے قریب کھڑی تھیں اُلٹے قدموں چلتی سیڑھیاں اتر کر دور ہٹ گئیں

شہنشاہ نے اک نگاہ مہارانی پر ڈالی پھر مسکراتے ہوئے گویا ہوئے "ہماری مہارانی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں شاید ـــــ"

"بالکل ٹھیک ہوں مہاراج ـــــ" وہ جھولے کے ساتھ لگتے ہوئے بولی۔

"بیٹھو" شاہ نے کہا۔

"آپ بھی تشریف فرمائیے" وہ بولی۔

شہنشاہ بیٹھ گئے تو مہارانی بھی ان کے قریب ہو بیٹھی۔

"شہنشاہ بولے "کہیں ہمارے دیر سے آنے سے ناراض تو نہیں"۔

"نہیں مہابلی ـــــ مجھے شنکر داس نے بتایا تھا کہ جھروکے سے آپ سیدھے فوجوں کے معائنے کے لیے تشریف لے گئے تھے ـــــ"

"ہاں کوچ کی تیاریاں تقریباً مکمل ہو چکی ہیں ـــــ"

"داسی کی پریشانی اسی وجہ سے ہے مہاراج" مہارانی نے شہنشاہ پر نگاہ ڈالی۔

"کیوں" وہ حیران ہوئے ـــــ پھر مسکرا کر بولے "ہماری شیر دل شریک حیات اتنی بزدل کب سے ہو گئیں ـــــ"

"یہ بات نہیں مہاراج" اس نے ہولے سے کہا۔

"تو پھر یہ بات ہے کہ ابوالفضل اور دوسرے مصاحبوں کی طرح آپ بھی یہ سوچ رہی ہیں کہ ہمیں اس عمر میں دور دراز کا یہ سفر طے نہیں کرنا چاہیے ـــــ" پھر وہ خود ہی بولے "مہارانی ہماری عمر نہیں دیکھو۔ ہمارا ولولہ ہماری ہمت اور ہمارے دل میں موجزن اپنے اکلوتے بیٹے کا پیار دیکھو"۔

"میں ان سب سے بے خبر نہیں ہوں مہاراج"

"تو پھر یہ اداسی کیسی۔ کوچ کے موقع پر تو ہمیشہ تم نے میری ہمت بندھائی ہے۔ مجھے خوشی خوشی رخصت کیا ہے ـــــ اب تردد کس بات کا"۔

"مہاراج ـــــ تردد اس وجہ سے نہیں کہ آپ باغیوں کی سرکوبی کے لیے جا رہے ہیں۔ میں جنگ سے بھی خائف نہیں۔ اس لیے کہ میں جانتی ہوں کہ میرے سرتاج کے سامنے دشمن کا پتہ پانی ہو جاتا ہے ـــــ کوئی مائی کا لال ایسا پیدا ہی نہیں ہوا جو میرے مہاراج کی تلوار کے وار کا جواب دے سکے۔ میرا دھرم ہے کہ آپ کامیاب ہو کر لوٹیں گے"۔

شہنشاہ نے حیرانی سے اسے دیکھا اور بولے "ہمیں تمہاری اداسی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی"

"مہاراج ——— شیخو کی فتح کی خوشی میں جشن منایا جانے والا تھا۔ یہ جشن آپ کے یہاں نہ ہونے سے ادھوری خوشیوں کا ضامن ہوگا"

"اوہ" شہنشاہ نے اک خوشگوار نگاہ اس پر ڈالی۔

وہ جلدی سے بولی "یہ جشن ملتوی نہ کر دیا جائے مہاراج ——— آپ جب واپس آئیں، تو جی بھر کر خوشیاں منائی جائیں ———"

شہنشاہ نے پیار سے مہارانی کو دیکھا اور زیر لب مسکراتے ہوئے بولے "تمہارے جذبات قابل قدر ہیں رانی ——— ایک شوہر پرست بیوی یقیناً اسی انداز میں سوچے گی۔ لیکن ———" وہ جھولے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

مہارانی نے بھی تقلید کی۔ اس نے استفہامیہ نظروں سے شاہ کو دیکھا۔

وہ سہج سہج بولے "جشن کا اعلان ہو چکا ہے۔ پوری مملکت میں خوشیاں منانے اور خوشیاں بانٹنے کا اہتمام ہو چکا ہے۔ ہر شہر میں تو چراغاں ابھی سے شروع ہے۔ لوگ خوش ہیں ——— انہیں وعدے کے مطابق خوشیاں ملنی چاہئیں ——— اور مہارانی۔ ہر محل میں بیگمات شہزادے اور شہزادیاں بڑے اہتمام سے تیاریوں میں مصروف ہیں ——— جوہری مصروف ہو گئے ہیں۔ مغلانیاں ملبوسات کی تیاری میں لگ گئی ہیں محلوں کے داروغہ دن رات تیاریوں میں گزار رہے ہیں ———"

"میں جانتی ہوں"

"پھر بھی جشن ملتوی کرنے کی بات کر رہی ہیں ———"

"آپ کے بغیر ———"

شہنشاہ نے مہارانی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہولے سے اس کا کندھا دبایا، مسکرائے اور بولے "شاید اسی لیے تم نے سورت سے آئے تاجروں کو واپس کر دیا تھا۔ نہیں مہارانی ایسا نہ

کرو۔ تاجر ابھی یہیں ہیں۔ ان سے اپنی پسند کی ساڑھیاں لو۔ اوڑھنیاں پسند کرو کنیزوں باندیوں کے ملبوسات بنواؤ ——— اپنے بیٹے کی شاندار فتح کا شایان شان طریق سے جشن منانے کی تیاریاں کرو ——— شہزادہ چند دنوں تک یہاں پہنچ جائے گا۔ اس کا استقبال تمہیں اور سب خاندان کو شاندار طریق سے کرنا ہوگا۔ بلکہ مہارانی ———"

"جی مہابلی ———"

"تمہیں ہماری طرف سے بھی جان عالم کا استقبال کرنا ہے۔ وہ ہماری کمی کسی طور محسوس نہ کرے۔ بولو ——— کروگی نا ———"

"جو حکم سرکار ———"

"شاباش ہمیں تم سے یہی توقع تھی ———"

شہنشاہ کچھ دیر وہیں کھڑے اپنی چہیتی رانی کی ہمت بندھاتے رہے۔ مہارانی کی باتوں نے انہیں متاثر کیا تھا ——— اور ان کے دل میں اپنی رانی کی عزت و قدر وہ چند ہو گئی تھی۔

واپس جانے سے پہلے شہنشاہ نے پھر کہا "کپڑے کے تاجروں اور شاہی جوہریوں کو بلا بھیجو ——— اپنے دلپسند ملبوسات اور زیورات بنواؤ ——— لونڈیوں باندیوں کو بھی اس موقع پر خوب خوش کیا جائے ———"

"ایسا ہی ہوگا مہاراج" رانی نے ہاتھ باندھ دیئے۔

شہنشاہ نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر پیار سے دبائے، اور بولے "یوں نہیں مسکرا کر کہو یہ بات ———"

مہارانی مسکرا دی ——— گو یہ مسکراہٹ پھیکی تھی۔ لیکن اس نے شاہ کو خوش کر دیا۔

شہنشاہ نے اپنے گلے سے سچے موتیوں کی ست لڑی مالا اتار کر مہارانی کے گلے میں ڈال دی مہارانی تعظیماً جھک گئی ———

”سوسن“

”ہوں“

”کل بدھ ہے“

”تو کیا ہوا۔ ہفتے میں ایک دن بدھ ہوتا ہی ہے“

”بن رہی ہو“

”اداس ہوں“

”پھر ایسے کیوں کہہ رہی ہو“

”تو کیسے کہوں ـــ کل بدھ ہے میں جانتی ہوں“

”بس ـــ“

”دیکھو مہرتاج ـــ میری مانو ـــ لیکن تم میری مانو گی نہیں ـــ“

”تم مجھے یہی مشورہ دے رہی ہو کہ میں نادر سے ملنے نہ جاؤں“

”مخلصانہ رائے یہی ہے“

”مخلصانہ نہیں ظالمانہ ـــ“

”یہ تمہارے دماغ میں عشق کا جو سودا سمایا ہے اس کا فتور ہے۔ ورنہ میرا مشورہ مخلصانہ

ہی ہے۔ اور اپنی بہترین سہیلی کو میں ایسا ہی مشورہ دے سکتی ہوں۔ کیا تمہیں میرے خلوص پر شک ہے“

”نہیں سوسن ـــ میں نے تمہیں ہمیشہ اپنا دوش وغمگسار پایا۔ اماں کے مرنے کے بعد تم ہی نے تو مجھے سہارا دیا۔ میں اپنے آپ کو اکیلا محسوس نہیں کرتی ـــ“

”تو بی بنو۔ میرا کہا مان لو۔ کبوتر پیغام کیا لایا تم نے یقین کر لیا کہ پیغام نادر ہی کا ہے“

”اس میں یقین نہ کرنے والی کوئی بات نہیں۔ نادر کے پیغام کی خوشبو میری روح کو معطر کر دیتی ہے ـــ کبوتر بھی غلط جگہ پیغام نہیں پہنچاتا۔ پھر میں نادر کی لکھائی بھی تو خوب اچھی طرح پہچانتی ہوں ـــ پیغام نادر ہی کا ہے۔ کسی اور کا نہیں۔ نہ ہی کسی نے مجھے پھانسنے کے لیے جال پھیلا دیا ہے“

”یہ بات ناممکن بھی تو نہیں۔ محلاتی سازشوں سے تم بے خبر بھی تو نہیں ہو“

”میرا کسی سے کیا بیر ـــ“

”اتنی حسین وخوبرو ہو۔ ہو سکتا ہے کسی شہزادے ـــ“

”یوں نہ کہو سوسن ـــ“

”کیسے نہ کہوں ـــ انارکلی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ شہزادۂ عالم نے کتنا جفادری قسم کا عشق کیا تھا اس سے ـــ“

”یہ تم بات کس طرف لے گئیں۔ میں انارکلی نہیں ہوں اور نہ ہی کوئی شہزادہ مجھ سے جفادری قسم کا عشق کرتا ہے ـــ“

”ایک بات اور بھی ہو سکتی ہے“

”کیا؟“

”ہوں“

”کوئی خدشہ؟“

"بالکل ——"

مہرتاج چپ ہو گئی۔ شاید کوئی خدشہ اس کے ذہن میں بھی ابھر رہا تھا۔ وہ دونوں اس وقت محلسرا کی ان چوڑی سیڑھیوں پر گھنی پھولدار بیلوں کے پاس بیٹھی تھیں۔ سورج غروب ہو رہا تھا اور سامنے پائیں باغ کے حوضوں میں اس کی آخری کرنیں پڑ رہی تھیں فواروں سے نکلنے والی پھواریں لگتا تھا سونے کی بوندوں پر مشتمل ہیں اور حوضوں کے مضطرب پانیوں پر سونے کی چادر بن کر پھیل رہی ہیں۔ غروب آفتاب کے بعد کچھ حبس ہو جاتا تھا۔ گزرتی گرمیوں اور آتی برسات کے دن تھے۔ کبھی کبھی آسمان کے کناروں پر بدلیاں اٹھنے لگتی تھیں۔ لیکن ابھی ان کا زور نہیں بڑھا تھا۔ کناروں پر ہی سجی تھیں۔ کبھی ہوا کا زور ہوتا تو یہ کچھ پھیل بکھر جاتیں اور ننگے آسمان کے سینے پر ٹکڑوں کی صورت ادھر سے ادھر منڈلاتی پھرتیں۔ تب موسم بھی قدرے خوشگوار ہو جاتا۔ لیکن جب ہوا بند ہوتی —— پتہ تک نہ ہل پاتا۔ تب فضا میں گھٹن اور حبس کا زور بڑھ جاتا۔ ایسے میں نازک اندام شہزادیاں مہین ٹھنڈے لباس پہنتیں۔ اور کنیزیں مورچھل اور پنکھیوں پر گلاب و خس خس کا عطر چھڑک چھڑک کر پانی کا نم دے کر انہیں جھلتیں اور سکون پہنچانے کی کوشش کرتیں۔ شہزادے اکثر ٹھنڈے اور ہلکے پھلکے لباس پہن کر جمنا کے کنارے چہل قدمی کے لیے نکل جاتے۔

سوسن بھی شہزادی جہاں آرا کے دالان سے ادھر آئی تھی۔ پنکھا جھلنے کی ذمہ داری اب دوسری کنیز دلآرام نے لے لی تھی۔ وہ اب فارغ تھی۔ باہر نکلی تھی کہ مہرتاج نظر آ گئی ——

مہرتاج جو چند دنوں سے گم صم رہتی تھی اس وقت محل کی طویل راہداریوں سے نیچے جانے والی چوڑی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔ اسے حبس کا احساس تھا نہ گھٹن کا وہ تو نادر کے متعلق سوچ رہی تھی۔ جو زندہ تھا اور بندھیل کھنڈ کی پہاڑیوں میں روپوش نہیں تھا بلکہ محلات کے ارد گرد ہی کہیں موجود تھا اور جس سے ملنے اس نے کل رات جانا تھا۔ نادر کا

پیغام جب سے ملا تھا اس کی حالت دیدنی تھی۔ کبھی خوشی اس کی آنکھوں میں چمک بن کر لَو دینے لگتی اور کبھی افسردگی گھور اندھیروں کی طرح آنکھوں کی چمک کو ڈھانپ لیتی۔

اس کے جذبات سے سوسن آگاہ تھی۔ پہلے بھی اسے منع کر چکی تھی کہ کیا خبر یہ کسی نے سازش کی ہو۔ اس پر شک ہو گیا ہو کہ وہ نادر کے ٹھکانوں سے واقف ہے۔ یہ معلوم کرنے ہی کے لیے کسی نے سازش کی ہو جال پھیلایا ہو۔

لیکن

مہرتاج یہ بات ماننے کو تیار ہی نہ تھی۔ اسے ایمان کی حد تک یقین تھا کہ اس کا نادر جان پر کھیل کر اس سے ملنے آ رہا ہے —— خط نادر ہی کا ہے اور پیغام رساں کبوتر بھی اسی کے ایما پر خط لایا تھا —— کوئی سازش نہیں تھی۔ کسی نے جال نہیں پھیلایا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ سوائے سوسن کے اس کی محبت سے کوئی فرد آگاہ نہیں۔

اسی لیے

جب

سوسن نے ایک بار پھر مہرتاج کو ذہن نشین کرانے کے لیے زور دے کر کہا "یہ سازش بھی ہو سکتی ہے"

تو

وہ نگاہ غلط انداز اس پر ڈال کر بولی "کیسے؟"

"نادر خان کے سر کی قیمت مقرر ہو چکی ہے —— جانتی ہو نا"

"ہاں"

"ہو سکتا ہے کسی کو علم ہو گیا ہو کہ تمہارے اس سے روابط ہیں ——"

"ہونھ ——" اس نے تمسخر سے کہا پھر سوسن کی طرف دیکھ کر بولی "سوسن۔ نادر میرا محبوب ہے۔ یہ بات میں جانتی ہوں۔ اور یہ راز میرے سینے میں دفن ہے۔ منتقل ہوا ہے تو صرف تم

تک ـــــ اور کسی کو شبہ تک نہیں ـــــ کہیں تم نے ہی تو میرا راز کسی کے سامنے فاش نہیں کر دیا ـــــ"

"مہرتاج ـــ اگر یہ بات تم نے مذاق سے بھی کہی ہے تو مجھے دکھ ہوا ہے ـــ"

مہرتاج نے ہنس کر اس کے گلے میں باہیں ڈال کر اسے لپٹاتے ہوئے کہا "دیکھو مجھ سے ناراض نہ ہونا سوسن ـــ مجھے تمہارے اخلاقی سہارے کی سخت ضرورت ہے۔"

"ٹھیک ہے جب تم مان کے نہیں رہتیں۔ تو ضرور جانا اسے ملنے۔"

"وہ تو جاؤں گی ـــــ"

"جب جان ہتھیلی پہ رکھ ہی چکی ہو تو پھر خدشے کا کیا کام ـــ"

"مجھے اپنی جان کی پروا نہیں ـــ"

"نادر کی جان کی ہے۔"

"ہاں ـــ خدا نہ کرے اس کی موجودگی کا کسی کو علم ہو گیا تو ـــ"

"محتاط رہنے کی انتہائی ضرورت تو ہے ہی ـــ"

"پھر بھی ـــ ان دنوں اکثر شہزادے جمنا کنارے سیر کے لیے جاتے ہیں ـــ"

"ہاں یہ بات تو ہے۔"

"کسی نے نادر کو دیکھ لیا تو ـــ"

"نادر نے سوچ سمجھ کر ہی تم سے ملنے کا منصوبہ بنایا ہو گا ـــ"

"وہ میرے بغیر اتنا عرصہ نہیں رہ سکتا ـــ جانتی ہو مہینے گزر گئے ہیں۔" سوسن چپ ہو گئی۔

مہرتاج نے اک گہری سانس لی اور بیل کی پتیاں نوچنے لگی۔

کئی لمحوں کے بعد سوسن نے کہا "شہزادوں والی بات دل سے نکال دو ـــ"

"کیوں"

"بھئی وہ سب شام ڈھلے واپس لوٹ آتے ہیں۔ اور تم نے رات گئے نادر سے ملنے جانا ہے ـــ"

"ہوں"

"مہرتاج"

"کیا ہے"

"جاؤ گی کیسے"

"جیسے پہلے جاتی تھی ـــ"

"اوہ میرے خدا ـــ" سوسن نے لرز کر اسے دیکھا "اسی غار کے اندر سے ـــ جو قلعے کی بنیادوں تلے بنی ہے۔ اور جس کو انتہائی ضرورت کے وقت استعمال کرنے کے لیے بنایا گیا ہے اس اندھی اندھیری ـــ"

مہرتاج نے ہنس کر کہا "ہاں اس اندھی اندھیری گلی سے ہو کر جو غار کے منہ میں کھلتی ہے۔ اور جس کا پتہ سوائے چند محافظوں کے کسی کو نہیں ـــ"

"ڈر نہیں لگتا تمہیں ـــ"

"اندھیرے سے؟"

"ویران راستے سے ـــ وہاں دم بھی گھٹ سکتا ہے۔ سیلن بھی ہوتی ہے۔ کیڑے مکوڑے ہونے کے امکان کو بھی رد نہیں کیا جا سکتا ـــ"

مہرتاج پھر ہنسی ـــ اس کی ہنسی کی کھنک بڑی جاندار تھی۔ اس نے سوسن کی طرف دیکھا جو خاصی خائف نظر آ رہی تھی۔

"سوسن۔ دل کی لگی بُری ہوتی ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا "اپنی جان کی پروا تھوڑا ہی ہوتی ہے۔"

"جان پر کھیل رہی ہو ـــ سوچ لو ـــ پہلے بات اور تھی اب اور ہے ـــ"

"میرے لیے نادر پہلے جو کچھ تھا اب بھی وہی ہے۔ بلکہ زیادہ ہی دل کے قریب ہوگیا ہے۔"

"اچھا بھئی — تمہاری مرضی — چلو اٹھو اب۔ شام اترنے والی ہے۔ تمھیں ابھی فانوس بھی روشن کرنا ہیں —"

"ہاں مجھے اپنا فرض بھولا نہیں — چلو چلتے ہیں —"

دونوں اُٹھ کھڑی ہوئیں —

آسمان کے کناروں پر بدلیاں دھواں دھواں ہو رہی تھیں اور ہوا کے جھونکے بھی آنا شروع ہو گئے تھے۔

"آج بوندیں ضرور پڑیں گی۔" سوسن نے کہا۔

"ہاں حبس بہت ہو رہا ہے۔ بدلیاں اٹھ رہی ہیں۔ ہوا یوں چلتی رہی تو آسمان ڈھانپ لیں گی —"

دونوں باتیں کرتی راہداری میں آئیں۔ سوسن دائیں ہاتھ کے گھماؤ مڑ گئی اور مہتاج شمدان لینے چلدی — شہنشاہ کی خوابگاہ روشن کرنے کا وقت ہو رہا تھا۔

مہارانی درمیان میں تھی اور درجن بھر لونڈیاں باندیاں اس کے پیچھے نیم دائرے کی صورت کھڑی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں سونے چاندی کے تھال تھے۔ جن میں گھی کے چراغ جل رہے تھے اور منقش ڈبیوں میں سندور چندن اور لوبان تھے۔ چھوٹی چھوٹی پھول پتیوں کی ڈھیریاں بھی تھیں۔ شہنشاہ اکبر نے آج سامو گڑھ کے لیے کوچ کرنا تھا اور وہ مہارانی کے پاس ابھی آنے والے تھے۔

آج کوچ کا دن تھا۔ شہنشاہ نے فوج کی قیادت بہ نفسِ نفیس کرنا تھی۔ وہ سب سے ملنے کے بعد مہارانی سے ملنے اور رخصت ہونے آ رہے تھے۔ مہارانی نے آج ڈھیر سارا وقت اپنے محل کے مندر میں پوجا پاٹ میں گزارا تھا۔ مندر کی گھنٹیاں بجتی رہی تھیں، اشلوک پڑھے جاتے رہے تھے اور دیوداسیاں بھجن گاتی رہی تھیں۔ مہارانی مورتیوں کے آگے کبھی ہاتھ باندھے اور کبھی ماتھا ٹیکے رہی تھی — مہاراج کی زندگی کی دعائیں کی تھیں اور ان کی صحت یابی کے لیے پراتھنا کرتی رہی تھی۔

شہنشاہ کی کوشک سراؤں میں نوبت پر ضرب پڑ رہی تھی اور نقیب کی پرشکوہ آواز کبھی دور سے اور کبھی قریب سے سنائی دے رہی تھی۔ وہ شہنشاہ کے القابات اور خطابات کا اعلان کرتے ہوئے جس طرف شاہ کو جانا مقصود تھا آگے آگے جا رہا تھا۔ آواز کی گونج لوگوں کو شہنشاہ

کی آمد سے خبردار کر رہی تھی ـــــ پہریدار مستعد ہو کر کھڑے ہو رہے تھے۔ چمکتے پھلوں اور انیوں والے نیزے کبھی کندھوں سے اوپر ہو رہے تھے اور کبھی نیچے ـــــ

مہارانی نے بھی آوازیں سنیں تو نصف باندیوں کو نصف دائرے کی صورت کھڑا ہونے کا حکم دے کر درمیان میں کھڑی ہو گئی۔ شہنشاہ کی آرتی اتارنا تھی۔ کچھ خیرات بانٹنا تھی اور اشرفیوں بھرے تھال سر پر سے وارنا تھے۔

شہنشاہ سامنے والے چبوترے سے نمودار ہوئے شاہی نشان بردار نقیب وہیں رک گیا۔ پہریدار اپنی اپنی متعینہ جگہ پر تن کر کھڑے ہو گئے۔ شہنشاہ سیڑھیوں کی جانب بڑھے۔ انہوں نے سیڑھی پر قدم رکھا۔

مہارانی چوڑی مرمریں سیڑھیاں اترنے لگی۔ شہنشاہ کا سواگت کرنے کے لیے وہ ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

شہنشاہ اس وقت فوجی لباس میں تھے۔ لباس میں کیا تھے سرتاپا آہن پوش تھے۔ سر پر فولاد ٹوپی تھی۔ اس کے نیچے سے لوہے کی جالی دار زنجیریں لٹک کر کندھوں پر پڑ رہی تھیں۔ ٹوپی کے نیچے ان کا مخصوص پٹکا تھا، جسکے سیاہ کنارے جالیدار زنجیروں تلے سے نظر آ رہے تھے۔ خود کی خاص شکل تھی اور اس پر شہنشاہ کا امتیازی نشان چمک رہا تھا۔ آہنی سینہ بند پر بھی زنجیریں لٹک رہی تھیں۔ کہنیوں تک فولادی بازوبند تھے۔ کمر میں ان کی خاص تلوار لٹک رہی تھی۔ یہ تلوار کئی معرکے سر کر چکی تھی اور کسی معرکے میں بھی اس نے شاہ کی عظمت ہیبت اور دبدبے کو گزند پہنچنے نہیں دیا تھا ـــــ شہنشاہ کی پنڈلیوں سے لے کر گھٹنوں تک بھی پٹیاں کسی ہوئی تھیں ـــــ وہ اس وقت جاہ و جلال، رعب و دبدبہ اور ہیبت و غضب ناکی کا مجسمہ معلوم ہو رہے تھے ـــــ ان کی عمر ساٹھ سال سے متجاوز تھی۔ لیکن اس لباس میں وہ اک جانباز دلیر اور چاک و چوبند سپاہی نظر آ رہے تھے۔ جو دشمن پر ٹوٹ پڑنے کے لیے بے تاب ہوتا ہے۔

شہنشاہ کے روبرو آتے ہی مہارانی نے جھک کر ان کے چرن چھوئے۔ شہنشاہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ تھپتھپایا۔

وہ سیدھی کھڑی ہو گئی اور ہاتھ جوڑ کر سلام کیا۔ شہنشاہ نے سر کے اشارے سے سلام قبول کیا پھر شہنشاہ سیڑھیاں چڑھنے لگے وہ بھی ان کے ساتھ ساتھ چبوترے تک چلی آئی۔

تھال پکڑے باندیاں شہنشاہ کو دیکھتے ہی اتنا جھک گئیں کہ لگتا تھا ان کے ماتھے مرمریں فرش کو چھونے لگے ہیں۔

کنیزوں داسیوں باندیوں کے آداب اور کورنشیں قبول کرتے ہوئے سہنشاہ چبوترے پر رک گئے ـــــ مہارانی ان کے سامنے کھڑی ہو گئی ـــــ پھر اس نے ایک داسی کو آواز دی "ساوتری"

"جی مہارانی جی ـــــ" ساوتری تھال سنبھالے آگے بڑھی۔

"ہمارے سامنے تھال لاؤ ـــــ"

"یہ لیجیے سرکار۔"

ساوتری نے تھال آگے کر دیا۔ مہارانی نے چندن اور سندور کا ملا ہوا ٹیکہ شہنشاہ کے ماتھے پر لگایا ـــ یہ نیک شگون کے طور پر تھا۔ شہنشاہ نے سندور کی چٹکی بھری اور مہارانی کی مانگ میں بھر دی ـــــ مہارانی نے ہاتھ جوڑ دیئے ـــــ باندیوں نے مہارانی کے سہاگ ہمیشہ قائم رہنے کی دعا کی ـــــ ان رسوم کے بعد لونڈیاں باری باری تھال لیے آگے بڑھیں۔ تھالوں میں دیگر چیزوں کے علاوہ گھی کے دیے جل رہے تھے۔ مہارانی نے مہاراج کی آرتی اتاری۔

پھر کنیزیں لونڈیاں باندیاں تھال لیے الٹے قدموں پچھلے دالانوں میں حریری پردوں کے پیچھے روپوش ہو گئیں۔ مہارانی مہاراج کے ساتھ ساتھ چلتی اندر چلی آئی۔

چند لمحے شہنشاہ اکبر وہاں رُکے۔

فوجی دستے دریائے جمنا کے کنارے کھلے میدان میں جمع ہو چکے تھے۔ شہنشاہ کی آمد کا انتظار تھا۔ پھر کوچ شروع ہونا تھا۔۔۔۔

ادھر ادھر کی چند باتوں کے بعد شہنشاہ نے کہا "مابدولت اب تشریف لے جارہے ہیں۔"

"مہابلی ۔۔۔ چند لمحوں کے لیے جھروکے میں تشریف لے چلئے ۔۔۔"

"جھروکے میں ۔؟ صبح حسب معمول ہم لوگوں کو درشن دے چکے ہیں جودھا بائی۔"

"میں نے انہیں جمع کیا ہے اس وقت۔ غریب لوگوں کو بطور خاص بلوایا ہے۔"

"وہ کیوں ۔۔۔"

مہارانی مسکرا کر بولی" آپ کو رن کے میدان میں کیا یونہی جانے دوں گی ۔۔۔ پُن دان نہیں کروں گی کیا۔"

شہنشاہ نے متبسم نگاہ اس پر ڈالی ۔۔۔ پھر بڑے پُروقار انداز میں چلتے جھروکے کی طرف آئے۔ باندیاں پہلے ہی وہاں اشرفیوں بھرے تھال لیے پہنچ چکی تھیں۔

شہنشاہ جھروکے میں نمودار ہوئے تو لوگوں نے بڑے جوش و جذبے سے نعرے لگائے۔

"شہنشاہِ اعظم زندہ باد۔"

"آفتاب مملکت زندہ باد۔"

"صف شکن ۔ بادشاہ غازی سپہ سالار اعلیٰ زندہ باد۔"

"ابو المظفر الغازی شہنشاہ جلال الدین اکبر زندہ باد"

جھروکے سے باہر صف در صف کھڑے مستعد پہریداروں نے بھی اپنی سنگینیں اوپر کر کے پھر ان کے پھل نیچے کر کے شاہ کو سلامی دی۔

ان رسمی کارروائیوں کے بعد مہارانی نے لونڈیوں سے تھال لے لے کر شاہ پر سے وارے اور ایک جھروکے سے نیچے کھڑے چندن داس کو دیتے ہوئے کہا" یہ دان غریبوں میں تقسیم کر دو ۔۔۔ کوئی جھولی خالی نہ لوٹے ۔۔۔ سارے تھال خالی کر دیئے جائیں۔"

"جو حکم مہارانی ۔۔۔" اس نے سر جھکایا۔ پھر لونڈیاں وارے ہوئے تھال لیے جھروکے کے عقب سے نیچے جانے والے زینوں کی طرف ہولیں۔

شہنشاہ اور مہارانی وہاں سے ہٹ گئے۔ لوگوں کے نعرے اور دعائیں دیر تک گونجتے رہے۔ شہنشاہ نے مہارانی سے اجازت چاہی اور بولے" ہم جا رہے ہیں جودھا بائی۔ ہماری غیر حاضری میں ہمارا نور چشم آئے گا۔ دیکھنا اس کے استقبال میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔ وہ میدان مار کر لوٹ رہا ہے۔ اس کی عزت افزائی ضرور ہو۔ ہم واپس آ کر اس کو اس طرح نوازیں گے کہ وہ مسرت و حیرت کا مرقع بن جائے گا ۔۔۔"

"دھن داد مہاراج ۔۔۔ بھگوان آپ کو جلدی بخیر واپس لائے۔"

شہنشاہ نے سر آہستگی سے ہلایا۔ پھر بولے" حاکم سامو گڑھ نے اپنی تباہی کو خود للکارا ہے ہم اس سے کسی قسم کی نرمی نہیں برتیں گے ۔۔۔ ہم اپنی بہترین سپاہ کو ساتھ لے جا رہے ہیں۔ ایسی بغاوتوں کو کچل دینا ان کے لیے کوئی بڑا کام نہیں ۔۔۔"

مہارانی نے ایک بار پھر عرض کرنا چاہی کہ سرکار جب اپنی سپاہ پر آپ کو اتنا اعتماد ہے تو پھر خود ساتھ جانے کی کیا ضرورت ہے رُک جائیے اور اپنے بیٹے کی خوشیوں میں شریک ہوئیے۔"

لیکن

دل کی بات زبان تک نہ آسکی۔ شہنشاہ نے اسے خدا حافظ کہتے ہوئے واپسی کے لیے قدم اٹھایا۔

مہارانی نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا

"فوجی کوچ کا نظارہ تم اپنے محل کے مغربی دریچوں سے کر سکتی ہو۔"

"ہاں مہاراج ۔۔۔ میری نگاہیں وہیں سے آپ کو وداع کریں گی۔ میں اس وقت تک کھڑی رہوں گی جس وقت تک مہاراج کی سواری نظر آتی رہے گی۔"

"خوب" شہنشاہ نے مہارانی پر اک بھرپور نگاہ ڈالی۔ پھر کمرے سے برآمد ہوئے۔ تھوڑی دور کھڑا نقیب چوکنا ہوا۔ پھر اس کی پرہیبت اور پرشکوہ آواز شہنشاہ کی آمد سے سب کو خبردار کرنے لگی۔

مہارانی سیڑھیوں پر اس وقت تک کھڑی رہی جس وقت تک شہنشاہ اسے نظر آتے رہے۔ جب نظروں سے اوجھل ہوئے تو وہ بوجھل بوجھل قدموں سے مغربی دریچے کی طرف بڑھنے لگی۔ داسیاں باندیاں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگیں۔

فوجوں کی روانگی کا نظارہ دیدنی تھا۔ جمنا کے کنارے کھلے میدان میں فوجی دستے اپنے اپنے سالاروں اور فوجی نشان والے پھریروں کے نیچے چاک وچوبند کھڑے تھے۔ گھوڑے ہنہنا رہے تھے ــــ ایران فوج کی شناخت وپہچان قلادہ وکلغی کے علاوہ ان کے گھوڑوں سے ہو رہی تھی۔ مختلف رنگوں کی منقش چادریں ان کی پشتوں پر پڑی تھیں جو گھٹنوں تک لٹک رہی تھیں اور امتیازی پرچم ان کے آگے لہرا رہے تھے۔

جمنا کنارے کوسوں رقبے پر فوج اس طرح پھیلی تھی کہ آواز وآہن کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا محسوس ہوتا تھا ــــ لوہے کے چمکتے پیرہن اور سورج کی شعاعوں میں نگاہوں کو خیرہ کر دینے والے نیزوں کے پھل دلوں پر ہیبت طاری کر رہے تھے۔

شہنشاہ کے لشکر میں تشریف لاتے ہی آوازیں خاموش ہو گئیں۔ لگتا تھا گھوڑوں اور سدھائے ہوئے ہاتھیوں کو بھی شاہ کا ادب ملحوظ خاطر ہے۔ بالکل خاموشی چھا گئی تھی جسے شہنشاہ کے ایما پر خان خاناں کی پرجلال اور پرشکوہ دبدبے اور جذبے والی آواز نے توڑا۔ اس نے شہنشاہ کی اجازت سے ہراول دستوں کو کوچ کا حکم دیا ــــ ہراول دستے کا سالار آہن پوش تھا۔ اس نے مغل حکومت کے امتیازی نشان والا پرچم بلند کیا اور بلند آواز کہا "قدم بڑھاؤ"۔ دستے کے سربکف نوجوانوں نے حکم پاتے ہی گھوڑوں کو تھپتھپایا، نعرۂ تکبیر بلند کیا اور روانگی کے لیے رکابوں میں رکھے پاؤں ہلا کر گھوڑوں کو چلنے کا اشارہ دیا ــــ

جیسے ٹھہرے ہوئے پانی میں حرکت پیدا ہوتی ہے اسی طرح بڑے منظم طریق سے لشکر میں حرکت ہوئی۔ گھوڑے سنگ سنگ چلے ــــ پھریرے لہرانے لگے اور نیزوں کی انیاں چمکنے لگیں۔ فضا میں گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور ہتھیاروں کی کھنک سے عجیب سا ارتعاش پیدا ہو گیا۔

ہراول کا دوسرا دستہ معتبر سالار نصرت خان کی زیر قیادت حرکت میں آیا۔ یہ دستہ بھی چاک وچوبند لشکریوں پر مشتمل تھا۔

اس کے بعد امیر الامراء لشکر ہائے سلطانی کا سپہ سالار ابوالفضل چتر سراپردہ سپاہ خاص اور ہاتھیوں کے ایک دستے کے ہمراہ روانہ ہوا ــــ اس دستے کی شان دیدنی تھی۔ ابوالفضل کے سر پر فوج کا خاص جھنڈا سایہ فگن تھا۔ وہ بڑی تمکنت سے اپنے وفادار گھوڑے کی پشت پر سوار تھا۔ جس پر سرخ بنات کی منقش چادر پڑی تھی ــــ اس کے سر پر بھی فولادی خود تھی اور آہنی زنجیریں کندھوں تک لٹک رہی تھیں۔ آہنی سینہ بند اور کمر بند تھا۔ اور اس کی تلوار خاص جس کی دھار آبی تھی، لٹک رہی تھی ــــ وہ بڑی شان اور تمکنت سے گھوڑے پر بیٹھا تھا۔ اس نے گھوڑے کی باگ اٹھائی، رکاب میں پڑے پاؤں ہلاتے ہی فیلبانوں نے ہاتھیوں کو اشارہ دیا ــــ اشارہ پاتے ہی انہوں نے چنگھاڑ کر اپنی سونڈیں بلند کر دیں اور اپنے معزز سپہ سالار کو سلامی دی ــــ امیر الامراء کے ہمراہ جن سپاہیوں کا دستہ تھا وہ بڑے دہشت ناک تھے ــــ اور یہ جنگجو سپاہی خوفناک لڑائی لڑنے میں مشہور تھے۔ وہ دشمن پر بھوکے بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑتے تھے اور مدافعت کے وقت لوہے کی دیوار بن جاتے تھے۔ ان کے نیزوں کے پھل پر دشمن کی موت ناچا کرتی تھی۔ یہ دستہ شہنشاہ کے آس پاس ہی رہتا تھا۔

ہراول دستوں کے بعد قلب کا لشکر روانہ ہوا۔ یہ لشکر شہنشاہ معظم کی کمان میں تھا۔ چتر سراپردہ اور سلطانی علم کے سائے میں مغل شہنشاہ جو بڑھاپے میں بھی پرعزم اور نوجوانوں

کی سی دلیرانہ جرأت کا مالک تھا۔ دائیں بائیں چلنے والے دستوں پر ہیبت اور دبدبہ طاری
کرتے ہوئے گھوڑے کی باگ تھامے تمکنت اور شان سے روانہ تھا۔ اس کے پیچھے دستۂ خاص
تھا، جس کے جوان دشمن کی موت ثابت ہوتے تھے اور جو اپنے شاہ کے انتہائی وفادار اور اعتماد
کے سپاہی تھے۔ انہوں نے میدان جنگ سے منہ موڑنا نہیں سیکھا تھا۔ بے جگری سے لڑنا
اور فتح و نصرت کے پھریرے لہرانا ان کا کام تھا۔ ان کے چہروں پر خشونت کے آثار تھے۔
اور آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں ___ وہ گھوڑوں کی پشت پر بیٹھتے وقت اپنے
عزیز و اقارب سے سارے قلبی ناطے توڑ لیا کرتے تھے۔ اور ان کے کھردرے چہروں اور شعلے
برساتی آنکھوں میں صرف دشمن کو زیر کرنے کی لو ہوتی ___ شہنشاہ کے دستۂ خاص میں
گنجے اور سدھائے ہوئے ہاتھی تھے۔ جنھیں فیلبان مناسب فاصلے سے لیے جا رہے تھے۔

شہنشاہ کے عقب میں ان کے انتہائی معتمد سردار تقی خان کا دستہ تھا۔ شہنشاہ کی
حفاظت کی ذمہ داری اس کے سپرد تھی۔ جب بھی شہنشاہ کسی معرکے میں شریک ہونے جاتے
یہ دستہ اس طرح شاہ کے عقب میں چلتا تھا۔

ان کے پیچھے دیگر سالاروں کے دستے تھے۔ جن کے سپاہی سینوں میں فتح یاب ہو کر
لوٹنے کا عزم لیے ہوئے تھے۔ ان میں مملکت کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے جوان
شامل تھے ___ ریاستوں کے راجوں مہاراجوں کی زیر قیادت لڑائی کا فن و ہنر سیکھنے والے
یہ جوان بلا تخصیص مذہب و ملت صرف جذبۂ وفاداری سے سرشار میدان جنگ میں داد
شجاعت دینے والے تھے۔ ان کی آبدار تلواروں کی زد میں آیا ہوا دشمن کبھی بچ نہ پاتا تھا۔

مسلمان سپاہی، راجپوت سورمے، جنگجو کھشتری، خونخوار ترک اور خطائی اپنے اپنے سالاروں
کے ساتھ روانہ ہو چکے تھے۔ شہنشاہ کا عقب ہمیشہ ایسے ہی لوگوں سے محفوظ رکھا جاتا تھا
ان لوگوں کی وفاداریاں ایک بار نہیں کئی بار آزمائی جا چکی تھیں ___

ان سارے دستوں کے بعد پیادہ فوج روانہ ہوئی۔ اس فوج کی سربراہی امیر سلطنت

قباچہ خان کے سپرد تھی۔ یہ سالار فوج میں وحشت ناک اور ہیبت ناک دست بدست لڑائی
کی وجہ سے مشہور تھا ___ یہ فوجی اپنے سردار کی قیادت پر نازاں تھے۔ کئی پرچم بردار
پھریرے اٹھائے آگے پیچھے چل رہے تھے ___ ان لشکریوں میں وہ لوگ بھی شامل تھے
جو ثواب جہاد کی خاطر سروں پر کفن باندھ کر نکلے تھے ___

اس لشکر کے پیچھے خیمہ و خرگاہ سامان رسد اور دوسری ضروری اشیاء تھیں۔ اس کا
انتظام قطب الدین کے سپرد تھا ___ یہ جنگجو سپاہی بھی تھا اور معرکہ میں نوبتی کے فرائض بھی
انجام دیتا تھا۔ سامان کی نقل و حرکت خچروں اور گدھوں پر لدے خیموں اور دوسری
ضروری اشیا کی نگرانی اپنے مشیروں کے ساتھ مل کر بہت احسن طریق سے کیا کرتا تھا۔
شہنشاہ کا یہ خاص آدمی تھا ___ اور شہنشاہ جب بھی کسی معرکے سے لوٹتے تو اس کی خدمات
کے عوض بے بہا انعام و اکرام دینا نہ بھولتے۔

لشکر کوچ کر چکا تھا۔ قلعے کی فصیل اور محلات کے جھروکوں سے اس کوچ کا نظارہ
کرنے والے ابھی تک دم بخود کھڑے تھے ___ جب قطب الدین کا آخری کارندہ بھی
نظروں سے اوجھل ہو گیا اور گھوڑوں ہاتھیوں کے بھاگنے سے اڑنے والی دھول بادل
بن کر رہ گئی تو بھی لوگ دم سادھے کھڑے تھے ___

مہارانی بھی مرمریں جالی دار کٹہرے کو تھامے دریچے کے مہین پردے کے پیچھے
سے دھول کے اڑتے بادلوں کو ابھی تک دیکھ رہی تھی ___ شہنشاہ کے چلے جانے
سے محل کی فضا اسے سونی سونی لگ رہی تھی ___

"مہارانی لشکر جا چکا ہے۔ اندر چل کر آرام فرمائیے۔ آپ تھک چکی ہوں گی" اس
کی منہ چڑھی باندی نے آگے بڑھ کر مؤدب لہجے میں کہا تو مہارانی نے ایک گہری سانس
لیتے ہوئے کٹہرے کو چھوڑ دیا ___ سورج بہت اونچا اٹھ آیا تھا۔ دریچے سے گرم کرنیں

اندر آرہی تھیں گرمی و تمازت کا اسے پہلے احساس نہیں ہوا تھا۔

لیکن

اب

وہ کچھ گھٹن اور حبس محسوس کرنے لگی تھی۔ اس لیے وہاں سے اپنے آرام محل کی طرف چل پڑی۔

رات تیرہ و تاریک تھی۔ درختوں تلے تو اندھیرا اتنا گہرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔۔ جمنا کا پانی حسب دستور بہہ رہا تھا اور اس کی سناں شاں ماحول کے سکوت و سناٹے کو توڑ رہی تھی ۔۔۔ کبھی کبھی کہیں سے کسی آوارہ کتے کی بھوں بھوں بھی فضا کے سکوت کو آواز آشنا کر دیتی ۔۔۔ ورنہ یوں لگتا تھا ساری کائنات دم سادھے ہوئے ہے۔۔ اس خاموشی اور سیاہی نے ماحول کو خاصہ ہیبت ناک بنا دیا تھا۔۔۔

لیکن

ماحول کی ہیبت ناکی اور خوفناکی کو ذہن پر مسلط کیے بغیر بڑی سی چادر میں لپٹے کسی شخص کا سایہ درختوں تلے ہوتا جمنا کنارے اس چھوٹے سے ٹیلے کی طرف بڑھ رہا تھا جو ہموار میدان میں صدیوں کے کائناتی تغیر و تبدل سے وجود میں آگیا تھا۔ یہ ٹیلہ کچھ زیادہ بڑا نہیں تھا۔۔۔ دونوں کناروں سے ہموار ہوتا جمنا کے گیلے کناروں پر گزوں تک پھیل جاتا تھا۔ یہاں قدرتی گھاس اور پھول پتے اس طرح بچھے تھے جیسے کسی نے خود سجائے ہوں ۔۔۔ دن میں تو یہ جگہ بڑی خوبصورت نظر آیا کرتی تھی۔ کبھی چاندی اور کبھی سونے کی بہتی چادر ایسا جمنا کا پانی اور اس کے کنارے اٹھتا ہوا پھولوں لدا یہ ٹیلہ قدرت کے حسن کا شاہکار تھا۔ چاندنی رات میں بھی یہ بہت حسین دکھائی دیتا تھا۔

لیکن
اس اندھیری اندھیری رات میں سارا حسن سیاہ لبادے نے ڈھانپ لیا تھا اور ٹیلے کا
وجود خاصہ پراسرار اور ڈراؤنا لگ رہا تھا — ہاں پانی اور پھولوں کی گھلی ملی مہک اور ٹھنڈک
پراسراریت کے باوجود سکون بخش محسوس ہوتی تھی۔

چادر میں لپٹا وجود اس ٹیلے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ آواز پا کبھی کبھی فضا کے سکوت کو
درہم برہم کر دیتی — جب ایسا ہوتا سایہ خوفزدہ ہو کر رک جاتا —

یہ

مہرتاج تھی۔

اپنے محبوب نادر خان سے ملنے کشاں کشاں چلی آرہی تھی۔ وہ بہت دشوار گزار اور
کٹھن راستے کو پار کر کے قلعے سے باہر آئی تھی۔ رات تاریک نہ ہوتی تو شاید اس کا یوں میدان
میں نکل آنا ممکن نہ ہوتا۔ سوسن نے اسے بہت روکا تھا۔ منع کیا تھا۔ لیکن وہ رکی نہ باز آئی۔
عشق راسخ و صادق تھا۔ اس لیے راہوں کی دشواری آڑے نہ آئی تھی — ہاں اس کا دل
بے طرح دھک دھک ضرور کر رہا تھا — سوچیں مضطرب و بے چین تھیں — بقول سوسن
کبوتر کا پیغام جعلسازی پر منتج بھی ہو سکتا تھا — کسی دشمن کی چال سے بھی تعبیر کیا جا سکتا
تھا — نادر خان کی گرفتاری کے لیے شہنشاہ نے منہ مانگا انعام بھی مقرر کر رکھا تھا۔ مملکت
کے افسران اور امیران کے علاوہ عام شہری بھی اس کی گرفتاری کے لیے کوشاں تھے۔ یہ
پیغام کسی کی بھی چال ہو سکتا تھا۔

لیکن

سارے خدشات

سارے خطرے

سارے وہم پس پشت ڈال کر مہرتاج اپنی بے پناہ محبت اور بے لوث پیار کے سہارے

یہاں تک آپہنچی تھی۔ اس کا اس طرح آنا خود اس کے لیے بھی خطرے کا باعث تھا۔ کسی کو
پتہ چل جاتا تو وہ دھر لی جاتی — عتاب شاہی اس پر ٹوٹ پڑتا۔ اس سنگین جرم میں اسے
زندہ بھی گاڑا جا سکتا تھا — قتل بھی کیا جا سکتا تھا اور آنکھیں نکلوا کر عقوبت خانے
میں ساری عمر سسکنے کے لیے بھی چھوڑا جا سکتا تھا۔

مہرتاج ان باتوں سے بے بہرہ نہیں تھی۔ وہ بڑی زیرک ہوشیار اور معاملہ فہم بھی
تھی۔ کوئی بھی گڑبڑ ہو سکتی تھی۔ اس کا اسے احساس تھا۔

اسی لیے

اس نے اپنی کمر میں چھوٹا سا خنجر اڑس رکھا تھا جس کا پھل زہر آلود تھا۔ اس کے
علاوہ انگوٹھی کے نگینے تلے چور خانے میں وہ سفوف بھی تھا جو زبان پر رکھتے ہی ہلاکت
کے سارے مراحل لمحوں میں طے کر سکتا تھا — عتاب شاہی اور پوچھ گچھ کے تردد سے بچنے
کا اس نے اہتمام کر رکھا تھا۔

جس غار نما راستے سے وہ باہر آئی تھی۔ وہاں سے ٹیلے کا راستہ تقریباً ڈیڑھ کوس پر
محیط تھا۔ یہ راستہ سنبھل سنبھل کر انتہائی احتیاط سے طے کرنا تھا۔ گو اس وقت ادھر کسی کے
ہونے کا امکان نہیں تھا پھر بھی وہ محتاط تھی۔ جانتی تھی کہ بعض اوقات خاموش
ویرانے بھی جاگ اٹھتے ہیں بول پڑتے ہیں — اور چھپے سربستہ رازوں کو افشا کر دیتے ہیں۔
اپنے قدموں کی آواز پر وہ خوفزدہ ہو رہی تھی — درختوں سے گرے سوکھے پتے اور ٹہنیاں
قدموں تلے آتیں۔ تو چڑ چڑ سی آواز پیدا ہوتی — اتنا اندھیرا تھا کہ یہ بکھرے ٹہنیاں پتے
اسے نظر ہی نہ آتے تھے۔

اب وہ ٹیلے کے قریب پہنچ رہی تھی — جمنا کا کنارہ ریتلا اور نم آلود تھا۔ جھاڑ جھنکاڑ
یہاں بھی اگا ہوا تھا۔ البتہ گھنے درخت اب یہاں نہیں تھے۔ اسی لیے ستاروں کی لوئیں
گرد و پیش، مدھم مدھم مٹا مٹا اور سیاہ لبادے اوڑھے نظر آ رہا تھا۔ کئی قدموں کے فاصلے

پر اسے ایک گھوڑے کا ہیولا بھی نظر آیا۔ جو ایک اکیلے درخت تلے کھڑا تھا۔

اس کا دل بے اختیارانہ دھڑک اٹھا۔ دل کی بے تاب دھڑکن کو سکون دینے کے لیے اس نے ہاتھ سینے پر رکھ کر قدم روک لیے۔ لمبے لمبے گہرے گہرے سانس لینے کی کوشش کی۔

جب ذرا سنبھلی

تو

آگے بڑھی۔

اب وہ ٹیلے کے پاس پہنچ چکی تھی۔ اس نے چاروں اور وحشی ہرنی کی طرح دیکھا ہر شے دم سادھے کھڑی تھی — صرف جمنا کا پانی مترنم سا شور بکھیرتے بہتا چلا جا رہا تھا۔

وہ بھی دم سادھے سحر زدہ سی آگے بڑھ رہی تھی۔ اب اس کے قدم اونچائی پر تھے۔ وہ ٹیلے پر چڑھ رہی تھی۔ اسی طرف وہ پتھریلا چھجا نما جھکاؤ تھا۔ جس کے نیچے وہ نادر کے ساتھ بیٹھا کرتی تھی — اور جمنا کی لہروں اور موجوں کا نظارہ کرتے ہوئے پھولوں بھرے اس گوشے میں اپنے محبوب کی قربت سے محظوظ ہوا کرتی تھی۔

اسے یقین تھا۔ کہ اندھیرے کے پیش نظر نادر وہیں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا ہوگا —

لیکن

وہ

اس ٹیلے کے پتھریلے جھکاؤ تک پہنچ بھی نہ پائی تھی۔

کہ

کسی نے

پیچھے سے آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا —

مہر تاج کا دل تھم سا گیا

اور

اس کے منہ سے جو چیخ نکلی اسے ہاتھ رکھ کر بے جان نہ کر دیتی تو شاید آواز ویرانے میں گونج بن جاتی — وہ بے ہوش ہو جانے کی حد تک مضمحل ہو گئی —

"ہا ہا — ہا" ایک حلقہ سا قہقہہ فضا میں بکھرا اور دوسرے لمحے ہاتھ رکھنے والا اس کے سامنے آتے ہوئے اسے بازوؤں میں بھر کر کہہ رہا تھا "مہر تاج — میری جان میری زندگی — ڈر گئیں؟"

مہر تاج ریتیلے ڈھیر کی طرح بازوؤں سے نکلی جا رہی تھی۔

"نادر ہوں مہر تاج — میں نادر ہوں —" اس نے مہر تاج کو بازو کا سہارا دے کر اس کا چہرہ دوسرے ہاتھ سے تھپتھپایا —

"اوہ نادر تم — تم نادر" وہ اس کے سینے سے لگ کر سسک اٹھی۔ وہ بار بار نادر کہہ رہی تھی۔ نادر بھی جذباتی ہو رہا تھا۔

چند لمحے وہ آنسو بہاتی رہی۔ نادر اس کے گال تھپتھپاتا رہا۔ جدائی کے دکھ اور ملن کی خوشیاں گڈمڈ ہو جائیں تو آنسو از خود بے اختیار ہو جاتے ہیں۔ انسان ان پر قابو نہیں پا سکتا۔ انہیں بہنے دیا جاتا ہے۔ یوں دل پر پڑے بار اتر جاتے ہیں اور آدمی ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔

مہر تاج روئے جا رہی تھی۔ سسکیاں بھر رہی تھی۔ اس کے سینے میں ہچکیاں ٹوٹ رہی تھیں۔ شاید اسے یقین ہی نہ تھا کہ وہ نادر ہی ہے۔ یقین اور بے یقینی کا درمیانی راستہ کٹھن ہی تو ہوتا ہے۔

نادر اسے بازوؤں میں بھرے کھڑا تھا — اس نے مہر تاج کو مذاق میں جو ڈرایا تھا۔ اس پر اب پچھتاوہ آ رہا تھا۔ مہر تاج جو رات کے اس سناٹے میں جان پر کھیل کر اسے ملنے آئی تھی۔ یہ مذاق اسے بہت مہنگا بھی پڑ سکتا تھا۔ دھک دھک کرتا دل ایک دم ہی رک جاتا تو — تو وہ کیا کرتا — یہ خیال آتے ہی نادر کانپ گیا۔ اس کے بازوؤں کی

گرفت اتنی سخت ہوگئی کہ مہرتاج کی ہڈیاں چٹخنے لگیں ـــــ

پھر جب

جذباتی لمحے سکون پذیر ہوئے

تو

مہرتاج نے اپنا وجود اس کے بازوؤں سے نکال کر چادر کے گوشے سے گیلی آنکھیں پونچھیں۔
دونوں سنگ سنگ قدم اٹھاتے اپنی مخصوص جگہ پر آن بیٹھے۔

"کیسی ہو مہرتاج ـــــ" نادر نے کئی لمحوں کے توقف کے بعد پوچھا ـــــ

"مجھے یقین نہیں آرہا نادر ـــ کہ ـــ کہ تم ـــــ تم میرے پاس ہو"

نادر کی فطری شوخی عود آئی اس کی طرف جھکتے ہوئے بولا ـــــ "مجھے تو پورا یقین آگیا ہے۔ کہ تم میرے پاس ہو۔ میں نے تمہیں چھو کے محسوس کیا ہے ـــــ کہو تو یقین دلانے کے لیے ایک بار پھر ـــــ"

"ہٹو ـــــ" مہرتاج جواب پوری طرح اپنے حواس میں تھی اس کا بڑھتا بازو پرے کرتے ہوئے مسکرائی ـــــ

"کیوں" وہ شوخ ہوا جا رہا تھا "اپنے ہونے کا ایک بار پھر یقین دلا دوں ـــ تو کیا برا ہے ـــ"

"نادر ـــــ ایسی باتیں نہ کیجیے ـــــ"

"کیوں نہ کروں"

"بس ـــ"

"اتنے مہینوں بعد ملے ہیں ہم تم ـــــ بچھڑ جانے کا ایک ایک لمحہ جس طرح گزرا ـــ اس کی اذیت کا حساب نہ چکائیں ـــــ" نادر نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے قریب کیا۔

"کیا کیا اذیتیں نہ سہیں نادر ـــ" مہرتاج نے اس کے کندھے پر سر رکھ کر آنکھیں

بند کر لیں اس کی آنکھوں کے گوشے پھر سے گیلے ہوگئے ـــــ "آہ۔ ہم کیوں بچھڑ گئے تھے ـــ کیوں جدا ہوگئے تھے"

"اوں ہوں ـــ مہرو۔ آنسو مت بہاؤ ـــ ملن کی ان چند گھڑیوں کو خوشگوار بنانے کی ضرورت ہے"

نادر نے اس کا سر ہاتھ سے تھپتھپایا۔ "تم تو بہت بہادر لڑکی ہو۔ آنسو بزدلی کا مظاہر ہوتے ہیں"

مہرتاج سیدھی ہو بیٹھی ـــ چند لمحے اور بیت گئے دونوں نے کچھ سنائی کچھ سنی ـــ بغاوت کا ذکر ہوا روپوشی کی بات ہوئی۔

"نادر" یہ وہ بولی۔

"ہوں"

"ان دنوں تم کہاں ہو"

"تمہارے پہلو میں میری زندگی میری مہرو"

"نادر"

"ہوں"

"ہمارے پاس وقت کم ہے ـــ"

"کیا ہوا ـــ میں ہر رات اسی وقت یہیں آیا کروں گا ـــ ہم ہر روز ملا کریں گے مہرتاج اب جدا نہیں ہوں گے"

"نہیں نادر ـــ"

"کیوں"

"تم کیا آگاہ نہیں ہو۔ کہ کتنے خطروں میں گھرے ہو ـــ"

"جانتا ہوں"

"پھر بھی ——"

"ہاں پھر بھی جتنے دن اس علاقے میں قیام ہے تمھیں ملنے آیا کروں گا ——"

"نہیں نادر —— نہیں ——"

"کیوں ؟ کیا تمھیں روز یہاں پہنچنے میں دشواری ہوگی ؟"

"میں اس دشواری کو خاطر میں نہیں لاتی ——"

"تو پھر ——"

"تمھارے لیے قدم قدم پر خطرہ ہے۔ جانتے ہو تمھارے سر کی قیمت مقرر ہو چکی ہے اور مملکت کے اعلیٰ عہدیداران سے لے کر عام آدمی تک تمھیں کھوجنے میں مصروف ہے۔ تمھیں دربارِ اکبری میں پیش کرنے والا منہ مانگی مراد پا سکتا ہے ——"

نادر نے ایک گہری سانس چھوڑتے ہوئے کہا "ہاں یہ سب باتیں میرے علم میں ہیں"

"پھر بھی روز آنے کا کہہ رہے ہو؟"

"ہاں —— میں تمھیں ملنے ہر رات آؤں گا ——"

"نادر گرسنہ چیلیں اور بھوکے بھیڑیے تمھارے تعاقب ہیں ——"

"نادر اپنی مہر تاج کے لیے ہر خطرہ مول لے گا —— سمجھیں ——"

"نہیں —— نہیں —— میں تمھیں کھونا نہیں چاہتی نادر —— تم نہیں جانتے تمھاری گم شدگی نے مجھے کیسی کیسی اذیّتیں دیں۔ کس کس طرح مجھے بے موت مارا —— شکر ہے خدا کا تم زندہ و سلامت ہو۔ بہت دکھ سہے"

"اس کی تلافی کے لیے تو روز آؤں گا ——"

"یہ بات خطرناک ہے ——"

"جانتا ہوں ——"

"نہیں نادر ——"

"نادر خطرات سے نہیں ڈرتا ——"

"لیکن میں تمھیں خطرات سے یوں دوچار ہونے نہیں دینا چاہتی"

"پھر کیا کیا جائے مہرو —— تم ہی بتاؤ۔ تمھارے بغیر ——"

"ہم ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے —— لیکن حالات اور وقت کو دیکھتے ہوئے رہ رہے ہیں۔ ہمیں وقت کا انتظار کرنا ہوگا"

"اچھے یا بُرے کا ——"

"امید اچھے دنوں کا دامن چھوڑنے نہیں دیتی ——"

"لیکن میں جانتا ہوں۔ یہ صرف سہانا خواب ہے"

"نادر ——"

"ہاں مہرو —— مجھے اپنے جرم کی سنگینی کا پورا احساس ہے —— میں نے شہنشاہ کے خلاف بغاوت کر کے اچھا نہیں کیا ——"

"نادر —— یہ —— یہ تم کہہ رہے ہو —— کیا واقعی تم یہ بات کہہ رہے ہو؟"

نادر نے سر جھکا لیا۔ چند لمحے اپنی انگلیوں کو چٹخاتا رہا۔ پھر سر ہولے ہولے ہلاتے ہوئے بولا "جب میں نے علمِ بغاوت بلند کیا تھا تب مجھے واقعی کوئی احساس نہ تھا۔ لیکن اب —— میرا ضمیر مجھے بہت ملامت کرتا ہے۔ لیکن کیا کیا جائے تیر کمان سے نکل چکا ہے ——"

مہر تاج حیران ہو ہو کر اسے تک رہی تھی۔ اس کے تاثرات اندھیرے کی وجہ سے حیرت سے تو نہ دیکھ سکی تھی۔ ہاں اس کی آواز سے اس نے تاسف اور ندامت کو ضرور محسوس کیا تھا۔ اس وجہ سے تو وہ حیران تھی ——

وہ حیرانی ہی سے بولی "تم نے —— تم نے اچھا نہیں کیا تھا نادر —— اس شاہ کے خلاف سر اٹھایا جس کی نوازشوں کا بوجھ ہی اتنا تھا۔ کہ ——"

”بس مہرو بس ——— میں اسی لیے تو پچھتاووں کی آنچ پر اپنے آپ کو جھلستا پاتا ہوں۔ لیکن اب ——— اب تو محاذ آرائی ہو چکی ——— جائے مفر نہیں ———“

”تم ——— تم۔ شہنشاہ کے حضور ——— خود ہی حاضر ہو جاؤ ——— تو ———“

”ہونھ ———“ نادر نے سر ہلایا۔ ”اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ شہنشاہ کے حواریوں نے میرے خلاف ان کے کان بھر دیئے ہیں ——— اب کوئی شنوائی نہیں ہو سکتی ———“

”پھر ——— پھر کیا ہوگا۔“

”جو ہوگا ——— دیکھ لیں گے ——— خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ ہم ملے ہیں۔ تو آؤ کچھ اپنی باتیں کریں ———“

”یہی تو اپنی باتیں ہیں ——— نادر ——— تمہارے اعتراف نے تو مجھے اور پریشان کر دیا ہے ——— اوہ نادر کاش تم ایسا نہ کرتے ———“

نادر متاسف لہجے میں اپنی روئیداد سنانے لگا کہ کس طرح ابن الوقتوں نے اسے اکسایا بھڑکایا اور شہنشاہ کے خلاف علم بغاوت اٹھانے کی ترغیب دی۔ وہ خود بھی خودمختاری کے خواب دیکھنے لگا تھا یہ خواب اتنے سحر انگیز اور سہلانے تھے کہ اسے شہنشاہ کی قوت و طاقت کا اندازہ ہی نہ رہا۔

دونوں کافی دیر یہی باتیں کرتے رہے۔

”مجھے اپنی زندگی کی حفاظت کرنے کے لیے خدا جانے کب تک روپوش ہونا پڑے“ نادر گہری سانس چھوڑتے ہوئے بولا ——— ”ان دنوں میں نے جمنا کے ان ویران علاقوں کو منتخب کیا ہے۔ میں سارا دن یہاں رات اترنے کے انتظار میں چھپا رہا کروں گا مہرو۔ تم آیا کروگی نا ———“

مہرتاج نے بھی ایک گہری سانس چھوڑی۔ اس کے ذہن میں بڑی ہلچل مچی تھی وہ کچھ اور ہی سوچ رہی تھی ———

”کیا؟“ اس نے نادر کی آواز پر سوچوں سے ابھرتے ہوئے کہا۔

”آیا کروگی نا ہر روز مجھے ملنے ———؟“ نادر نے کہا۔

وہ کچھ لمحے تذبذب کے عالم میں رہی ——— پھر آہستگی سے بولی ”نادر ایک بات کہوں“

”کہو ———“

”روز اتنے خطرات سے سامنا کرنے کی بجائے ———“

وہ رک گئی۔ نادر نے جلدی سے کہا ”کہو نا کیا کہنا چاہتی ہو۔“

”میں ——— میں تمہارے ساتھ ہی رہنا چاہتی ہوں نادر ——— مجھے واپس جانے کے لیے مت کہو۔

”نہیں مہرو ———“ نادر نے ہنس کر کہا۔

”کیوں نہیں ———“

”ابھی میرے راستے بڑے دشوار گزار ہیں ——— ان پر اکیلے ہی چلنا انتہائی کٹھن ہے۔ تمہارا ساتھ ان کو اور کٹھن بنا دے گا۔ ابھی وقت نہیں ——— زندگی رہی تو ساتھ رہنے کا حل بھی نکال لیں گے لیکن ابھی ——— ایسا سوچنا بھی ممکن نہیں۔ ہاں ——— یہ وعدہ کرو۔ کہ جب تک میں یہاں ہوں تم روز رات کو اسی طرح اسی وقت ضرور آیا کروگی ——— وعدہ کرتی ہو نا ———“ نادر نے اس کا ٹھنڈا اور خوبصورت ہاتھ تھام لیا۔ مہرتاج نے اپنا دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

یہ اس کا وعدہ تھا۔

راجہ ٹوڈرمل اونچے چبوترے پر براجمان تھا۔ چبوترے پر گدے دار نشست تھی اور دیوار کے ساتھ گاؤ تکیے پڑے تھے۔ اس کے سامنے بڑی سی منقش صندل کی چوکی تھی۔ جس کے نیچے چھوٹے بڑے خانے تھے۔ چوکی پر قلمدان رکھے تھے۔ ایک طرف کاغذ اور چھوٹے چھوٹے ڈنڈوں پر لپٹے ہوئے ریشمی کپڑے تھے۔ جن پر شاہی فرمان لکھے جاتے تھے۔ دیوان خاص کے ساتھ ملحق راجہ ٹوڈرمل کی یہ نشست گاہ بھی سجی ہوئی تھی۔ فرش دبیز قالینوں سے ڈھکے تھے۔ چبوترے کی تین سیڑھیوں پر بھی ارغوانی قالین بچھے تھے۔ جن کے کنارے سنہری تھے۔ سیڑھیوں کے کنارے کنارے مرمریں اور کانسی کی آرائشی مورتیاں رکھی تھیں۔ بڑے بڑے گلدان بھی سجے تھے۔ جن میں تازہ پھول مہک دار بہار دکھا رہے تھے۔ محرابی منقش دروں پر مہین پردے پڑے تھے۔ اور ہر در کے باہر وردی پوش پہریدار مستعد چاک و چوبند کھڑے تھے۔ راجہ ٹوڈرمل مملکت مغلیہ کا وزیر اعظم تھا ــــ شہنشاہ جب بھی کہیں سفر پر جاتے۔ یا کسی معرکے میں شریک ہونے کے لیے کوچ کرتے فرائض کی گراں ذمہ داری راجہ ٹوڈرمل پر ڈال جاتے۔ ٹوڈرمل جو بہترین حساب دان ہونے کے علاوہ شہنشاہ کے نورتنوں میں سے ایک تھا معتمد اور دیانت دار آدمی تھا۔ وہ ساری ذمہ داریاں بطریق احسن نبھایا کرتا تھا۔

چبوترا بہت اونچا نہیں تھا۔ راجہ سامنے دو رویہ کرسیوں پر بیٹھے لوگوں پر پوری نظر ڈال

سکتا تھا۔ اس وقت چند آدمی اسے ملنے آئے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کو باؤلیاں بنانے کنوئیں کھودنے اور سڑکیں پختہ کرنے کے ٹھیکے دیئے گئے تھے۔ شہنشاہ نے شہزادہ سلیم کی کامیابی کی خوشی میں رعایا کیلئے یہ سہولت فراہم کرنے کا حکم دیا تھا۔ کام شروع کر دیا گیا تھا اور یہ لوگ اسی سلسلے میں حاضر ہوئے تھے۔ رقوم کی فراہمی راجہ ٹوڈرمل کے ذمہ تھی۔ یہ لوگ باری باری اپنے کھاتے راجہ ٹوڈرمل کی خدمت میں پیش کر چکے تھے اور واجبات کی ادائیگی کے لیے عرضداشتیں دی تھیں۔

سندر داس اور حکمت علی خزانہ عامرہ سے اشرفیوں کی تھیلیاں اور روپوں کے توڑے لے آئے تھے ــــ اب راجہ ٹوڈرمل یہ پیسہ ان آدمیوں میں تقسیم کر رہا تھا۔

"مہاراج کی واپسی تک کام مکمل ہونا چاہیے" اس نے آخری آدمی کو روپیہ دیتے ہوئے سب کو مخاطب کیا۔ "کم از کم دہلی اور آگرہ کے گرد و نواح کا کام ــــ"

"ہم وقت مقررہ پر کام ختم کر دیں گے۔"

"کنوؤں کی کھدائی شروع ہو چکی ہے۔"

"باؤلیاں بھی بن رہی ہیں ــــ دلی اور آگرے کا درمیانی کام ضرور وقت پر ختم ہو جائے گا۔"

"باقی کاموں میں کچھ وقت لگے گا سرکار ــــ"

سب اپنی اپنی کہنے لگے۔ راجہ نے ہاتھ اٹھایا اور آہستہ آہستہ ہلاتے ہوئے بولا "ٹھیک ہے وقت لگے گا۔ لیکن سستی یا کوتاہی برداشت نہیں ہو گی ــــ اور کام بھی معیار کے مطابق ہو۔ یہ رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے کیا جا رہا ہے۔ رعایا کو کوئی شکایت نہ ہو۔"

"جی بالکل نہیں ہو گی۔"

"ہمارا کام پہلے بھی جانچا پرکھا جا چکا ہے سرکار ــــ"

"ہم ایمانداری سے کام کر رہے ہیں ــــ"

راجہ ٹوڈرمل نے سر ہلایا اور کہا "عہد اکبری میں آپ لوگوں کے واجبات روکے نہیں جاتے ۔۔۔ پوری سہولتیں سرکار فراہم کرتی ہے ۔۔۔ اس لیے کام کا معیار گرنا نہیں چاہیئے"
ان لوگوں نے کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ کر سر جھکاتے ہوئے راجہ کو یقین دلایا کہ ان کی توقعات سے بڑھ کر کام ہوگا ۔۔۔

راجہ نے شاباش دی ۔۔۔ اور پھر انہیں جانے کا اشارہ کیا۔

باہر کچھ اور لوگ بھی راجہ کے ملنے کے انتظار میں کھڑے تھے۔

یہ سب لوگ راجہ کو جھک جھک کر سلام کرتے شکریہ ادا کرتے مغربی دروں سے باہر نکل گئے راجہ ٹوڈرمل نے قلمدان میں سے قلم اٹھایا اور ایک کاغذ پر کچھ لکھنے میں مصروف ہو گیا۔ جب وہ لکھ چکا تو قلم قلمندان میں رکھتے ہوئے اپنی پیچ دار پگڑی درست کی پھر سندر داس سے مخاطب ہوا۔

"سندر داس"

"جی سرکار" دائیں ہاتھ کھڑے ہندو ملازم نے اپنی گلابی پگڑی والا سر جھکا کر کہا۔

"باہر جاؤ اور باری باری ملنے والوں کو اندر بھیجو ۔۔۔ دیکھو ۔۔۔ سنو ۔۔۔"

"جی سرکار"

"باری کا خیال رہے۔ کسی کو کسی پر ترجیح نہ دی جائے"

"بہتر مالک"

وہ پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔

لیکن

سندر داس کے واپس آنے سے پہلے ہی رونق بیگ جو انتہائی مغربی در کے باہر کھڑا لوگوں سے راجہ کے ملنے کا وقت مقرر کر رہا تھا اندر آیا۔ چبوترے کے قریب آ کر جھکا وزیر مملکت کو مؤدبانہ سلام کرتے ہوئے بولا "سرکار شہزادۂ عالم کا ایلچی حاضر ہونے کی اجازت

چاہتا ہے"

"شہزادۂ عالم کا ایلچی ۔۔۔" راجہ ٹوڈرمل جو سامنے رکھی چوکی پر دونوں کہنیاں ٹکائے بیٹھا تھا ایکدم سیدھا ہوتے ہوئے حیرانی سے بولا۔

"جی حضور ۔۔۔"

"کہاں سے آیا ہے"

"جان عالم چتوڑ سے روانہ ہو چکے ہیں۔ ایلچی ان ہی کا پیغام لے کر آیا ہے"

"آنے دو ۔۔۔"

رونق بیگ نے شکریے کے انداز میں سر کو جنبش دی اور اسی در سے باہر نکل گیا جس سے اندر داخل ہوا تھا ۔۔۔

کچھ ہی دیر بعد صحبت خان جو شہزادہ سلیم کا کوئی پیغام لے کر آیا تھا اندر آ گیا۔ مروجہ طریق و آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس نے راجہ کو تعظیم دی اور پھر شہزادۂ عالی کا پیغام جو وہ لایا تھا راجہ کی خدمت میں پیش کیا۔ حکمت علی جو راجہ کی پشت پر کھڑا تھا۔ آگے بڑھا اور صحبت خان سے کاغذات لے کر راجہ کے سامنے چوکی پر رکھ دیئے۔

"کوئی اور بات" راجہ نے کاغذات پھیلاتے ہوئے سرسری سی نگاہ صحبت خان پر ڈالی۔

"مہارانی صاحبہ کے لیے بھی سندیسہ ہے سرکار ۔۔۔" صحبت خان نے کہا۔

"ٹھیک ہے" راجہ بولا ۔۔۔ "وہ تم خود انہی کی خدمت میں پیش کرنا"

"جی سرکار ۔۔۔ صاحب عالی کا بھی یہی حکم ہے۔ کہ پروانے انہی کی خدمت میں پیش کیے جائیں جن کے لیے دیئے گئے ہیں ۔۔۔"

"تم راج محل جا سکتے ہو ۔۔۔" راجہ بولا

"اس پیغام کا جواب ۔۔۔"

"تم جاؤ۔ پہلے مہارانی صاحبہ کو سندیسہ دے آؤ۔ اگر ضرورت پڑی تو میں تمہیں بلا بھیجوں گا۔"

"بہت بہتر۔"

"شہزادۂ عالی کی آمد کب تک متوقع ہے؟"

"دو ایک دن میں پہنچنے والے ہیں۔"

"دو ایک دن میں ———"

"جی سرکار ———"

"لیکن ان کا ہراول دستہ تو ابھی تک نہیں پہنچا ——— ہاں شاید آج شام تک پہنچ جائے"

"نہیں سرکار ——— ان کے لشکری آگرہ کی بجائے الہ آباد پہنچ چکے ہیں۔"

"الہ آباد؟"

"جی سرکار ——— شہزادۂ عالم نے سب کو آگرہ پہنچنے کا حکم دیا تھا ——— راجہ نرسنگھ دیو نے فوجوں کی کمان کی ——— اور چتوڑ کے خزانے اور مال غنیمت بھی انہیں کی قیادت میں الہ آباد بھیجا جا چکا ہے ——— بے شمار گھوڑے ہاتھی اور اسلحہ ہاتھ لگا تھا ———"

راجہ ٹوڈرمل چند لمحوں کے لیے بالکل چپ ہو گیا۔ تشویش اس کی آنکھوں میں بھرنے لگی اور پیشانی کی رگیں ابھر آئیں ——— صحبت خان نے جو کچھ کہا تھا وہ کسی طور خوش آئند نہیں تھا۔

وہ کئی لمحے چپ رہا۔

پھر

پوچھا "صاحب عالم جانتے ہیں کہ مہاراج ساموگڑھ کے باغی حاکم کی سرکوبی کے لیے تشریف لے جا چکے ہیں ———"

"جی سرکار۔ یہ بات انہیں معلوم ہو چکی تھی ———"

"ہوں"

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر صحبت خان نے پوچھا "راجہ صاحب میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"تم مہارانی صاحبہ کو مل لو ———"

"شکریہ سرکار"

وہ سلام کر کے باہر نکل گیا ———

راجہ ٹوڈرمل کی پریشانی اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔ شہزادے نے ایسا قدم کیوں اٹھایا تھا۔ اصولاً انہیں اپنی سپاہ سمیت آگرہ پہنچنا چاہیے تھا۔ چتوڑ کی فتح سے جو خزانہ ہاتھ لگا تھا وہ بھی مملکت کے خزانہ میں جمع کروانا چاہیے تھا۔ اس کے بعد اس کی تقسیم اور فوجوں کی تعیناتی شہنشاہ کے حکم سے ہونا چاہیے تھی۔

کئی لمحے وہ پریشان سوچوں میں الجھا رہا۔ سامنے پڑے کاغذات پر نظر بھی نہ ڈالی۔

پھر

جب سندر داس نے کسی ملاقاتی کے آنے کی خبر دی۔ جو راجہ نے سر جھٹک کر اپنے حواس بجا کیے۔ کاغذات سامنے کرتے ہوئے بولا "ابھی کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں۔"

"بہت اچھا سرکار ———"

سندر داس لوٹ گیا تو راجہ نے کاغذات سامنے کیے اور تحریر انہماک سے پڑھنے لگا۔

یہ

شہزادۂ عالم کا پیغام سے زیادہ حکم نامہ تھا۔ جس میں انہوں نے پچاس ہزار اشرفیاں خزانہ عامرہ سے دیے جانے کا حکم دیا تھا۔ یہ اشرفیاں ان کی آمد پر توڑوں میں بند کر کے تیار رکھنا تھیں۔ شہزادہ آتے ہی انہیں الہ آباد بھجوانا چاہتا تھا۔

راجہ ٹوڈرمل کی تو آنکھوں میں اندھیرا اتر آیا۔ اتنی خطیر رقم خزانے سے نکلوائی جا رہی تھی، وہ بھی اس وقت جب شہنشاہ آگرہ سے دور ساموگڑھ کی مہم پر جا چکے تھے۔ یہ رقم شہزادے

نے کیوں طلب کی تھی۔ یہ الگ جھنجھٹ تھا۔

لیکن

اتنی بڑی رقم از خود شہزادے کی طلب پر فراہم کر دینا راجہ کے لیے بہت دقّت طلب اور دشوار فیصلہ تھا۔

کئی لمحے تو اس نے اپنا گھومتا سر دونوں ہاتھوں پر گرائے رکھا۔ پھر اس نے کئی بار سامنے چوکی پر پھیلا حکم نامہ پڑھا___ اتنی بڑی رقم خزانے سے نکلوانا اس کے بس میں تو تھا لیکن بغیر شہنشاہ عالی کی اجازت کے یہ قدم اٹھانا ممکن نہیں تھا___

وہ بے حال سا ہو کر گاؤ تکیے سے لگ گیا۔ اس کی گردن اپنے ہی کندھوں پر جھک آئی۔ وہ شہنشاہ کا مخلص وفادار اور جانثار آدمی تھا۔ اسے شہزادے کے رویے اور حکم نامے سے وحشت سی ہونے لگی تھی۔ شہزادے کے طیور کسی طور اچھے نہ تھے۔

لیکن

وہ کیا کرے___ کیا کرے گا۔ شہزادۂ عالم دو ایک دن میں یہاں پہنچنے والے تھے اور پہنچتے ہی یہ رقم انھوں نے الہ آباد بھجوانے کا بھی ذکر کیا تھا___ مزاج شاہاں سے اسے آگہی تھی۔ انکار شہزادے کی قوت برداشت سے باہر ہو سکتا تھا۔

پھر

پھر؟؟؟

راجہ ٹوڈرمل کے ذہن میں سوال پھیلتے چلے گئے لیکن کسی کا جواب وہ تلاش نہ کر سکا۔

جشن کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ بنگلہ سے لے کر کابل تک اور کشمیر سے لے کر جنوب میں ان دکنی ریاستوں تک جن کا الحاق مغل حکومت سے ہو چکا تھا یا جو باجگزار بن چکی تھیں خوشی منانے کے لیے اقدامات کیے جا رہے تھے۔ شہنشاہ کے حکم پر ہر صوبے اور ہر شہر کو اضافی رقوم بھیجی گئی تھیں___ خوشی میں مملکت کا ہر فرد شریک ہونا تھا۔ رعایا کی خوشحالی مملکت کی مضبوطی تھی۔ اس لیے ایسے موقعوں پر لوگوں کو نوازنے کا بطور خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ اکبر کی رفاہی پالیسیوں میں سے ایک پالیسی یہ بھی تھی۔

محلات میں تیاریوں کا اپنا ہی رنگ تھا۔ رانیوں بیگمات اور شہزادیوں کے لباس فاخرہ تیار ہو رہے تھے۔ بڑی مشاق مغلانیاں دن رات کام میں جتی تھیں۔ ان کی نگران صفدری بیگم تھی۔ جو نئے نئے ڈیزائن بنانے میں ماہر تھی۔ صفدری بیگم کا تعلق براہ راست مہارانی جودھا بائی سے تھا___ وہ اس سے احکامات وصول کرتی تھی اور انہی کے مطابق ملبوسات تیار کرواتی۔ شہزادہ سلیم کی ہندو رانیوں اور مسلمان بیگموں کے لیے مہارانی نے بیش قیمت اور انتہائی خوبصورت ملبوسات بنانے کا حکم دیا تھا۔ شہزادہ خرم، شہریار، صفدر اور پرویز کے لیے شاہی لباس تیار کروائے تھے اور سلیم کی دونوں ننھی منی بیٹیوں شہزادی سلطان النساء بیگم اور بہار بانو بیگم کے لیے بھی پشوازیں چوڑی دار پاجامے اور جھلملاتی

واسکٹیں تیار کروائی تھیں ـــــ باقی محلات میں جو شہزادیاں تھے ان کے ملبوسات
بھی خود مہارانی نے تجویز کیے تھے۔ بڑی بیگمات اور سرکردہ مردوں کے پہناوے بھی اس کے
ایما پر تیار ہوئے تھے۔ اپنے بیٹے کی خوشی وہ پورے جوش و خروش سے منانے والی تھیں۔
زیورات راجہ بیربل کی زیر نگرانی بنوانے کو دیئے گئے تھے۔ ہر رانی اور بیگم کی پسند اور
کپڑے کے مطابق مرصع اور جڑاؤ زیورات کا انتخاب کیا گیا تھا۔ راجہ ٹوڈرمل کی تحویل میں شاہی
خزانے میں رکھے بیش قیمت اور نادر ہیرے جواہرات بھی تھے۔ جن میں سے کچھ مہارانی نے
طلب کیے تھے۔ تاکہ وہ جشن کے موقع پر رانیوں اور بیگمات کو تحائف دے سکے۔ رانی کا پیغام
لے کر اودھے سنگھ راجہ ٹوڈرمل کے پاس جا چکا تھا۔ اودھے سنگھ جو بہادر اور جیالا راجپوت
تھا مہارانی کے اعتماد اور بھروسے کا آدمی تھا۔ مہارانی کی اس سے دور پار کی رشتہ داری
تھی۔ شہنشاہ جب بھی دارالسلطنت سے باہر جاتے وہ مہارانی کی حفاظت اور نگرانی کے لیے
راج محل میں اپنے فرائض کی نگرانی کے لیے مامور ہوتا۔

اس دن موسم نے ایکا ایکی خوشگوار کروٹ لی تھی۔ پر نم سی ہوائیں صبح سے ہی چل
رہی تھیں۔ آسمان پر بدلیاں بکھری تھیں۔ دور کہیں بادل کھل کر برسے تھے۔ ہوائیں بوندوں
کی پھوار اور پھولوں کی مہک سے رچ بس گئی تھیں۔ حدت و حبس کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ پائیں
باغوں میں چہل پہل تھی۔ خواجہ سرا اور کنیزیں تھالوں میں مشروب اور موسمی پھل رکھے باغوں
میں اترنے والے شہزادیوں کو پیش کرتی پھر رہی تھیں۔

مہارانی جودھا بائی اس وقت اپنے محل کی اس نشست گاہ میں تھی۔ جس کے دریچے
اور غرفے باغات کی طرف کھلتے تھے۔ موسم کا مزاج جب اس طرح کا ہوتا تو وہ اپنا کچھ
وقت یہاں گزارا کرتی تھی ـــــ یہاں خوبصورت اور آرام دہ نشستیں تھیں۔ مدور اور منقش
ستونوں پر وسیع نشست گاہ کی شیشوں جڑی چھت کھڑی تھی ـــــ آرائشی مجسمے کانسی کی
مورتیاں ایرانی گلدان حریری پردے دبیز قالین اور زمین سے فٹ بھر اونچی شہ نشین جس پر

نرم و گداز قالین اور زربفتی غلافوں والے گاؤ تکیے رکھے تھے۔ مہارانی ایک تکیے میں کہنی ٹکائے
بیٹھی تھی۔ اس نے کاسنی بنارسی ساڑھی پر کامدانی زرد دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا ـــــ زیورات سے
لدی تھی ـــــ ماتھے پر تلک اور مانگ میں سندور تھا۔ جوڑے میں موتیے کے ہار تھے ـــــ کچھ پھول
شہ نشین پر بھی بکھیرے تھے۔ جب مست خرام ہوائیں حریری پردوں کو چھیڑتی اندر آتیں تو
پھولوں کی مہک بکھیر دیتیں۔

مہارانی کے قریب ہی بیگم جہاں بیٹھی تھیں۔ یہ اکبری محلات کی معزز خاتون تھیں شہنشاہ
سے رشتہ داری تھی۔ وہ زیادہ وقت کابل ہی میں گزارتیں۔ لیکن جب دلی اور آگرے آتیں
تو ان محلات میں مہینوں قیام کرتیں۔ اس بار تو انہیں بطور خاص بلایا گیا تھا۔ شہزادے سلیم کی
فتح کی خوشی میں منائے جانے والے جشن میں ان کی شرکت لازمی سمجھی گئی تھی۔

صفدری بیگم شہزادے کی رانیوں اور مسلم بیگموں کے ملبوسات تیار کر کے برائے ملاحظہ
مہارانی کے حضور لائی تھی ـــــ وہ شہ نشین کے قریب قالین پر بیٹھی تھی۔ اور کنیزیں اس کے
لائے ہوئے ملبوسات اندر لا رہی تھیں۔

مہارانی نے اپنی باندی سوسوتی کے ہاتھ تینوں رانیوں کو بلا بھیجا تھا۔ چوتھی بیگم جو ایک
ایرانی رئیس کی بیٹی تھی ان دنوں دلی گئی ہوئی تھی ـــــ اس کے ساتھ شہزادی بہار بانو بھی گئی
تھی۔ ماں بیٹی اپنی والدہ کی عیادت کے لیے آگرہ سے دلی گئی ہوئی تھیں۔

اس بیگم کا لباس بھی تیار تھا ـــــ مہارانی نے اس کی پسند کو ملحوظ خاطر رکھا تھا۔ پیشواز
جھالری دار پائجامہ لمبا دوپٹہ اور تنگ چولی تیار کروائی تھی۔

مہارانی کچھ دیر بیگم جہاں سے باتیں کرتی رہی۔ اسے ہونے والے جشن کے متعلق بتاتی
رہی۔ بھرپور خوشیاں منائی جانا تھیں۔

"میرا بھائی تب تک لوٹ آئے گا؟" بیگم جہاں نے رانی سے پوچھا۔

"مہاراج ـــــ وہ تو سامو گڑھ کو فتح کر کے ہی لوٹیں گے" مہارانی نے گہری سانس لی "ان

کے وہاں پہنچنے کی خبر ابھی تک نہیں پہنچی واپس لوٹنا تو ابھی دور کی بات ہے۔"

"ان کے بغیر جشن کی خوشیاں ادھوری نہ ہوں گی۔"

"وہ تو ہوں گی ہی ——— میں نے تو چاہا تھا ان کی واپسی پر جشن منایا جائے۔ لیکن مہاراج مانتے ہی نہیں۔ ان کا حکم ہے کہ شہزادۂ عالی کے آنے پر ہی خوشیاں منائی جائیں۔"

"شہزادہ عالم کب آ رہے ہیں؟"

"ٹھیک اطلاع تو ابھی نہیں آئی۔ لیکن اسی ہفتے ان کی آمد متوقع ہے۔"

بیگم جہاں مسکرائی پھر مہارانی سے کہا "شہنشاہ کی بے پناہ محبت کا اندازہ ہوتا ہے اس بات سے۔"

ان کی بیٹے کے لیے دیوانگی کی حد تک بڑھی ہوئی محبت اور چاہت ڈھکی چھپی تھوڑا ہی ہے۔ اس معرکے پر روانگی بھی اسی محبت کی وجہ سے ہوئی۔ ورنہ اس عمر میں دردسری۔ مہاراج کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ لیکن رُکے نہیں ———"

"خدا خیر کرے اور انہیں سرخرو کر کے خیریت سے واپس لائے۔"

"ہاں میری بھی بھگوان سے یہی پرارتھنا ہوتی ہے۔"

"آپ کا سہاگ رب العزت ہمیشہ قائم دائم رکھے۔"

"شکریہ بیگم جہاں بیگم ——— آپ کی محبت بھری دعاؤں کا دھنے واد۔"

بیگم جہاں کچھ کہنے والی تھی کہ شہزادہ سلیم کی رانی ماں بائی کملاوتی سرسوتی کے ساتھ اندر آئی۔ آتے ہی ہاتھ جوڑ کر مہارانی کو نمسکار کیا پھر ہاتھ ماتھے تک لے جاتے ہوئے بیگم جہاں کو آداب کہا۔

"جیتی رہو۔" بیگم جہاں نے سر آہستگی سے ہلاتے ہوئے آداب قبول کیا۔ "کیسی ہو؟"

"اچھی ہوں خانم جان ——— آپ کہیے؟"

"ادھر میرے قریب بیٹھو" اس نے اپنے قریب کھسک کر جگہ بناتے ہوئے کہا۔

وہ ساڑھی کا پلو اپنی نازک کمر کے گرد لپیٹتے ہوئے ان کے قریب بیٹھ گئی۔ اس نے اس وقت بڑی خوبصورت ساڑھی زیب تن کر رکھی تھی اور اس کا حسین جسم بڑا متوازن اور ترشا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ بیحد حسین تھی اور دو بچوں کی ماں ہونے کے باوجود خوبرو اور طرحدار تھی۔

چند لمحے احوال پرسی کرنے کے بعد اس نے مہارانی سے پوچھا "رانی ماں آپ نے یاد فرمایا؟"

"ہاں ———"

"کوئی کام ———"

"صفدری بیگم آپ کے ملبوسات لائی ہیں ——— دوسری رانیاں کہاں ہیں؟"

"آ رہی ہیں مہارانی صاحبہ" سرسوتی نے ہاتھ باندھ کر جھکتے ہوئے کہا۔

"ان کے لباس بھی تیار ہو چکے ہیں۔ میں چاہتی ہوں پہننے سے پہلے تم سب دیکھ لو۔ کہ ٹھیک بنے ہیں یا کوئی کمی بیشی کرنا ہے ———"

صفدری بیگم زیر لب مسکرائی پھر مہارانی کی طرف دیکھ کر بولی "یہ لباس صفدری بیگم کی نگرانی میں تیار ہوئے ہیں مہارانی جی ——— صفدری بیگم کے کام میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں رہتی ———"

اس کی بات پر سب مسکرا دیں۔ مہارانی نے داد دیتی نظروں سے اسے دیکھا اور بولی "ہمیں پتہ ہے صفدری بیگم ——— پھر بھی رانیوں کے ایک نظر دیکھ لینے میں کوئی ہرج تو نہیں۔"

"میں ایسی جسارت نہیں کر سکتی مہارانی صاحبہ۔ میں تو حاضر خدمت ہی اس لیے ہوئی ہوں۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ لباس رانیوں اور بیگموں کی پسند کے معیار پر پورے اتریں گے۔"

"فخریہ بیگم تو دلی گئی ہوئی ہیں ——— ہاں یہ تینوں رانیاں یہیں ہیں۔ صاحب جمال بھی فتح پور سیکری میں ہیں۔"

"لباس تو ان کے بھی تیار ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں دیکھ لوں گی —— باقی یہ تینوں تو خود دیکھ لیں۔"

وہ باتیں کر رہی تھیں۔ صفدری بیگم چھوٹی رانی جانکی بائی سے تھوڑی دیر پہلے مل کر آئی تھی۔ وہ بولی" رانی کی طبیعت کچھ اچھی نہیں تھی —— جب میں گئی تو بستر میں تھی۔"

مہارانی مسکرا کر بولی" ان دنوں وہ ٹھیک نہیں —— خیر سے ماں بننے والی ہے۔"

"واقعی؟"

"ہاں —— دو ایک ماہ گزرے ہیں ——"

"تبھی ——"

مہارانی نے سرسوتی سے کہا" وہ ٹھیک نہ تھیں تو کہہ دیا ہوتا کہ یہاں نہ آئیں۔ پھر دیکھ لیتیں جاؤ جا کر کہہ آؤ جانکی سے کہ آرام کریں —— وہ ——"

مہارانی کی بات پوری ختم بھی نہ ہو پائی تھی کہ دھان پان نازک اندام حسین و جمیل جانکی بڑی رانی کے ساتھ ہنستی ہوئی اندر آگئی" میں آگئی رانی ماں ——"

"اوہ آؤ آؤ —— سنبھل کر قدم رکھو ——"

دونوں مہارانی کے دائیں بائیں آ بیٹھیں سلام دعا اور خیر و خیریت کے تبادلے کے بعد مہارانی نے کہا" آپ سب کے لباس تیار ہو چکے ہیں۔ صفدری بیگم ان سب کو باری باری دکھا دیجئے ——"

"جو حکم سرکار" صفدری بیگم اپنا ململ کا سبز اور سرخ کناروں والا دوپٹہ درست کرتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی —— دبلے پتلے بدن اور سانولی رنگت والی ادھیڑ عمر کی صفدری بیگم بڑی پھرتیلی عورت تھی۔ وہ دودمان مغلیہ کی خواتین کے ملبوسات تیار کروانے کی ذمہ داری برسوں سے نباہ رہی تھی۔ خاص خاص تقریبات کے لیے تو ایسے ایسے شاندار کپڑے سلواتی اور بنواتی کہ شہزادیاں بیگمات اور رانیاں عش عش کر اٹھتیں۔ پھر فرمائشوں کے سلسلے شروع ہو جاتے۔ تعریفیں ہوتیں اور صفدری بیگم کی جھولی انعام واکرام سے بھر جاتی ——

مہارانی کے حکم پر اس نے باری باری ملبوسات سینیوں میں سے اٹھا اٹھا کر اس کے سامنے رکھے۔

گہرے فیروزی رنگ کی چمک دمک والی ساڑھی۔ جس کی کوٹی پر سچے موتیوں اور سونے چاندی کی تاروں سے انتہائی نفیس کام بنا ہوا تھا اس نے پھیلاتے ہوئے کہا" قربانت شوم۔ یہ ساڑھی بڑی رانی جی پر دیکھیے گا کس قدر اٹھے گی۔"

"واقعی" مان بائی کملا وتی نے ساڑھی ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"اس کے ساتھ یہ اوڑھنی ——" صفدری بیگم نے ہوائی سے دوپٹے پر جو تاروں بھرا تھا ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بڑی سندر ——" کملا نے اوڑھنی لے لی۔

"اور میری ساڑھی" جانکی بولی۔

"میری تو گہری جامنی تھی" درمیانی رانی شیو دھا نے کہا۔

"سب حاضر ہیں سرکار" صفدری بیگم نے درمیانی رانی کی ساڑھی مہارانی کے سامنے رکھی۔

"اس کی اوڑھنی ——"

"یہ ہے سرکار —— گہرے پیلے رنگ کی۔"

"اور میری" جانکی نے پوچھا۔

"آپ کی ساڑھی یہ ہے سرکار اور اوڑھنی یہ ——"

اس نے تیری ساڑھی بھی مہارانی کے سامنے رکھ دی۔

سب کپڑے دیکھنے لگیں۔ تینوں بہت خوش نظر آ رہی تھیں صفدری بیگم کی تعریفیں بھی خوب ہوئیں۔

"رانی ماں" کملا نے کپڑے واپس رکھتے ہوئے کہا۔

"جی بیٹی ——"

"فخریہ بیگم کا لباس ؛ وہ یہاں نہیں ہیں۔ صاحب جمال اور کرم سی راجکماری بھی یہاں نہیں۔

"سب کے لباس تیار ہیں سرکار ــــ پیش کرتی ہوں ــــ"

اس نے پیشوازیں کوٹی تنگ پائجامے اور کرتیاں ان کے سامنے دیں۔

"اُف ــــ کتنے ــــ پیارے ہیں" شیودھا بولی" خاص کر فخریہ بیگم کا یہ لباس"

"ان پر اُٹھے گا بھی بہت"

"وہ کب واپس آئیں گی رانی ماں"

"ان کی والدہ بیمار ہیں ــــ" بیگم جہاں نے کہا۔

"لیکن جشن پہ تو یہاں حاضر ہوں گی" مہارانی بولی۔

"جی ہاں ــــ" کملاوتی نے کہا" ساری رانیاں اور ساری بیگمات جشن میں شرکت کریں گی"

"مہارانی صاحبہ ــــ" نشست کے پیچھے آکر دروازے پر کھڑی کنیز نے مہارانی کو پکارا۔

"کیا ہے زرین"

"سرکار۔ شہزادۂ عالم کا ایلچی آیا ہے اور شرف باریابی چاہتا ہے"

مہارانی اور رانیوں کے چہروں پر شگفتگی لہرا گئی۔ شہزادۂ عالم کا ایلچی متوقع تھا۔ ان کی آمد کی خبر اسی نے صحیح طور پر دیا تھی۔ سب اسی لیے خوشی سے چہک اٹھیں۔

مہارانی نے پوچھا "کون آیا ہے ــــ"

"صحبت خان"

"صحبت خان" کملا بولی" یہی تو شہزادہ حضور کا خاص ایلچی ہے"

"ہاں"

"ضرور ان کے پہنچنے کی اطلاع دینے آیا ہوگا"

"اسی ہفتے ان کی آمد متوقع ہے۔"

"جی ہاں"

سب صحبت خان کی آمد سے شہزادے کی واپسی کے دن کا تعین کرنے لگیں۔ مہارانی نے باندی سے کہا کہ وہ صحبت خان سے ملاقاتی کمرے میں بات کریں گی۔ صحبت خان کو وہیں رک کر انتظار کرنے کا کہہ کر وہ پھر صفدری بیگم کے لائے ہوئے ملبوسات دیکھنے لگی۔ لیکن

شہزادے کی تینوں رانیوں کی دلچسپی اب ملبوسات میں کم ہوگئی اور وہ شہزادے کے بھیجے ہوئے پیغام کو سننے کی زیادہ خواہشمند نظر آنے لگیں۔

دریائے جمنا کا ریتلا کنارہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ کئی جگہ زمین دلدلی تھی۔ لیکن کہیں کہیں بڑے بڑے پتھر بھی تھے ــــ دریا کا پانی جب چڑھاؤ پر ہوتا تو یہ پتھر ڈوب جایا کرتے تھے اور دریا کا پاٹ کہیں زیادہ چوڑا ہو جاتا تھا۔ یہ موسم برسات میں ہوتا تھا۔ ابھی اس موسم کی ابتدا نہیں ہوئی تھی۔ گو پہاڑوں پر بارشیں شروع ہو گئی تھیں۔ لیکن تاحال پانی کا زور اتنا نہیں بڑھا تھا کہ کناروں میں سمٹنے کی بجائے باہر آجاتا اور یہ چھوٹے بڑے پتھر ڈوب کر رہ جاتے۔ ان پتھروں کے ارد گرد پانی ضرور تھا۔ لیکن اتنا نہیں کہ ڈوب جانے کا اندیشہ ہو ــ ریتلے کنارے سے یہاں تک بآسانی آیا جا سکتا تھا ــــ

نادر اور مہر تاج بھی ریتلے کنارے سے ان پتھروں تک پہنچے تھے۔ کہیں نرم ریت تھی۔ کہیں گیلی مٹی اور کہیں گول گول بجری کے چھوٹے بڑے پتھر ــــ دونوں سنبھل سنبھل سہج سہج قدم رکھتے رکھتے ان پتھروں تک آن پہنچے تھے۔

اور

اب

ساتھ ساتھ پڑے گول کالے اور جسیم پتھروں پر بیٹھے دنیا جہان کی باتیں کر رہے تھے۔

مہر تاج حسب وعدہ روز ہی آتی تھی اور نادر خان مخصوص جگہ پر اسے ہمہ انتظار ملتا تھا۔ کبھی

کبھی تو ملن کے ان خوبصورت لمحوں میں دونوں ہی بھول جاتے کہ وہ کتنے پابند اور لاچار ہیں۔ موت ان کے تعاقب میں سرپٹ بھاگ رہی ہے۔ اور کوئی لمحاتی بھول چوک انہیں بہت زیادہ مہنگی پڑ سکتی ہے۔ ایسے میں وہ صرف اور صرف دل کی باتیں کرتے۔ زباں سے زیادہ خاموشی باتیں اگلتی اور دونوں پیار کے جذبوں سے سرشار ہو ہو جاتے۔

"مہر تاج"، نادر سرگوشی کے انداز میں کہتا۔

"ہوں" وہ مدہوش سی ہوتی۔

"ایک بات پوچھوں؟"

"ضرور ــــ"

"کیا تم دن کے وقت یہاں نہیں آسکتیں؟"

"دن کے وقت"

"ہاں"

"جانتے ہو رات کو آنا بھی مشکل ہے؟"

"جانتا ہوں"

"پھر بھی یہ بات کہہ رہے ہو؟"

"جی چاہتا ہے"

"کیا؟"

"کہ تمہیں دن کی روشنی میں بھی دیکھوں عرصہ ہو گیا تمہیں دیکھے ہوئے"

"حد ہو گئی۔ روز آتی ہوں اور کہہ رہے ہو عرصہ ہو گیا ہے؟"

"کہا نا تمہیں دن کی روشنی میں دیکھنا چاہتا ہوں ــــ"

"اوں ہوں"

"یہ ممکن نہیں ــــ"

"پھر بھی ـــــ کبھی کوشش تو کر دیکھو ـــــ"

"میں آ بھی جاؤں تو بھی تم کیسے دن کی روشنی میں یہاں نکل سکتے ہو۔ اکا دکا لوگ تو ادھر آتے جاتے ہوں گے ہی۔"

"ہاں مچھیرے تو اکثر ادھر گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔"

"اوئی اللہ ـــــ"

"ہاں مہرتاج ـــــ جمنا کے دوسرے کنارے مشرقی سمت ان کی جھونپڑیاں ہیں۔ اور یہاں سے چند کوس ہی تو دور وہ جگہ ہے جہاں ملاح رہتے ہیں۔ لوگوں کو دریا پار کراتے ہیں دن کے وقت جمنا کے کنارے اتنے سنسان تھوڑا ہی ہوتے ہیں ـــــ"

"اچھا"

"ہاں"

"تو تم کہاں رہتے ہو سارا دن ـــــ"

"بس یہ نہ پوچھو۔ یوں سمجھو کہ رات کے انتظار میں لمحہ لمحہ دھکیلتا ہوا وقت گزار لیتا ہوں۔"

"یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں نا۔"

"خطرہ میرے سر پہ ہر وقت منڈلاتا رہتا ہے ـــــ"

"نادر ـــــ"

"گھبراؤ نہیں مہرتاج ـــــ تمہارا نادر تمہارے لیے ابھی بہت دیر تک زندہ رہے گا۔"

"تم ہنس رہے ہو ـــــ اتنے سنجیدہ حالات میں بھی۔"

"تو کیا روؤں۔"

"یہاں سے کہیں اور چلے جاؤ ـــــ"

"چلے جانے سے خطرہ ٹل تو نہیں جائے گا۔ اکبری فرمان میں لچک تو نہیں آجائے گی۔"

"شہنشاہ کا فرمان پتھر پر لکیر ہوتا ہے۔ ایک بار کھنچ جائے تو پھر اسے کوئی نہیں

مٹا سکتا۔"

"میں جانتا ہوں ـــــ ہر باغی اور مملکت کے مجرم کو سزائے موت کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ اب اس میں لچک ہے نہ گنجائش ـــــ"

"واقعی ـــــ یہ بات درست ہے۔"

"پھر مجھے کیوں کہتی ہو کہ میں کہیں اور چلا جاؤں۔"

"نادر ـــــ یہاں خطرات زیادہ ہیں۔ تمہیں کسی نے دیکھ کر شناخت کر لیا تو ـــــ"

"ایسا نہیں ہوگا ـــــ"

"اتنے تیقن سے کیسے کہہ رہے ہو ـــــ"

"من آنم کہ من دانم ـــــ چلو چھوڑو ان باتوں کو۔ تم سناؤ سارا دن کیسے گزارتی ہو۔"

"رات کے ان حسین لمحوں کی یادوں کو ذہن میں جگا کر ـــــ"

"اوہ مہرتاج ـــــ"

ایسی ایسی باتیں دونوں اکثر ہی کیا کرتے تھے۔ آج بھی وہ پتھروں پر پاؤں لٹکائے قریب قریب بیٹھے تھے ـــــ انہوں نے اپنے پاؤں پانی میں ڈال رکھے تھے۔ ٹھنڈا پانی گرم رُتوں میں راحت بخش ہوتا ہے۔ وہ بھی کیف زا کیفیتوں سے دوچار اس ٹھنڈے پانی سے بھی لطف لے رہے تھے۔ مہرتاج کبھی پاؤں زور زور سے ہلاتی تو سست رفتار پانی میں چھنچھناہٹ کی سی آواز پیدا ہوتی ـــــ جو سکوت کو توڑتی بڑی مترنم سی لگتی ـــــ نادر خان اس کے پاؤں دیکھنے کی کوشش کرتا ـــــ جو بے حد خوبصورت اور سڈول تھے ـــــ لیکن تاروں کی مدھم لو میں پاؤں چھوڑ پوری کی پوری مہرتاج ہی سیاہ ہیولا نظر آتی تھی ـــــ اسی لیے تو اس کے دل میں خواہش مچل اٹھتی کہ وہ کبھی صبح کی روشنی میں اس تک پہنچے اور وہ جی بھر کر اسے دیکھ پائے۔

"نادر" مہرتاج نے کہا۔

"ہوں۔"

"ہم کب تک اس طرح حالات کے اسیر رہیں گے۔"

"کچھ کہا نہیں جاسکتا ——"

"میں پھر وہی بات کہوں گی۔ لیکن تم مانو گے نہیں ——"

"شہنشاہ کے حضور پیش ہو کر اعتراف جرم کر لوں؟"

"ہاں"

"شہنشاہ مجھ سے اس حد تک بدظن ہو چکے ہیں کہ صفائی کی امید نہیں۔ میرے مخبر مجھے لمحے لمحے کی خبر پہنچاتے ہیں ——"

"کیا؟"

"ہوں"

"تو کیا تم نے اپنے مخبر بھی چھوڑ رکھے ہیں ——"

"ہاں —— مخبر بھی ہیں اور جانباز سپاہی بھی۔ سب نے میرا ساتھ چھوڑ تو نہیں دیا۔"

"وہ سب کہاں ہیں ——"

"جہاں بھی ہیں محفوظ ہیں ——"

"تمھاری طرح ——"

"ہاں میں بھی پوری طرح محفوظ ہوں —— صرف ایک مخبر ایسا ہے جو مجھے زندہ گرفتار کروا سکتا ہے۔"

"وہ کون ہے؟"

"تم ——"

"نادر ——"

"آہستہ بھئی —— اتنی زوردار چیخیں مارو گی تو ——"

"نادر تم نے ایسی بات کیوں کہی"

نادر ہنستے ہوئے اچھل کر پتھر سے اترا اور شڑپ شڑپ پانی میں پاؤں اٹھاتا اس کے پاس آتے ہوئے بولا۔

"مذاق بھی برداشت نہیں ——"

اس نے نادر کا بڑھا ہوا ہاتھ جھٹک کر غصیلے اور روٹھے روٹھے لہجے میں کہا "ہاں میں ایسا مذاق بھی برداشت نہیں کر سکتی ——"

"معافی حضور" وہ ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

مہرتاج کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ نادر کے انداز پر اسے بے طرح پیار آ گیا اور اس نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیے۔

وہ اچک کر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا —— مہرتاج قدرے پرے ہو گئی۔

رات گہری ہوتی گئی۔ دریا کے پانیوں میں روانی آتی گئی —— ہوائیں کناروں پر لگے بیشمار جنگلی درختوں اور جھاڑیوں میں سرکتی رہی —— آسمان پر بدلیاں پھیلنے سمٹنے لگیں تاروں کی لو کبھی جاگنے اور کبھی اونگھنے لگی۔

"نادر"

"ہوں"

"اب میں چلوں"

"جی تو نہیں چاہتا"

"جانا تو ہے"

وہ پتھر سے اتری نادر بھی اترا ——

مہرتاج نے دوپٹہ ٹھیک سے اوڑھا کالی چادر میں اپنا وجود لپیٹا اور پانی پانی میں سنبھل سنبھل پاؤں رکھتی کنارے کی طرف پلٹی۔ نادر بھی اس کے ساتھ آیا۔ قطبی ستارہ

دور دوسرے کنارے پر تمکنت سے کھڑے سرو کے درخت کی آخری پھننگ کی سیدھ میں آچکا
تھا۔ دونوں اسی سے وقت کا اندازہ کیا کرتے تھے۔ اس لیے جب مہرتاج نے جانے کی بات
کی تو نادر نے اسے روکا نہیں ــــ

دونوں نے باتیں کرتے کنارے کی سوکھی مٹی پر قدم رکھا۔ ”یہاں درخت وغیرہ بہت
کم ہیں ــــ“

”لیکن آگے بہت ہیں۔“

”وہی جگہ محفوظ ہے ــــ اندھیرے کے باوجود اس جگہ سے گزرتے ہوئے وہم
ہوتا ہے کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے ــــ“

”نادر جس دن ہمیں کسی نے دیکھ لیا۔ وہ دن ہماری زندگی کا آخری دن ہوگا۔“

”تمھارا تو شاید آخری دن نہ ہو۔ لیکن میرا آخری دن ضرور ہوگا۔“

”تم سمجھتے ہو تمھارے بنا میں جی لوں گی۔“

”جینا تو چاہیئے ــــ“

”ہونھ ــــ یہ بات کہہ رہے ہو ــــ لیکن نادر مہرتاج نے جینا ہے تو تمھارے سنگ
اور مرنا ہے تو بھی تمھارے سنگ۔“

”حوصلے اتنے بلند ہوں تو پھر مرنے کی کیسی پروا ــــ“

”مذاق نہیں سمجھو ــــ“

”میں تمھیں شاید تم سے بھی زیادہ جانتا ہوں میری جان۔“

نادر نے اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں پکڑ کر زور سے دبایا۔

چلتے چلتے دونوں اب گھنے درختوں تلے سے گزر رہے تھے۔ باتیں ہو رہی تھیں۔
قربتیں سرشار تھیں کہ اچانک کہیں کوئی پرندہ پھڑپھڑایا۔ سناٹے میں یہ آواز اتنی پراسرار اور
مہیب سی لگی کہ دونوں سہم کر ایک دوسرے سے لگ گئے ــــ دم سادھے دونوں وہیں

کھڑے رہے۔ خدشہ ہوا کہ کوئی ہے ــــ

لیکن

تھوڑی ہی دیر بعد پھر پروں کی پھڑپھڑاہٹ ہوئی ساتھ ہی چوں چوں چیں چیں کی
آوازیں آئیں شاید کسی پرندے کے گھونسلے میں کوئی کیڑا گھس گیا تھا ــــ اور چین سے
سونے والے پرندے بےکل ہو گئے تھے ــــ

نادر اور مہرتاج کی جان میں جان آئی ــــ دونوں پھر سنبھل سنبھل کر چلنے لگے ــــ

”قدم قدم پر خطرہ ہے۔“ مہرتاج نے کہا۔ ”خدا جانے دن کی روشنی میں تم اپنے آپ کو
کس طرح محفوظ رکھتے ہو ــــ“

”دن گزارنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ لیکن تم بےفکر رہا کرو۔ نادر کو گرفت میں لینے
والا کوئی ہاتھ ہے ہی نہیں ــــ“

”یہ خوش فہمی تو نہیں ــــ“

”خوش فہمی ہوتی ــــ تو اب تک نادر گرفتار نہ ہو چکا ہوتا ــــ“

”خدا نہ کرے ــــ“

”انشاءاللہ خدا نہیں کرے گا ــــ لیکن یہ زندگی بھی تو گزاری نہیں جاسکتی۔“

”کچھ سوچو نا ــــ“

”شہنشاہ سے معافی کی امید تو ہے ہی نہیں۔“

”پھر ــــ“

”کچھ اور ہی کرنا ہوگا۔“

”کیا؟“

”فی الحال سوچ ہی رہے ہیں۔“

”کیسی؟“

"بس ـــ چند دن صبر کرو ـــ میں کچھ نہ کچھ کروں گا ہی۔ ـــ شہنشاہ ان دنوں سامو گڑھ کے محاذ پر ہیں ـــ شہزادہ سلیم آگرے سے باہر چتوڑ کے علاقے میں ہے۔"

"شہزادہ عالم کے آگرہ لوٹنے کی اطلاع آچکی ہے۔"

"واقعی؟"

"ہاں"

"کب آئی اطلاع"

"آج ہی۔ وہ دو ایک دن میں یہاں پہنچنے والے ہیں ـــ"

"ہوں"

"لیکن وہ شاید دوسرے دن الہ آباد چلے جائیں"

"کیوں؟"

"پتہ نہیں۔ یہی سنا ہے ـــ ویسے ـــ"

"کیا؟"

"پتہ نہیں کیا بات ہے۔ شہزادہ عالم کی واپسی کی خبر سے مہارانی جی اور دوسرے لوگ کچھ پریشان نظر آرہے تھے۔"

"پریشان"

"ہاں چھوٹی رانیاں بھی پریشان پریشان تھیں۔ ان سب کو شہزادۂ عالم نے الہ آباد جانے کا پیغام بھیجا ہے اور خود بھی یہاں سے ہو کر جلد ہی واپس الہ آباد چلے جائیں گے۔"

"کچھ سمجھ نہیں آئی۔"

"مجھے خود بھی ـــ اصل بات پتہ نہیں چل سکی ـــ کچھ کھسر پھسر کی سی فضا تھی۔ شہزادے کا خاص ایلچی صحبت خان پیغام لے کر آیا تھا۔ اڑتی اڑتی خبر سنی تھی ـــ"

"ایسی خبریں پوری ہوشمندی سے سنا کرو ـــ کل آؤ تو پوری معلومات لے کر آنا۔"

"اچھا ـــ"

"بات اچنبھے کی ہے کہ شہنشاہ بھی یہاں موجود نہیں اور جشن بھی منایا جانے والا ہے۔"

"جشن کی تو زبردست تیاریاں ہو رہی ہیں ـــ لیکن ہو سکتا ہے شہزادہ عالم یہ جشن ملتوی کر دیں۔"

"کیوں"

"اس لیے کہ شہنشاہ عالی تو یہاں ہیں نہیں۔ اس عمر میں سامو گڑھ کے معرکے میں شریک ہونے چلے گئے ہیں ـــ شہزادۂ عالم ان کے بغیر جشن منانا یقیناً پسند نہیں فرمائیں گے"

"ہوں، ـــ شاید یہی بات ہو ـــ باپ بیٹے کے لیے اتنا کچھ کر رہا ہے تو بیٹا باپ کے بغیر خوشی کیسے منا سکتا ہے۔"

"ہوں ـــ"

دونوں باتیں کرتے اس جگہ آگئے جہاں سے ان کے راستے الگ ہوتے تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا۔ ایک بار نہیں کئی بار کہا ـــ پھر مہرتاج آگے بڑھ گئی۔ اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آتا تھا لیکن وہ رک رک کر مڑ مڑ کر نادر کو دیکھ رہی تھی ـــ اور نادر بھی کچھ نظر نہ آنے کے باوجود کتنی ہی دیر وہاں کھڑا ان بے نام راہوں کو تکتا رہا تھا جن پر مہرتاج چلی جا رہی تھی۔

« رانی ماں »

« ہوں »

« رانی ماں یہ پتی دیو نے کیسا پیغام بھیجا ہے۔ میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آرہا کہ انہوں نے اتنی جلدی میں ہم لوگوں کو الہ آباد کیوں بھجوانے کا سندیس بھیجا ہے۔»

« پتہ نہیں۔ صحبت خان نے بھی اور کچھ نہیں بتایا۔ شہزادۂ عالم کا صرف اتنا ہی پیغام دیا ہے کہ رانیوں اور بیگموں کو مع بچوں کے الہ آباد بھجوا دیا جائے۔»

« رانی ماں »

« ہاں »

«کیا انہوں نے یہ پیغام زبانی بھجوایا ہے ـــــ میرا مطلب یہ ہے یہ کسی کی کوئی چال نہ ہو۔»

« نہیں بھورانی ـــــ شہزادے کا تحریری پیغام ہے۔ اس پیغام پر ان کی مہر بھی لگی ہے۔ ایسا ممکن نہیں۔ اور یوں بھی صحبت خان ان کے اعتماد کا آدمی ہے۔ وہ یہ پیغام زبانی بھی دے دیتا تو اتنا ہی وزنی تھا۔ جتنا کہ تحریری۔ ـــــ»

« لیکن »

« مان بائی کملاوتی۔ بات حیرانگی اور اچنبھے کی ضرور ہے۔ لیکن جان عالم نے کچھ سوچ کر ہی ایسا کیا ہوگا ـــــ»

« وہ خود تو یہاں آرہے ہیں۔»

« ہاں »

« پھر ہم ان کے ساتھ بھی تو جا سکتے تھے۔»

« ہو سکتا ہے وہ چاہتے ہوں کہ جب الہ آباد پہنچیں تو ان کی بیویاں اور بچے وہاں موجود ہوں ـــــ آخر وہ کئی ماہ کے بعد واپس لوٹ رہے ہیں ـــــ»

« یہی تو سمجھ میں نہیں آرہا کہ جب یہاں ہی آرہے ہیں تو ہم سب لوگوں کو الہ آباد بھیجنے کی ضرورت کیا تھی۔ کیا ہم اپنے محلوں میں ان کا پوری طرح سواگت نہیں کر سکتی تھیں۔»

« پرماتما جانے ان کی کیا اچھیا ہے۔»

« اور جشن بھی تو منایا جانا ہے۔ پھر آگرہ چھوڑ کر الہ آباد جانے کی اتنی جلدی کیوں؟»

رانی ماں بائی کملاوتی شہزادے کے پیغام سے خاصی پریشان ہوگئی تھی ـــ کل صبح اسے دوسری رانیوں کے ساتھ الہ آباد روانہ ہونا تھا۔ ایک دن میں تیاری کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ گو لونڈیاں باندیاں اور غلام موجود تھے۔ پھر بھی بچوں کے ساتھ جانا تھا۔ سامان اکٹھا کروانا۔ ضرورت کی اشیا جمع کرنا تھیں۔ ملبوسات رکھوانے تھے۔ اسے یہ بھی پتہ نہیں تھا۔ کہ الہ آباد کتنے عرصے کے لیے قیام ہے ـــــ الجھن اور پریشانی اسی وجہ سے تھی ـــــ وہ رانی ماں کے پاس آئی تھی۔ رانی ماں خود اس قسم کے پیغام سے کچھ پریشان تھی۔ لیکن اس نے کملاوتی پر اپنی دلی کیفیت ظاہر نہ ہونے دی۔

« بھورانی ـــــ» رانی جودھا بائی نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔

« جی رانی ماں »

« تم لوگ تیاری کر لو ـــــ صبح سویرے یہاں سے روانہ ہونا ہے۔»

" وہ تو میں بھی جانتی ہوں رانی ماں۔ دارو غہ جی نے پالکیوں اور سواریوں کا بندوبست کر دیا ہے ـــــ دریائی سفر کے لیے کشتیاں بھی تیار ہو گئی ہیں۔ باندیاں کنیزیں دریائی راستے سے جائیں گی۔"

" پھر ٹھیک ہے ـــــ ہمیں جان عالم کے حکم کا پالن کرنا ہے۔"

" آپ ماں ہیں رانی ماں ـــ انہیں سمجھا تو سکتی ہیں ـــ"

" وہ یہاں آ گئے ہوتے تو شاید میں انہیں سمجھا لیتی۔ پوچھ لیتی۔ لیکن ان کے یہاں پہنچنے سے پہلے تم لوگوں کو روانگی کا حکم ملا ہے ـــــ"

" عجیب ہی بات ہے۔"

" کچھ ایسی عجیب بھی نہیں ـــ"

" کیسے رانی ماں"

" بھئی ایک بات جو میری سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے۔ کہ جان عالم ایک بہت بڑا معرکہ مار کر آئے ہیں۔ چتوڑ کی کوئی معمولی بات نہیں ـــــ"

" ہم سب جانتے ہیں۔ خوشی بھی اسی بات کی ہے اور خوشیاں منانے کے لیے جشن کے انتظامات بھی اسی لیے ہو رہے ہیں ـــــ"

" یہ جشن ہم لوگ منائیں گے۔"

" تو ـــــ"

" ہو سکتا ہے جان عالم اس فتح کی خوشی اپنی جاگیر پر منانا چاہتے ہوں۔ اپنے دوستوں اور عزیزوں کو الگ سے فتح کی خوشی میں انعامات دینا چاہتے ہوں ـــــ"

" شاید ـــــ"

" یہاں تو جو کچھ ہوا ہے یا ہو رہا ہے وہ سب مہاراج کی خواہش اور خوشی سے ہے۔ شہزادۂ عالم اپنے طور پر بھی اپنے دوستوں حواریوں اور مصاحبوں کو خوش کرنا چاہتے ہوں گے

میں تو یہی سمجھتی ہوں ـــــ"

" شاید۔ یہی بات ہو ـــــ"

" یہی بات ہو گی ـــــ"

" آپ کہتی ہیں تو ٹھیک ہی کہتی ہوں گی۔"

" تم پریشان نہ ہو ـــــ تم لوگ اپنے پتی کے پاس جا رہی ہو۔ جو ایک لڑائی کے بعد فتح یاب ہو کر گھر لوٹ رہے ہیں ـــــ مجھے تو خوشی ہو رہی ہے۔ شہزادۂ عالم اتنے مہینوں بعد اپنے بچوں اور بیویوں سے ملیں گے ـــــ"

" فخر یہ بیگم تو دلی میں ہیں۔ کیا انہیں کوئی پیغام بھجوائیں گی۔ صاحب جمال بھی فتح پور میں ہیں۔ ان کو بھی پیغام دینا ہو گا۔"

" بھجوا دوں گی ـــــ ان کے پہنچنے میں کچھ دن لگ جائیں گے۔"

" رانی ماں کیا شہزادۂ عالم نے اپنی ساری رانیوں اور بیگموں کو الہ آباد بلوایا ہے"

" ہاں بہو جو جو یہاں ہیں سب ہی کے لیے بلاوا ہے ـــــ کچھ تو الہ آباد میں پہلے سے ہی موجود ہیں اب تم لوگ جاؤ گی۔"

" جانا ہی ہے تو آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں ـــــ"

" نہیں رانی بہو ـــــ میں کیسے جا سکتی ہوں۔ میرے مہاراج جب تک واپس نہیں آتے میں راج محل سے کہیں نکل جاؤں گی ـــــ اور پھر شہزادۂ عالم بھی آ رہے ہیں۔ مجھے یہاں ان کا سواگت کرنا ہے ـــــ تم لوگ جاؤ ـــــ بھگوان تمہیں سدا سکھی رکھے ـــــ سہاگ قائم رہے۔"

کملاوتی نے اپنے نازک ہاتھ جوڑ کر رانی ماں کی دعاؤں کا شکریہ ادا کیا۔

پھر وہ اٹھتے ہوئے بولی " چلتی ہوں رانی ماں ـــــ"

" جاؤ تیاری کر لو۔ صبح پو پھٹے یہاں سے روانہ ہو جانا ـــــ کافی لمبا سفر ہے۔"

"ہاں ہے تو۔ لیکن شکر ہے بادل چھائے رہتے ہیں اور پانی بھی کبھی کبھی پڑ جاتا ہے۔"

"کچھ موسم اچھا ہی ہو جاتا ہے۔ اتنی گرمی نہیں رہی۔ ہاں پالکیوں میں گھٹن ضرور ہو گی۔"

"وہ تو ہو گی ہی ـــ باندیاں پنکھیاں اور مور چھل ساتھ رکھیں گی۔"

"داروغہ جی بہت اچھا انتظام کرتے ہیں۔"

"ہاں جی۔"

مان بائی کملاوتی نے ساڑھی کا پلو کندھے پر سے لیجاتے ہوئے کمر کے گرد لپیٹا اور پھر اسے کمر میں بندھے جڑاؤ کمر بند میں اڑس لیا ـــ اس کی چیتے ایسی کمر نمایاں ہو گئی ـــ جانے سے پہلے کملاوتی نے ہاتھ جوڑ کر ماتھے تک لیجاتے ہوئے رانی ماں کو سلام کیا۔ پھر بغلی دروازے سے باہر نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد رانی شہ نشین پر تکیے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر فکر کے پرتو لہرا رہے تھے۔ رانی کملاوتی کو اس نے مطمئن تو کر دیا تھا۔ لیکن اپنے من میں کھد بد ضرور ہو رہی تھی ـــ شہزادے کا یہ اقدام کچھ بھلا نہیں لگا تھا۔ اسے چتوڑ کی فتح یابی کی خوشی یہاں منانا چاہیئے تھی ـــ الہ آباد بے شک اس کی جاگیر تھی اور وہاں بلاشبہ وہ فتح کی خوشی اور رنگ رلیاں منانے میں پوری طرح آزاد تھا۔ لیکن یہاں ماں اور باپ کے سائے تلے اسے اپنی ہر خوشی پوری کرنے کی بھی تو اجازت تھی۔ وہ تو لاڈلا اور اکلوتا ہونے کا اکثر و بیشتر ناجائز فائدہ بھی اٹھا لیا کرتا تھا۔

وہ وسوسوں اور سوچوں کی ادھیڑ بن میں تھی کہ سرسوتی اندر آئی۔ کانسی کے مجسمے ایسی سرسوتی مہارانی کی منہ چڑھی باندی تھی ـــ اس نے آتے ہی جوڑے ماتھے سے لگائے جھکی اور نمسکار کہا۔

"آؤ سرسوتی ـــ کہاں تھی اتنی دیر سے" مہارانی نے اپنی دودھیا رنگ کی سنہری چکدار

کناروں والی ساڑھی ٹھیک کرتے ہوئے پوچھا۔

"باہر ہی تھی مہارانی جی ـــ"

"صبح سب رانیاں الہ آباد جا رہی ہیں۔"

"جی مہارانی صاحبہ"

"تم رانی شیودھا جی کے ساتھ جانا پسند کرو گی۔"

"مہارانی صاحبہ حکم دیں تو انکار کی مجال نہیں۔ لیکن مہارانی جی کے چرنوں میں رہنے کی خواہش ضرور رہے گی۔"

مہارانی قدرے مسکرائی پھر بولی "میں جانتی تھی تو میرے پاس ہی رہنا چاہے گی۔"

"دھنے ہو مہارانی جی کی ـــ"

"ہاں تو کیسے آئی تھی تو"

"سرکار راجہ جی ملنے کی اجازت چاہتے ہیں ـــ"

"کون راجہ جی ـــ"

"راج منتری راجہ ٹوڈر مل جی"

"راج منتری؟"

"جی مہارانی صاحبہ"

"وہ ہمیں ملنے آئے ہیں"

"جی ـ اجازت کے لیے باہر منتظر کھڑے ہیں۔"

"بھجوا دو ـــ"

مہارانی بڑی آن بان اور وقار سے مسند پر سیدھی ہو بیٹھی۔ سرسوتی باہر نکل گئی ـــ مہارانی کے ماتھے پر غیر محسوس سی شکنیں ابھر آئیں۔ مہامنتری کے ملنے آنے کا کیا کارن ہو سکتا تھا؟ وہ سوچنے لگی پھر خود ہی اسے خیال آ گیا کہ ٹوڈر مل جی کے پاس اس نے اودے سنگھ کو بھیجا تھا۔

تھوڑی دیر بعد راجہ جی پردہ ہٹا کر اندر آ گئے وہ گٹھے بدن اور درمیانے قد کا آدمی تھا۔ سر پر گلابی پگڑی باندھ رکھی تھی۔ جس پر عین ماتھے کے اوپر راج منتری کا نشان جو سونے کی کلغی ہیرے موتی سے جڑی تھی لگا رکھا تھا۔ ماتھے پر تلک تھا۔ چوڑے ماتھے تلے بڑی ذہین روشن آنکھیں تھیں۔ اس نے ہلکا بادامی مائل سفید لباس پہن رکھا تھا۔ جس پر سنہری پٹیاں لگی تھیں ___ چست سینہ بند اور تنگ بازو اس کے بھاری بھر کم وجود کو جکڑے ہوئے تھے۔ اس کے سینے پر کئی مالائیں تھیں۔ اور سینے بند کے تکمے ہیروں جڑے تھے ___ اس کے کندھے پر صافہ بھی رکھا تھا اور کمر میں خنجر بھی تھا۔ تنگ سا کھڑا پائجامہ پہنے پاؤں میں کامدار جوتے تھے ___

اس نے بھی اندر آتے ہی ہاتھ جوڑے سر قدرے خم کیا اور مہارانی کو سلام کیا۔ مہارانی نے بڑے وقار سے سر ہلایا اور شفیق لہجے میں بولی "آیئے راج منتری جی ___ بیٹھیے ___"

اس نے ہاتھ سے اونچی پشت والی زرنگار کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

راجہ ٹوڈر مل شکریہ ادا کرتے ہوئے بیٹھ گیا ___ دونوں ہاتھ گود میں رکھ کر اس نے مؤدبانہ لہجے میں کہا "مہارانی جی ___ بے وقت آنے کے لیے معافی کا خواستگار ہوں"

"کوئی بات نہیں راجہ جی ___ آپ آئے ہیں تو یقیناً کوئی ضروری کام ہی ہو گا"

"آپ نے ٹھیک کہا مہارانی جی"

"کہیے ___"

مہارانی ہمہ تن گوش ہو بیٹھی۔ راجہ نے دو ایک بار اپنی نشست پر پہلو بدلا۔ پھر بولا:

"شہزادۂ عالی کا ایلچی صحبت خان آیا تھا ___"

مہارانی نے جلدی سے کہا "ہاں میں ان سے مل چکی ہوں، وہ شہزادۂ عالم کا پیغام لے کر آئے تھے ___"

"جی میں اسی پیغام کے سلسلے میں حاضر خدمت ہوا ہوں"

"کیا کوئی پیغام آپ کے لیے بھی آیا ہے؟"

"جی ہاں ___"

"کوئی ضروری بات؟"

"شہزادۂ عالی دو تین دن میں یہاں پہنچ رہے ہیں ___"

"ہاں صحبت خان یہ بات بتا چکا ہے۔ شہزادہ عالم نے اپنی رانیوں اور بیگموں کو الہ آباد بلا بھیجا ہے"

"جی؟"

"آپ سے یہ بات نہیں کہی صحبت خان نے؟"

"میں اس بات سے بے خبر ہوں۔ شاید یہ پیغام انہوں نے الگ بھجوایا ہے"

"ہاں صحبت خان یہی پیغام لے کر میرے پاس آیا تھا۔ رانیاں کل صبح الہ آباد روانہ ہو رہی ہیں ___ ان کی چھوٹی بیگم دلی گئی ہوئی ہیں ___ انہیں پیغام بھجوا دیا جائے گا ___ دوسری بیگم کو سیکری پیغام بھجوائیں گے"

"لیکن مہارانی صاحبہ"

"کیا؟"

"شہزادۂ عالم تو خود یہاں تشریف لا رہے ہیں ___"

"ہاں وہ آ رہے ہیں۔ لیکن صرف ایک دن کے لیے، اس کے بعد وہ بھی وہیں چلے جائیں گے"

"اہل خانہ کو انہوں نے اپنی آمد سے پہلے الہ آباد بھجوانے کا کہا ہے"

"ہاں ___ رانیاں تیار ہو رہی ہیں ___ کل پو پھٹے کوچ ہو گا ___ تین ہفتے کا سفر کافی تکلیف دہ ہو گا۔"

راجہ چند لمحے چپ رہا پھر سر نفی میں ہولے سے ہلایا۔

"آپ کو کیا پیغام ملا راجہ صاحب"

"مہارانی جی ——"

"ہوں"

"شہزادۂ عالی مرتبت نے خزانہ سے پچاس ہزار اشرفیاں مانگی ہیں۔"

رانی ایکدم چونکی لیکن جلد ہی سنبھل کر بولی "پچاس ہزار اشرفیاں؟"

"جی مہارانی صاحبہ"

"کس لیے"

"پیغام صرف اتنا ہی تھا کہ اشرفیوں کے توڑے ان کی آمد پر تیار رکھے جائیں"

"وہ یہ اشرفیاں الہ آباد لے جانا چاہتے ہیں ——"

"جی ——"

"اچھا!"

چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ ٹوڈر مل مؤدبانہ انداز میں بیٹھا رہا۔ ہاں رانی نے کئی بار گاؤ تکیے کا سہارا لیا ——

"اتنی بڑی رقم ——" راجہ کئی لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "مہاراج تو یہاں تشریف نہیں رکھتے میں از خود اتنی رقم خزانے سے نکالنے کا مجاز نہیں۔ اس لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ اجازت دیں تو توڑے تیار کر دیئے جائیں۔"

مہارانی کئی لمحے کچھ نہیں بولی —— پھر ایک گہری سانس چھوڑتے ہوئے مسکرا کر بولی "راجہ جی یقیناً شہزادۂ عالم اپنی فتح یابی کی خوشی منانا چاہتے ہیں —— آگرہ میں شاید وہ اپنے آپ کو اتنا آزاد و خود مختار نہ سمجھتے ہوں۔ دوستوں مصاحبوں اور ساتھیوں کو دل کھول کر نوازنا چاہتے ہوں ——"

"ممکن ہے ——"

"اسی لیے یہ رقم ساتھ لیجانا چاہتے ہوں گے۔"

"ان کا حکم یہی ہے۔"

"سب کچھ انہی کا تو ہے راجہ جی —— یہ مملکت یہ خزانہ سب انہی کا تو ہے۔"

"جی مہارانی صاحبہ —— بے شک سب کچھ انہی کا ہے۔ تخت و تاج کے وہی وارث ہیں ——"

"پھر تیار کروا دیجئے توڑے"

راجہ نے ایک لمحہ کو ہراساں سی نظروں سے مہارانی کو دیکھا اور پھر سر جھکاتے ہوئے بولا "مجھے آپ سے اجازت لینا تھی۔ آپ کہتی ہیں تو میں یہ رقم ان کے حوالے کر دوں گا۔"

"راجا جی! —— مہارانی زیر لب مسکرائی۔ پھر تیقن اور اعتماد سے بولی" ان کے پیغام سے یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ چتوڑ کی فتح کی خوشی پوری آزادی سے منانا چاہتی ہیں۔ یقیناً یہی بات ہے۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ مہاراج کی موجودگی میں وہ ایسا نہیں کر سکیں گے حالانکہ یہ ان کی غلط فہمی ہے —— خیر —— انہیں معلوم نہیں ہوگا کہ مہاراج آگرہ میں نہیں ہیں ساموگڑھ کے باغی اور سرکش سردار کی سرکوبی کے لیے تشریف لے جا چکے ہیں۔" راجا نے چند لمحے تذبذب کے عالم میں انہیں دیکھا اور پھر بولا "شہزادۂ عالی کو یہ خبر مل چکی ہے۔"

"کس نے کہا" مہارانی جلدی سے آگے کو ہو کر بولی۔

"صحبت خان نے ——"

"تو شہزادۂ عالم جانتے ہیں ——"

"جی مہارانی صاحبہ ——"

مہارانی چپ ہو گئی —— لیکن اپنا اضطراب اور بے چینی راجہ ٹوڈر مل پر ظاہر نہ ہونے دی۔

کئی لمحے بوجھل سا سکوت رہا۔

پھر

مہارانی بولی "آپ ان کی مطلوبہ اشرفیاں توڑوں میں بھروا دیں۔ بے شک یہ بہت بڑی رقم ہے اور مہاراج کی منظوری کے بغیر اس کا مصرف ٹھیک نہیں۔ لیکن شہزادے کی خوشی کا بھی ہمیں خیال رکھنا ہے۔ مہاراج یہاں ہوتے تو وہ بھی یہ رقم ان کے حوالے کر دیتے۔ بیٹے کی خوشی کے لیے وہ کیا کچھ نہیں کر سکتے۔ راجہ جی آپ بھی تو جانتے ہیں۔"

"جی ——"

"ہمیں ان کی خوشی دیکھنا ہے راجہ جی —— یہاں یہ پیغام بھیجا ہے۔ کہ ان کی رانیوں اور بیگموں کو فوری طور پر الہ آباد بھجوا دیا جائے۔ بچوں کو بھی بلوا بھیجا ہے —— حالانکہ بچوں کے جانے سے ہم بہت اداس ہوں گے —— پھر بھی ان کی بات ٹالیں کیسے ——"

"جو حکم مہارانی جی ——"

"ٹھیک ہے شہزادۂ عالی دو تین تک خود بھی تو آ رہے ہیں۔ میں ان سے بات کر لوں گی آپ انتظام کر دیجیے ——" اس نے راجہ سے کہا۔ پھر بڑے خوبصورت اور معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بولی "چتوڑ کا خزانہ جب یہاں پہنچے گا تو یہ پچاس ہزار اشرفیاں اس کے سامنے ہیچ لگیں گی —— سنا ہے چتوڑ کے خزانے بیش قیمت ہیں۔"

"ہاں مہارانی جی —— چتوڑ کا راجہ بھاگ گیا ہے۔ سارا دھن دولت شہزادے ہی کے ہاتھ لگا ہے۔"

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ اشرفیاں توڑوں میں بھروا کر تیار رکھیں —— خزانہ عامرہ چتوڑ کی دولت سے بھر جائے گا ——"

راجہ ٹوڈرمل نے سر ہلا دیا۔

پھر

رانی اور وہ مہاراج کی باتیں کرنے لگے —— ساموگڑھ پر حملہ بول دیا گیا تھا ——

اطلاعات آ چکی تھیں۔ کچھ دیر انہی اطلاعات کا ذکر ہوتا رہا۔ پھر راجہ نے جانے کی اجازت چاہی۔ مہارانی نے سر ہلا کے ہلکے سے اشارے سے اسے اجازت مرحمت فرما دی۔

وسیع وعریض میدان میں دور دور تک سپاہیوں کی چھولداریاں اور سرداروں کے شامیانے
تنے تھے۔ ہر سردار کے شامیانے پر اس کے دستے کا خصوصی اور امتیازی پھریرا لہرا رہا تھا۔ درختوں
تلے چاک وچوبند گھوڑے بندھے تھے۔ جن کی پشتوں پر زین کسے ہوئے تھے ـــ چھولداریوں
سے قدرے فاصلے پر ہاتھی کھڑے تھے۔ فیلبانوں نے ان پر رکھے ہودج اتارے نہیں تھے۔

سپاہی اس وقت اپنی جنگی وردیوں ہی میں تھے۔ اپنے برچھے بھالے نیزے اور
تلواریں صیقل کرنے کے بعد آپس میں گپ شپ لڑا رہے تھے۔ ٹولیوں کی صورت کسی چھولداری
کے باہر کسی کھلی جگہ اور کہیں گھوڑوں کے قریب کھڑے تھے۔ دو دن کی لڑائی کے بعد وہ
شہر کو روندتے اور سامو گڑھ کے فوجیوں کو مولی گاجروں کی طرح کاٹتے یہاں پہنچے تھے۔
اور اب قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ سامو گڑھ کا حاکم اپنی فوج سمیت قلعہ بند ہو گیا تھا۔
فوجی داد شجاعت دینے کو بیقرار تھے۔ سرداروں کی تلواریں تڑپ رہی تھیں۔ وہ سب چاہتے
تھے کہ قلعے کی دیواروں اور فصیل میں شگاف ڈال کر اندر داخل ہونے کا راستہ بنایا جائے۔
پھر باغیوں کو ان کے کیے کی عبرتناک سزا دی جائے۔

اس وقت بھی تقریباً سارے جانباز اور سپاہی یہی باتیں کر رہے تھے۔ محاصرے کو
پانچواں دن تھا ـــ بیکار بیٹھے رہنا انہیں کھل رہا تھا۔ گو وہ ہر وقت حملے کی تیاری کی

حالت میں رہتے تھے۔ پھر بھی وہ تخت یا تختہ والی حکمت عملی پر عمل پیرا ہونا چاہیے تھے۔
لیکن
انہیں ابھی تک سالار اعلیٰ ابوالفضل یا شہنشاہ اعظم کی طرف سے کوئی حکم نہیں ملا تھا۔

چھولداریوں اور شامیانوں سے قدرے پرے ہٹ کر اونچائی پر شہنشاہ کا سفری خیمہ
نصب تھا۔ سرخ اور سنہری قناتوں سے خیمہ ترتیب دیا گیا تھا۔ سامنے اونچا دروازہ تھا۔
جس پر بانات کا سنہری کناروں والا پردہ لہرا رہا تھا۔ دروازے سے باہر آہنی ڈنڈوں پر قندیلیں
لگائی گئی تھیں۔ اور خیمے کے چاروں طرف سنگین بردار پہریدار ہمہ وقت ہوشیار رہتے تھے۔
دروازے کے سامنے شہنشاہ کے خاص الخاص آدمی پہرے پر متعین تھے۔ ان میں حبشی
نژاد ملک کافور اپنے سیاہ رنگ اور گراں ڈیل ڈول کی وجہ سے نمایاں تھا۔ یہ شہنشاہ کا خاص
آدمی اور غلام تھا۔ خیمے کے اوپر مغل پرچم لہرا رہا تھا۔ خیمہ اندر سے دوہری ساخت کا تھا۔
باہری خیمے اور اندر کے خیمے کے درمیان کھلی جگہ چھوڑی گئی تھی۔ یہاں بھی پہرے دار متعین
تھے۔ اندرونی خیمہ دو حصوں میں منقسم تھا۔ ایک حصہ خوابگاہ تھی۔ دوسرا نشست گاہ ـــ
خیمے کے اندر اور بیرونی گلیوں میں سرخ قالین بچھے تھے۔ خیمے کی اندرونی قناتوں پر مستطیل
سرخ کپڑوں پر آرائشی تصاویر بنی تھیں۔ کسی تصویر میں کوئی نوجوان شیر کے جبڑوں میں
ہاتھ دیے تھا۔ کسی میں جنگی منظر کشی تھی اور کسی پر حسین وخوبرو مغنیہ ستار کے تاروں سے
کھیل رہی تھی اور کہیں کنیزیں جام و مینا لیے امراء وزراء کی محفل سجائے تھیں۔

خوابگاہ میں آرام دہ مسہری تھی ـــ تپائیوں پر نقرئی گلدانوں میں پھول سجے تھے۔
ایک طرف تلواریں رکھی تھیں۔ دوسری طرف جنگی لباس قنات کے ساتھ لگی ریشمی رسیوں
پر ٹنگے تھے۔ نشست گاہ میں سفری چوبی منقش تخت تھا۔ جس پر قالین بچھے تھے اور سنہری ڈوریوں
اور سونے کے پھندنوں والے گاؤ تکیے پڑے تھے۔ تخت کے سامنے نیچی نیچی زرنگار چوکیاں رکھی
تھیں۔ جن پر امراء اور سالار بیٹھتے تھے جنھیں شہنشاہ اجازت مرحمت فرماتے تھے نشست گاہ

میں بھی جگہ جگہ نفیس اور نقرئی شمعدان تھے۔ جن میں بے دود شمعیں سرِشام ہی روشن کر دی
جاتی تھیں۔ شہنشاہ کے شان شایاں ہر چیز تھی ـــــ یہ سفری خیمہ ضرورت کی ہر چیز سے
مزین تھا ـــ شاہ کی سہولت اور آرام کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ اور جب بھی شہنشاہ
کہیں جنگ یا معرکے کے لیے جاتے یہ سفری آرام گاہ اسی طرح سجائی جاتی تھی ـــ اس کا
سارا انتظام وانصرام قطب الدین کے ذمہ تھا جو ایک جنگجو سپاہی ہونے کے ساتھ ساتھ بہت
اچھا منتظم بھی تھا۔ شہنشاہ کا خیمہ وہ خصوصی توجہ سے لگوایا کرتا تھا ـــ محلات سے دور
چٹیل میدانوں یا ویرانوں میں جہاں بھی وہ شاہی خیمہ نصب کرواتا ـــ شہنشاہ کو اپنے
محل کا سا آرام ملتا تھا۔ کئی معرکے سر کیے جا چکے تھے۔ لیکن قطب الدین کو ایک دفعہ بھی
شکایت نہیں ملی تھی۔ اسی لیے معرکوں کی واپسی کے بعد جب سپاہیوں سالاروں اور
دیگر لوگوں کو مراعات سے نوازا جاتا وہاں قطب الدین کو بطور خاص خصوصی مراعات
ملتیں۔ اسناد دی جاتیں اور دھن دولت پن کی طرح برسایا جاتا تھا۔ شہنشاہ اس سے
بہت خوش تھے۔

شہنشاہ کے خیمے سے کوئی سو قدم کے فاصلے پر ابو الفضل کا خیمہ تھا۔ اس کا خیمہ
بھی دوسرے سرداروں کے خیموں سے الگ تھلگ ایستادہ تھا۔ مٹیالے رنگ کی قناتوں
پر سنہری حاشیے بنے ہوئے تھے۔ بیرونی دروازے پر یہاں بھی آہنی ڈنڈوں پر قندیلیں نصب
کی گئی تھیں اور دو فوجی پہرے پر بھی تھے ـــ خیمہ خاصا کشادہ تھا۔ ایک طرف سونے
کے لیے جگہ بنی تھی۔ دوسری طرف نشستیں تھیں۔ زمین پر قالین بچھے تھے اور تلواریں بھالے
نیزے اور برچھیاں ایک طرف کونے میں پڑی تھیں ـــــ

سہ پہر ہو رہی تھی ـــ ابو الفضل سارے لشکر کا معائنہ کرنے کے بعد کچھ دیر سستانے
کے لیے خیمے میں آیا تھا ـــ فوجی چاق و چوبند تھے۔ گھوڑے اور ہاتھی حملے کی ترتیب میں
تھے۔ سامان حرب ورسد بھی کافی تھا ـــ محاصرہ کئی روز تک جاری رکھا جا سکتا تھا۔

لیکن

ابھی ابھی اس کی جن سپاہیوں سے بات ہوئی تھی اور جن سرداروں سے وہ ملا تھا۔
سب کے سب خواہاں تھے۔ کہ بات آر یا پار کی جائے۔ فصیل میں شگاف ڈالنے کے کئی ماہر
فوجیوں میں موجود تھے۔ قلعہ بند فوجیوں کو اسی طور قلعہ کے اندر جا کر مقابلہ کر کے منہ کی کھلائی
جا سکتی تھی۔

سالاروں نے یہ تجویز ابو الفضل کو پیش کی تھی۔

وہ کسی حد تک ان سے متفق بھی تھا ـــ سپاہیوں کے عزم اور جوش وولولہ سے
سامو گڑھ کے پرچم کو سرنگوں کرنا سہل بھی لگتا تھا۔

لیکن

شہنشاہ کی طرف سے ابھی تک کوئی حکم نامہ نہیں ملا تھا ـــ ابو الفضل آگاہ تھا
کہ شہنشاہ کی خاموشی کسی طوفان کی پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اسی لیے اس نے سالاروں اور
سپاہیوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا تھا" میں جانتا ہوں آپ کی تلواریں دشمن کا لہو چاٹنے
کو بے تاب ہیں آپ باغیوں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے بے قرار ہیں۔ آپ
کے سینے میں تڑپ ہے ـــ لیکن ہمیں شاہی فرمان کا انتظار کرنا چاہیے۔ شہنشاہ کا ذہن
مصروف ہے اور وہ جلد ہی کوئی نہ کوئی جنگی چال چلنے کا کہہ دیں گے۔ شہنشاہ تخت یا
تختہ کی بات میں یقین نہیں رکھتے۔ وہ صرف اور صرف تخت کا مفہوم جانتے ہیں ـــ ان
کا عمر بھر کا تجربہ کوئی نہ کوئی راہ نکالے گا ـــ"

" لیکن محاصرہ اتنا طویل نہیں ہونا چاہیے کہ سپاہیوں کا جوش وجذبہ بیکار پڑے
رہنے سے سرد پڑ جائے ـــ"

" ہمارے سپاہی چاق و چوبند ہیں ـــ"

سالار اپنی اپنی رائے پیش کر رہے تھے۔ ابو الفضل سن رہا تھا۔ محاصرے کو طول دینے

کے حق میں وہ خود بھی نہیں تھا ـــ محاصرے میں ایک سقم بھی تھا اور وہ ابوالفضل جانتا تھا قلعے
کو تین اطراف سے گھیرے میں لیا گیا تھا۔ چوتھی طرف دریا تھا۔ اس طرف سے قلعہ مغلوں
کی یلغار سے محفوظ تھا اور کمک اور رسد اسی طرف سے قلعے کے اندر پہنچ رہی تھی۔
اس نے کئی سپاہیوں کے بیانات لیے تھے۔ جنہوں نے بتایا تھا کہ رات کے دریانے پہر
دریا سے شڑاپ شڑاپ کی آوازیں آتی ہیں۔ یقیناً یہ کشتیاں ہوتی ہیں۔ جو کمک اور رسد قلعے
کے اندر پہنچاتی ہیں۔ دن میں ان کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا۔ رات چونکہ اندھیری ہوتی
ہے اس لیے وہ دیکھ نہیں پاتے۔ البتہ آواز سے اندازہ کر لیتے ہیں۔

یہ صورت حال یقیناً تشویشناک تھی۔ اگر قلعہ میں کمک اور رسد اسی طرح پہنچتی رہی
تو ساموگڑھ کا سردار مہینوں محاصرے کے باوجود قلعہ بند رہ سکتا تھا۔ ابوالفضل کے ذہن میں
جو پلان بنا تھا۔ وہ شہنشاہ کے گوش گزار کرنے کے بعد ہی اس پر عمل پیرا ہو سکتا تھا۔ اسی لیے
اس نے سالاروں اور سپاہیوں سے وعدہ کر لیا تھا کہ شام اترنے سے پہلے جب وہ شہنشاہ
کے حضور دو دن کی لڑائی میں مرنے والوں کی فہرست پیش کرنے جائے گا اور زخمیوں کے
علاج معالجے کا بتا کر انہیں واپس بھیجنے کے بندوبست کا ذکر کرے گا تو ان کی خواہش اور
رائے کو بھی شہنشاہ کے گوش گزار کر دے گا۔

"آپ لوگ مطمئن رہیں ـــ آپ کے حوصلوں کو مزید آزمایا نہیں جائے گا۔ حملہ کا حکم
شہنشاہ اس صورت حال میں ضرور صادر فرمائیں گے ـــ"

"امید ہے کل کا سورج شہنشاہ کے حملے کے فرمان کے ساتھ طلوع ہوگا۔"

"امید رکھیں۔ ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو ـــ"

سپاہیوں کو تسلی اور سالاروں کو دلاسہ دے کر ابوالفضل اپنے خیمے میں چلا آیا تھا۔
وہ صبح سے گھوڑے کی پشت پر سوار تھا ـــ اب آ کر چند لمحوں کے لیے آرام کرنا ضروری تھا۔
اسے شام سے پہلے شہنشاہ کی بارگاہ میں بھی حاضر ہونا تھا۔

وہ تھوڑی دیر سستانے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے تپائی پر رکھی وہ فہرستیں اٹھا
لیں جو مرنے اور زخمی ہونے والوں کی تھیں۔ گو ان کا بہت کم جانی نقصان ہوا تھا۔ پھر بھی
ایک سو اکیس جوانوں اور دو سرداروں نے جانیں مغل پرچم کی حرمت کے لیے نچھاور کر دی
تھیں اور ایک سو تیرہ افراد نے نیزوں اور تلواروں اور برچھیوں کے زخم کھائے تھے۔
ابوالفضل فہرست دیکھتے ہوئے سردار حکمت خان کے نام پر رک گیا۔ حکمت خان بڑا دلیر
اور وفادار آدمی تھا۔ اس کی بہادری بے مثل تھی ـــ وہ دشمن کو للکار للکار کر تہہ تیغ
کرنے والا آدمی تھا۔ مغل حکومت کا سچا بہی خواہ اور شہنشاہ کا جانثار سپاہی تھا ـــ
حکمت خان اور نادر خان دونوں نے بہت سے جنگی معرکوں میں داد شجاعت دی تھی ـــ
نادر خان باغی ہو کر شہنشاہ کو قلبی دکھ پہنچا چکا تھا۔ اب حکمت خان کے جنگ میں کام آنے
کی خبر بھی شہنشاہ کے لیے اتنے ہی دکھ کا باعث ہوگی جتنا نادر کے باغی ہونے کا صدمہ
تھا۔

ابوالفضل نے فہرستیں پھر چوڑی تپائی پر رکھ دیں۔ تھوڑی دیر وہ خیمے کے اندر ہی
ٹہلتا رہا۔ پھر قنات کی دیوار میں بنے غرفے کے آگے سے پردہ ہٹا کر باہر دیکھا۔ یہاں سے
شاہی خیمہ پوری طرح نظر آتا تھا ـــ پہریدار سنگین اور نیزے سنبھالے بتوں کی طرح
ساکت کھڑے تھے ـــ خیمے کا صدر داخلی دروازے کا پردہ گرا ہوا تھا ـــ اور خیمے کے چاروں
طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے پر شاہ کے جانثار عملے کے افراد تلواریں میانوں میں لٹکائے اور
سنگینیں کندھوں پر اٹھائے کھڑے تھے ـــ یقیناً شہنشاہ اندر ہی تشریف فرما تھے ـــ
ابوالفضل نے اپنا لباس درست کیا۔ آہنی ٹوپی سر پر رکھی کمر بند میں تلوار لٹکائی
لوہے کے آستین نما بازو چڑھائے ـــ اور شاہ کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے قدم
اٹھایا۔ اس نے وہ فہرستیں بھی اٹھا لیں جو تپائی پر رکھ دی تھیں۔
وہ خیمے سے باہر نکلا تو نیزہ بردار سپاہی نے اسے جھک کر سلام کیا۔ ہاتھ کے اشارے

سے سلام کا جواب دے کر وہ آگے بڑھ گیا۔ اسے دیکھ کر درخت تلے بندھا اس کا چتکبرا
گھوڑا ہنہنایا۔ ابوالفضل نے بڑھ کر اپنا ہاتھ اس کی گردن پر پھیرا۔ اور پیار کرتے ہوئے
بولا "ابھی نہیں میرے دوست ـــ تم آرام کرو۔ میں عالی جاہ کی خدمت میں حاضر ہونے
جا رہا ہوں"۔

وہ اس کی گردن تھپتھپاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

شاہی خیمے کے باہر حبشی نژاد ملک کافور کھڑا تھا۔ ابوالفضل کو قریب آتے دیکھا تو
جھک کر سلام کیا۔

سلام کا جواب دیتے ہوئے ابوالفضل نے پوچھا "کیا جہاں پناہ اندر تشریف فرما ہیں"

"جی حضور" وہ مؤدبانہ لہجے میں بولا۔

"اطلاع کر دو۔ میں حاضر خدمت ہونا چاہتا ہوں"۔

"بہتر سرکار"

کافور جھکا پھر سیدھا ہوا اور دروازے کے اندر چلا گیا ـــ اندرونی دروازے کے
قریب رک کر اس نے باریابی کی اجازت چاہی ـــ

شہنشاہ نے اجازت مرحمت فرمائی تو وہ پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوا۔ کورنش بجا لایا پھر
نگاہیں جھکائے ہاتھ باندھے وہ بڑے ہی مؤدبانہ لہجے میں بولا "جناب ابوالفضل سالار اعلیٰ
باریابی کی اجازت چاہتے ہیں عالم پناہ"

"آنے دو ـــ" شہنشاہ کی پر رعب آواز گونجی۔

کافور نے پھر جھک کر کورنشی انداز میں سلام کیا اور الٹے قدموں خیمے سے باہر نکل گیا۔

شہنشاہ مسند پر تکیئے میں کہنی دیئے بیٹھے تھے۔ پیشانی پر سوچ و فکر کی لکیریں نمایاں تھیں۔
وہ غالباً کسی جنگی چال پر غور کر رہے تھے۔

ابوالفضل اندر آیا۔ جھک کر سلام کیا۔

"آؤ ابوالفضل ـــ" شہنشاہ نے کہا "ہم تمہیں طلب کرنے ہی والے تھے ـــ"

"یہ غلام کی عزت افزائی ہے عالی جاہ ـــ"

"بیٹھو ـــ"

وہ مسند کے سامنے رکھی نیچی سی منقش چوکی پر بیٹھ گیا ـــ

شہنشاہ نے اس کی احوال پرسی کی ـــ کچھ موسم کی باتیں کیں۔ گرمی اور حبس کا ذکر کیا۔

"یہ موسم ایسے ہی اترتا ہے عالم پناہ"

"اس بے سروسامانی کی حالت میں کچھ زیادہ ہی تکلیف دیتا ہے۔ لیکن خیر ـــ ہم ان
چھوٹی موٹی تکالیف کو خاطر میں نہیں لاتے ـــ ہمارے سپاہیوں کا کیا حال ہے۔ موسم کی
اذیت انہیں پریشان تو نہیں کر رہی"

"عالی جاہ ـــ موسم کی کیا مجال کہ ان مجاہدوں کو پریشان کر سکے ـــ"

"بہت خوب۔ ہمیں ان سے یہی امید ہے"

"سپاہی ہر حال میں گزارہ کرنے کا عادی ہوتا ہے عالم پناہ"

"ہاں ـــ ہم جانتے ہیں ـــ"

چند لمحے یہی باتیں ہوئیں۔ پھر شہنشاہ نے ابوالفضل سے آمد کا مدعا پوچھا۔ ابوالفضل
نے عرض کی "جہاں پناہ نے مرنے والوں اور زخمی ہونے والوں کی فہرست طلب فرمائی تھی۔
وہ حاضر خدمت ہے"

اس نے فہرست شاہ کو اٹھ کر پیش کی۔

"کل کتنے آدمی کام آئے" انہوں نے دریافت فرمایا۔

"ایک سو اکیس عالی جاہ ـــ اور افسوس صد افسوس کہ ہمارے دو سالار بھی جاں بحق
ہوئے"

شہنشاہ نے آہستگی سے سر ہلایا اور بولے "حکمت خان ہم سے چھن گیا ـــ ہمیں اس

کا بیحد خلق ہے۔ ایسے وفادار اور مخلص انسان ناپید ہوتے جارہے ہیں ۔۔۔ ہمیں بیحد دکھ ہوا۔"

" حکمت خان کی زندگی اتنی ہی تھی عالم پناہ ۔۔۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دشمن کا وار جان لیوا ہوگا ۔۔۔"

" افسوس صد افسوس"

" دشمن کی لاش گھوڑوں کے قدموں تلے آگئی تھی۔ جس سے وہ بدک گیا اور حکمت خان اچانک وار کا دفاع نہ کرسکا۔"

" ہوں۔ جنگوں میں ایسا ہوتا ہی ہے۔"

پھر شہنشاہ نے زخمیوں کا پوچھا۔۔۔ جو حکیم گیلانی کے خیمے میں تھے۔ ان کی مرہم پٹی ہو رہی تھی ۔۔۔ سات افراد جو زیادہ ہی زخمی ہوئے تھے انہیں واپس آگرہ بھجوادیا گیا تھا۔ وہاں ان کا علاج معالجہ شاہی طبیب حکیم ہمام کے ذمہ تھا۔

شہنشاہ نے اطمینان کا اظہار کیا۔ پھر مرنے والوں کی تجہیز و تدفین کا پوچھا۔ ان کے گھروں میں اطلاعیں بھجوانے کا بھی بندوبست کیا گیا تھا۔ شہنشاہ نے ان کی مالی امداد کرنے کی بات بھی کی اور شاہی خزانے سے ان کے گھروں میں رقوم بھجوانے کے لیے قاصد آگرہ بھجوانے کے لیے بھی ابوالفضل سے کہا۔

ابوالفضل نے سر جھکا کر کہا " فرمان شاہی جلد ہی آگرہ بھجوادیا جائے گا۔"

شہنشاہ چند لمحے چُپ رہے۔ پھر خود ہی سامو گڑھ کے قلعے کی بات چھیڑی۔ ابوالفضل نے موقع پاتے ہی عرض کی " عالم پناہ ۔۔۔ آج محاصرے کو پانچواں دن ہے۔ اور ہمارے سپاہی بیکار پڑے اکتا رہے ہیں ۔۔۔ ان کی خواہش ہے کہ جلد سے جلد سامو گڑھ کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے ۔۔۔"

" تمہارا کیا خیال ہے؟" شہنشاہ نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے پوچھا۔

" عالم پناہ۔ جو حکم فرمائیں۔ خانہ زاد بجالانے کے لیے تیار ہے۔ لیکن عرض خدمت

کرنا چاہتا ہوں کہ قلعہ کو ہم نے تین اطراف سے گھیرے میں لے رکھا ہے۔"

" اور چوتھی طرف دریا ہے۔"

" جی عالم پناہ۔ یہی عرض خدمت کرنا چاہتا ہوں کہ یہی طرف ہمارے لیے غیر محفوظ ہے۔ قلعہ میں کمک اور رسد اس طرف سے پہنچتی رہی تو ۔۔۔"

شہنشاہ مسند سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ چند قدم ادھر گئے پھر ادھر۔ اس کے بعد ابوالفضل کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔ جو خود ہی شہنشاہ کے اٹھنے پر کھڑا ہوگیا تھا۔

" ابوالفضل" انہوں نے گھمبیر آواز میں کہا۔

" جی عالی جاہ"

" ہم اس صورت حال سے بے خبر نہیں کمک اور رسد قلعے میں متواتر پہنچ رہی ہے۔ تین دن سے ہم خود ہر رات یہ ترسیل ملاحظہ فرمارہے ہیں۔"

ابوالفضل نے حیران ہوکر شہنشاہ کی طرف دیکھا۔ وہ سر ہلاتے ہوئے بولے " ہاں ہم ہر رات وہاں جاتے ہیں ۔۔۔"

" دریا ۔۔۔ دریا پار کرکے عالم پناہ"

شہنشاہ ہولے سے مسکرائے۔ پھر سر ہلایا اور بولے " حیران کیوں ہو رہے ہو ظاہر ہے دریا پار کرکے ہی دوسرے کنارے پر جایا جاسکتا ہے ۔۔۔"

ابوالفضل کی حیرانگی اب بھی ختم نہ ہوئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں دریا عبور کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ جوانوں کے پتے بھی پانی ہوجاتے تھے۔ لیکن شہنشاہ جن کی عمر ساٹھ سے بھی تجاوز کرچکی تھی اس کٹھن کام کو کرگزرے تھے۔ اور ایک رات نہیں مسلسل تین راتوں سے یہ جان جوکھوں کا کام تنہا کر رہے تھے ۔۔۔

حیرت و استعجاب سے ابوالفضل بُت بن گیا تھا۔ پھر جب وہ سنبھلا تو اس کا سر شہنشاہ کے سامنے از خود جھک گیا ۔۔۔ " زندہ باد اکبر اعظم ۔۔۔ تاجدار ہند زندہ باد ۔۔۔" اس کے

منہ سے بیساختہ نکل گیا۔

شہنشاہ پھر زیرِ لب مسکرائے ـــ اور بولے" یقیناً تمہیں ہماری کارکردگی پر تعجب اور حیرت ہے۔ تم بھی ہمارے کاموں کو ہماری عمر کی میزان میں رکھتے ہو۔ لیکن ہم بارہا کہہ چکے ہیں۔ کہ ہمارا عزم ہمارا حوصلہ ہماری ہمت و جرأت ہماری بڑھتی ہوئی عمر سے کبھی متاثر نہیں ہوئی ـــ ہمارے اندر ولولے اور امنگیں جوان ہیں ـــ"

" زندہ باد" ابوالفضل کے منہ سے پھر نکل گیا۔

شہنشاہ چند قدم چل کر مسند کے پاس آئے چوبی مسند کا زرنگار پشت پناہ تھام کر کھڑے ہو گئے اور بولے" ہم صرف دریا عبور کر کے کمک اور رسد کی ترسیل ہی ملاحظہ نہیں فرماتے رہے ابوالفضل"

" جی ـــ ؛ عالی جاہ ـــ"

" مابدولت اس علاقے کا چکر بھی لگا آئے ہیں۔ جہاں سے یہ کمک بھیجی جا رہی ہے"

" عالم پناہ ـــ"

" اور اب ہم نے جنگ کو فیصلہ کن دور میں داخل کرنے کی منصوبہ بندی بھی کر لی ہے"

" عالم پناہ ـــ آپ نے اتنا کچھ اکیلے ہی کر لیا۔ خانہ زاد کو بھی اس معرکے میں ساتھ لے لیا ہوتا ـــ"

" اب اگلا قدم تمہیں ہی اٹھانا ہے ابوالفضل۔ ہم نے ہر بات طے کر لی ہے۔ ہماری ترکیب خدا کے فضل سے کامیابی سے ہمکنار ہو گی اور بہت جلد ساموگڑھ کا باغی حکمران ہمارے قدموں میں ہو گا ـــ"

" اس میں کوئی شک نہیں ظلِ سبحانی ـــ تاجدارِ ہند کی تدبیر تقدیر بدل دیتی ہے"

شہنشاہ نے ہولے ہولے سر ہلایا۔ پھر گھوم کر سامنے آئے اور مسند پر تشریف فرما ہو گئے ابوالفضل کو بھی چوکی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

پھر شہنشاہ نے جو منصوبہ ذہنی طور پر تیار کیا تھا وہ ابوالفضل کو بتانے لگے شہنشاہ بتا رہے تھے ابوالفضل ہمہ تن گوش تھا ساری تفصیلات بتانے کے بعد شہنشاہ نے کہا۔

" ساموگڑھ کا قلعہ آہنی فصیلوں میں گھرا ہے ان میں شگاف ڈالنا ناممکن تو نہیں لیکن اس سے ہمارا مقصد حل نہیں ہو سکتا ـــ فصیلوں کی مضبوطی ہمارے سپاہیوں کی محنت کو رائیگاں کر سکتی ہے اور اس سے زیادہ فائدہ یوں بھی نہیں اٹھایا جا سکتا کہ رسد و کمک کا دریائی راستہ کھلا ہے ـــ ہمیں پہلے اس راستے کو کاٹنا ہے ـــ" شہنشاہ چند لمحہ کو رکے۔

ابوالفضل ان کی تجویز سے متفق تھا۔ وہ کئی لڑائیوں میں شہنشاہ کے ساتھ رہا تھا۔ لیکن جو حکمت عملی شہنشاہ بروئے کار لا رہے تھے اس سے وہ شاہ کی عقل و فراست اور معاملہ فہمی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اسی لیے جب شہنشاہ رکتے تو وہ بے اختیار ہو کر کہہ اٹھتا" ماشاءاللہ ـــ یہ حضور والا ہی کی سوچ ہے۔ کوئی اس کو نہیں پہنچ سکتا ـــ زندہ باد ـــ اکبر اعظم زندہ باد"

پھر دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔

مطلع بالکل صاف تھا —— رات اندھیری تھی، لیکن تاروں کی لو نے اندھیرے کو قدرے روشن کر دیا تھا۔ جمنا کے بہتے شفاف پانیوں کو چھو کر آنے والی سبک خرام ہوائیں نم آلود تھیں۔ آج حبس بالکل نہیں تھا اور نم دار ہواؤں میں جنگلی پھولوں اور کلیوں کی مہک رچی تھی ——

مہرتاج نادر خان سے ملنے آئی ہوئی تھی۔ اس نے تاروں بھرا دودھیا لباس پہن رکھا تھا۔ رات کی چمکتی تاریکیوں نے لباس کی رنگت کو اتنا نکھرنے نہیں دیا تھا جتنا وہ درحقیقت تھا۔ لیکن پھر بھی دودھیائی چمک نظر آجاتی تھی۔

وہ ایک پتھر پر بیٹھی تھی۔ اس کے خوبصورت بال کھلے تھے اور پشت پر لہرا رہے تھے دوپٹہ کندھوں سے ڈھلک رہا تھا۔ وہ ایک پاؤں زمین پر ٹکائے دوسرا پتھر میں جمائے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھی۔ وہ بار بار گردن موڑ کر کبھی دائیں کبھی بائیں اور کبھی پیچھے دیکھ رہی تھی۔ آج نادر اس کے انتظار میں نہیں بیٹھا ہوا تھا۔ اسے انتظار کی زحمت سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

انتظار کی زحمت کسی کو پسند نہیں ہوتی۔ نہ ہی اسے اٹھانا گوارہ ہوتا ہے۔ محبوب کے انتظار کی زحمت تو ویسے بھی کرب و اذیت کا باعث بنتی ہے —— اور جب محبوب

بھی نادر ایسا ہو۔ جس کی زندگی خطرات میں گھری ہو۔ جسے قدم قدم پر موت سے واسطہ پڑنے کا خدشہ اور امکان ہو —— جسے لوگ شکاری کتوں کی طرح ڈھونڈتے پھرتے ہوں —— تو انتظار زحمت نہیں بے رحم اذیت بن جاتا ہے۔

مہرتاج جب یہاں آئی تھی تو چاند کھجور کے درخت کی آخری پھننگ میں اٹکا ہوا تھا۔ اس ادھورے چاند کی پھیکی پھیکی چاندنی بھی پھیلی تھی۔ لیکن اب یہ چاند کی قوس کافی نیچے چلی گئی تھی —— اور اس کی ناتمام چاندنی تاروں کی لو کے سامنے مدھم پڑ چکی تھی۔

مہرتاج کا دل ہول رہا تھا —— آنکھوں میں وحشت بھر رہی تھی۔ وہ ڈر رہی تھی۔ سہم رہی تھی —— خدشے بڑھ رہے تھے —— وہ کئی بار اپنی جگہ سے اٹھ کر ہولے ہولے اس کی تلاش میں ادھر ادھر گھوم پھر رہی تھی۔

لیکن

نہ ہی درختوں کے جھنڈوں میں سے نکلتا ہیولا نظر آرہا تھا نہ ہی جمنا کنارے کے اس پتھریلے ٹیلے کے پیچھے سے اس نے سر ابھارا تھا۔

وہ پریشان سے پریشان تر ہوتی گئی تھی۔ ایک ایک لمحہ جانگسل انتظار سے روح میں چبھن بن کر اتر رہا تھا ——

" نادر کیوں نہیں آیا؟"

" وہ تو روز ہمہ انتظار ہوتا ہے،"

" کہیں کسی دشمن کی نظر تو نہیں پڑ گئی؟"

" نادر گرفتار تو نہیں ہو گیا،"

" یا خدا میں کیا کروں"

" نادر —— تم کہاں ہو"

وہ دل ہی دل میں یہ باتیں کر رہی تھی۔ خائف تھی۔ نادر کو بلانے کے لیے زور زور

سے آوازیں بھی تو نہ دے سکتی تھی ــــ صدا بے رحم ہو سکتی تھی۔ نادر کا نام کسی اور کان میں پڑ سکتا تھا ــــ اُف اس کا محبوب اس کی روح اس کی زندگی تارِ عنکبوت سے لٹکی ہوئی وہ شے تھی جس کے نیچے سیدھی تلوار پڑی تھی ــــ تار سے ناطہ ٹوٹتے ہی تلوار اس کے ٹکڑے کر سکتی تھی۔

" نادر ــــ نادر" اس نے دونوں ہاتھوں پر سر گرا لیا اور بے آواز ہچکیوں سے رونے لگی ــــ

کئی گھڑیاں گزر گئیں۔

پھر

اسے یوں لگا ــــ جیسے پتے چڑچڑائے ہیں۔ اور بے آواز قدموں سے روندے جا رہے ہیں۔ اس نے سر اٹھایا ــــ دائیں طرف کے گھنیرے درختوں کی طرف دیکھا جو نیم روشنی اور تاریک اندھیرے میں بڑے مہیب لگ رہے تھے ــــ

اچانک ہی اسے ہیولا سا نظر آیا۔

وہ بے اختیارانہ پتھر سے اٹھی اور اس ہیولے کی طرف دوڑی۔

یہ تحقیق کیے بغیر ہی کہ وہ نادر تھا بھی کہ نہیں۔

لیکن

جذبے سچے اور پختہ ہوں تو راہیں خود ہی بنا لیتے ہیں۔ لگن راہ دکھاتی ہے اور وہ بھٹکے بغیر اپنی منزل سے ہمکنار ہو جاتے ہیں ــــ

مہر تاج کی طرف وہ ہیولا بھی اسی تیزی سے لپکا۔ اس نے بانہیں پھیلا دیں اور مہر تاج تیر کی سی تیزی سے ان بانہوں میں سماتے ہوئے اس کے سینے سے جا لگی۔ بانہیں سمٹ گئیں ان کا حلقہ تنگ ہوتا گیا ــــ

اور

مہر تاج بازوؤں کے شکنجے میں جکڑی چوڑے چکلے سینے سے لگی بے اختیار ہو ہو کر رونے لگی۔ "تم کہاں تھے۔ کہاں رہ گئے تھے۔ اتنی دیر کیوں لگا دی۔ مجھے اتنی اذیت سے دوچار کیوں کیا؟" وہ روتے ہوئے کہے جا رہی تھی۔

" بس۔ میری جان بس ــــ" نادر اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔

" تم نے دیر کیوں لگا دی" وہ قدرے سنبھلی تو اس کے سینے سے سر الگ کرتے ہوئے بولی۔

" کتنے خوف تھے۔ جنہوں نے مجھے سہما دیا ــــ"

نادر نے بازوؤں کی گرفت ڈھیلی کرتے ہوئے متبسم لیکن سرگوشیانہ لہجے میں کہا "نادر کو اپنایا ہے تو اس کی زندگی کے نشیب و فراز بھی اپنا لو۔ ایسے اتار چڑھاؤ تو آتے ہی رہیں گے ــــ آج میں کافی دیر سے یہاں پہنچا ہوں۔ حالات تو متقاضی تھے۔ کہ آج آتا ہی نہ"

" کیوں؟ کیا ہوا ــــ؟" مہر تاج گھبرا کر اس کے بازوؤں سے نکلی اور اس کے بازو کو تھام کر جلدی سے بولی۔

" مہرو ــــ آج ادھر سے کچھ لوگ گزرے تھے ــــ"

" کدھر سے"

" جدھر میرا ٹھکانہ ہے"

" اللہ ــــ" مہر تاج کی گرفت اس کے بازو پر سخت ہو گئی۔ وہ سر تا پا کانپ گئی۔

" پھر؟"

" پھر یہی کہ میں زندہ سلامت تمہارے سامنے ہوں ــــ"

" نادر ــــ کون تھے وہ لوگ"

" پتہ نہیں۔ مغل سپاہی تھے یا کوئی ریاستی ــــ"

" کتنے تھے ــــ"

"اندازاً چھ سات ۔۔۔ گھڑ سوار تھے ۔۔"

"ادھر ویرانے میں کیسے آئے؟"

"ہاں یہی بات تو خطرے والی ہے ۔۔۔ وہ جگہ بالکل ویران ہے۔ اس کے قریب کوئی گزرگاہ بھی نہیں ۔۔۔ جمنا کا کنارہ بھی وہاں سے دور ہو جاتا ہے ۔۔۔ اور وہاں جب سے میں ہوں کبھی کسی کے قدم اس طرف نہیں آئے ۔۔۔ میرے مخبر بھی ادھر سے نہیں آتے نہ ہی میرا کوئی سپاہی اس طرف کبھی آیا ہے۔"

"او ۔۔ نادر ۔۔۔ کہیں کسی کو بھنک تو نہیں پڑ گئی تمہارے یہاں ہونے کی؟"

"خدشہ تو یہی ہے ۔۔"

"تو ۔ تو تم ٹھکانے بدل لو نادر ۔۔۔ یہاں سے فوراً کہیں اور چلے جاؤ ۔۔"

"کہیں اور ۔۔"

"ہاں نادر کہیں اور ۔۔ دور ۔ بہت دور ۔۔۔ جہاں دشمنوں کے خیال کی رسائی تک نہ ہو ۔۔۔ اتنی دور چلے جاؤ ۔۔۔"

"یہ بات نہ کہو مہرو ۔ تم سے دور رہ کر میں جی نہ سکوں گا ۔۔۔ تم نہیں جانتیں تم سے رات کی ان گھڑیوں میں ملنے کے لیے میں پورا دن کس طرح گزارتا ہوں ۔ غار کے اس منہ میں بیٹھے بیٹھے میری ٹانگیں شل ہو جاتی ہیں ۔۔۔ میرا بدن پتھر کا ہو جاتا ہے اور ذہنی اذیت مجھے مارے دیتی ہے ۔۔۔"

"نادر ۔۔۔ تم ۔۔۔ اپنے آپ کو بے رحم حالات کے سمندر میں مت چھوڑو ۔ کسی محفوظ مقام پر چلے جاؤ ۔۔۔ میں ۔۔۔ میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں ۔ میرے بنا نہیں رہ سکتے تو مجھے بھی ساتھ لے چلو ۔۔"

"نہیں مہرو ۔۔"

"میں ہر مصیبت میں پوری ثابت قدمی سے تمہارا ساتھ دوں گی نادر ۔۔۔ کبھی نہیں

گھبراؤں گی اور تمہاری سنگت میں گزرا ہوا ہر لمحہ میرے لیے راحت افزا ہوگا ۔۔"

"اوں ہوں ۔۔۔ ابھی وقت نہیں آیا ۔۔۔ تمہارا ساتھ میرے مصائب میں اضافے کا باعث بن سکتا ہے مہرو ۔۔۔"

"لیکن اس طرح کب تک ۔۔۔ توپ کے دہانے پر کب تک پڑے رہو گے؟"

"حالات کی دھارا ابھی تک اُلٹی سمت بہہ رہی ہے۔"

"نادر ۔۔۔ کچھ سوچو ۔۔ کوئی حتمی فیصلہ کرو ۔ یہ زندگی زندگی تو نہیں ۔ دھڑکوں اور جان لیوا وسوسوں کا مرقع ہے ۔۔"

"تمہارا نادر باغی ہے مہرو ۔ اور باغی جب مفرور ہو تو ایسے حالات سے واسطہ پڑتا ہی ہے ۔۔"

"تم نے بغاوت کر کے اچھا نہیں کیا تھا ۔۔"

"اس کا مجھے بھی شدّت سے احساس ہے ۔۔"

"اگر احساس ہے تو پھر ہمت سے قدم اٹھاؤ ۔۔۔ شہنشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے کیے پر ندامت کا اظہار کرو ۔۔۔ ان کے دل میں اب بھی تمہارے لیے نرم گوشے ہیں ۔ وہ ضرور تمھیں معاف کر دیں گے۔"

"ایسا نہیں ہوگا ۔۔۔ ان کے دل کے نرم گوشوں کے باوجود وہ ایسا نہیں کریں گے ۔ وہ قانون سے انحراف کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے ۔۔۔ ان کے فرمان پتھر پر لکیر ہوتے ہیں مہرو تم بھی جانتی ہو ۔ اور میں بھی ۔۔۔ یہ بات نہ ہوتی تو میں کب کا دربار شاہی میں حاضر ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کر چکا ہوتا ۔۔۔"

مہر تاج چند لمحے چپ رہی پھر دکھی لہجے میں بولی "پھر یہی کرو کہ یہاں سے کہیں دور چلے جاؤ ۔۔۔ آج تم نے اپنے ٹھکانے کے ارد گرد جن لوگوں کو دیکھا ہے ہو سکتا ہے انہیں تمہارے یہاں ہونے کی اطلاع ملی ہو اور وہ کھوجی کتوں کی طرح تمہیں ڈھونڈتے

پھر رہے ہوں ۔۔۔"

"بہت ممکن ہے۔ لیکن یقین رکھو انہیں چاہے بھنک پڑ چکی ہو، پھر بھی وہ مجھے گرفتار نہیں کر سکتے۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی تو نہیں ۔۔۔"

"نہیں میرا یقین ہے۔ میں جس جگہ پورا دن گزارتا ہوں وہ ڈھونڈنے پر بھی انہیں نہیں مل سکتی۔"

"نادر میرا دل ہول رہا ہے ۔ کہیں ۔۔۔"

"چلو چھوڑوں ان باتوں کو خطرات سے کھیلنے کا تمہارا نادر عادی ہے۔ آؤ دوسری طرف چلیں، کہیں آرام سے بیٹھیں اور جی بھر کر باتیں کریں ۔۔۔"

"مجھے خوف آتا ہے ۔۔۔ قدموں کی چاپ کسی نے سن لی تو ۔۔۔"

"کوئی نہیں ہے ارد گرد ۔۔۔"

"کیا خبر ۔۔۔ وہی گھڑ سوار ادھر ادھر ہی کہیں ہوں ۔۔۔ تاک میں بیٹھے ہوں۔ قدموں کی چاپ انہیں محسوس نہ ہو جائے ۔۔۔"

"تو پھر یوں کرتے ہیں۔" نادر نے مسکرا کر مہرتاج کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور اسے بازوؤں پر اٹھاتے ہوئے بولا "میں تمہیں اٹھا کر لے چلتا ہوں۔ قدموں کی آواز نہیں ابھرے گی"

"ہائے نہیں ۔۔۔" وہ پھسلنی مچھلی کی طرح اس کے بازوؤں سے نکل کر زمین پر کھڑی ہو گئی اور پھر پیار میں ڈوبے لہجے میں بولی "ایسے نامساعد حالات میں بھی تم اتنے شگفتہ مزاج سے بھرپور ہو۔" تمہاری قربت میں میں سب کچھ بھول جاتا ہوں۔ یاد رہتا ہے تو صرف یہ کہ مہکتی ہوئی پھولوں لدی شاخ میرے پاس ہے۔ مہرتاج ۔۔۔ تم میرے لیے اس پرآشوب وقت میں بہت بڑا سہارا ہو ۔۔۔ آؤ ادھر چلتے ہیں۔ قربت کی جتنی گھڑیاں ہمیں نصیب ہیں ان کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ تقدیر میں اگر بربادی ہی ہے تو وہ آ کے رہے گی اور جو

قسمت مہربان ہے تو کوئی نہ کوئی راہ آپوں آپ نکل آئے گی ۔۔۔ چلو ۔۔۔"

دونوں ہولے ہولے باتیں کرتے سنگ سنگ چلتے گئے۔ وہ بڑے محتاط تھے۔ قدم یوں اٹھا رہے تھے کہ قدموں کو بھی اٹھنے کی خبر نہ ہو۔ وہ اب اک کھلے میدان میں تھے۔ جہاں آندھی سے گرنے والا ایک بڑے سے تنے والا درخت پڑا تھا ۔۔۔ مہرتاج اچک کر تنے کے ایک موٹے حصے پر بیٹھ گئی ۔۔۔ نادر قریب ہی ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا ۔۔۔

تاروں کی مدھم لو میں گو انہیں مکمل طور پر ایک دوسرے کی صورتیں تو نظر نہ آ رہی تھیں۔ پھر بھی ملائم سی روشنی اتنی ضرور تھی کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔

"مہرتاج"، باتیں کرتے کرتے نادر بولا۔

"ہوں"

"مدت ہو گئی ۔۔۔"

"کس بات کو"

"تمہیں روشنی میں دیکھے ہوئے ۔۔۔"

"ابھی تو اندھیرے ہی اپنا مقدر ہیں۔"

"میں انہیں روشن کر سکتا ہوں۔"

"آثار تو نظر نہیں آتے ۔۔۔"

"تم حامی بھرو۔ میں ابھی ان اندھیروں کو روشن کر دوں"

مہرتاج کچھ نہیں سمجھی ۔۔۔ بولی "وہ کیسے؟"

"ایسے کہ چند سوکھی شاخیں گھاس اور تنکے جمع کر کے انہیں آگ دکھا دوں۔ پھر اس روشنی میں تمہارا رخ زیبا دیکھ لوں"

"ہائے نادر ۔۔۔ کہیں ایسی غلطی نہ کر بیٹھنا۔ کیا تم آگ لگا کر لوگوں کو بتانا چاہتے ہو کہ تم یہاں ہو ۔۔۔"

"تمھیں روشنی میں دیکھنے کی خواہش دبائے نہیں دبتی۔ کیا کروں ــــ"

"من کی آنکھ سے مجھے دیکھو۔ یہ آگ سے زیادہ روشنی دکھائے گی"

"اس اندھیرے میں من کی آنکھ ہی سے تو تمھیں دیکھتا ہوں ــــ"

"نظر آتی ہوں نا پوری کی پوری ــــ"

"بالکل ــــ"

"ابھی جب تم آئے تھے تو میں نے من کی آنکھ ہی سے تو تمھیں دیکھا تھا"

"مہرو ــ ویسے تم نے بہت بڑی غلطی کی تھی۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا ــ تو ــ"

"اور کیسے ہوتا ــــ"

"ویسے ہی جیسے دن میں گھڑ سوار ادھر آتے جاتے رہے ہیں ــــ کوئی بھی ہو سکتا تھا۔ اندھیرے میں نظر تھوڑا ہی آتا ہے ــــ"

"میرے من کی آنکھ نے تمھیں دیکھا تھا ــــ میری لگن اور میرے جذبوں کی کشش نے مجھے کھینچا تھا ــــ یہ تم ہی تھے نادر ــــ جو میں یوں بے اختیارانہ کھنچی چلی گئی تھی۔ کوئی اور ہوتا تو کیا میرے جذبے اس طرح بے اختیار ہو جاتے ؟"

"مہرو ــــ جانم ــــ ویسے احتیاط ضروری ہے۔ آج ان گھڑ سواروں نے ــ"

"اوہ ــ نادر ــــ" مہرتاج ایکدم درخت سے اچھل کر اتری اور نادر کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے بے تابی سے بولی "وہ گھڑ سوار ــــ"

"ہاں ــــ کیا ہوا ــــ"

"کیا الہ آباد جانے کے لیے راستہ ادھر سے جاتا ہے کوئی ــــ"

"ہوں ــــ ادھر سے ــــ نہیں ادھر سے تو نہیں ــــ البتہ ــــ"

"لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو ــــ"

"تم بتاؤ تو سہی ــــ"

"یہاں سے تقریباً چار کوس کے فاصلے پر وہ کشتیوں کا پل ہے ـ ـ جہاں سے الہ آباد جانے کے لیے راستہ ملتا ہے ـ ـ ـ"

"اگر دریا پار کیے بغیر جانا پڑے تو ـ ـ"

"وہ راستے لمبے ہیں اور صرف شاہی سواریوں کے لیے مخصوص ہیں"

"ٹھیک بالکل ٹھیک ــــ"

"کیا ــــ"

"سمجھ آگئی"

"کس بات کی کچھ مجھے بھی تو بتاؤ ــــ"

"نادر یہ جو گھڑ سوار تھے نا ــــ"

"ہاں ـ ـ"

"وہ شاہی پہریدار ہوں گے ــــ"

"شاہی پہریدار"

"ہاں ـ آج شہزادۂ عالی کی رانیاں اور ستر کے قریب داسیاں لونڈیاں ان کے علاوہ خواجہ سرا اور غلام الہ آباد گئے ہیں ــ ان کی حفاظت کے لیے شاہی دستے بھی ساتھ تھے اور راستے کے دونوں طرف حفاظتی دستے اور پہریداروں کی ٹولیاں بھی بھجوائی گئی تھیں ــــ"

"واقعی ؟"

"ہاں ـ ـ"

"تو پھر یقیناً یہ وہی ہوں گے ــ"

"بالکل وہی ــ آج صبح سویرے ہی تو سواریاں محلات سے روانہ ہوئی ہیں ــ"

نادر نے اطمینان کی گہری سانس چھوڑی اور بولا "تم نے میرے ذہن کا بار ہلکا کر دیا مہرو۔ وہ لوگ حفاظتی دستوں کے سپاہی ہی ہوں گے ــــ"

دونوں چند منٹ اسی یقین کے سہارے اپنے اپنے ترددات اور خدشات مٹاتے رہے، پھر

نادر نے مہرتاج سے پوچھا" یہ سب رانیاں کوچ کیوں کر گئیں۔جشن تو آگرہ میں منایا جانا ہے۔"

"شہزادہ عالی کا ایلچی خاص پیغام لایا تھا۔انہوں نے سب کو الہ آباد بلوالیا ہے۔ خود بھی ایک آدھ دن میں یہاں آرہے ہیں ـــــ دوسرے دن الہ آباد روانہ ہو جائیں گے۔"

"الہ آباد میں کیوں جمع ہو رہے ہیں سب؟"

"پتہ نہیں ـــ اور سنو ـــ"

"کیا؟"

"شہزادۂ عالی خزانے سے اک بھاری رقم بھی نکلوا کر ساتھ لے جا رہے ہیں۔راجہ جی رانی صاحبہ سے باتیں کر رہے تھے ـــ"

"عجیب بات ہے۔"

"واقعی۔جب کہ شہنشاہ بھی یہاں نہیں ہیں۔الہ آباد جانے کی کیا تک"

"وہاں رنگیلا شہزادہ دادِ عشرت دینا چاہتا ہو گا۔یہاں ماں کے سامنے کچھ جھجکتا ہو گا۔خوب رنگ رلیاں منائے گا ـــ"

مہرتاج چپ ہو گئی ـــ نادر شہزادے کی رنگین مزاجی کی باتیں کرتا رہا۔

شاہی خیمے میں جنگی مجلس مشاورت کا اجلاس ہو رہا تھا۔

باہر تیرہ و تاریک رات پھیلی تھی۔خیمے کے گرد پہریدار تلواریں میانوں میں لٹکائے نیزے اور بھالے اٹھائے ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہے تھے ـــ سپاہی اپنی اپنی چھولداریوں میں جا چکے تھے۔کچھ گھوڑوں کے قریب ڈیرہ ڈالے تھے۔فیلبان ہاتھیوں کے پاس تھے ـــ اور ہودج اتار کر زمین پر رکھ دیئے گئے تھے۔

خیمے کے اندر بے دود شمعیں روشن تھیں۔عنبر و لوبان بھی سلگائے گئے تھے۔ان کی خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔

شہنشاہ اکبر اس وقت چوبی منقش مسند پر جس پر قالین بچھا تھا اور آرام دہ گاؤ تکیے لگے تھے، تشریف فرما تھے۔سامنے کرسیوں پر فوجی دستوں کے سالار درجہ بدرجہ بیٹھے تھے۔ ابوالفضل شہنشاہ کے دائیں ہاتھ قدرے اونچی پشت والی نشست پر براجمان تھا۔شہنشاہ نے اس وقت شاہی لباس زیب تن کر رکھا تھا۔جبکہ سالاروں اور امیروں مشیروں کے لباس جنگی ہی تھے۔ہاں انہوں نے سروں سے خود اتار دیئے ہوئے تھے ـــ اور سینے کے آہنی سینہ بند بھی ڈھیلے کر رکھے تھے۔

شہنشاہ نے اپنے منصوبے کی تفصیلات ابوالفضل کو بتا دی تھیں۔جن سے وہ متفق

تھا۔ اب شہنشاہ اپنے امیروں اور مشیروں سے اس سلسلہ میں مشورہ کر رہے تھے۔ گو کسی کو ان کے منصوبے سے اختلاف کی جرأت نہ تھی۔ ویسے بھی جہاندیدہ تجربہ کار اور کہنہ مشق شہنشاہ کا پلان ایسا نہیں تھا جو قابل عمل نہ ہو۔ ہاں دشوار ضرور تھا۔ اور جنگی معرکوں میں ایسی دشواریاں ہوتی ہیں۔

شہنشاہ کے سامنے اس وقت ابوالفضل کے علاوہ قطب الدین تقی خان ابراز خراسانی اور چند دوسرے سردار بیٹھے تھے۔ مہابت خان بھی تھا۔ جو بنگلہ سے آگرہ جانے کی بجائے ساموگڑھ کی طرف اپنی بہترین فوج کے ساتھ مغل فوج سے آن ملا تھا اور ساموگڑھ کے قلعہ کی دیواروں کو زمین بوس کرنے اور باغی حاکم کو شہنشاہ کے قدموں میں لا ڈالنے کے جنون میں مبتلا تھا۔ ساموگڑھ کے قلعہ کا محاصرہ اس کے جنون کی کڑی آزمائش تھی۔ اس کے سپاہی بھی بے تاب تھے۔ ایک ایک دن ان پر بھاری تھا۔ قلعہ کی فصیل میں شگاف ڈالنے کا منصوبہ بھی اسی نے بنایا تھا۔ وہ جلد از جلد مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانا چاہتا تھا اور اپنی شمشیر زنی اور جنگی جرأت و بہادری کی کہانیاں رقم کرنا چاہتا تھا۔

شہنشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بھی اس نے پہلی بات یہی کہی تھی "ظلِ سبحانی۔ صرف حکم فرمایئے پھر دیکھیے آپ کے یہ خادم اور جانثار کس طرح دشمن پر ٹوٹتے ہیں۔۔۔ ہمیں اجازت مرحمت فرمائی جائے کہ قلعہ کی فصیلوں میں شگاف ڈال کر اندر داخل ہونے کی راہیں بنائیں۔ اور پھر سیل بے پناہ کی طرح قلعہ بند بزدلوں کو بہا کر لے جائیں۔۔۔"

اس نے جس جوش و جذبے سے شاہ کے حضور کھڑے ہو کر یہ گزارشات کی تھیں شہنشاہ نے سر کے اشارے سے اس کی داد دی تھی اور پھر ہاتھ اٹھا کر بیٹھنے کا اذن دیا تھا۔ شہنشاہ مسند سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور چند قدم آگے چل کر آتے ہوئے کہا تھا "ہم تمہارے جذبوں حوصلوں اور جرأتوں کی قدر فرماتے ہیں۔۔۔ جب تک آپ جیسے سرفروش ہمارے بازو ہیں ہمیں کسی دشمن کی طرف سے کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔۔۔ ہم جانتے ہیں ہمارے

سب سالار اور فوجی رعد و برق کی طرح دشمن پر گرتے ہیں اور آناً فاناً انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے ہیں۔ ہمارے جوانوں کی تلواریں جب بے نیام ہوتی ہیں تو دشمن کا خون چاٹے بنا واپس نیام میں نہیں جاتیں۔۔۔"

شہنشاہ ایک لمحہ کو رکے۔ دم سادھے بیٹھے سالاروں نے نظریں شہنشاہ کے قدموں پر جما رکھی تھیں۔ وہ آگے کیا کہنا چاہتے تھے۔۔۔ یہ سننے کے لیے وہ ہمہ تن گوش تھے۔

شہنشاہ پھر گویا ہوئے "مہابت خان کی تجویز فصیل میں شگاف ڈالنے کی ہے۔ بیشک یہ اچھی تجویز تھی۔۔۔ بشرطیکہ قلعہ چاروں طرف سے ہمارے گھیرے میں ہوتا۔۔۔"

"واقعی" تقی خان شاہ کے رکتے ہی بولا "ہم نے تین طرف سے قلعہ کو گھیرے میں لیا ہے۔ چوتھی طرف دریا ہے۔۔۔"

"اور یہ دریائی راستہ قلعہ بندوں کی کمک کے لیے کھلا ہے" ابوالفضل نے کہا۔

سب سالاروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہلکی سی کھسر پھسر کی آوازیں آئیں۔ شہنشاہ کی پاٹ دار آواز نے خاموش کر دیا "شاید آپ لوگوں میں سے بہت سے یہ نہیں جانتے کہ قلعے کی عقبی فصیلیں دریا کے اندر ہیں۔ اور اسی طرف سے انہیں اپنے دوستوں اور قلعہ داروں سے کمک اور رسد پہنچ رہی ہے۔۔۔ سون نگر۔۔۔ ناؤ دوالا اور جگت پور کی ریاستیں برابر اپنے دوست قلعہ دار کی مدد کر رہی ہیں۔ اور جہاں تک ہمارا اندازہ ہے اس وقت قلعے کے اندر اتنی فوج جمع ہو چکی ہے جتنی شاید اس کی فصیل میں چنی ہوئی اینٹیں بھی نہیں۔۔۔"

حیرت و استعجاب سے سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔۔۔

شہنشاہ نے متبسم انداز میں سر کو ہلکی سی جنبش دی "ہمارا اندازہ صرف اندازہ نہیں حقائق پر مبنی مشاہدہ ہے۔"

"مشاہدہ" کوئی زیر لب بولا۔

"جی ہاں" ابوالفضل نے جواب میں کہا "ظلِ سبحانی ہر رات دریا پار کر کے جاتے ہیں اور دشمن کی سرگرمیوں کا مشاہدہ فرماتے رہے ہیں۔ کشتیاں بھر بھر کر سپاہ اور سامان خورد و نوش قلعے میں آتا ہے۔"

سب دم بخود ہو گئے۔

لیکن

مہابت خان کے جوش اور غیظ و غضب میں اضافہ ہو گیا۔ شہنشاہ کے سامنے وہ گستاخانہ لہجہ تو اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ آواز دباتے ہوئے سرخ چہرے اور شعلہ برساتی آنکھوں کو جھکائے ہوئے بولا "عالم پناہ میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ دیر اندھیر ہو سکتی ہے"

"نہیں مہابت خان ایسا نہیں ہو گا۔ تم غالباً محاصرے کی وجہ سے ایسا سوچ رہے ہو۔ ہم نے دانستہ ایسا کیا ہے۔"

"جی" پھر سرگوشیوں کی لہر ابھری۔

"ہاں۔ ہم دشمن کی طاقت کا اندازہ کرنے کے لیے وقت چاہتے تھے اور اسی حساب سے منصوبہ بندی کرنا چاہتے تھے۔ فصیلوں میں شگاف ڈالنا مستحسن نہیں۔ گو ہمارے سپاہیوں کے فولادی بازو ایسا کر گزرنے کے اہل ہیں پھر بھی قلعے کی سیسہ پلائی دیواریں ان کی محنت کو رائیگاں کر سکتی ہیں اور قلعہ بند فوجی بھی کچھ اتنے بے خبر نہیں۔ چور برجیوں سے چھپ چھپ کر ہماری افواج کی نقل و حرکت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ قلعہ میں شگاف ڈالنے والے فوجی ان کے نشانوں کی زد میں آئیں ___ وہ انہیں فصیلوں سے پتھر برسا برسا کر ختم کر سکتے ہیں۔"

سب دم بخود ہو گئے۔

مہابت خان کے چہرے کی تمتماہٹ بھی قدرے کم ہو گئی۔

شہنشاہ خاموش ہوئے تو تقی خان نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا پھر کچھ کہنے کی اجازت چاہی۔

اجازت پاتے ہی وہ اٹھ کر بولا "ظلِ سبحانی ___ پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے ___"

شہنشاہ چند لمحوں کے بعد بولے "ہم نے منصوبہ تیار کر لیا ہے اور ابوالفضل کو پوری تفصیل سے کل رات بتا دیا تھا ___ اب ہم نے آپ لوگوں کو یہاں اکٹھا کیا ہے۔ تاکہ منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے لائحہ عمل تیار کیا جائے ___"

"جو حکم عالی" تقی خان واپس بیٹھتے ہوئے بولا۔

پھر شہنشاہ چند لمحے ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے۔ محفل کی سنجیدگی کچھ کم ہوئی تو انہوں نے ابوالفضل سے کہا

"پورا منصوبہ تفصیل سے سب کے گوش گزار کیا جائے۔"

ابوالفضل اٹھا۔ جھک کر اس اعزاز کے لیے شکریہ ادا کیا پھر سیدھا ہو کر ہاتھ میں پکڑے گول کیے ہوئے شاہی احکامات کھولے۔

شہنشاہ اپنی مسند پر بیٹھ چکے تو اس نے حاضرین مجلس کو شاہی فرمان پڑھ کر سنایا۔

"خوب بہت خوب" کئی آوازیں ابھریں۔

"آپ لوگوں کو اتفاق ہے اس منصوبے سے" شہنشاہ بولے تو سب نے سر جھکاتے ہوئے بیک آواز کہا ___ "شہنشاہ اعظم سے اختلاف کی جرأت کرنا حماقت ہے۔ ہمیں حضور والا کی قیادت حکمت عملی اور عقل و دانش پر ایمان کی حد تک یقین و بھروسہ ہے۔"

ابوالفضل نے جھک کر کہا "تاجدار ہند کے اشارۂ ابرو پر یہ جانثار آگ میں کود سکتے ہیں۔"

"بالکل ___ بالکل"

شہنشاہ نے ہاتھ کے ہلکے سے اشارے سے حاضرین کی عقیدت قبول فرمائی۔

پھر شہنشاہ نے جس طرح لشکروں کی ترسیل کی تھی وہ ابوالفضل سے بتانے کو کہا۔

"تقی خان" ابوالفضل بولا "آپ اپنے پانچ ہزار لشکریوں کو لے کر دریا کے پار جائیں

گے۔ اور سون نگر ناؤدوالا اور جگت پور کے علاقوں کی ناکہ بندی کریں گے۔ ان راستوں سے اب ایک فرد بھی دریا تک نہ پہنچنے پائے۔ یہ شاہی فرمان ہے۔"

تقی خان اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور تلوار کے دستے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا "آدمی تو آدمی اس طرف سے ایک پرندہ بھی اڑ کر ادھر نہ آسکے گا عالی جاہ ــــ"

"شاباش۔ ہمیں تم جیسے دلیر سالار سے یہی توقع تھی اور ہم نے اسی لیے اس مہم کے لیے تمھیں چنا ــــ"

وہ جھک گیا اور کورنش بجالاتے ہوئے بولا "مجھے اس اعزاز پر فخر ہے۔ حکم فرمایئے کہ مجھے کب کوچ کرنا ہوگا ــــ"

"آج آدھی رات گزرنے کے بعد" شہنشاہ نے فرمایا ــــ "کوشش کی جائے کہ کوچ بے آواز ہو ــــ انسانی آوازیں اور گھوڑوں کے سموں کی آہٹ بھی اتنی مدھم ہو کہ دشمن چوکنا نہ ہوسکے ــــ"

"ایسا ہی ہوگا عالم پناہ" اس نے کمر میں بندھے کمربند میں لٹکتی تلوار کے ہتھے پر ہاتھ مارا ــــ

"دریا پار کرنے کے لیے تم کو یہاں سے تین کوس جنوب کی طرف جانا ہوگا۔ وہاں دریا کا پاٹ تو چوڑا ہے۔ لیکن گہرائی زیادہ نہیں ــــ"

"بہتر سرکار ــــ"

ابوالفضل نے شہنشاہ کے دریافت کردہ راستے کی تقی خان پر وضاحت کی۔ اسے چپے چپے کے متعلق معلومات بتائیں۔ جو شہنشاہ نے از خود معلوم کی تھیں۔ محاصرے کی طویل راتوں میں شہنشاہ نے یہ جان جوکھوں کا کام تن تنہا کیا تھا۔ سارے سالار عش عش کر رہے تھے اور اپنے بوڑھے شہنشاہ کی جوان ہمتوں کی بے اختیارانہ داد دے رہے تھے۔

تقی خان کو سارے احکامات مل چکے تو وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

اب ابرار خراسانی کو احکامات سنائے گئے۔ اس کے ذمہ دریا کے پار اتر کر سارے علاقے کی نگرانی تھی ــــ اگر کمک کسی اور طرف سے آئے تو اس صورت میں اس کا قلع قمع اس نے اپنے دو ہزار فوجیوں کے ساتھ کرنا تھا۔

پھر

قطب الدین کو شہنشاہ کے احکامات سنائے گئے۔ اس کے ذمہ سامان خورد و نوش پہنچانا تھا۔ دریا پار کر کے جانے والے فوجیوں کو ایک دن نہیں کئی دن معرکہ آرائی میں لگ سکتے تھے۔ سامان اور رسد کی ترسیل قطب الدین کے ذمہ تھی۔ وہ اپنے دستے اس کام کے لیے متعین کر سکتا تھا۔

پھر

تین دوسرے سالاروں کو بھی ان کے فرائض سونپے گئے۔ جنھیں انہوں نے کمال سعادتمندی سے پورا کرنے کا بیڑہ اٹھایا ــــ

مہابت خان کے لیے ابوالفضل نے نہ کوئی کام بتایا نہ ہی شاہی فرمان پڑھ کر سنایا۔ وہ اپنی چوکی پر کئی بار بیقراری سے پہلو بدل چکا تھا۔

"حکمت خان" شہنشاہ نے دریا پار کے علاقے کی نگرانی پر مامور ہونے والے سالار کو مخاطب کیا۔

"عالم پناہ" وہ اٹھ کر سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے جھک گیا۔

"تمھارے ذمہ صرف نگرانی ہی نہیں ــــ" شہنشاہ نے کہا۔

"جو حکم عالی ــــ خانہ زاد ہر کام کے لیے حاضر ہے ــــ"

"سون نگر اور دوسرے علاقوں کے سپاہی آج بھی یقیناً کمک لے کر آئیں گے؟"

"جی عالم پناہ ــــ"

"ان میں سے ایک بھی ان کشتیوں تک نہ پہنچنے پائے جو انہیں قلعہ کے عقبی دروازے

پر لاتی ہیں۔"

" ایسا ہی ہوگا عالم پناہ ——"

" ان سپاہیوں کی وردیاں تمہارے کچھ جانباز زیب تن کر کے کشتیوں میں سوار ہوں گے اور اس طرح عقب سے قلعہ کے اندر داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔"

وہ صرف سر جھکا کے رہ گیا۔

ابوالفضل نے ساری تفصیلات شہنشاہ کے منصوبے کے مطابق اسے سمجھائیں۔ پھر شہنشاہ بولے" جو سپاہی اس طرح قلعہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے وہ اپنے آپ کو دوست علاقوں سے آئے ہوئے ہی ظاہر کریں گے —— ان کا کام قلعہ کے اندر کی صورت حال سے آگاہی حاصل کرنا ہے۔"

" جی ظلِ الٰہی ——"

سب سالار دم سادھے اس منصوبہ کی تفصیلات سن رہے تھے۔ تلوار کی دھار پر چلنے والی بات تھی۔ لیکن فوجی ہراساں ہونا نہیں جانتے۔ وہ ہمہ وقت اپنے سر ہتھیلی پر رکھے ہوتے ہیں۔

شہنشاہ نے خود بھی سالار کو موقع اور مناسبت سے نقطے سمجھائے —— اس مشکل کام کے لیے انہوں نے بڑے اعتماد سے اس کا انتخاب کیا تھا——

قلعہ میں داخل ہونے والے فوجیوں کے ذمہ بہت سے اہم کام تھے۔ سب سے بڑا کام یہ تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح قلعہ کا داخلی دروازہ کھولنے میں کامیاب ہونے کی کوشش کریں۔

وہ ساری تفصیلات سمجھ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا——

کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔

پھر

شہنشاہ نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے مہابت خان کی طرف دیکھا جس کے لیے کوئی

حکم صادر نہیں کیا گیا تھا اور جو انتہائی بے قراری اور جوش و غضب کی حالت میں بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ اس سے رہا نہ گیا۔ اپنی جگہ پر اٹھتے ہوئے مؤدبانہ لہجے میں بولا" ظلِ الٰہی سب کے لیے حضور نے کوئی نہ کوئی حکم صادر فرمایا ہے ——"

" ہاں مابدولت نے قلعہ کی تسخیر کے منصوبے کی ذمہ داری سالاروں کو سونپ دی ہے ابوالفضل بھی اپنی سپاہ کے ساتھ مشرقی قلعہ کے ساتھ ساتھ پھیل جائیں گے۔"

" اور میں عالی جاہ ——"

" ہم جانتے ہیں تم اپنے فرائض سننے کو بے تاب ہو ——"

" عالم پناہ —— آپ نے لشکر کے پیشتر دستوں کی کوچ کا حکم فرما دیا ہے۔ ہر سالار اور امیر اپنے ساتھ پانچ ہزار دس ہزار تین ہزار اور دو دو ہزار سپاہی لے جائے گا ——"

" ہاں یہی حکم عالی ہے" ابوالفضل نے کہا۔

" تو یہاں چند ہزار سپاہی ہی رہ جائیں گے ——"

" بالکل" شہنشاہ نے جواب دیا۔

" عالی جاہ —— آپ فرما چکے ہیں کہ قلعہ کے اندر اتنی فوج ہے کہ سپاہی فصیلوں میں چنی اینٹوں سے بھی زیادہ ہیں ——"

" ہاں"

" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ دشمن کے سپاہی اور فوجی افسر برجیوں سے چھپ چھپ کر ہماری نقل و حرکت کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔"

" یہ عام فہم سی بات ہے۔ دشمن بے خبر نہیں بیٹھتا ——"

" تو اس حالت میں یہاں اتنی کم نفری ——"

" تمہارے لشکری اور ہمارے خاصِ فوجی جوان یہاں ہی ہوں گے —— فیلبانوں کو بھی ہم نے کہیں جانے کا حکم نہیں دیا ——"

"پھر بھی سرکار عالی ـــ اگر ہماری کم نفری کا اندازہ دشمن کو ہوگیا اور اس نے قلعہ کے دروازے کھول کر پوری قوت سے ہم پر یلغار کردی تو ـــ"

"مہابت خان" شہنشاہ نے تحمل سے فرمایا "تمہاری معاملہ فہمی کی مابدولت داد دیتے ہیں ـــ لیکن گھبرانے کی بات نہیں۔ ہماری جنگی چال ہی یہی ہے۔ کہ دشمن ہمیں کم سمجھ کر ہم پر حملہ آور ہو ـــ"

"کیا اتنے زیادہ لشکریوں کا ہم مقابلہ کر پائیں گے؟"

"یقیناً ـــ ہمیں اپنے خونخوار اور خوفناک لڑائیاں لڑنے والوں پر پورا بھروسہ ہے۔ اور پھر تم بھی تو اپنی سپاہ کے ساتھ یہاں موجود ہو۔ کیا تمہیں اپنے بازوؤں اور اپنے فوجیوں کے بازوئے ہمت پر اعتماد نہیں ـــ"

"میرے فوجی خوفناک بھیڑیوں کی طرح دشمن کو چیر پھاڑ سکتے ہیں۔"

"ہم تمہیں یہی موقع دینا چاہتے ہیں اس لیے تمہارے ذمہ سامنے سے حملہ آور ہونے والے دشمن سے مقابلہ کی گنجائش رکھی ہے۔"

"جو حکم عالی ـــ"

"ویسے اس صورت میں ہمیں اور کمک بھی پہنچ رہی ہے۔ اور ابوالفضل جو شرقی حصے کی نگرانی پر مامور ہے مقابلے کی صورت میں ادھر آسکتا ہے ـــ کیا اب بھی تم کم نفری سے غیر مطمئن ہو؟"

"نہیں عالم پناہ ـــ بلکہ میں تو حضور والا کی اس بہترین جنگی چال سے بے حد متاثر ہو رہا ہوں ـــ ہم مسلمان ہیں اور جب مسلمان پورے ایمان کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کرکے دشمن پر ٹوٹتے ہیں تو ایک ایک سپاہی دس دس دشمن کے سپاہیوں پر بھی بھاری ہوتا ہے۔"

"ہاں ہمارا بھی یہی ایمان ہے۔"

پھر

کافی دیر تک باتیں ہوتی رہیں ـــ جب محفل برخاست ہوئی تو سب نے کامیابی اور کامرانی کے لیے دعا کی۔ تاجدار ہند کی عمر اور صحت کے لیے بھی خصوصی دعائیں مانگی گئیں ـــ

شہنشاہ نے سب کو ایک بار پھر اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی کا ذمہ داری سے احساس دلایا سب نے سر تسلیم خم کر دیئے۔

محفل برخاست ہوئی۔ فوجی افسر ایک ایک کر کے رخصت ہوئے۔ سب سے آخر میں ابوالفضل نے شہنشاہ کو شب بخیر کہا ـــ اور خیمے سے باہر نکل گیا ـــ وہاں ملک کافور اندر آنے کے لیے حکم کا منتظر کھڑا تھا۔ شہنشاہ کا لباس تبدیل کروانے اور خوابگاہ میں ہر چیز ٹھیک جگہ پر رکھنے کی اس کی ذمہ داری تھی۔

انار بالا سرو قامتی کامنی شہہ رخ چنبیلی سوسن اور دوسری بہت سی کنیزیں پائیں باغ میں اترنے والی سیڑھیوں پر زرنگار کو گھیرے کھڑی تھیں۔ چھیڑ چھاڑ اور ہنسی مذاق ہو رہا تھا۔ کا پنج ایسے بدن والی شعلہ رو حسینہ زرنگار خوب چمکیلا بھڑکیلا لباس زیب تن کیے ہوئے تھی۔ ہار سنگار بھی کیا تھا اور خوشبوؤں میں بھی جیسے نہائی ہوئی تھی۔ رانیوں اور بیگمات کے بخشیش میں دیئے ہوئے بھاری بھاری جڑاؤ زیورات بھی سارے کے سارے پہن رکھے تھے۔ اس کی گھاگھرہ چولی اور دوپٹہ اوڑھنے کا انداز کنیزوں کا سانہ ہوتا تو کوئی بھی محل کی شہزادی اور اس میں فرق محسوس نہ کر سکتا۔ محلات میں بے شمار کنیزیں ایسی تھیں جن کے حسن و جمال کا کوئی ثانی نہیں تھا۔۔۔ بعض تو چہرے مہرے اور رکھ رکھاؤ سے بھی کنیزیں نہ لگتی تھیں۔ ان کے حسین اور نور میں ڈھلے پیکر انداز گفتگو اور اٹھنے بیٹھنے کے انداز محلاتی شہزادیوں سے بھی ممتاز لگتے تھے ۔۔۔ لیکن شہزادیاں شہزادیاں ہی تھیں۔ اس لیے شہزادیوں اور ان کنیزوں میں شناخت کی تمیز کرنے کے لیے شاہی احکامات تھے۔ لباسوں کا فرق اور انہیں پہننے کا طریق الگ تھا۔۔۔ کنیزیں لمبے دوپٹے پہنتی تھیں۔ جنھیں گھاگھرے میں اڑس کر پیچھے لے جایا جاتا اور کندھے پر ڈال کر آگے کو جھولنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ۔۔۔ پشوازیں پہننے والی کنیزیں بھی دوپٹہ اسی انداز سے اوڑھا کرتی تھیں۔ لونڈیاں باندیاں جتنے چاہیں زیور پہن سکتی تھیں لیکن انہیں سونے چاندی کے کمر بند پہننے کی اجازت نہ تھی۔ نہ ہی وہ ماتھے پر کلغی ٹکا سکتی تھیں۔ ماتھے کے ساتھ چپکے ہوئے جڑاؤ ٹیکے ان کے استعمال میں آ سکتے تھے۔ جڑاؤ اور ہیروں جڑی کلغیاں ہی شہزادیوں کی شناخت بنا کرتی تھیں۔

بے شمار کنیزیں تھیں۔ لونڈیاں تھیں باندیاں تھیں۔ شعلہ رو مہتاب خوش رنگ سیمیں بدن۔۔۔ چنچل شوخ اور خوش گلو۔۔۔ سب کے لیے ایک جیسے احکامات تھے۔ شناخت اور پہچان کے لیے ایک جیسے فرمان تھے۔ ہاں صرف مہرتاج کے لیے یہ پابندیاں نہ تھیں۔ اس کی حیثیت کنیزوں جیسی نہ تھی۔ وہ کمر بند بھی لگا سکتی تھی اور ٹیکے کی جگہ بالوں میں کلغی تو نہیں ہاں سونے کی زنجیر لگا سکتی تھی۔

زرنگار کو کنیزیں چھیڑ رہی تھیں۔

"آج کیا بات ہے؟"

"سولہ سنگھار کیے ہو۔"

"برق بن کر کدھر گرنے کے ارادے ہیں؟"

"ہائے ہائے قیامت ڈھا رہی ہو۔"

"اوہ جان گئی۔"

"کیا؟"

"بس پتہ چل گیا۔"

"کچھ ہمارے پلے بھی پڑے۔"

"یہ سولہ سنگھار ایسے ہی نہیں ہوئے۔"

"تو۔۔۔"

"تو یہ کہ۔۔۔ آپ سب تو جانتی ہیں؟"

"کیا جانتی ہیں ــــ"

"کہ زرنگار نے یہ بناؤ سنگھار کس کیلئے کیا ہے؟"

"ہائے ہائے ــــ"

"یہ بات ہے"

"جی ہاں جناب والا۔ آج شہزادۂ عالی تشریف لا رہے ہیں"

"اور زرنگار حضور کی کنیز خاص ہے"

"اوں ہوں۔ خاص خاص کنیزیں ان کی رانیوں کے ہمراہ الہ آباد جا چکی ہیں۔"

"تجھے نہیں پتہ ــــ زرنگار جان بوجھ کر یہاں رہ گئی تھی ــــ"

"جان بوجھ کر ــــ"

"اور کیا ــــ اب یہاں یہ اکیلی اکیلی شہزادۂ عالی کی خدمت کرے گی" خدمت کے لفظ پر شاہ رخ نے زور دے کر دوسری کنیزوں کو آنکھ ماری تو ساری کی ساری کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ ان کا اتنا زوردار قہقہہ سن کر خواجہ سرا شاہین جو راہداری سے گزر رہا تھا ادھر پلٹ پڑا۔ اونچے قد اور بھاری جسم والا خواجہ سرا فیروزی ستاروں بھرا دوپٹہ اوڑھے پیلے رنگ کے ریشمی جوڑے میں ملبوس تھا۔ ہاتھوں میں موٹی موٹی انگوٹھیاں اور کلائیوں میں کنگن تھے ــــ مسوڑھے مسی سے سرخ کیے ہوئے تھے اور آنکھوں میں بھر بھر کر کاجل لگایا ہوا تھا ــــ محلات کے زنانہ حصوں میں کسی غیر مرد کو آنے جانے کی اجازت نہ تھی۔ نامہ و پیغام کے لیے خواجہ سرا رکھے جاتے تھے۔ عورتوں مردوں کے بین بین کی یہ مخلوق زنانہ مردانہ دونوں حصوں میں آزادانہ آنے جانے کی مجاز تھی۔

خواجہ سرا شاہین کنیزوں کی طرف آتے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا "اے ہے لڑکیو کیا مل گیا جو یوں ٹھٹھے لگائے جا رہے ہیں ــــ"

"شاہین میاں" انار بالا شوخی سے بولی "ادھر تو دیکھو ــــ"

"اے شاہین بی بی" چنبیلی نے خواجہ سرا کی نقل کرتے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں ــــ زرنگار کو چھوڑ اب وہ خواجہ سرا سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگیں۔ کوئی اسے مذکر اور کوئی مؤنث بنا رہی تھی۔ بات بات پر قہقہے پڑ رہے تھے۔

"شاہین میاں ــــ ہوش اڑ جائیں گے تمھارے۔ زرنگار کے تیور ٹھیک نہیں آج۔ بجلی بن کر تم پر گرنا چاہتی ہے ــــ"

"بیچاری شاہین ــــ تت تت ــــ کاش تم شاہین میاں ہی ہوتیں ــــ"

"سب سے پہلے میں شادی کرتی تم سے"

سب نے پھر قہقہہ لگایا تو خواجہ سرا جان چھڑانے کو بولا "میری جان چھوڑو۔ میں ایسے ہی بھلا ــــ"

سب پھر ہنس پڑیں ــــ

"شاہین میاں ــــ" سرسوتی نے کہا۔

"کیا ہے ری"

"شہزادہ عالی کس وقت تشریف لا رہے ہیں ــــ"

"سہ پہر تک آنے کی توقع ہے ــــ"

"اچھا۔ ابھی کافی وقت ہے ــــ"

"تمھیں اتنا انتظار کیوں ہے"

"انتظار تو ہم سب ہی کو ہے میاں۔ لیکن زرنگار کو کچھ زیادہ ہی ہے"

"ہاں یہ ان کی منظور نظر بھی تو ہے"

"تمھیں بھی پتہ ہے شاہین میاں"

"لو مجھے کیا نہیں پتہ ــــ ایک ایک کا کچا چٹھا کھول سکتا ہوں"

"نہ نہ ــــ نہ ــــ" سب نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہا۔ پھر انار بالا بولی:

"اپنی راہ لو میاں۔ تم کہاں سے ٹپک پڑے — ہم تو اپنی زرنگار سے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے۔ جاؤ — جاؤ — جس کام سے جا رہے تھے جا کر کرو —"

"میں شہزادۂ عالی کے بارے میں مہارانی صاحبہ سے کہنے جا رہا تھا —"

"کیا — کیا — کیا کہنے جا رہے تھے" زرنگار بے تابی سے بولی۔

"یہی کہ شہزادۂ عالم سہ پہر تک یہاں پہنچ رہے ہیں —"

"کوئی پیغام آیا ہے"

"ہاں — فاروق بیگ آیا ہے۔ شہزادۂ عالی صرف ایک رات قیام کریں گے علی الصبح وہ الہ آباد روانہ ہو جائیں گے —"

سب نے ایک دوسری کی طرف دیکھا اور پھر زرنگار کی طرف دیکھ کر شوخی سے اشارہ کرنے لگیں "ہائے ہائے"

"اوہ ہو —"

"صرف ایک رات قیام —"

"وہ بھی سفر سے تھکے ہارے آئیں گے۔ ہو سکتا ہے کسی بھی کنیز کو بارگاہ میں طلب نہ فرمائیں —"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جام و مینا تو ضرور چھلکیں گے اور سنا ہے مہرتاج سے گانا بھی سنیں گے — وہ صبح ریاض کر رہی تھی۔ حافظ کی وہ غزل گا رہی تھی جو شہزادہ معظم اس سے اکثر سنا کرتے ہیں۔ اور جو انہیں بیحد پسند ہے۔"

لڑکیاں باتیں کرنے لگیں — مہرتاج کی گائی ہوئی اس غزل کی جوش و خروش سے تعریف کرنے لگیں — خواجہ سرا راہداری کی طرف چلا گیا۔

"تو۔ وہ آ گئی" ایک دم ہی سوسن نے کہا۔

"کون؟" کئی آوازوں کے ساتھ گردنیں مڑیں۔

"وہی جس کا ذکر خیر ہو رہا تھا —"

"مہرتاج —"

"کیا بات ہے" مہرتاج چوڑی مرمریں سیڑھیاں چڑھتے ہوئے لڑکیوں کے اس حسین و رنگین جمگھٹے کی طرف آتے ہوئے بولی۔

"تمہاری ہی باتیں ہو رہی تھیں" سوسن بولی۔

"خیریت؟" مہرتاج نے حیرانگی سے پوچھا۔

"بالکل خیریت" چنبیلی بولی۔

"بڑی مسرور و مسحور نظر آ رہی ہو سب کی سب" مہرتاج نے سب پر ایک طائرانہ سی نگاہ ڈالی — "بہت خوش لگ رہی ہو"

"خوش ہونے کا ہمیں حق نہیں کیا"

"کیوں نہیں۔ لیکن یہ خوشی کچھ اجتماعی سی لگتی ہے۔ اس لیے پوچھ رہی ہوں دوسرے آپ لوگ میرا بھی ذکر کر رہی تھیں۔ اس لیے پوچھنا مناسب سمجھا —"

"آج سہ پہر شہزادہ عالی کی سواری آ رہی ہے — کیا تمہیں علم نہیں؟" انار بالا نے پوچھا۔

"میں جانتی ہوں —" مہرتاج بولی "کل مہارانی صاحبہ نے مجھے طلب فرمایا تھا اور ساز سنگیت کی بات کی تھی۔ شہزادۂ معظم و مکرم کا استقبال چتوڑ کی فتحیابی کے بعد ان کے شایان شان کرنا ہے نا —"

"لیکن وہ تو سنا ہے صرف ایک رات قیام فرمائیں گے یہاں" سرسوتی نے کہا "اس بات سے مہارانی صاحبہ کچھ ناخوش بھی ہیں —" اس نے سرگوشیانہ انداز میں کہا۔

"ظاہر ہے — خوش کیسے ہو سکتی ہیں۔ مہینوں بعد جان سے پیارا بیٹا آئے گا اور صرف ایک رات قیام کر کے چلا جائے گا —"

"بات کچھ عجیب سی ہے" شہ رخ خیال انگیز لہجے میں بولی "سب رانیاں بھی الٰہ آباد چلی گئی ہیں۔ شہزادے اور شہزادیاں بھی۔ مہارانی صاحبہ کو تو بے رونقی لگتی ہوگی نا شہزادہ خرم سے تو وہ بہت ہی مانوس ہیں ——"

"اداس ہیں ضرور ——" چنبیلی نے کہا" آج میں اُن کے جوڑے میں پھول لگانے لگی تو انہوں نے منع کر دیا —— میں نے اصرار کیا تو کہنے لگیں کل لگا دینا۔ آج جی نہیں چاہ رہا۔"

"حالانکہ مہارانی صاحبہ موتیے کے ہار جوڑے میں لگوانے کی بیحد شوقین ہیں۔"

"بھئی کبھی کبھی جی اُوب بھی تو جاتا ہے۔ مہارانی ہیں تو کیا ہوا، ہیں تو انسان ہی —— بچوں کی جدائی کا دکھ وہ بھی تو محسوس کرتی ہوں گی ——"

"ہو سکتا ہے شہزادۂ عالی کے ساتھ وہ بھی الہ آباد چلی جائیں۔ مجھے لگتا ہے الٰہ آباد میں فتح کی خوشی میں الگ سے جشن منایا جانے والا ہے۔"

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو ——" مہرتاج نے کہا" وہاں شہزادۂ عالم پوری آزادی سے جشن منا سکتے ہیں —— رانی ماں کا ادب و لحاظ تو وہ بیحد کرتے ہیں۔ اس لیے اپنی رانیوں بیگموں اور بال بچوں کو وہیں بلا بھیجا ہے۔ جام و مینا کے دَور چلیں گے رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوں گی —— چتوڑ کی فتح کی خوشی پوری آزادی اور کھلے دل سے منائی جائیگی۔"

"ہائے ہائے کاش ہمیں بھی رانیاں ساتھ لے جاتیں" زرنگار بولی۔

"فکر کیوں کرتی ہو کیا خبر تمہیں شہزادۂ عالی بطور خاص وہاں جانے کے لیے کہیں" ستونتی نے شوخی سے کہا۔

"اپنے ایسے نصیب کہاں" زرنگار نے اک گہری سانس لی۔

"میری جان" سوسن نے زرنگار کی ٹھوڑی چھو کر مسکراتے ہوئے کہا —— "کنیزوں کو شاہوں شہزادوں کا دل تو بہلانا چاہیے۔ لیکن ان کے ساتھ سنجیدگی سے عشق کرنے سے

گریزاں ہی رہنا چاہیئے —— کہاں زمین کے ذرے اور کہاں آسمان کے ستارے —— کوئی میل ہے بھلا؟

ساری لڑکیاں شوخی اور چھیڑ چھاڑ چھوڑ انتہائی سنجیدگی سے باتیں کرنے لگی تھیں۔ انارکلی اور شہزادہ سلیم کے عشق کا قصہ پرانا نہیں ہوا تھا —— ایک کنیز نے ایک درباری رقاصہ نے عشق کیا تھا اور اس جسارت کی عبرتناک سزا بھگتی تھی —— یہاں تو خود شہزادہ بھی مبتلائے عشق تھا۔ تب بھی انارکلی اپنی منزل نہ پا سکی تھی —— جہاں یک طرفہ عشق کیے جا رہے تھے۔ وہاں تو معاملہ اور بھی مایوس کن تھا۔

باتیں ہوتی رہیں

اور

وہی لڑکیاں جو زرنگار کو شہزادے کے حوالے سے چھیڑ چھاڑ رہی تھیں اب اسے سنجیدگی سے سمجھانے لگیں —— اسے شہزادے کے عشق کے جنون سے آزاد ہونے کی راہیں سمجھانے لگیں ——

لیکن

زرنگار پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا —— وہ شہزادے کی محبت میں جان کی بازی لگا رہی تھی —— اور اس بات سے اسے وعظ و نصیحت روک نہیں سکتے تھے۔

گو

مہرتاج نے بھی اسے بہت سمجھایا۔

لیکن

وہ جانتی تھی کہ زرنگار راہِ عشق پر قدم رکھ چکی ہے۔ اب یہ قدم واپس نہیں لوٹ سکتے ان راہوں سے وہ خود بھی تو آشنا تھی۔

الہ آباد کے شاہی محلات کی تزئین و آرائش نئے سرے سے کی گئی تھی۔ ہر دالان ہر راہداری ہر حجرہ کمرہ اور ہر غرفہ اس طرح سجایا گیا تھا کہ لگتا تھا محلات نئے سرے سے تعمیر کر کے سجائے گئے ہیں۔ شہزادہ سلیم کی تینوں ہندو رانیوں اور مسلم بیگمات کی خوابگاہوں کی سجاوٹ تو دیدنی تھی ——— اطلس و کمخواب کے بستر باناتی اور حریری پردے ایرانی ارغوانی قالین سونے چاندی کے آرائشی گلدان اور شمعدان شیشوں جڑے فانوس غرضیکہ ہر چیز ہی خوبصورت اور نفیس تھی۔

رانیاں آگرہ سے مع اپنے اپنے بچوں اور لونڈیوں باندیوں کے الہ آباد پہنچیں تو اس آرائش و زیبائش کو دیکھ کر شاداں و فرحاں نظر آئیں۔ گو آسائشوں کی کمی آگرہ میں بھی نہیں تھی لیکن یہاں تو رنگ ہی اور تھے۔

ان سب کی سواریاں اپنے اپنے کمروں اور دالانوں کے سامنے ہی اتری تھیں۔ برآمدوں اور راہداریوں میں کھڑے خواجہ سراؤں اور غلاموں نے ہر ایک کو اس کے کمرے میں پہنچانے کے لیے راہبری کی۔ ان کا سامان اٹھا اٹھا کر قرینے سے جگہ جگہ پہ لگایا۔ سفر سے تھکی نازک اندام رانیوں کے غسل کے لیے حماموں میں پانی تیار رکھا تھا ——— ان کے ملبوسات بھی کنیزوں نے نکال کر رکھ دیئے تھے۔ سب نے غسل کیے لباس بدلے اور آرام

کے لیے اپنے اپنے کمروں میں آ گئیں۔ بچے ان کی آیاؤں کے حوالے تھے۔

رانیوں نے مشروب پیئے اور تھوڑا بہت کھانا کھایا ——— تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد چھوٹی رانی کملا وتی کے کمرے میں آ گئی۔ رانی آرام دہ چھپرکھٹ پر نیم دراز تھی۔ وہ شیودھا کو دیکھتے ہی اٹھ بیٹھی ———

شیودھا نے ہاتھ جوڑ کر اسے سلام کیا اور مسکراتے ہوئے آگے بڑھی۔ وہ اس وقت خاصی تازہ دم لگ رہی تھی۔ دونوں تھیں تو سوتنیں لیکن ان دونوں کی آپس میں بہت بنتی تھی۔ تیسری رانی سے کچھ زیادہ بن نہ آئی تھی۔ اور جب سے وہ امید سے ہوئی تھی ان دونوں کو وہ کچھ اور بھی کھٹکنے لگی تھی۔ ویسے بھی وہ شہزادے کے حرم میں نئی نئی تھی۔ حسین و جمیل ہونے کے علاوہ بڑے مہان راجہ کی بیٹی تھی شہزادے کا جھکاؤ اور لاڈ و پیار اس سے کچھ زیادہ ہی تھا ——— اس لیے حسد و جلن فطری تھا۔ دونوں نے سب کے سامنے اس کا اظہار کبھی نہیں کیا تھا کیونکہ یہ شاہی طور طریق کے خلاف تھا۔ لیکن دونوں آپس میں دل کے پھپھولے پھوڑا کرتی تھیں۔

کچھ اس حوالے سے اور کچھ مزاج آشنائی کی وجہ سے دونوں میں خاصی دوستی تھی۔ ایک دوسری سے کوئی بات نہ چھپاتیں۔ کھل کر تبادلہ خیال کرتیں۔ کسی محلاتی سازش کا ایک کو علم ہوتا تو دوسری کو ضرور بتا دیتی ——— شیودھا ویسے بھی گپ شپ لگانے کی شوقین تھی۔ کمرے میں اکیلے لیٹے لیٹے اکتا گئی تو گپ شپ لگانے ادھر چلی آئی ———

"آؤ جی"، کملا وتی نے بڑے پیار سے کہا وہ مسہری کے گنگا جمنی تکیئے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور ٹانگیں دوسری طرف کرتے ہوئے جانکی کے لیے جگہ چھوڑ دی۔

"میں یہاں بیٹھ جاتی ہوں کملا دیدی ———"، وہ گہرے نیلے رنگ کی مخملیں گدے دار کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی

"کرسی دور پڑی ہے۔ یہاں میرے قریب بیٹھو ———"

اس نے ننھا سا قہقہہ لگایا اور بولی "جی میرا بھی یہی جاہ رہا تھا کہ آپ کے قریب ہی بیٹھوں۔"

"تو بیٹھونا ـــ"

وہ چھپر کھٹ کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے بولی "آپ آرام کر رہی تھیں۔ میں مخل ہوئی ہوں"

"نہیں نہیں ـــ تم آگئی ہو۔ میری ساری تکان خود ہی اُتر گئی ہے۔ کافی دیر آرام کر لیا۔ تم تو خوب تازہ دم لگ رہی ہو"

"نہانے سے تکان اتر گئی۔ ویسے راستہ اچھا ہی کٹا۔ موسم اتنا گرم نہیں تھا۔ سارا وقت آسمان بادلوں سے ڈھکا رہا ـــ اور ہوائیں چلتی رہیں ـــ دو تین دن حبس کی وجہ سے پریشانی ہوئی۔ باقی وقت ٹھیک ہی گزرا"

"ہاں بھگوان کی کرپا رہی ـــ ورنہ اس موسم میں سفر مار ڈالتا ـــ سفر بھی تین ہفتوں کا"

"بھگوان کی کرپا ہم لوگوں پر کچھ سوا ہی نظر آ رہی ہے دیدی۔ آپ نے محسوس نہیں کیا ـــ یہاں کی شان و شوکت آگرے سے کہیں زیادہ ہے"

"ہاں ـــ بہت زیادہ"

"بہت خوشی ہو رہی ہے مجھے ـــ"

"بات ہے ہی خوشی کی"

"دیکھیں نادیدی ـــ آگرہ میں جو کچھ بھی ہے وہ مہارانی ماں کا ہے ـــ وہ ان کا گھر ہے اور یہاں جو کچھ ہے وہ ہمارا ہے۔ یہ ہمارے پتی کا گھر ہے ـــ ہمارا اپنا ـــ بالکل اپنا ـــ"

رانی کملاوتی نے قہقہہ لگایا اور بولی "تم ہمیشہ دور کی سوچتی ہو ـــ"

"کوئی غلط بات ہے یہ ـــ یہ ہمارے پتی کا گھر ہے۔ الہ آباد ہمارے پتی کی جاگیر ہے۔ اسی لیے تو یہاں سب کچھ اپنا اپنا ہے ـــ سب کچھ کتنا سندر ہے ـــ"

"سندر تو اور بھی لگے گا۔ جب ہمارے پتی دیو آجائیں گے"

"کل نہیں تو پرسوں وہ آ ہی رہے ہیں۔ آگرہ میں تو صرف ایک رات رکیں گے"

"رانی ماں شاید کچھ دن روک لیں"

"ہائے نہیں۔ رانی ماں اتنی ظالم نہیں ہیں۔ سچی بات پوچھو نا دیدی تو میں شہزادہ عالی سے ملنے کے لیے دل و جان سے بے تاب ہوں۔ بہت دن ہوگئے انہیں دیکھے ـــ"

"دل تو اپنا بھی اداس ہے ـــ"

وہ ہنس کر بولی "اداس تو جانکی بھی ہوگی"

"کیوں نہیں۔ اس کے تو ناز نخرے دکھانے کے بھی دن ہیں"

"سچی پوچھو تو اسی لیے مجھے وہ اچھی نہیں لگتی"

"بُری بات ایسے نہیں کہتے"

"تو پھر کیسے کہتے ہیں ـــ"

"چپ رہتے ہیں"

"اور جو کوئی چپ نہ رہ سکے"

"تو شہزادۂ عالی کو زیادہ لبھا کر زیادہ قریب لانے کی کوشش کرے"

"اوں ہوں ـــ یہ سارے حربے کر دیکھے"

"تو کونسا ناکامی ہوئی ہے۔ تم بھی تو پتی مہاراج کی بڑی چاہیتی رانی ہو"

"آپ سے کم کم ـــ"

"بھگوان جانے ـــ ویسے بڑی ہونے کے ناطے میرا اپنا ہی مقام ہے"

وہ ہنس کر بولی "بالکل جی بالکل ـــ مہاراج کے ولی عہد شہزادہ شیخو کی

ماں جو ہیں ۔"

" یہ بات کیا کہہ دی ـــــ راج پاٹ کے معاملے ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔ ابھی تو ہمارے سسر جی زندہ سلامت ہیں ـــــ ہمارے پتی کی جانشینی بھی پتہ نہیں کب ہوتی ہے۔"

" ویسے جانشین تو ہمارے پتی ہیں ہی ۔ اتنے لاڈلے اور اکلوتے بیٹے کی جانشینی میں کوئی شبہ ہے کیا؟"

" شبہ تو نہیں،" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی" لیکن حالات ان دنوں کچھ اچھے نہیں جا رہے۔"

" وہ کیسے۔"

" بھئی بابا جان ساموگڑھ کے محاذ پر لڑ رہے ہیں ۔"

" تو کیا ہوا۔ وہ اپنے بیٹے کے لیے اک مضبوط اور مستحکم راجیہ چھوڑنا چاہتے ہیں۔ اسی لیے جب بھی کہیں بغاوت اٹھتی ہے وہ سر کچلنے کے لیے خود پہنچ جاتے ہیں ـــ۔"

" ان کی پایہ تخت سے غیر حاضری ٹھیک نہیں ہوتی۔"

" کیوں راجدھانی میں بھی گڑبڑ کا خدشہ ہوتا ہے۔"

" ہاں بھئی کئی دشمن کئی سجن ہیں ـــــ مہاراج کی عمر بھی اتنی زیادہ ہو چکی ہے۔ ان کے ایسے محاذوں پر جانے سے یہ خطرہ تو رہتا ہی ہے۔ کہ کہیں وہ خود بھی نہ مارے جائیں۔"

" ہائے رام ـــــ۔"

" ایسی صورت میں کوئی بھی تخت پر قبضہ کر سکتا ہے۔"

" بھگوان نہ کرے ـــ۔"

" بھگوان نہ کرے ۔ پر ایسے ایسے خدشے تو ہیں ہی۔"

" پھر تو شہزادۂ عالی کو راجدھانی ہی میں رہنا چاہیئے۔"

" رہنا تو چاہیے۔"

" لیکن وہ الہ آباد آ رہے ہیں آگرہ میں صرف ایک رات قیام ہو گا ـــــ۔"

" پتہ نہیں کیوں انہوں نے الہ آباد آنے کی جلدی کی ہے۔ ہم سب کو بھی یہیں بلوا لیا۔"

" ہاں ـــــ یہ بات تو میں نے سوچی ہی نہیں۔ ان کو تو آگرہ میں موجود ہونا چاہیئے۔ جب تک مہاراج ساموگڑھ سے لوٹ نہیں آتے انہیں آگرہ ہی میں قیام کرنا چاہیے تھا۔"

" اب یہ تو وہ ہی بتا سکیں گے کہ کیوں آگرے کی بجائے یہاں آ رہے ہیں اور ہم سب کو بھی بلا لیا ہے۔"

" یہ تو میں جانتی ہوں۔"

" کیا جانتی ہو۔"

" رانی ماں نے بتایا تھا۔"

" کیا۔"

" حضور والا اپنی چتوڑ کی فتح کا جشن یہاں منانا چاہتے ہیں۔"

" جشن تو بھرپور انداز میں شاہی فرمان کے مطابق ملک بھر میں منایا جا رہا ہے۔"

" آپ سمجھتی نہیں دیدی۔"

" کیا؟"

" یہی کہ یہاں شہزادۂ عالی آزادی اور کھلے دل سے جشن منا سکتے ہیں۔ دوستوں عزیزوں کو نواز سکتے ہیں۔ اور رنگ رلیاں بھی تو خوب منائی جاتی ہیں ـــــ جانتی تو ہیں آپ۔"

" ہوں۔"

" ویسے ـــــ۔"

" کیا ـــ۔"

" ایک بات بتاؤں دیدی۔"

" بتاؤ ـــــ۔"

" ہمارے پتی دیو جو ہیں نا ـــــ۔"

"ہاں"

"وہ۔ وہ خود بھی آزادی چاہتے ہیں"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ — کہ —"

بات پوری کیے بنا وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ لیکن کملا سنجیدہ تھی۔ اس نے چھپر کھٹ کے سرہانے والے منقش تختے کے ساتھ تکیہ درست کیا اور اس پر سر ٹکاتے ہوئے بولی۔

"یہ بات اچھی تو نہیں —"

"کونسی بات"

"یہی —"

"بات تو میں نے آپ کو بتائی ہی نہیں —"

"لیکن میں سمجھ گئی ہوں اور کچھ کچھ مجھے بھی اندازہ ہے۔ بابا جان جو کچھ بھی کر رہے ہیں شہزادۂ عالی کے لیے کر رہے ہیں۔ وہ جتنا پیار ان سے کرتے ہیں اس کا کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا —"

"بعض دفعہ حد سے بڑھے ہوئے پیار سے بھی چڑ لگنے لگتی ہے نا — دیکھو نا اب ہمارے پتی بچے تو ہیں نہیں — لیکن مہاراج انہیں بچہ ہی سمجھتے ہیں —"

"تو تم بھی اسی بات کی حامی ہو —"

"نہیں دیدی — میں حامی نہیں۔ لیکن جو کچھ دیکھتی ہوں اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے"

"تم شہزادۂ عالی کو یہ رائے تو نہیں دیتیں کہ وہ —"

"ہائے دیدی۔ میں ایسی ویسی رائے کیوں دینے لگی —" وہ چند لمحے رکی اور پھر شوخی سے بولی "ایک بات کہوں دیدی برا نہ ماننا — ایسی رائے انہیں صرف آپ کے پیارے پیارے بھیا جی ہی دیتے ہیں —"

"کون؟ مان سنگھ"

"جی راجہ مان سنگھ جی —"

"یہ تم سے کس نے کہا"

"پتی دیو مہاراج جی کی باتوں سے معلوم ہوا تھا — راجہ نرسنگھ دیو بھی انہیں یہی کہتے رہتے ہیں۔ کہ بابا بوڑھے ہو چکے ہیں اب انہیں تخت سے الگ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لینی چاہیے اور راجیہ کی باگ ڈور ہمارے پتی کے ہاتھ میں دے دینی چاہیئے"

کملا اٹھ کر بیٹھ گئی اور حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی "جانتی ہو — کیا کہہ رہی ہو"

"ہاں دیدی — وہی کہہ رہی ہوں جو میرے پلے پڑا ہے۔ آپ سے میں نے کبھی کوئی بات چھپائی ہے —" وہ بولے گئی جو کچھ اسے معلوم تھا کملا کو بتاتی رہی۔

کملا چپ رہی۔

شیودھا خود ہی بولی "شہزادۂ عالی کی باتوں سے آپ نے کبھی محسوس نہیں کیا؟"

"کیا؟"

"کہ وہ خود بھی مہاراج سے اکتائے اکتائے رہتے ہیں —"

"نہیں — ایسی کوئی بات میں نے کبھی نہیں جانی اور نہ ہی ایسی کوئی بات ہے۔ مہاراج ان پر جان دیتے ہیں اور وہ بھی اپنے وفادار اور جانثار بیٹے ہیں —"

"ہونہہ — ہوں —" وہ پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"چلو چھوڑو ان باتوں کو —" وہ ہنس چکی تو بولی — "ہمیں کیا لینا دینا۔ باگ ڈور مہاراج کے ہاتھ میں رہے یا پتی دیو کے — ہماری حیثیت تو یہی رہے گی۔ ہاں بدلی تو آپ کی بدلے گی۔ آپ اب بڑی رانی جی ہیں۔ پھر مہارانی بن جائیں گی"

"شیودھا" کملا نے حیرانی سے اسے دیکھا "کیسی باتیں کر رہی ہو —"

"کیوں ویدی ۔ حیرانی کی کیا بات ہے ۔ کوئی غلط بات تو نہیں کہہ دی ۔ مہاراج کو بھگوان سدا سلامت رکھیں ۔ لیکن بالآخر تو راج پاٹ ہمارے پتی کے ہاتھ میں ہی آئے گا نا اور جب وہ مہاراج بنے ــــ تو بڑی ہونے کے ناطے مہارانی آپ ہی تو بنیں گی ۔ ہم تو چھوٹی رانیاں ہیں رانیاں ہی رہیں گی ــــ"

شیودھا نے اتنی مضحکہ خیز صورت بنائی کہ کملا بھی مسکرانے لگی ۔

"ایک بات ہے"

"وہ کیا"

"خطرے والی بات ہے"

"ہے بھگوان ۔ وہ کیا ہے"

"پتی دیو کی چھوٹی اور لاڈلی رانی جانکی ہے"

کملا نے برا سا منہ بناتے ہوئے ہوں کی ۔

"اُمید سے کیا ہوئی ہے ۔ کچھ زیادہ ہی لاڈ دکھانے لگی ہے"

کملا پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر لاتے ہوئے بولی "وہ تو اس کا حق ہے"

"حق بڑھتا ہی نہ جائے رانی جی ــــ مجھے تو خدشہ ہے کہیں اس کا ہونے والا بچہ ہی پتی دیو کا وارث نہ قرار دے دیا جائے ــــ سچی مجھے اسی وجہ سے وہ بہت بری لگنے لگی ہے"

کملا نے آگے کو جھک کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور پیار سے دباتے ہوئے بولی "اتنی دور کی نہ سوچا کرو ــــ گھمبیر سوچوں سے چہرے کی سندرتا خراب ہو جاتی ہے ــــ"

وہ حسب عادت پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی ــــ

کملا پیچھے کو ہو کر پھر تکیے سے ٹیک لگانے لگی ۔

"ویدی ــــ" وہ ہنستے ہوئے بولی "میرے چہرے کی سندرتا امر ہے ۔ ان سوچوں کا

اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا ۔ ویسے بھی میں ایسی ایسی باتیں ایک کان سنتی ہوں دوسرے کان اڑا دیتی ہوں ، فکر نہیں کرتی ۔ بھگوان مالک ہے اس اوپر والے پر میرا پکا یقین ہے کہ جو وہ کرے گا وہی ہو گا اپنی تو بس باتیں ہی باتیں ہیں ۔ دو گھڑی گپ شپ لگائی من ہرا ہو گیا بس ــــ"

کملا اس کی باتوں پر مسکرانے لگی ۔

"اچھا ویدی چلوں اب" وہ اٹھتے ہوئے بولی ۔

"بیٹھو نا ــــ"

"نہیں ۔ چلتی ہوں ۔ بہت تھکا دیا میں نے آپ کو"

"نہیں نہیں ۔ ایسا مت سوچو ــــ تمہارے پاس ہونے سے میرے من کو بڑی شانتی ملتی ہے ۔ تیری گپ شپ سے جی خوش ہوتا ہے"

وہ جھک کر اس کی ٹھوڑی کو پیار سے چھوتے ہوئے بولی "ویدی ۔ یہ سب گپ شپ ہی تھی ۔ کہیں کسی بات کو سنجیدگی سے سوچنے نہ لگنا ــــ سب گپ شپ تھی ــــ"

کملا مسکرا دی ــــ شیودھا نے ہاتھ جوڑ کر اسے نمسکار کہا ۔ جواباً کملا نے بھی ہاتھ جوڑ دیئے ۔ شیودھا چلی گئی ــــ

تو

کملا پھر مسہری کے منقش تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی ۔ شیودھا نے گپ شپ ہی ہانکی تھی ۔ لیکن اس سے بڑے پتے کی باتیں ملتی تھیں ۔ راجہ مان سنگھ اور راجہ نرسنگھ دیو کا شہزادے سے گٹھ جوڑ بے معنی نہیں تھا ۔ پہلے بھی کملا کے کانوں میں کچھ سن گن پڑ چکی تھی ۔ کہ مان سنگھ شہزادے کو تخت حاصل کرنے کے لیے اکساتا رہتا ہے ۔ شہزادے کو شہنشاہ بنا کر خود اس کا وزیر اعظم بننا چاہتا ہے ۔ اسے یاد پڑتا تھا ۔ جب بھی مان سنگھ اس سے لاڈ پیار کی باتیں کرتا تھا کہا کرتا تھا :

"کملا رانی تمہیں تمہارا بھیا مہارانی بنادے گا ___ تم تو ہو ہی مہارانی ___ میری بہنا مہارانی بہنا"

وہ اسے محض لاڈ پیار ہی سمجھتی تھی۔

لیکن

اب اس کی سوچیں دوسرے رخ مڑ رہی تھیں۔ یہ سوچیں کسی طور خوشگوار نہ تھیں۔ کملا ایک سلجھی ہوئی عورت تھی۔ رشتوں ناطوں کا احترام کرنا جانتی تھی۔ مہاراج بابا سے اسے اتنا ہی پیار تھا جتنا اپنے پتا راجا اودے سنگھ سے۔ اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ شہنشاہ اکبر اپنے بیٹے پر جان چھڑکتے ہیں۔ اس عمر میں بھی اتنی دوڑ دھوپ اور تردد وہ اسی لیے کر رہے ہیں کہ شیخو جب تخت نشین ہوں تو انہیں کسی قسم کی تکلیف و مصیبت نہ اٹھانا پڑے۔ وہ ان نازک جذبوں کی قدر داں تھی ___ وہ نہیں چاہتی تھی کہ شہزادے کا ذہن باپ کی طرف سے مسموم کیا جائے ___ شہنشاہ جب تک زندہ ہیں تخت ان کا ہے۔ ان کے بعد ہی شہزادہ تخت پر جلوہ گر ہو سکتا ہے اور ایسا ہی ہونا چاہئے۔

کملا کے من میں بڑی ہلچل مچ رہی تھی۔ اسے اپنے بھائی پر غصہ آ رہا تھا۔ اپنے مفاد کی خاطر وہ اگر بیٹے کو باپ سے گمراہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو یہ بات ناقابل معافی تھی۔

"مان سنگھ میرا اکلوتا بھائی ہے۔ لیکن وہ باپ بیٹے میں ٹکراؤ کروانے کا باعث بنا تو میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔ کبھی نہیں ___"

اس نے دانت پیستے ہوئے زیر لب کہا ___

پھر

پھر

تکیے سے سر لگا کر آنکھیں بند کر لیں ___ بند آنکھوں میں کئی واقعات متحرک ہونے لگے۔ جنہوں نے شیو دھا کی باتوں کی تائید کی۔

گھبرا کر اس نے آنکھیں کھول دیں ___

وہ

سخت مضطرب و بے چین نظر آ رہی تھی اور بار بار اپنی کنپٹیاں دبا رہی تھی۔ وہ بڑی حساس تھی ___ مضطرب سوچیں اس کے ذہن پر بُرا اثر ڈالتی تھیں ___ اکثر اوقات غم اور دکھ کی شدت اسے ذہنی دوروں میں مبتلا کر دیتی تھی۔

عالی مرتبت شہزادہ سلیم عرف شیخو کی سواری محل میں اتری تھی۔ ان کے ساتھی اور معتبر
عہدیداران شاہی مہمان خانے میں چلے گئے تھے۔ شہزادہ عالم اندرون محل تشریف لے گئے تھے۔
ان کی آمد صدہا خوشیوں کا باعث تھی۔ گو ان کی آمد کی پہلے سے اطلاع مل چکی تھی، پھر بھی
خوشی کی لہر اس طرح دوڑ گئی تھی کہ لگتا تھا وہ اچانک ہی تشریف لے آئے ہیں۔ چتوڑ کی
فتح کی کامیابی نے خوشیوں میں بے بہا اضافہ کر دیا تھا۔ شہزادہ جس راہ سے چلتے آ رہے تھے
نگاہیں بچھی جا رہی تھیں۔ پھولوں کی بارش ہو رہی تھی ۔۔۔ صدقے اتارے جا رہے تھے
غربا اور مساکین کی جھولیاں بھری جا رہی تھیں ۔۔۔ بیگم جہاں نے تو ان کے صدر دروازے
سے داخل ہوتے ہی اشرفیوں کے تھال وارے تھے ۔۔۔ اور مٹھیاں بھر بھر کر کنیزوں کے
دامن میں ڈالی تھیں۔ بیگمات اور شہزادوں شہزادیوں سے مل کر شہزادہ رانی جودھا بائی کے
محل میں تشریف لے گئے تھے۔ مہارانی ان کے سواگت کے لیے چمن لالہ زار میں فوارے کے
قریب کھڑی تھی۔ کئی باندیاں سونے چاندی کے تھال اٹھائے کھڑی تھیں۔ مہارانی نے
اپنے اکلوتے اور ہونہار بیٹے کی آرتی اتارنا تھی ۔۔۔ ہونہاری شیخو نے چتوڑ کا معرکہ مار کر جو
دکھائی تھی ۔۔۔

خوبرو شہزادے نے اس وقت شاہانہ لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ اونچے لانبے اور مضبوط

جسم کا شہزادہ اس وقت بڑا باوقار و جیہہ و شکیل اور حسن کا مجسمہ نظر آ رہا تھا ۔۔۔ چوڑی دار
پاجامہ گھیر دار کمخواب کا کرتا ۔۔۔ سونے کی زنجیروں کا کمر بند ۔۔۔ گلے میں سچے موتیوں کی مالائیں۔
تنگ آستین پر جڑاؤ بازو بند ۔۔۔ کانوں میں موٹے موتی ۔۔۔ خوبصورت سیاہ بال گردن پہ
پڑے شہزادے کی شخصیت کے حسن و دلآویزی کو بڑھا رہے تھے۔

شہزادہ اک وقار اور تمکنت سے قدم اٹھاتا رانی ماں کی طرف بڑھا۔ ماں بیٹے سے
ملنے کے لیے بے چین تھی۔ جونہی شہزادے نے جھک کر ماں کی قدم بوسی کے لیے ہاتھ ان
کے پاؤں سے چھوا مہارانی نے بے تابی سے انہیں کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور بے اختیارانہ
اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر اسے لپٹا لیا۔

"میرے بچے میرے شیخو ۔۔۔" وہ اسے پیار کرتے ہوئے کہے گئی "آنکھیں ترس
گئی تھیں۔ اچھے تو ہو نا ۔۔۔ رن جیتنے کی بدھائی ہو ۔۔۔ تم نے بہت بڑا معرکہ مارا۔ تمھیں
بھگوان نے خیریت سے لوٹایا ۔۔۔ میرے لیے دوہری خوشیاں لایا ہے تو ۔۔۔"

وہ کافی دیر شہزادے کو پیار کر کے اپنے جذبات کا اظہار کرتی رہی
پھر
شہزادے نے خود کو اس کے بازوؤں سے نکالا۔ اس کے کندھوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے
بولا "رانی ماں اب تو خوش ہیں نا ۔۔۔"

"بہت خوش ہوں ۔۔۔"

شہزادے نے مسکرا کر ماں کو دیکھا ۔۔۔

رانی ماں نے پیچھے کھڑی سرسوتی کی طرف گردن موڑ کر دیکھا اور بولی "تھال لاؤ۔
میں اپنے بچے کی آرتی اتاروں گی ۔۔۔"

"جو حکم مہارانی صاحبہ" اس نے مؤدبانہ سر جھکایا اور آرتی اتارنے کے لیے تھال
لے کر آگے بڑھی مہارانی نے اس سے تھال لے لیا ۔۔۔ دونوں ہاتھوں پر سونے کا تھال

لیے اس نے شہزادے کی آرتی اتاری ـــــ پھر تھوڑا سا کھوپرا توڑ کر شہزادے کے منہ میں ڈالا ـــــ پھر زعفران کی ڈبیہ میں انگلی ڈبو کر بیٹے کے ماتھے پر تلک لگایا۔

اس کے بعد سب باندیاں اپنے اپنے تھال اٹھائے شہزادے کے سامنے آئیں۔ ان کے تھال سونے کے سکوں سے بھرے تھے ـــــ شہزادے نے ہر تھال کو ہاتھ سے چھوا باندیاں تھال لے کر آگے بڑھتی گئیں۔ ان تھالوں میں رکھے سکے غربا میں تقسیم کرنے کے لیے انہوں نے داس کے حوالے کر دیئے۔

پھر

مہارانی شہزادے کو لیے درشن جھروکے کی طرف آئی۔ بے شمار لوگ اپنے شہزادے اور ولی عہد کی ایک جھلک دیکھنے کو نیچے جمع ہو گئے تھے ـــــ شہزادہ جھروکے میں آیا تو لوگوں نے خوشی سے نعرے لگائے۔ شہزادے کی لمبی عمر اور مغل حکومت کی پائیداری کی دعا کی ـــــ کچھ لوگوں نے شہنشاہ کی بخیر واپسی اور لمبی عمر کے لیے بھی دعائیہ کلمات کہے۔

یہاں بھی شہزادے کے سامنے سکوں بھرے تھال لائے گئے۔ جنھیں اس نے چھوا اور پھر مہارانی نے یہ تھال نیچے کھڑے لوگوں میں بانٹنے کے لیے بھجوا دیئے۔

ساری رسومات ادا ہو گئیں تو شہزادہ مہارانی کی نشست گاہ میں آ گیا۔ یہاں کنیزیں مشروبات اور تازہ پھلوں کے خوان لیے ان کی آمد کی منتظر تھیں۔ ان کنیزوں میں زرنگار بھی تھی جو دیدہ و دل فرش راہ کیے ہوئے تھی۔

بیگم جہاں بھی ادھر ہی آ گئی تھیں۔ حرم کی اور بھی بہت سی معتبر بیگمات شہزادے سے ملنے کے لیے ادھر آ رہی تھیں ـــــ نشست گاہ میں خوب رونق ہو رہی تھی۔ شہزادہ مہارانی کے پہلو میں ایک زرنگار مسند پر گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھا تھا ـــــ یہاں چونکہ سب رشتہ دار ہی تھے۔ اس لیے بے تکلفی کی فضا تھی۔ چھیڑ چھاڑ، ہنسی مذاق ہو رہا تھا۔ ادر بات بات پر قہقہے اڑ رہے تھے۔

"کتنے دنوں بعد یہ گہما گہمی اور رونق دیکھنے میں آئی ہے۔" بیگم جہاں نے اپنی مخملیں نشست پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"واقعی ـــــ" شہزادی جہاں آرا بولی۔ "شہزادۂ عالی کی غیر حاضری سے محل کی رونقیں معدوم تو تھیں ہی۔ اس پر شاہ بابا بھی ساموگڑھ چلے گئے ـــــ"

"اور رہی سہی کسر بہورانیوں کے جانے سے نکل گئی۔" رانی جودھا بائی نے شاکی نظر سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ بچوں اور بہورانیوں کے جانے سے تو سارے محلات بے رونق ہو گئے ہیں۔" بیگم جہاں بولیں "شیخو بیٹے۔ انہیں الہ آباد بھجوانے کی ایسی بھی جلدی کیا تھی۔ تم ادھر آ تو رہے ہی تھے۔ جب جاتے ہمراہ لے جاتے۔"

"پھوپھی حضور۔" شہزادہ سیدھے ہو کر بیٹھ گیا "میرا یہاں قیام مختصر تھا۔ میں کل صبح الہ آباد چلا جاؤں گا۔"

"اتنی جلدی۔" سیدہ خانم بولی۔

"جی ہاں۔" وہ بولا

"کیوں۔" مہدی بیگم نے پوچھا۔

"کئی مہینے ہو گئے جاگیر سے گئے " شہزادے نے جواب دیا۔

"لیکن اتنی جلدی؟" جہاں آرا بولی۔

"تمھیں پتہ ہے ـــــ تمھاری فتح کی خوشی میں ایک عظیم جشن منایا جانے والا ہے۔ مہینوں سے تیاریاں ہو رہی ہیں۔" بیگم جہاں نے کہا۔ "تمھارے شاہ بابا تمھاری اس کامیابی سے کتنے خوش ہیں ـــــ اس خوشی کا اظہار وہ اس ملک گیر جشن سے کر رہے ہیں۔"

شہزادہ کچھ نہیں بولا ـــــ سر جھکا کر اپنی انگلی میں پڑی موٹے سے نگینے والی انگوٹھی گھماتا رہا۔ رانی ماں کن انکھیوں سے اس کے چہرے کے تاثرات ملاحظہ کر رہی تھی۔ جو کسی طور خوشگوار نہ تھے۔ رانی ماں کا دل اندر ہی اندر ہول گیا۔ شہزادے کے تیور کچھ اور

ہی بتا رہے تھے ۔۔۔ اور وہاں ہوتے ہوئے وہ ان تیوروں سے جو کچھ اخذ کر رہی تھیں
وہ دہل دہلا دینے کے مترادف تھا۔

رانی ماں کی طرح بیگم جہاں نے بھی شہزادے کے چہرے پر پھیلے ناگواری کے اثرات
محسوس کیے۔ وہ حیرانی سے بولیں "تمہیں جشن کا سن کر خوشی نہیں ہوئی شیخو بیٹے"

"جی ۔۔۔؟" شہزادہ چونک کر بولا ۔۔۔

"کس سوچ میں ہو" مہدی بیگم جو رشتے میں شہزادے کی چچی تھی بولی۔

"کسی میں بھی نہیں ۔۔۔"، شہزادے نے جلدی سے کہا۔ پھر اٹھنے کے ارادے سے
پاؤں چوکی پر سے اٹھا کر قالین پر رکھتے ہوئے بولا ۔۔۔ "مجھے ابھی بہت سے کام کرنا ہیں
اور وقت کم ہے ۔۔۔"

"کون سے کام ۔۔۔"

"خان خاناں نے وزراء اور امرا کا ایک ہنگامی اجلاس بلایا ہے۔ اس میں شرکت کرنا ہے"

"ابھی؟" رانی ماں نے پوچھا۔ وہ جانتی تھی کہ شہزادے سے ملاقات کے لیے وزراء اور
سلطنت نے یہ اہتمام کیا ہے۔ سارے وزراء اور امیر جو اس وقت آگرہ میں تھے۔ شہزادے
کی آمد کے منتظر تھے۔

شہزادہ اٹھتے ہوئے بولا "ابھی تو نہیں سہ پہر کے بعد یہ اجلاس ہے"

"تو تم اس وقت کہاں جا رہے ہو" رانی ماں نے پوچھا۔

"راجہ ٹوڈرمل سے میں علیحدگی میں ملنا چاہتا ہوں" وہ ہولے سے بولا۔

"علیحدگی میں ملنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری فرمائش پوری کر دی گئی ہے۔" رانی
سنجیدگی سے بولی۔

"رانی ماں ۔۔۔ کیا ۔۔۔!! انہوں نے آپ سے ذکر کیا تھا؟"

"ہاں ۔۔۔ میری اجازت چاہی تھی۔ تم جانتے ہو ۔۔۔ تمہارے شاہ بابا یہاں نہیں ہیں
ان کی غیر حاضری میں انہوں نے مجھ سے ہی اجازت لینا تھی ۔۔۔"

"کس بات کی اجازت؟" بیگم جہاں نے تجسس سے پوچھا باقی خواتین بھی ماں بیٹے کی
گفت و گو سے جب کچھ اخذ نہ کر سکیں تو اشتیاق سے رانی ماں کی طرف دیکھنے لگیں بیگم جہاں
نے سوال بھی کر دیا۔

رانی ماں قدرے مسکرائیں اور بولیں "یہ میرا اور شیخو کا ذاتی معاملہ ہے ۔۔۔"

شہزادے نے سر جھکا لیا۔ خفت کا جو احساس آنکھوں سے چھلک رہا تھا اسے چھپانے
کے لیے وہ یہی کر سکتا تھا۔ ماں اپنے بچے کی رگ رگ سے واقف ہوتی ہے۔ بچہ بڑا بھی ہو
جائے شعور کی حدوں کو بھی چھو لے، شخصیت کی عظمتوں سے ہمکنار بھی ہو جائے تو بھی وہ
ماں کی نظروں سے اپنا آپ اوجھل نہیں رکھ سکتا۔ اس کی حرکات اس کے چہرے کے تاثرات
اس کے اندر ہونے والی تبدیلیوں کے مظہر ہوتے ہیں۔ اور یہ تبدیلیاں ماں محسوس کر لیتی
ہے اور حرکات اور تاثرات سے معاملات کا سراغ لگا لینا اس کے لیے مشکل نہیں ہوتا۔

شہزادے کے متعلق وہ پہلے بھی فکر مند تھی۔ رانیوں اور بچوں کو الہ آباد بلا بھیجنا اور خزانہ
عامرہ سے اتنی خطیر رقم طلب کرنا کچھ معنی رکھتے تھے۔ آگرہ میں صرف ایک رات کا قیام بھی
کھٹکتا تھا۔ اور جب شہزادہ اس سے ملنے آیا تھا اس نے ایک نمایاں فرق محسوس کیا تھا۔
یہ ملاقات گو بھرپور تھی۔

لیکن

ماں کی ممتا کی تسکین نہیں ہوئی تھی۔ اندر ہی اندر وہ خلاء سا محسوس کر رہی تھی۔
شہزادہ بظاہر مطمئن خوش باش اور معمول کی طرح سب سے ہنس بول رہا تھا۔ لیکن رانی ماں
محسوس کر رہی تھی کہ یہ سب کچھ ظاہرداری ہے۔ شہزادہ اکھڑا اکھڑا سا ہے۔ اندر سے کچھ
درہم برہم سا ہے، جہاندیدہ نظریں یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں ۔۔۔

رات کھانے کے بعد ایک خوبصورت سی محفل طرب منعقد ہوئی ۔۔۔ محلوں کے جوان عمر شہزادوں
نے بھی اس میں شرکت کی۔ زرنگار ساغر و مینا لیے شہزادے کے ارد گرد گھومتی رہی۔ مہرتاج نے

بطور خاص تیار کی ہوئی استقبالیہ نظم شہزادے کے حضور پیش کی۔ شہزادے نے گلے سے موتیوں کی بیش قیمت مالا اتار کر مہتاج کی طرف داد کے طور پر پھینکی۔ اس نے سات بار کورنشی انداز میں سلام کرتے ہوئے اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کیا۔

یہ محفل شہزادے نے جلد ہی برخاست کر دی۔ اکثر ایسی محفلیں آدھی آدھی رات تک بپا ہا کرتی تھیں۔ کئی بار تو سپیدیٔ سحر بھی ہو جایا کرتی تھی۔ لیکن آج اتنی جلدی محفل برخاست ہو گئی۔ سب کو اچنبھا بھی ہوا ___ لیکن شہزادے نے تکان ظاہر کی تھی۔ جس کی وجہ سے کوئی کچھ کہہ نہ سکا۔

اپنی خواب گاہ میں جانے سے پہلے شہزادہ رانی ماں کو شب بخیر کہنے اس کی خوابگاہ میں آیا۔ رانی ماں کے کمرے کے فانوس جل رہے تھے اور وہ چھپر کھٹ کی بجائے ایک زرنگار اونچی پشت والی کرسی پر بیٹھی تھی ___ چند باندیاں بھی ان کے قدموں کے قریب دو زانو بیٹھی تھیں۔

شہزادہ اندر آیا ___ تو باندیاں اٹھ کر کھڑی ہو گئیں ___

مہارانی نے انہیں خوابگاہ سے نکل جانے کا اشارہ کیا۔ پھر ساتھ پڑی نشست کی طرف ہاتھ لیجاتے ہوئے شہزادے کو بیٹھنے کے لیے کہا۔

"میں آپ کو شب بخیر کہنے آیا تھا رانی ماں"، شہزادہ کھڑے کھڑے بولا۔

"کیوں؟ آج محفل طرب اتنی جلدی ختم ہو گئی"

"میں آرام کرنا چاہتا ہوں"

"کچھ دیر بیٹھو گے نہیں میرے پاس"

شہزادہ ماں کے قریب گدے دار نشست پر بیٹھ گیا۔ اس نے کرسی کی پشت کے ساتھ سر لگا کر آنکھیں بند کر لیں ___

"شیخو ___"، رانی چند لمحے اسے تکتی رہی۔ پھر ملائمت سے پکارا۔

"جی ___"

"کیا بات ہے"

"کچھ نہیں رانی ماں ___ تھک گیا ہوں"

"اس عمر میں تھکان کا لفظ شوبھا نہیں دیتا ___"

وہ پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پہ لاتے ہوئے بولا "میں آج جلد سونا چاہتا ہوں۔ صبح پھر سفر کرنا ہے"

"اتنی جلدی جانا ضروری ہے کیا؟"

"ہاں"

"کیوں"

ماں کے کیوں میں کچھ ایسا دبدبہ تھا کہ شہزادہ چونک گیا ___ سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے جلدی سے بولا ___ "کوئی خاص بات تو نہیں رانی ماں"

"خاص بات ہے ___"

"رانی ماں!"

"تم اپنے وجود سے نکل کر کسی اور وجود میں ڈھلنے کی کوشش کر رہے ہو"

"کیا؟ ___"

"تم سمجھتے ہو جو کچھ میں کہہ رہی ہوں ___"

شہزادہ چپ رہا۔

رانی ماں قدرے توقف کے بعد بولی "اپنے بال بچوں کو الہ آباد بھجوانا ___ خزانے سے خطیر رقم نکلوانا اور شاہ بابا کا آگرہ میں واپسی کا انتظار کیے بغیر اتنی عجلت میں الہ آباد پہنچنا بے معنی نہیں"

"رانی ماں ___ میں ___"

"تمھیں اپنے بابا کی واپسی کا بھی انتظار نہیں ـــــ ابھی تک سامو گڑھ سے کوئی سندیس نہیں آیا۔ تم نے اس کے متعلق پوچھا تک نہیں ـــــ"

"رانی ماں۔ اگر آپ جان ہی گئی ہیں تو سنئے ـــــ"

"کیا سنانا چاہتے ہو ـــــ"

"یہی کہ بابا کا اس عمر میں ایسے ایسے کام کرنا مجھے پسند نہیں ـــــ"

"کیا مطلب؟ سامو گڑھ میں بغاوت نے سر اٹھایا ـــــ تو وہ چپ چاپ یہیں بیٹھے رہتے"

"ابوالفضل کی قیادت میں افواج بھیجی جا سکتی تھیں ـــــ مجھے چتوڑ سے بلوایا جا سکتا تھا"

"لیکن وہ خود بغاوت کچلنے کے لیے جان جوکھوں میں ڈال کر وہاں گئے؟ جانتے ہو کیوں ـــــ صرف تمھارے لیے ـــــ"

"میرے لیے ـــــ ہونھ ـــــ"

"ہاں تمھارے لیے ـــــ وہ چاہتے ہیں ـــــ ہر سازش اور ہر بغاوت کا قلع قمع کر کے تمھارے لیے ایک مضبوط اور مستحکم سلطنت چھوڑیں ـــــ"

شہزادے کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور گئے۔ اس نے اپنے جذبات کو دبانے کی بھرپور کوشش کی پھر بھی غصہ چھلک گیا وہ بڑی تلخی سے بولا "اس احسان کے پردے میں شاہ بابا اپنی حرص پوری کر رہے ہیں ـــــ یہ عمر ان معرکوں اور لڑائیوں میں حصہ لینے کی ہے کیا؟ انہیں تو اب آرام کرنا چاہیئے گوشہ نشینی اختیار کر لینا چاہیے ـــــ وہ مجھ پر اعتماد نہیں کرتے ـــــ میری صلاحیتوں پر بھروسہ نہیں کرتے ـــــ وہ شہنشاہت پر اپنا تسلط رکھنا چاہتے ہیں ـــــ یہ بات نہ ہوتی ـــــ تو ـــــ اب تک ـــــ"

"شیخو ـــــ"

"سچ کڑوا ہوتا ہے ـــــ رانی ماں ـــــ"

"سلیم تم حد سے بڑھ رہے ہو ـــــ تمھاری صلاحیتوں پر شہنشاہ کو اعتبار نہ ہوتا تو

الہ آباد کی جاگیر تمھیں کیوں دیتے۔ چتوڑ کی سرکوبی کے لیے تمھارا انتخاب کیوں کرتے ـــــ تم نے کیسی باتیں کی ہیں شیخو۔ دل جلا ڈالا میرا ـــــ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ یہ باتیں تمھیں زیب نہیں دیتیں ـــــ"

"اوہ رانی ماں" شہزادے نے اٹھ کر ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ پھر اس کے گال پر پیار کرتے ہوئے بولا "ناچیز معافی کا طلب گار ہے ـــــ اور اس بات کا بھی خواستگار ہے۔ کہ صبح آپ بھی الہ آباد تشریف لے چلئے ـــــ"

شہزادہ ماں کو بہلانے پھسلانے کے لیے چکنی چپڑی باتیں کرنے لگا ـــــ موضوع سخن جو خطرناک حدوں تک سنجیدہ ہو گیا تھا اس کی تلخی کو کم کرنے کے لیے وہ ماں سے ہنسی مذاق کی باتیں کرنے لگا۔

رانی ماں کا غصہ دھیما پڑ گیا۔ وہ کافی دیر اس سے روٹھی رہی۔

شہزادے نے بالآخر ماں کو منا ہی لیا۔ وہ اس کی گال پر ہولے سے چپت لگا کر مسکراتے ہوئے بولی "آئندہ اپنے شاہ بابا کے متعلق ایسی باتیں کیں تو یاد رکھنا ـــــ"

وہ کچھ نہیں بولا۔

ماں اسے بابا کی بے پناہ محبتوں اور چاہتوں کا احساس دلانے لگی ـــــ

کسی آندھی طوفان میں جڑوں سے اکھڑ جانے والے موٹے سے درخت کے تنے پر وہ بیٹھی تھی۔ نادر قریب ہی کھڑا تھا۔ آج چاندنی چار سو پھیلی تھی اور اس کے اجالے میں دونوں ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ وہ کنارے سے بہت دور اندر کی طرف جہاں قطار در قطار درخت تھے بیٹھے تھے رات خاموش تھی اور اس خاموشی کو کبھی ان کی باتیں اور کبھی جمنا کے پانی کی پرجوش لہریں اپنی آواز سے توڑ دیتی تھیں۔ ہوا کا کوئی ریلا جب زور دکھاتے اس طرف کو آتا تو درخت بھی شائیں شائیں کرنے لگتے ــ اس شائیں شائیں میں جمنا کے پانیوں کے بہاؤ کا ترنم بھی گھل مل جاتا تو ماحول میں نغمگی سی پیدا ہو جاتی۔

مہرتاج نے وہی لباس زیب تن کر رکھا تھا جو اس نے شہزادے کی استقبالیہ محفل میں پہنا تھا۔ لباس چاندنی میں جگمگا رہا تھا ــ اوڑھنی پر ٹکے گنگا جمنی تارے یوں لگتا تھا آسمان سے ستارے اتر آئے ہیں پیشواز بھی تاروں جڑی تھی۔ ہاتھوں کانوں اور گلے میں بھاری مرصع زیورات بھی پہنے تھے۔ وہ مالا بھی پہنے ہوئے تھی جو شہزادے نے اس کے نغمے کی داد کے طور پر اسے بخشی تھی۔ نادر اسے چشم شوق سے تک رہا تھا۔ بے اختیارانہ جی چاہ رہا تھا۔ کہ مہرتاج کے حسن کے جہانسوز جلووں کے سحر کو دن کی روشنی میں دیکھے۔ دن کی روشنی نہ سہی وہ آج پھر آگ جلا کر حسن کی تابنائی سے لطف اندوز ہونے کی خواہش اپنے

اندر مچلتی پا رہا تھا ـــ اس نے اس کا اظہار بھی کیا تھا۔

لیکن

مہرتاج نے ادائے دلفریبی سے اسے منع کر دیا تھا

وہ بے صبر بے تابی سے بولا تھا" یہاں کوئی بھی نہیں۔ درختوں اور جھاڑیوں نے ہمیں چاروں طرف سے اوجھل کر رکھا ہے۔ آگ جلی بھی تو کسی کو نظر نہیں آئے گی"

مہرتاج نے اس کی بے چینیوں کو محسوس کرتے ہوئے بڑی ملائمت سے کہا تھا" نہیں نادر یہ خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا ــ کسی کو بھنک بھی پڑ گئی تو جانتے ہو کیا ہوگا؟

" اچھی طرح جانتا ہوں"

" پھر ایسی بھی کیا بے تابی ـــ اس وقت کا انتظار کرو جب ہماری زندگیوں کو محیط کیے یہ کالی گھٹائیں چھٹ جائیں گی"

" کون جانے یہ وقت کب آئے گا اور ـــ"

" آئے گا بھی یا نہیں۔ یہی کہنا چاہتے ہو نا"

" ہاں ـــ"

" نادر ـــ"

" ہوں"

" میں کئی بار تمہیں کہہ چکی ہوں کہ اپنی پرخطر اور پرآشوب زندگی میں مجھے عملی طور پر شامل کر لو۔ میں ہر گام پر تمہارا ساتھ دوں گی۔ جب ہم ساتھ جینے ساتھ مرنے کا عہد کر ہی چکے ہیں تو کیوں ایسی زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ بھی تو ننگی تلواروں پر چلنے کے مترادف ہے۔ کوئی لمحہ ہمیں دھوکہ دے سکتا ہے۔ کوئی گھڑی ہم پر آلام کا پہاڑ گرا سکتی ہے۔ کیا تمہاری زندگی اس سے بھی زیادہ پرخطر ہے ـــ"

" یہ بات نہیں مہرو ـــ"

"پھر—"

"میرا کوئی ٹھکانہ نہیں —"

"تو کیا ہوا۔ میں بھی بے ٹھکانہ ہو سکتی ہوں —"

"نہیں — تمہاری وجہ سے میرے کئی کاموں میں رکاوٹ آسکتی ہے۔ تم کیا جانو سارا دن میں کہاں کہاں بھٹکتا ہوں اور رات کے ان لمحوں میں کیسی کیسی کٹھنائیوں سے گزرتا ہوں — تم سن کر شاید حیران ہو گی کہ صبح میں دلی کے گردو نواح میں تھا۔"

"میرے اللہ" مہرتاج نے حیرانگی سے سینے پر ہاتھ دھرا۔ جسے بڑے پیار سے نادر خان نے اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لیا —

"وہاں سے یہاں کیسے پہنچے —"

"یہ تمہیں جاننے کی ضرورت نہیں۔ بس تم سے ملنا تھا۔ آپہنچا —"

"نادر —"

نادر اس کے قریب ہی تنے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا — مہرتاج نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑایا نہیں —

"ان دنوں حالات کچھ اچھے نہیں ہیں مہرو۔ شہنشاہ ابھی تک ساموگڑھ میں ہیں۔ خبر ملی ہے۔ کہ کچھ شمالی ریاستیں بھی پرچم بغاوت بلند کرنے والی ہیں۔ راجہ بندھیل کھنڈ کے عزائم بھی اچھے نہیں —"

"راجہ مان سنگھ کے۔"

"ہاں — شہزادے کی بڑی رانی کا بھائی —"

"تمہیں کیسے پتہ چلا —"

"میں گردش زمانہ سے بے خبر نہیں رہتا میری جان —"

"تم۔ تم کیا چاہتے ہو — باغیوں کے ساتھ مل جاؤ گے۔ یا مغل حکومت کی خیر خواہی"

"یہ سب وقت بتائے گا —"

"کچھ تو سوچا ہو گا —"

"سوچا بہت کچھ جا سکتا ہے"

"عملاً کیا کر رہے ہو —"

"وقت آنے پر بتا دوں گا"

"اب کیوں نہیں —"

"فی الحال کوئی واضح سمت متعین نہیں ہوئی —"

"تمہارا ساتھ دینے والے کتنے ہیں —"

"کسی باغی ہونے والی ریاست کے حاکم سے مل جاؤں تو بے شمار —"

"کیا ایسا ارادہ رکھتے ہو"

"مہرو یہ تو حالات اور وقت ہی فیصلہ دے گا —"

مہرتاج متفکر ہو گئی — اس نے نادر خان کے ہاتھ میں دبا اپنا ہاتھ ہولے سے چھڑا لیا اور دکھی لہجے میں بولی "کب تک بھٹکو گے — ؟ میں جانتی ہوں تم دل سے متاسف ہو — اپنے فعل پر نادم بھی ہو۔ پھر کیوں مارے مارے پھر رہے ہو۔ کسی طور شہنشاہ کے حضور رسائی کی کوشش کر کے اپنے کیے کی معافی مانگ لو۔ تم ان کی نظروں میں پھر وہی مقام بے شک نہ پا سکو لیکن ایسی زندگی سے تو نجات مل سکتی ہے —"

نادر قدرے مسکرایا پھر بولا "کتنی بار تمہیں سمجھاؤں کہ شہنشاہ کے فیصلے پتھر پر لکیر ہوتے ہیں۔ وہ باغی کی سزا موت مقرر کر چکے ہیں — اور میرے تو سر کی قیمت بھی مقرر ہو چکی ہے۔ کئی سر پھرے یہ انعام جیتنے کے لیے بھوکے کتوں کی طرح میری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ ان حالات میں شاہ تک رسائی ممکن ہے کیا؟"

مہرتاج نے دونوں ہاتھوں پر سر گرا لیا — کئی لمحے وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔

"مہرو ــــ" نادر نے اس کی قلبی کیفیات محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"ہوں ــــ" اس نے اک گہری سانس لے کر سر اٹھایا۔

"پریشان ہو گئیں ــــ"

"پریشانیاں تو مقدر بن چکی ہیں ــــ"

"غلط بات ــــ ایسے نہیں سوچتے ــــ"

"تو کیسے سوچتے ہیں ــــ"

"سارے غموں فکروں اور دکھوں کو ذہن سے ہٹا کر ــــ صرف اور صرف یہ سوچتے ہیں کہ ہم کتنے خوش نصیب ہیں جو ایک دوسرے کی سنگت میں سانس لے رہے ہیں جی رہے ہیں اور آنے والے وقت سے پر امید ہیں ــــ"

"ہونھ ــــ"

"مہرو ــــ امید کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تو جی نہ سکو گی ــــ خوش ہو جاؤ ــــ کہ میں تمہارے پاس ہوں۔ زندہ سلامت اور کچھ کر گزرنے کے یقین کا امین ــــ"

"پتہ نہیں کب کچھ کر گزرو گے ــــ"

"جب کر گزروں گا تو تمھیں خود بخود پتہ چل جائے گا"

"کیسے؟"

"ایسے کہ تم میری دلہن بن کر میری باہنوں میں سما جاؤ گی"

"ہٹو ــــ"

"نہیں مہرو ــــ"

"نہ کرو ــــ" مہر تاج نے اس کا ہاتھ اپنی ٹھوڑی سے ہٹا کر ہاتھ میں تھام لیا۔

"کچھ نہیں کر رہا ــــ" نادر خان مضبوط لہجے میں بولا "اس چاندنی میں تمھارا رخ زیبا دیکھنا چاہتا ہوں ــــ سوچتا ہوں۔ اب ایسی ہو جب دلہن بنو گی تو کیسی لگو گی"

"تم مذاق بند کر دو نادر ــــ"

"یہ مذاق نہیں میری زندگی کی سب سے بڑی سچائی ہے۔ اور میں جانتا ہوں۔ کہ یہ سچائی اتنی مستحکم اور پختہ ہے۔ کہ کبھی بدلے گی نہیں۔ یہ پوری ہوگی اسے پورا ہونا ہوگا ــــ اسے پورا ہوئے بغیر میں نہیں رہنے دوں گا ــــ چاہے زندگی کے آخری سانس ہوں۔ میری آنکھیں تمھیں اپنی دلہن کے روپ میں ضرور دیکھیں گی ــــ"

"نادر" وہ سسک پڑی۔

نادر نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پشت تھپکی اور گھمبیر لہجے میں بولا "میں فولادی انسان ہوں مہرو۔ یقین رکھو مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ میرے کچھ ارادے ہیں ــــ میں وہی راہیں اختیار کر رہا ہوں جو ان ارادوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیں۔ اور جب یہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے ــــ میں تمھیں یہاں سے لے جاؤں گا ــــ تن دھڑ کی بازی لگا کر تمھیں اڑا لے جاؤں گا ــــ سمجھیں ــــ حوصلہ رکھو اور وقت کا انتظار کرو ــــ یقین رکھو کہ یہ وقت اب زیادہ دور نہیں ــــ"

"ایک بات کہہ دوں نادر ــــ" اس نے نازک سی ہتھیلیوں سے آنکھوں کے گوشے صاف کرتے ہوئے کہا۔

"کہو ــــ"

"نادر ــــ شہنشاہ کی قوت وطاقت کا اندازہ تم نے پہلے بھی ٹھیک سے نہیں کیا تھا۔ اب میرا مشورہ ہے کہ شاہ کی مخالف راہوں پر نہیں چلنا ــــ یہ تمھیں راس نہیں آئیں گی ــــ مخالف راہوں پر چلنے سے کہیں زیادہ بہتر ہوگا کہ تم رک کر انتظار کرو ــــ"

"کسی معجزے کا؟"

"ہو بھی سکتا ہے"

"شہنشاہ اکبر کے دور حکومت میں نہیں ــــ"

"نادر تم اندر سے ٹوٹ پھوٹ تو نہیں گئے؟"

"ہرگز نہیں ___ میں اندر باہر ہر طرف سے مضبوط ہوں ___ میرے عزائم اور ارادے لچکدار نہیں۔"

"ہوں"

"چلو چھوڑو ان باتوں کو ___ ہمیں قربت کی ان حسین گھڑیوں کو وسوسوں کی چنگاریوں میں بھسم نہیں کرنا چاہیے ___ کہو آج شہزادے کی محفل کیسی رہی ___"

"آج تو بالکل پھیکی اور بے مزہ رہی"

"کیوں؟"

"شہزادۂ عالی اپنے آپ میں نہیں لگتے تھے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جیسے وہ ان محفلوں کو جان بہار بنایا کرتے تھے آج نہیں بنائی۔ میری استقبالیہ نظم بھی جانے کیسے سنی ___ وہ بیچاری زرنگار ہے نا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ شہزادۂ عالی کے عشق میں فنا ہو رہی ہے ___"

"ہوں"

"وہ بیچاری تیاریاں کر کر کے مر گئی۔ شہزادے نے گھاس بھی نہیں ڈالی اسے ___ وہ جام و مینا لیے ان کے گرد خود صراحی کی طرح گردش کرتی رہ گئی ___"

نادر مسکرایا اور بولا "شہزادے کے مزاج کی داد دیتا ہوں۔"

"پتہ نہیں کیوں ___ میں نے تو یہی محسوس کیا کہ وہ کچھ اکھڑے اکھڑے سے ہیں"

"کہیں بالکل ہی نہ اکھڑ جائیں ___"

"کیا مطلب؟"

"بہت کچھ سنایا ہے میرے مخبروں نے۔"

"شہزادے کے متعلق"

"ہاں ___"

"مجھے نہیں بتاؤ گے کہ کیا بتایا ہے"

وہ ہنس کر بولا "وقت آنے پر پتہ چل جائے گا۔"

"ہر بات کو وقت کے کندھوں پر ڈال کر کیسے جان چھڑا لیتے ہو اپنی ___"

وہ پھر ہنس پڑا ___

پھر دونوں کچھ دیر یہی باتیں کرتے رہے۔

"اب میں جاؤں" مہرتاج نے گول چاند کو درختوں کی اوٹ جھکتے دیکھ کر کہا۔

"جی تو نہیں چاہتا ___"

"لیکن جانا ضروری ہے"

"وہ تو ہے ___"

"آج اس لیے بھی کہ محلات میں پہرے بہت سخت ہیں"

"کیوں؟"

"شہزادۂ عالم کی وجہ سے۔ وہ صبح سویرے کوچ کریں گے۔ ان کے ساتھ خزانے سے نکلوائی ہوئی خطیر رقم بھی جائے گی۔"

"پھر تو یقیناً آج پہرہ سخت ہوگا۔"

"ہے تو ___"

"پھر۔ پھر بھی تم آ گئیں ___"

"دیکھ لو ___ آ گئی اور اب جاؤں گی بھی ___"

"خدا تمہارا حافظ و ناصر ہو ___"

"تمہارا بھی ___"

مہرتاج درخت سے کود کر اتری۔ دوپٹہ درست کیا — نادر نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے اس رُخ گھمایا جس رخ سے وہ پوری کی پوری چاندنی کی زد میں آ رہی تھی۔

کئی لمحے وہ اس کے رخ زیبا کو اشتیاق سے دیکھتا رہا۔

"بس۔ اب جانے دو مجھے —" شرماتے لجاتے وہ بولی۔

"چند لمحے اور رکو —"

"وقت بہت ہو گیا ہے۔ پہریدار ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ میں محل میں داخل ہوتے وقت کہیں ان کی نظروں میں نہ آ جاؤں"

"خدا نہ کرے" بے اختیارانہ بے تابی سے نادر نے اسے بازوؤں میں بھر کر سینے سے لگا لیا — کئی لمحے بے سدھ مدہوشی کی نذر ہو گئے۔

پھر

مہرتاج اس کے بازوؤں سے نکلی اور جانے کے لیے خاموشی سے قدم اٹھایا۔

"خدا حافظ" نادر کے لبوں سے نکلا۔

"خدا حافظ" اس نے سر گھما کر اسے دیکھا اور دوسرا قدم اٹھایا۔ پھر کچھ یاد آیا۔ جلدی سے پلٹی اور بولی:

"نادر کل شاید شہزادۂ عالی اسی راہ سے الہ آباد جائیں"

"یقیناً ادھر ہی سے جائیں گے"

"پھر — پھر کل — تم ادھر نہیں رہنا — کہیں اور چلے جانا — کہیں کسی کی نظر —"

وہ ہنس کر بولا "تم میری فکر نہ کرو مہرو — یقینی بات ہے کہ کل ادھر لوگوں سپاہیوں اور پہریداروں کی آمد و رفت ہو گی — ہاں تم سنبھل کر جاؤ — خدا تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے"

"تمہیں بھی —" وہ بولی۔

پھر

وہ محتاط انداز میں قدم اٹھاتی اپنی راہ چل دی — وہ خوفزدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی بھی جا رہی تھی۔

آسمان کے کناروں سے کالی کالی بدلیاں اٹھ کر پھیل رہی تھیں — ستاروں کے چہرے ڈھانپ رہی تھیں اور کچھ جگمگاتے چاند کا چہرہ چھپانے کے لیے بڑھ رہی تھیں۔

مہرتاج جب سرنگ کے اس پتھر کے قریب پہنچی جہاں سے اسے اندر جانا تھا۔ تو چاند کو کالی بدلی نے پوری طرح اپنے نرغے میں لے لیا تھا۔ خاصہ اندھیرا ہو گیا تھا — مہرتاج نے تشکرانہ بدلی کی طرف دیکھا اور پتھر کی اوٹ میں ہو گئی۔

شہنشاہ کی حکمت عملی سو فیصد کامیاب رہی۔ آہنی فیصلوں والا ساموگڑھ کا قلعہ تسخیر ہوگیا۔ شہنشاہ یہ جنگی چال نہ چلتے تو محاصرہ شاید مہینوں پر محیط ہو جاتا۔ قلعے پر مغلوں کا پرچم لہرایا گیا۔ حاکم ساموگڑھ لڑائی میں کام آیا۔ وہ زندہ گرفتار ہو جاتا تو خدا جانے اس کا کیا حشر ہوتا۔

شہنشاہ نے قلعے کی تسخیر کے بعد اس کا انتظام و انصرام اپنے معتمد اور لائق فائق منتظمین کے ہاتھوں سونپا اور جنگ میں حصہ لینے والے لشکریوں پر انعامات و نوازشات کی بارش کر دی۔ وہیں اعزازات سے نوازا اور جاگیریں عنایت کرنے کا مژدہ سنایا۔ کئی سرداروں کو پرگنوں کی صوبیداری بخشی اور کئی کو اہم منصب عطا کیے ـــــ لشکریوں نے سر دھڑ کی بازی لگا کر قلعہ فتح کیا تھا۔ شہنشاہ نے بھی کھلے دل سے انہیں انعام و اکرام سے نوازا ـــــ شہنشاہ نے فوجیوں کو جشن منانے اور جی بھر کر خوشیاں منانے کا بھی اجازت نامہ دیا ـــــ فوجی خوشی خوشی جشن کی تیاریوں میں لگ گئے ـــــ

ان سب سے فارغ ہو کر شہنشاہ آئندہ کا پلان بنانے لگے ـــــ ان کے ذہن میں اک منصوبہ تھا اور اسی کے متعلق رائے لینے کے لیے انہوں نے ابوالفضل کو بلا بھیجا۔

ابوالفضل جب خیمے میں داخل ہوا تو شہنشاہ ٹہل رہے تھے۔ وہ آداب و نیاز کے بعد ان

کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور طلبی کے حکم سے متعلق شہنشاہ سے پوچھا۔

"ہم نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ اب ہم ساموگڑھ سے فارغ ہو چکے ہیں۔ قلعے اور شہر کا انتظام صحیح ہاتھوں میں جا چکا ہے۔ اس طرف سے اب کوئی خدشہ و فکر نہیں ـــــ اب ہم ـــــ" شہنشاہ رکے تو اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور بولا "اب کیا حکم ہے ظل سبحانی ـــــ"

شہنشاہ خیمے کی دیوار کی طرف گئے جہاں ایک نقشہ لٹک رہا تھا۔ شہنشاہ نے کہا "یہ نقشہ دکنی ریاستوں کا ہے ـــــ"

"جی حضور" وہ بولا۔

انہوں نے ایک علاقے پر انگلی سے دائرہ بناتے ہوئے کہا "خاندیس مالوہ اور گجرات کی ریاستیں ہمارے لیے مستقل دردسری ہیں۔ ہم سوچ رہے ہیں یہاں ہی سے ان علاقوں کی طرف کوچ کیا جائے اور ان ریاستوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔ یہ علاقے ہماری یلغار کے آگے ٹھہر نہیں سکتے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟" ابوالفضل نے حیرانی سے ان کی طرف دیکھا۔ شہنشاہ مسکرائے اور بولے "ہمیں مشورہ دو ابوالفضل ـــــ"

"ظل سبحانی" وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا "جہاں پناہ کی عقل ـــــ فہم و فراست اور دوربینی کا کوئی جواب نہیں ـــــ بلاشبہ یہ ریاستیں مغل حکومت کے لیے مستقل دردسر ہیں"

"اور ہم چاہتے ہیں ـــــ جہاں تک ممکن ہو دردسری کے ان معاملوں کو نپٹا لیں ـــــ ہمارے شہزادے کو اک پرامن مملکت ملے ـــــ انہیں دور دراز کے ان علاقوں میں ان کی سرکوبی کے لیے آنا نہ پڑے ـــــ ہم چاہتے ہیں ہمارا شیخو دارالسلطنت میں بیٹھ کر سکون و اطمینان سے پورے ہندوستان میں پھیلی مغل حکومت کا انتظام و انصرام چلائے۔ انہیں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ کوئی دقت نہ ہو ـــــ"

"عزیز از جان بیٹے کے لیے ایک باپ کی ایسی سوچ سے کون مفر کر سکتا ہے عالم پناہ ـــــ لیکن ـــــ"

"لیکن کیا؟"

"جان کی امان پاؤں تو عرض کروں ——"

"کرو ——" شہنشاہ نے ہاتھ بلند کیا۔

"ظل سبحانی — بندے کی ناچیز رائے یہ ہے کہ اب یہیں سے واپس آگرہ کی طرف کوچ کیا جائے"

"کیوں؟ کیا تم سمجھتے ہو — کہ اس محاصرے اور معرکے نے تمہارے بوڑھے شہنشاہ کے حوصلے پست اور اعصاب کند کر دیئے ہیں ——"

"نہیں عالم پناہ۔ ناچیز اس بات کا تصور بھی گناہ سمجھتا ہے"

"تو پھر یہ مشورہ کیوں دے رہے ہو — واپسی کی بجائے آگے بڑھنے کی بات کیوں نہیں کرتے"

"ظل سبحانی عرض خدمت ہے کہ برسات کا موسم شروع ہو چکا ہے۔ یہاں کے ندی نالوں میں باڑھ آنا بڑی بات نہیں۔ دلدلی زمین سدِ راہ ہوتی ہے۔ عرض خدمت ہے کہ دو ماہ دارالسلطنت میں قیام فرمایا جائے —— جب یہ موسم گزر جائے تو ان ریاستوں سے نپٹنے کا پلان بنایا جائے"

"ہوں"

"ویسے بھی عالی جاہ —— شہزادہ عالم کی چتوڑ فتح کی خوشی میں جشن منایا جانا ہے قاصد آگرے سے آئے ہیں۔ مہارانی صاحبہ نے آپ کی واپسی تک جشن ملتوی کر دیا ہوا ہے۔ لوگ اپنے شہزادے کے کارنامے کی خوشی منانے کے لیے بے تاب ہیں ——"

"یہ ٹھیک کہا تم نے — ہم جانتے تھے مہارانی ہماری عدم موجودگی میں جشن بپا نہیں کریں گی حالانکہ ہم انہیں اجازت مرحمت فرما آئے تھے"

"یہ اتنی بڑی خوشی ہے ظل الٰہی — اور جب تک حضور اس میں شریک نہ ہوں اس کا رنگ پھیکا رہے گا — اسی لیے مہارانی صاحبہ آپ کی واپسی کے انتظار میں یہ تقریب ملتوی

کیے ہوئے ہیں ——"

"یہ بات تو ہے ——"

"اسی لیے عرض خدمت ہے کہ یہ خوشی منائی جائے۔ پھر اللہ کے فضل سے سامو گڑھ کا قلعہ بھی فتح ہو چکا ہے دوہری خوشی ہو گی — دکنی ریاستوں کی سرکوبی کے لیے برسات ختم ہو جانے کے بعد منصوبہ بنایا جا سکتا ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں سلطنت مغلیہ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں"

شہنشاہ چند لمحوں کے لیے چپ ہو گئے۔

ابوالفضل بھی خاموش ہو گیا۔

"ابوالفضل" شاہ لمبے سکوت کے بعد بولے۔

"جی عالم پناہ"

"کہیں یہ بات تو نہیں کہ ہمارے عسکری سامو گڑھ کے محاصرے کی طوالت سے تھک گئے ہیں"

"سپاہی تھکا نہیں کرتے ظل الٰہی۔ مغل فوج کے سپاہی جانباز ہیں۔ وفادار ہیں۔ انہیں ابھی حکم دیجیے۔ وہ جشن اور خوشیاں چھوڑ چھاڑ سر پر کفن باندھے میدان کارزار میں کودنے کو تیار ہوں گے۔ انہیں نہ تو موسم کی حدت و شدت ہراساں کرتی ہے نہ ہی مسافرت کی سوچتیں۔ وہ گھر سے نکلتے ہیں تو اس سے تعلق توڑ کر نکلتے ہیں ——"

"ہمیں اپنی سپاہ پر فخر ہے ——" شہنشاہ نے گردن اونچی کرتے ہوئے کہا۔ پھر

وہ دونوں باتیں کرنے لگے۔ شہنشاہ تو چاہتے تھے کہ یہیں سے اپنی افواج کے ساتھ جنوبی دکنی ریاستوں کے قلع قمع کے لیے روانہ ہو جائیں۔ لیکن ابوالفضل کے دلائل بھی معقول تھے۔ اس لیے یہ ارادہ فی الحال ملتوی کرنے ہی میں مصلحت تھی۔

بحر حال

باہمی صلاح و مشورے سے طے پایا کہ ان ریاستوں کو شاہی فرمان جاری کر دیئے جائیں
گے کہ اگر ان ریاستوں نے اسی طرح ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو کر ساتھ والے
علاقوں کا سکون درہم برہم کرنا ہے تو وہ اپنے انجام کے لیے تیار ہو جائیں ـــ مصلحت کا
تقاضا یہی ہے کہ وہ تاجدار ہند کے انتباہ سے مرعوب ہوں اور امن وامان کی ذمہ داری
قبول کریں۔

"ہم اپنے قاصد اسی ہفتے روانہ کر دیں گے" شہنشاہ نے خیال آفریں لہجے میں کہا۔

"یہ انتباہ ان کے دماغ خود ہی ٹھکانوں پر لے آئے گا ظل سبحانی ۔ یقیناً وہ سلطنت
مغلیہ کے سامنے سر اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتے ـــ"

"دیکھیں گے ـــ قاصدوں کے جانے اور پیغام دے کر جواب لانے میں برساتی موسم
بھی کچھ نہ کچھ گزر جائے گا اور ہمارے عسکریوں کو سامو گڑھ کے معرکے کی تکان اتارنے
کا موقع بھی میسر آجائے گا۔"

"اس دوران شہزادۂ عالم کی چیتوڑ فتح کرنے کی خوشی کا جشن بھی منا لیا جائے گا۔"

"ہاں یہ درست ہے۔ ہم بھی ایسا ہی سوچ رہے ہیں۔ شہزادۂ عالم کی اس پہلی کامیابی
کی خوشی کے موقع پر ہمارا آگرہ میں ہونا ضروری ہے۔ ورنہ ہمارے بیٹے کی خوشی ادھوری
ہو گی۔"

"بالکل صاحب کراں ـــ ناچیز نے اسی لیے تو عرض کیا تھا ـــ"

"ٹھیک ہے۔ واپسی کا منصوبہ بنایا جائے ـــ"

"جو حکم سرکار ـــ"

"لیکن چند ہفتے ہم مع فوج کے یہیں قیام کریں گے۔"

"وہ تو ضروری ہے ظل سبحانی ـــ ہمیں سامو گڑھ کو اتنی جلدی آزاد چھوڑ کر نہیں

جانا چاہیے ـــ"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ ہمارے امیران اور عمائدین سامو گڑھ
کا انتظام وانصرام اپنے مفاد کے مطابق سرانجام دے لیں۔"

"ہمارے عامل مصروف عمل ہیں صاحب عالی ـــ"

"ہاں ہم باخبر ہیں ـــ ویسے بھی ہماری عائد کردہ پابندیوں اور شرائط کے پورا
ہونے میں وقت لگے گا ـــ"

شہنشاہ چپ ہو گئے۔ ابوالفضل سر جھکائے کھڑا رہا ـــ

"تم جا سکتے ہو ابوالفضل ـــ مابدولت نے خاندیس مالوہ اور گجرات کے بارے ہی میں
تمہیں مشورے کے لیے بلایا تھا ـــ تمہارے دلائل ٹھیک ہیں۔ ہم قائل ہو گئے برسات
گزرنے کا ہمیں انتظار کرنا ہی ہو گا۔ اور یہ انتظار ہم آگرہ میں اپنے خاندان والوں کے ساتھ
رہ کر بھی کر سکتے ہیں ـــ"

"صاحب کراں یہ ضروری ہے۔ شہزادۂ عالی آپ سے اتنی مدت کبھی الگ نہیں رہے۔
وہ بھی آپ سے ملنے اور اپنی کامیابی پر آپ سے داد پانے کے لیے بے چین ہوں گے ـــ"

"ہاں ہم جانتے ہیں اور ہم نے انہیں انعام دینے کا بھی سوچ لیا ہے ـــ یہ انعام
جو ہم انہیں مرحمت فرمائیں گے انہیں خوش کر دے گا۔ یہ انعام ان کی فہم و فراست سے بھی
بعید ہو گا ـــ انہیں حیران کن خوشی ملے گی ـــ"

"کیا ظل سبحانی ان کی جاگیر میں توسیع فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

شاہ نے متبسم لبوں اور چمکتی آنکھوں سے ابوالفضل کی طرف دیکھا۔ پھر معنی خیز انداز
میں آنکھوں کو جنبش دیتے ہوئے بولے "شاید تمہاری قیاس آرائی ان حدوں کو نہ چھو سکے
ابوالفضل ـــ ہم جو ارادہ کر چکے ہیں اس پر عمل پیرا ہوں گے اور یہ سب کے لیے
اور خصوصاً شہزادے کے لیے حیران کن خوشگوار اور مسرت بھری نوید ہو گی ـــ"

ابوالفضل بھی زیرِ لب مسکرایا۔

شہنشاہ اس وقت بیحد خوش نظر آ رہے تھے ——

تھوڑی دیر بعد شہنشاہ نے ابوالفضل کو واپسی کا اشارہ کیا۔ وہ فرشی سلام کر کے الٹے قدموں خیمے سے باہر نکل گیا۔ شہنشاہ انعام کی صورت شہزادے کو کیا مرحمت فرمانے والے تھے وہ اسی کے بارے میں قیاس آرائیاں کر رہا تھا ——

ابوالفضل شاہی خیمے سے نکل کر اونچے چبوترے سے نیچے اترا۔ چوبدار نے جھک کر سلام کیا۔ جواب دیتے ہوئے وہ اپنے خیمے کی طرف بڑھنے لگا ——

اس وقت موسم بڑا خوشگوار ہو گیا تھا۔ آسمان کے کناروں پر سیاہ بدلیاں جھک رہی تھیں چھوٹے چھوٹے ابر کے ٹکڑے سینۂ فلک پر تیر رہے تھے۔ ہوائیں نم آلود تھیں اور صبح سے جو حبس تھا اسے ختم کرنے میں معاون ثابت ہو رہی تھیں۔

ابوالفضل نے آسمان کی طرف دیکھا۔ پھر ان کالی بدلیوں پر نگاہ ڈالی جو ہوا کے دوش پر پھیلتی جا رہی تھیں —— پھر اس نے دور تک پھیلے سپاہیوں کے خیموں اور چھولداریوں کی طرف دیکھا۔ سہ پہر ڈھل رہی تھی اور سپاہی خیموں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ رات انہوں نے جشن منانا تھا۔ اس کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ فتح کی خوشی میں ملے ہوئے انعامات اور نوازشات سے سب بیحد خوش تھے اور اپنے آپ کو تر و تازہ محسوس کر رہے تھے خوش گپیوں میں مصروف تھے —— کچھ ٹولیوں کی صورت میں ادھر ادھر بکھرے تھے۔ کچھ دریا کی طرف نکل گئے تھے۔ میدان میں خاصی گہما گہمی تھی —— فتح کی خوشی کا نشہ پورا رنگ دکھا رہا تھا۔ یہ خوشی منانے کا انہیں پورا حق تھا۔

ابوالفضل ان کی خوشی کو محسوس کر کے خوش ہو رہا تھا۔ اس نے اچھا ہی کیا تھا جو

شہنشاہ کو خاندیس کی طرف کوچ کرنے سے روک دیا تھا۔۔۔ اگر ابھی ان عسکریوں کو خاندیس کی طرف کوچ کا حکم مل جاتا۔۔۔ تو یقیناً ان کی خوشیاں ادھوری رہ جاتیں۔۔۔

وہ اپنے خیمے کی طرف بڑھنے لگا۔ جو شہنشاہ کے خیمے سے کچھ گز کے فاصلے پر قدرے نیچی جگہ پر نصب تھا۔ خیمے کے دروازے کے باہر چوبدار کھڑے تھے۔

وہ ابھی چند گز دور ہی تھا کہ خاصے دار عزت خان اس کی طرف تیز تیز قدموں سے چلتا آگیا۔ اس نے اپنا گھوڑا پرلے درخت تلے کھڑا کیا تھا۔

" سرکار۔" اس نے سلام کرنے کے بعد ابوالفضل کو پکارا۔

سلام کا جواب دیتے ہوئے ابوالفضل رک گیا۔۔۔ " کیا بات ہے عزت خان"

" سرکار شاہی مخبر آئے ہیں"

" شاہی مخبر"

"جی سرکار۔ خسرو خان دلاور خان اور شمشیر ملک آئے ہیں۔۔۔"

ابوالفضل نے کچھ چونک کر خاصے دار کی طرف دیکھا اور پوچھا "چوکی پر تم نے ان کی شناخت کرلی تھی؟"

"جی حضور۔ ان کے پاس شہنشاہ کی مہر شدہ تصدیقی سندیں ہیں۔ وہ بہت جلد شہنشاہ عالی سے ملنا چاہتے ہیں۔۔۔"

" کہاں سے آرہے ہیں۔۔۔"

" الہ آباد یا دلی سے"

" تم نے پوچھا نہیں۔۔۔"

" وہ بہت جلد شہنشاہ کے حضور باریابی چاہتے ہیں۔ اس لیے مجھے زیادہ پوچھ گچھ کا موقع ہی نہیں دیا۔ وہ گرد آلود لباس میں ہیں۔۔۔ ان کے گھوڑے تھکے ہوئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہفتوں کی مسافت دنوں میں طے کر کے یہاں پہنچے ہیں۔۔۔ اور انہیں فی الفور

عالی جاہ سے ملنا ہے"

ابوالفضل چند لمحے متفکرانہ سوچ میں ڈوب گیا۔

"انہیں لے آؤں سرکار۔۔۔"

" ہاں۔۔۔"

" شہنشاہ عالی کو خبر کردیں گے سرکار۔۔۔"

" شہنشاہ نے آج سارا دن بہت مصروف گزارا ہے۔ اور ابھی وہ غالباً آرام فرمانے کو مسہری پر گئے ہیں۔۔۔"

" تو۔ سرکار۔۔۔"

" تم انہیں یہاں لے آؤ۔۔۔ اگر ان کا ملنا بہت ضروری ہوا تو عالم پناہ کو خبردار کر دیا جائے گا میں یہیں ہوں۔ انہیں ادھر ہی لے آؤ۔۔۔"

" بہت بہتر سرکار" خاصے دار عزت خان نے جھک کر سلام کیا۔ مڑا اور چند لمحوں میں گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر ہوا ہو گیا۔

ابوالفضل وہیں کھڑا سوچوں میں گم تھا۔

مخبر خسرو خان کو وہ ذاتی طور سے جانتا تھا۔ دودمان مغلیہ کا صحیح جانثار تھا۔ جان پر کھیل کر مملکت اور شہنشاہ کے لیے مخبری کرتا تھا۔ اس کی خبریں مستند ہوتی تھیں۔ ہر بات کی پہلے خود تحقیق کرتا تھا۔ ثبوت اکٹھے کرتا تھا۔ پھر شاہ کے حضور پیش ہوتا تھا۔ شہنشاہ اسے مملکت کا اہم ستون قرار دیا کرتے تھے۔

دلاور خان بھی اپنے میدان کا منجھا ہوا کھلاڑی تھا۔ خسرو خان کو استاد مانتا تھا اور اس کے حکم کے تابع ہو کر کام کرتا تھا۔۔۔ کئی باغی ریاستوں کے خفیہ راز اڑا لایا تھا۔ کئی ایسی تنظیموں سے شہنشاہ کو پوری طرح باخبر رکھتا تھا جن کی سرگرمیاں مشکوک تھیں۔

دونوں قابل اعتماد تھے۔ شمشیر ملک کے متعلق بھی ایسی ہی باتیں سننے میں آئی تھیں۔

چتوڑ کے قلعہ پر حملے کی اساس اسی کے فراہم کردہ رازوں پر ہوئی تھی۔
ابوالفضل قیاس آرائیاں کر رہا تھا۔ دلی یا الہ آباد سے ان کی آمد کسی بھیانک خبر
کی پیش خیمہ نہ ہو۔ !؟
کہیں چتوڑ کے بھگوڑے حکمران نے شہزادۂ عالی کے لیے کوئی مصیبت نہ کھڑی کر دی ہو؛
مفرور نادر خان بھی کسی تباہی کا ذمہ دار ہو سکتا ہے؛
مان سنگھ کی خفیہ سرگرمیاں شہنشاہ کی غیر حاضری میں کوئی رنگ نہ دکھا رہی ہوں؛
پھر
وہ خود سے کہنے لگا ”شہنشاہ کو دارالسلطنت سے زیادہ عرصہ باہر نہیں رہنا چاہیے،
اچھا ہی ہوا جو انہوں نے میرے دلائل قبول کرتے ہوئے خاندیس مالوہ اور گجرات کی سرکوبی
کا منصوبہ فی الحال ملتوی کر دیا ہے۔ اگر وہ ان مہمات میں الجھ جاتے تو کئی ماہ پایہ تخت سے
شاہ کی غیر حاضری قابل تشویش ہوتی ——“
ابوالفضل اپنے خیمے کے باہر ٹہلنے لگا۔ اسے بے چینی نے آن گھیرا تھا اور وہ تینوں
مخبروں کی آمد کا بے صبری سے انتظار کر رہا تھا۔ دو چار دفعہ اس کے قریب سے چند عسکری
گزرے انہوں نے اسے سلام بھی کیا لیکن وہ اتنا الجھا ہوا تھا کہ خوش باش عسکریوں کو
سوائے سر کے اشارے سے سلام کا جواب دینے کے کوئی کلمہ منہ سے نہ نکال سکا۔
انتظار کا پل پل بھاری ہوتا ہے۔ اک اک گھڑی حساب مانگتی ہے۔ انسان وقت کو
کھینچ کر قریب لے آنا چاہتا ہے۔ دھکا دے کر آگے بڑھا دینا چاہتا ہے۔
لیکن
چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ لمحوں کی رفتار اور گھڑیوں کا گزرنا اپنے متعین
اور مخصوص انداز سے ہوتا رہتا ہے۔
خدا خدا کر کے انتظاری لمحوں کی طوالتیں کم ہوئیں۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آئی۔

ابوالفضل قدرے اونچی جگہ پر کھڑا ہو کر اس سمت تکنے لگا۔ اس نے آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا
بنا کر اس اڑتے گرد و غبار کی طرف دیکھا جو گھوڑوں کی تیز رفتاری کی وجہ سے پھیل
رہا تھا۔
خاصے دار تینوں معتبر مخبروں کو لے کر آ رہا تھا ——
ابوالفضل کو دیکھتے ہی سب گھوڑوں سے اتر پڑے اور اپنے اپنے گھوڑوں کی لگامیں
تھامے پیدل چلتے اس کے قریب آ رہے ہو ——“
خسرو خان اپنا گھوڑا وہیں چھوڑ کر آگے بڑھا۔ ابوالفضل کے بالکل قریب آ کر بولا
”خاکسار الہ آباد سے آ رہا ہے —— شہنشاہ عالم اس وقت کہاں تشریف فرما ہوں گے؟“
”اپنے خیمے میں ہیں“
”کیا ہم ابھی مل سکتے ہیں“
”اس حالت میں ——؟“
”انہیں پیغام پہنچانا انتہائی ضروری ہے سرکار۔ ہم دن رات مسلسل سفر کر کے آئے
ہیں۔“
”کوئی تشویشناک بات ہے؟“ ابوالفضل نے سرگوشی کی۔
”براہ مہربانی ہمیں شہنشاہ عالی تک پہنچایا جائے“ اس نے سوال کا جواب گول کرتے
ہوئے کہا۔
”منہ ہاتھ تو دھو لو —— تمہارے کپڑے خاک آلود ہیں —— شہنشاہ کے حضور اس حالت
میں جانا ٹھیک نہیں ——“
”سرکار عالی۔ ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ براہ کرم شہنشاہ کو ہماری آمد سے خبردار کر دیجئے۔“
ابوالفضل نے گہری نگاہ خسرو خان پر ڈالی۔ اس نے دو تین بار اثباتی انداز میں سر ہلایا
تو ابوالفضل نے خاصے دار کو مخاطب کر کے کہا؛

"جاؤ چوبدار سے کہو۔ شہنشاہ عالی سے ان کی باریابی کے لیے حکم لائے۔"

"بہتر سرکار"

خاصے دار سر جھکا کر بولا اور پھر تیز تیز قدموں سے شاہی خیمے کی طرف چل دیا۔

ابوالفضل نے خسرو خان سے کہا "خاصے دار کے جواب لانے تک آپ لوگ میرے خیمے میں جا کر منہ ہاتھ دھولیں ــــ کپڑے جھاڑ لیں اور صافوں کے بل درست کر لیں۔"

"بہتر سرکار"

وہ تینوں ابوالفضل کے ساتھ خیمے میں داخل ہوئے۔ ابوالفضل نے بہتیرا باتوں باتوں میں کریدنے کی کوشش کی لیکن تینوں جو خبریں لے کر آئے تھے ان کے متعلق ایک لفظ نہ بولے ــــ

پھر بھی ابوالفضل کو اندازہ ہو گیا کہ خبریں نہایت اہم اور سنگین نوعیت کی ہیں، خاصے دار اُلٹے پاؤں واپس آیا۔ شہنشاہ نے الہ آباد سے آنے والے مخبروں کو اسی وقت طلب فرمایا تھا ــــ

تینوں مخبر جلدی سے خیمے سے باہر آئے۔ کپڑے جھاڑنے یا صافے ٹھیک کرنے کا وقت ہی نہیں تھا ــــ

"میں ساتھ چلوں" ابوالفضل بھی ان کے ساتھ خیموں سے باہر آیا۔

"سرکار۔ ہم شہنشاہ عالی سے تخلیے میں ملنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ضرورت سمجھی تو آپ کو یاد فرما لیں گے۔"

ابوالفضل نے چونک کر خسرو خان کو دیکھا۔ جو بڑی حد تک پریشان تھکا تھکا اور سہما ہوا لگ رہا تھا ــــ

"ٹھیک ہے تم لوگ شہنشاہ عالی سے ملنے جا سکتے ہو" ابوالفضل نے خسرو خان سے کہا اور پھر رخ موڑ کر دور دور تک پھیلے عسکریوں کو دیکھنے لگا۔

وہ تینوں شاہی خیمے کی طرف عجلت میں بڑھنے لگے۔

چوبدار تے خیمے کے صدر دروازے پر رک کر اونچی آواز میں شہنشاہ کے القابات پکارتے ہوئے عرض کی "تینوں مخبر اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔"

"آنے دو،" شہنشاہ کی پررعب آواز گونجی۔

چوبدار نے پردہ ایک طرف سرکایا ــــ خسرو خان آگے بڑھا اس کے پیچھے دلاور اور شمشیر بھی صدر دروازے میں داخل ہوئے۔

"غلام حاضر خدمت ہے جہاں پناہ" خیمے کا اندرونی دروازہ جس کا پردہ خسرو خان نے ابھی ہٹایا نہیں تھا ــــ کھلا تھا۔ شہنشاہ نے اجازت مرحمت فرمائی تو وہ پردہ ایک طرف کرتے ہوئے اندر داخل ہوا ــــ جھک کر کورنش بجالایا ــــ

"خسرو خان؟" شہنشاہ نے سنہری ڈنڈے کے قریب آتے ہوئے کہا۔ یہ ڈنڈا شامیانے کی چھت کو سہارا دیئے تھا۔

"غلام حاضر ہے عالم پناہ ــــ" اس کے پیچھے دلاور اور شمشیر ملک بھی فرشی سلام کرتے ہوئے آ گئے۔

شہنشاہ نے بغور ان کو دیکھا۔ پھر حیران سی آواز پر قابو پاتے ہوئے پورے جلال سے پوچھا۔

"ہمارے حضور میں پیش ہونے کا منشاء بیان کرو خسرو خان"

خسرو خان رعب شاہی سے کچھ سہم گیا۔ سوکھے حلق کو تھوک نگل کر تر کرنے کی کوشش میں صرف یہی کہہ سکا "ظل سبحانی ــــ"

"ہاں ہاں ــــ کہو۔ رک کیوں گئے ــــ کیا خبر لائے ہو۔ اتنے خستہ حال اور پریشان کیوں ہو"

"حضورِ والا شان ——" وہ جرأت کر کے بولا — "غلام بغاوت کی منحوس خبر لایا ہے"
شہنشاہ کی آواز میں طوفانوں کی گرج بھر گئی۔ چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھوں میں چنگاریاں سلگ اٹھیں — کمر سے لٹکتے خنجر پر ہاتھ مارتے ہوئے گرجے "بغاوت — بغاوت —— بغاوت — کیا ہو رہا ہے ہماری مملکت میں۔ سامو گڑھ کے جھنڈوں کو زمین بوس کر کے ابھی دم بھی نہیں لیا کہ تم پہنچ گئے۔ یہ بتانے کے لیے کہ کسی اور سرپھرے نے علم بغاوت بلند کر دیا ہے۔"

تینوں مخبر بدحواس سے ہو گئے — دلاور خان نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ آگے بڑھا اور جھک کر سلام کیا اور بولا "جان کی امان ہو تو عرض کریں عالی جاہ ——"

شہنشاہ بپھرے ہوئے طوفان کی طرح گرجے "کون ہے وہ سرپھرا۔ جس نے اپنی موت کی دستاویز پر مہر ثبت کر دی ہے ——"

دلاور بھی سہم کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا ——

خسرو خان نے جھکا ہوا سر اٹھا کر صرف اسی قدر کہا "عالم پناہ — بغاوت کا طوفان اٹھا ہے اور ——"

وہ چپ ہو گیا تو شہنشاہ ایک قدم آگے بڑھا کر بولے "خاموش کیوں ہو گئے — ہم تمہاری پریشانی کی وجہ نہیں سمجھ سکے۔ بیان کرو — کہ کہاں سے آ رہے ہو اور کس نے بغاوت کی ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں —— اکبر ابھی زندہ ہے —— اس فولادی دیوار سے ٹکرانے کی جو بھی حماقت کرتا ہے خود پاش پاش ہو جاتا ہے۔ باغی اگر جنگ پہ آمادہ ہے تو ہم اسے دندان شکن جواب دیں گے — ہم نے ہر باغی کی سزا موت قرار دی ہے۔ یہ شاہی فرمان جاری ہو چکا ہے۔ باغی تختۂ دار تک پہنچے گا۔ نام لو اس کا ——"

تینوں نے گھبرا کر ہاتھ باندھے اور لرزتی آواز میں بولے "عالم پناہ ——"

شہنشاہ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا — آواز میں جھلاہٹ پیدا ہوئی۔ گرج کر بولے "ارے

پس و پیش کا مطلب کیا ہے — تم لوگ کہاں سے آ رہے ہو"

"الہ آباد سے عالی جاہ" خسرو خان نے خوفزدہ ہو کر کہا۔

"الہ آباد سے" شہنشاہ کی آواز میں نرمی اور شفقت گھل گئی —— بولے "وہاں کے حالات کیسے ہیں اور ہمارا شیخو کیسا ہے۔؟"

خسرو خان گھگھیاتے ہوئے بولا "عالم پناہ شہزادۂ عالم ——"

"کیا ہوا شہزادۂ عالم کو —— کہیں ان کی طبیعت تو ناساز نہیں کسی سرپھرے نے ہمارے جگر گوشے سے زیادتی تو نہیں کی —— انہیں گزند تو نہیں پہنچائی" شہنشاہ کی آواز میں شفقتوں کی آبشاریں تھیں۔ وہ شہزادے کے لیے مضطرب و پریشان ہو گئے۔

دلاور نے جرأت کی اور جلدی سے بولا "جہاں پناہ شہزادۂ عالم نے بغاوت کر دی ہے"

"کیا؟؟؟"

شہنشاہ کا بے اختیاری میں منہ سے نکلا ہوا ایک لفظ ان سوالوں کا امین تھا۔ وہ ششدر سے رہ گئے تھے۔ خیمے میں سکوت تھا یوں لگتا تھا کائنات زندگی اور وقت سب مر گئے ہیں۔ کچھ دیر بعد خسرو خان نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر جھکاتے ہوئے عرض کی "یہ درست ہے عالم پناہ۔ شہزادہ عالی نے علم بغاوت بلند کر دیا ہے۔"

شہنشاہ بھربھری چٹان کی طرح چھپرکھٹ کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے حیرانی سے بولے "ہمارے شیخو نے؟ بغاوت کر دی؟ باپ کے خلاف؟ تمہارے دماغ ٹھیک تو ہیں؟ ہمارے خلاف بغاوت؟ شیخو نے۔ شہزادۂ عالم نے"

یہ بات ناقابل یقین تھی اسی لیے شہنشاہ چند لمحوں کی جذباتی پسپائی کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے اور تند آواز میں گرجے —— "کیوں؟ کس لیے؟ شیخو نے بغاوت کس لیے کی؟"

"جان کی امان پاؤں عالم پناہ تو عرض کروں کہ بغاوت تخت و تاج حاصل کرنے کے لیے کی گئی ہے۔ بڑی جرأت کر کے خسرو خان نے کہا۔

شہنشاہ عالم اضطراب میں سر کو جھٹکا دے کر بولے " ناممکن ——"

" ہم غلامانِ مملکت نے جو کچھ عرض کیا ہے درست ہے عالی جاہ ——"

" نہیں " شہنشاہ گرجے —— " یہ ناممکن ہے۔ کوئی ذی ہوش انسان اپنی ہی جڑ پر ڈاکہ نہیں ڈالتا —— تخت و تاج سلیم ہی کا ہے ——"

شہنشاہ چند لمحے رکے پھر اس جوش سے بولے " ہم تم لوگوں کی مخبری کے مداح ہیں —— لیکن یہ خبر ناقابل یقین ہے۔ تم سے کوئی بھول ہوئی ہے —— چوک ہوئی ہے۔ ناممکن —— نا —— ممکن ——"

خسرو خان نے جھکتے ہوئے کہا " خانہ زاد نے جو کچھ کہا ہے سچ ہے عالی جاہ۔"

" یہ افواہ ہو سکتی ہے سچ نہیں ——" شہنشاہ نے قالین پر پاؤں سے ٹھوکر ماری۔

دلاور بولا " حضور والا یہ افواہ نہیں "

شمشیر ملک آگے بڑھا اور عرض کی " یہ سچ ہے عالم پناہ۔ شہزادۂ عالی نے الہ آباد میں علم بغاوت بلند کر دیا ہے۔"

شہنشاہ نے رخ موڑا —— اور تلخ لہجے میں بولے " ہم نے آج تک تم لوگوں پر سختی نہیں کی۔ لیکن یاد رکھنا دودمان مغلیہ کے چراغ اور مملکت کے ولی عہد پر بغاوت کا الزام لگانے کی سزا موت ہوگی —— اور مابدولت اس میں تخفیف نہیں کریں گے "

شمشیر نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا " عالم پناہ ہم تینوں سلطنت کے وفادار اور جانثار ہیں یہی جذبہ ہمیں الہ آباد سے یہاں لے آیا۔ ہم نے ہفتوں کی مسافرت چند دنوں میں طے کی ہے۔ دن رات گھوڑوں کی پشت پر رہے ہیں —— یہ منحوس خبر حضور والا تک پہنچانے کے لیے جان پر کھیلے ہیں۔"

خسرو خان مؤدبانہ بولا " شہزادہ عالم نے بغاوت کر دی ہے۔ اب ان کی افواج راجہ نرسنگھ دیو کی قیادت میں دلی اور آگرے کی طرف کوچ کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہیں۔

الہ آباد کی سرزمین حضور کے جانثاروں کے خون سے لالہ زار بن چکی ہے۔ چُن چُن کر حضور کے فدائیوں کو قتل کیا جا رہا ہے —— ہم بڑی مشکلوں سے جان بچا کر یہاں تک آئے ہیں "

شہنشاہ بت بن گئے۔ اتنی بوجھل خاموشی چھا گئی کہ لگتا تھا ہر چیز پتھرا گئی ہے۔

تینوں مخبر سر جھکائے کھڑے تھے۔

شہنشاہ کے چہرے کا جلال جیسے کہر اور دھند میں چھپ گیا تھا۔ تنی ہوئی گردن جھکی نہیں تو ڈھیلی ضرور پڑ گئی تھی —— خیمے کے اندر مہیب سی خاموشی جو چیخ چلا رہی تھی پھیل گئی۔

چند لمحے گزر گئے

یہ لمحے صدیوں پر بھاری تھے۔

" خسرو خان " سکوت کو شاہ کی پر رعب آواز نے توڑا —— شہنشاہ نے کسی طفل تسلی کا یقیناً سہارا لے لیا تھا ——

" عالم پناہ "

" جو خبر تم لائے ہو —— اس کا ثبوت ؟"

" ثبوت ہم لائے ہیں عالم پناہ "

" حاضر کیا جائے ——"

خسرو خان نے اپنی صدری کے اندر ہاتھ ڈالا —— ایک بند پوٹلی نکالی۔ اور دونوں ہاتھوں پر رکھ کر شہنشاہ کی طرف بڑھا۔

" یہ کیا ہے " شہنشاہ نے پوٹلی دیکھی۔

" زریں مہریں ہیں ظل سبحانی ——"

" زریں مہریں ؟ کیا مطلب ؟"

خسرو خان نے پوٹلی کھولی چند طلائی سکے اس کی ہتھیلی پر چمکنے لگے وہ ادب سے

بولا ”شہزادۂ عالم نے شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا ہے اور اپنے نام کا سکہ بھی جاری کر دیا ہے۔ اس سکے پر ایک طرف نورالدین سلیم جہانگیر تا حیدار ہند لکھا ہے پشت پر کچھ نہیں ہے۔“

شہنشاہ بت بن گئے۔

شمشیر ملک نے اپنی کمر سے بندھی ریشمی چادر کھولی اس میں سے دو فرمان نکالے۔ یہ فرمان گہرے سبز رنگ کے ریشمی کپڑے پر تحریر تھے۔

” یہ فرمان نئے شہنشاہ نے جاری کیے ہیں“ شمشیر ملک دونوں فرمان ہاتھوں پر رکھے آگے بڑھا ایک فرمان میں مغل حکومت کی حدود کا تعین کیا گیا ہے۔ موجودہ مغل سلطنت خداداد کے بہت سے حصے اس میں شامل کر لیے گئے ہیں ـــــ اور دوسرے فرمان میں شہزادۂ عالم نے اپنے کوکہ قطب الدین کو بہار کا صوبہ بخش دیا ہے۔ جون پور اور کانپی کی سرکاریں بھی شجاع خان اور ایرانی النسل سردار کوکب بیگ کو بخش دی ہیں ـــ“

دلاور خان نے آگے بڑھ کر کہا ”گنگا کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ پھیلی ریاستیں بھی اپنے خوشامدی مصاحبوں میں بانٹ دی ہیں ـــــ“ دلاور خان نے جھک کر اپنی ٹانگوں کے گرد لپٹی پٹیاں کھولیں۔ جن میں اس نے ان نئی سرکاروں کے مہر شدہ موٹے کاغذوں پر لکھے فرمان چھپا رکھے تھے۔ کچھ مہریں بھی اس نے پٹیاں کھول کر نکالیں۔

تینوں نے اپنی اپنی لائی ہوئی چیزیں شہنشاہ کو پیش کیں ـــــ ان کی کارکردگی تو پہلے بھی کبھی مشکوک نہ ہوئی تھی۔ اب تو کئی ثبوت انہوں نے فراہم کیے تھے۔ شہنشاہ نے ایک نظر ان چیزوں پر ڈالی اور خسرو کے ہاتھ سے مہریں لے کر انہیں الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر غیظ و غضب میں بھڑکتے ہوئے مہریں خیمے کی دیوار پر دے ماریں ـــــ

” تم لوگ فی الحال جا سکتے ہو ـــ ملک کافور سے کہو تمہارے ٹھہرنے کا بندوبست کرے۔ تا حکم ثانی وہیں انتظار کرو ـــــ اور ـــــ یہ خبر ـــــ سینوں میں دفن رہے۔“

تینوں نے سر جھکائے سلام کیا اور الٹے قدموں خیمے سے باہر نکل گئے۔

مخبروں کے خیمے سے نکل جانے کے بعد شہنشاہ نے سنہری چوبی ڈنڈے کا سہارا لینے کی کوشش کی۔ لیکن زمین ان کے پاؤں تلے سے سرک رہی تھی۔ بے اختیار ہو کر انہوں نے مسند پر ہاتھ رکھا اور گرنے کے انداز میں بیٹھ گئے۔ انہوں نے تکیے پر سر گرا کر آنکھیں بند کر لیں۔

زمین پھٹ جائے یا آسمان گر پڑے۔ شاید اتنی توڑ پھوڑ تب بھی نہ ہو جتنی شہزادے کی بغاوت کی خبر نے شہنشاہ کے اندر کر دی تھی۔ ان کی شخصیت بکھر گئی تھی۔ دل و دماغ ماؤف ہو گئے تھے۔ بار بار سر ادھر ادھر ہلاتے ہوئے وہ بڑبڑا رہے تھے ”یہ تو نے کیا کیا شیخو ـــ کیا کیا۔ کاش یہ خبر سننے سے پہلے ہمارے کان بہرے ہو گئے ہوتے۔“

کافی دیر وہ یوں ہی پڑے رہے۔

بیقراری کو قرار نہیں آ رہا تھا۔

وہ اٹھ کر خیمے کے اندر ٹہلنے لگے۔ دم سینے میں گھٹ رہا تھا۔ شہنشاہیت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے باپ کو اس سانحہ پر چیخنے چلانے کی بھی اجازت نہ تھی۔ سینے کے اندر ہی چیخیں گھٹ رہی تھیں۔ کسی کسی وقت تو سانس لینے میں بھی دشواری ہو رہی تھی۔

وہ ہاتھ مل رہے تھے۔ کبھی تیز قدموں سے چل رہے تھے۔ کبھی سست روی اختیار
کر رہے تھے۔

"آہ تو نے کیا کر دیا شیخو ــــ ہماری آنکھوں کے نور ایک ہی ضرب سے ہماری بینائی چھین
لی ــــ سانپ بن کر ہمیں ڈس لیا۔ ہمارا اکلوتا بچہ ــــ ہماری ہی ہستی سے متنفر ہو گیا۔ یہ تم
نے کیا کر دیا شیخو۔ ہماری کمر ہمت توڑ دی۔ تمہارا بوڑھا باپ تو سیسہ پلائی دیوار تھا۔ آہنی
چٹان تھا۔ تم نے ایک ہی وار سے اسے بھربھری مٹی بنا دیا۔ اس کا گھمنڈ توڑ دیا۔ اس کا مان
اور تفاخر خاک میں ملا دیا ــــ ہمارا دل پھٹا جا رہا ہے ــــ ہمیں لگتا ہے کائنات کا ذرہ
ذرہ ہماری پدری محبت کا مذاق اڑا رہا ہے۔ تم نے ہمیں دیوانہ بنا دیا سلیم ــــ یہ تم نے
کیا کیا؟"

نوحے اور بین شہنشاہ کے منہ سے بے آواز نکل رہے تھے۔

دو ایک بار تو انہیں چکر بھی آئے۔ انھوں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

شام اتر آئی ــــ

پھر

رات ہو گئی

چوبداروں نے دو ایک بار باریابی کی اجازت کے لیے صدا لگائی۔

لیکن

اجازت مرحمت نہ فرمائی گئی ــــ غلام شام کو پینے کے لیے مشروب لے کر آیا۔ لیکن
اسے بیرونی دروازے سے ہی لوٹا دیا گیا ــــ

شہنشاہ اس وقت شاید پچھلے کمرے میں چلے گئے تھے۔ جب شاہی ملازم خاص
کمخواب کے خان پوشوں سے ڈھکے کھانوں کی طشتریاں کمرے میں رکھ گئے۔ لیکن رات کے
مد پھر گزر جانے کے بعد بھی شہنشاہ نے ان خوانوں کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

ان کی بے تابی و بے قراری دیدنی تھی۔ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہوئے دونوں
کمروں میں پھر رہے تھے ــــ

کبھی وہ رک کر سوچنے لگتے اپنے آپ سے گویا ہوتے۔ سلیم کو مخاطب کرتے "شیخو۔
تمہیں تخت و تاج ہی چاہیے تھا ــــ تو ہم سے مانگتے۔ ہم حقیر کھلونے کی طرح یہ تمہارے
قدموں میں ڈال دیتے۔ طفل ناداں کی طرح ضد کر کے مانگتے ــــ پھر دیکھتے تمہارے باپ
کے فراخ سینے میں کتنا بڑا دل ہے۔ سلیم ــــ شیخو۔ تم نے اس محبت کا گلا کہاں گھونٹا جو
تمہیں ہم سے تھی۔ اُف۔ شیخو تم نے ہمیں کس قدر ذلیل کیا۔ سارے ہندوستان میں رسوا کر دیا۔"

کبھی

وہ حال میں بھٹکتے کبھی ماضی میں کھو جاتے اور سوچتے۔ سلیم کو پانے کے لیے انہوں نے
کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ منتیں مانی تھیں۔ فریادیں کی تھیں ــــ دعائیں کی تھیں ــــ وہ بے اختیار
ہو کر چیخ اٹھتے "شیخو ــــ ہم نے تو تمہیں خدا سے مانگ مانگ کر لیا تھا۔ جاؤ اور جا کر راجپوتانے
کی ریت کے ان بے زبان ذروں سے پوچھو ہماری محبت کا احوال جن پر ہم ننگے پاؤں چل کر
اجمیر تمہاری منت پوری کرنے پہنچے تھے۔ اجمیر کے ان خاموش پتھروں سے پوچھو ہماری ناصیہ
فرسائی کا حال ــــ رات رات بھر ہم نے کس عجز و عاجزی سے ماتھا رگڑا تھا ان پر خواجہ اجمیری
کی درگاہ کے گنبدوں اور میناروں سے پوچھو ہماری محبتوں کا احوال جہاں ہماری آہ فریاد اب
بھی گونج رہی ہے۔ ہم نے منتیں مان مان کر تمہیں خدا سے کیا اسی دن کے لیے پایا تھا؟ آہ ــــ
تم نے یہ کیا کر دیا شیخو ــــ ہم نے تو فتح پور سیکری کا پورا شہر ہی تمہاری پیدائش کی خوشی میں
بسایا تھا ــــ شیخو ــــ تم نے بھلا دیا ــــ سب کچھ بھلا دیا ــــ ہمارے سینے میں تنفر کے
زہر میں بجھا تیر بھونک دیا ــــ کاش یہ سب سننے اور دیکھنے سے پہلے ہم مر چکے ہوتے ــــ
مر چکے ہوتے ــــ"

اس وقت وہ شہنشاہ نہیں تھے جن کی ہیبت سے در و دیوار لرزا اٹھتے تھے۔

اکبر اعظم بھی نہیں تھے۔ جن کا نام ہی دشمنوں کے دل سینوں میں دہلا دیتا تھا۔

اس وقت

وہ

صرف

اور

صرف

اک باپ تھے۔

بیٹے کو ٹوٹ کر چاہنے والے باپ۔

اس کی خوشیوں کی خاطر چین وسکون تج دینے والے

اس کی ایک خواہش پر ہزاروں خواہشیں قربان کر دینے والے۔

اس کی ذراسی تکلیف پر تڑپ اٹھنے والے۔

اسے پریشانیوں سے بچانے کی خاطر پریشانی کے لیے اپنا دامن وا کر دینے والے۔

اس کی مسکراہٹوں سے زندگی کو تروتازہ پانے والے۔

اس کے غم کو اپنے سینے کا ناسور بنا لینے والے۔

اس کی زندگی کے لمحے لمحے کی خیر خدا سے چاہنے والے ——

باپ اور صرف باپ

جس کے دل و دماغ میں سوائے اولاد کی خیر و عافیت، بہتری، فلاح اور خوشحالی کے
اور کچھ نہیں ہوتا ——

اس باپ کو چوٹ لگی تھی۔ اس باپ کا سینہ فگار ہوا تھا۔ اس باپ کی کمر بہت
ٹوٹی تھی —— اس باپ نے ذہنی وروحانی دھچکہ کھایا تھا —— اس باپ کے خلاف
بیٹا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس باپ سے اس نے حق مانگنے کی بجائے حق چھینا تھا —— بزور شمشیر وہ

سب کچھ پانا چاہا تھا جو اس کا اپنا ہی تھا —— باپ تو صرف اس کا محافظ اور رکھوالا تھا۔

رات بھر

شہنشاہ تڑپتے بلکتے رہے۔ آنکھوں کے کواڑ کھلے تھے اور کھلی آنکھوں سے وہ کبھی
ماضی کو دیکھ رہے تھے کبھی حال کو —— انہوں نے اس رات لباس شاہی بھی نہ اتارا شب
خوابی کا لباس خیمے کی دیوار کے ساتھ ہی ٹنگا رہا ——

وقت کی یہی اچھی عادت ہے کہ رکتا نہیں

گزر جاتا ہے

گزرتا چلا جاتا ہے۔

اسے تھم جانے یا رک جانے کی عادت ہوتی تو دنیا آلام کا گھر ہوتی۔

رات تھم تھم جانے کے باوجود گزر گئی ——

یہ رات شہنشاہ کے سالاروں امیروں اور عسکریوں نے ساموگڑھ کی فتح کے جشن منا کر
گزاری تھی —— ڈھول بجانے اور گانے کی آوازیں فضا کو مترنم بناتی رہی تھیں خوشگوار قہقہے
پڑتے رہے تھے، خوشیاں جی بھر کر منائی جا رہی تھیں۔

لیکن

یہی رات

شہنشاہ پر قیامت کی رات بن کر گزری تھی —— پو پھٹنے کو تھی۔ ریاست کی مسجدوں
اور میدان میں فوجیوں کے خیموں میں سے جو خیمہ لشکریوں کے لیے مسجد کے طور پر استعمال ہوتا
تھا اور جس میں عالم دین رکن الدین ٹھہرا ہوا تھا سے اذان کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔
اور لشکری جو خیموں کے اندر باہر رات بھر کے جشن کی تکان اتارنے کو بے سدھ پڑے تھے
اذان کی آواز پر اٹھنے لگے —— خاصی ہلچل مچ رہی تھی۔ اس وقت شہنشاہ نے پشت مسہری
سے لگائی اور کچھ دیر کے لیے ان کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

چوبدار نے جب صبح ہونے کا اعلان کیا اور دور دور سے گجر بول اٹھے تب بھی شہنشاہ کی آنکھ نہیں کھلی۔ رات بھر کی پریشانی اور تھکان نے گھڑی بھر کو آسودگی کے حوالے کر دیا تھا۔

لیکن

شہنشاہ جلد ہی بیدار ہو گئے ـــــ رات بھر کی سوچوں نے ایک بار پھر یلغار کر دی۔ دکھ کے تیر سینے میں اتر گئے۔

لیکن

اب دن نکل آیا تھا۔ شہنشاہ کو ساموگڑھ کے متعلق ہدایات دینا تھیں۔ سالار نصرت خان اور تقی خان کی ذمہ داریوں سے انہیں آگاہ کرنا تھا۔ اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس نئی صورت حال سے نپٹنے کے لیے ابوالفضل سے مشورہ کر کے لائحہ عمل تیار کرنا تھا۔

شہنشاہ رات بھر دکھ اور اذیت سے نبرد آزما رہ کر اب اپنے آپ کو سنبھال چکے تھے۔ ملک کافور کو بلا کر انہوں نے غسل کے لیے پانی طلب کیا۔ توشہ خانے سے ناشتہ بھجوانے کی بھی اجازت دی۔

وہ کچھ دیر کے بعد لباس تبدیل کر کے معمول کے مطابق کمرۂ ملاقات میں آ گئے۔ ایک دکھی باپ شہنشاہیت کے خول کے اندر چھپ چکا تھا۔ اب شہنشاہ اکبر اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ اپنی ساری ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر مملکت کے امور سر انجام دینے کو تیار ہو گئے تھے۔ چہرے پر کچھ دھند سی ابھی تک چھائی تھی۔ آنکھوں میں دکھ کے سائے بھی رینگ رہے تھے۔ لیکن بظاہر وہ ہر قسم کی جذباتی کمزوری پر قابو پا چکے تھے۔

دونوں سالاروں سے ملاقات کے بعد انہوں نے ان کی ذمہ داریوں کے متعلق انہیں بتایا۔ ساموگڑھ کے انتظامات اور پوری ریاست میں امن و امان کی بحالی ان کے ذمہ تھی۔ قلعے اور شاہی محل سے قبضہ میں آنے والے خزانے کی آگرہ کو ترسیل بھی ان کے ذمہ ڈالی گئی۔ دوسرے امور کے لیے بھی ان کے ماتحت افسروں کی ذمہ داریاں انہیں بتا دی گئیں

ان کے جانے کے بعد شہنشاہ نے ابوالفضل کو بلا بھیجا جو تھوڑی ہی دیر بعد حاضر خدمت ہو گیا ـــــ اور فرشی سلام کر کے شاہ کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"ظلِ سبحانی نے یاد فرمایا۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے بولا۔

"ہاں ـــــ" شہنشاہ نے اک گہری سانس لے کر کہا۔

"فرمایئے"

"ابوالفضل ـــــ"

"جی"

"سالار اعظم ـــــ"

"حکم ظلِ سبحانی"

"ہم ـــــ جو کچھ تم سے کہنا چاہتے ہیں ـــــ سمجھ نہیں آ رہا کیسے کہیں ـــــ"

"خانہ زاد قربان ـــــ طبیعت عالی ٹھیک تو ہے؟"

ابوالفضل نے اک نظر شاہ کی طرف دیکھا۔ جن کی آواز کی کمزوری کو بھانپ کر اس کا دل ہول کھا گیا تھا۔ چہرہ دیکھا تو کچھ ویران ویران سا لگا۔ اسی لیے جلدی سے احوال پرسی کی ـــ اور جواب کا منتظر رہا ـــ جب کئی لمحے بھی جواب نہ ملا تو جاں نثاری کے انداز میں بولا "نصیب دشمناں ـــ خیریت تو ہے ـــ طبیعت تو اچھی ہے نا ـــ"

شہنشاہ اک بے کیف سی مسکراہٹ لبوں پہ لاتے ہوئے "ہم سمجھ نہیں پا رہے ابوالفضل کہ تم سے کیسے کہیں ـــ"

"کیا بات ہے عالم پناہ۔ ارشاد فرمایئے غلام حاضر ہے"

"ہمارے دل پہ بہت گہری چوٹ لگی ہے ـــ بوڑھا اکبر یہ صدمہ جھیل نہ پائے تو بڑی بات نہ ہو گی"

ابوالفضل سر تا پا کانپ گیا۔ پھر حیرت زدہ سی نظروں سے شہنشاہ کو دیکھتے ہوئے بولا!

"میں کچھ سمجھا نہیں سرکار —"

"ہونہہ —" شہنشاہ کے نتھنوں سے آواز نکلی۔

"ظلِ سبحانی —"

"ابوالفضل"

"جی"

"مابدولت کو غیروں سے شکایت تھی۔ اب اپنوں نے بھی اعتماد چور چور کر ڈالا۔"

"عالم پناہ — کیا ہوا —"

"جو نہیں ہونا چاہیے تھا، جس کے ہونے کا ہم نے وہم و گمان میں بھی نہیں کیا تھا وہ ہو گیا"

"عالی جاہ —"

"ہاں ابوالفضل بیٹے نے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا ہے"

"نہیں —" ابوالفضل کے منہ سے بے اختیاری کے عالم میں نکلا — اور بلا ارادہ ہی اس کے قدم آگے اٹھ گئے — وہ شاہ کے قریب آکر بولا "نہیں عالم پناہ —"

"یہ حقیقت ہے۔ دلاور خان خسرو خان اور شمشیر ملک یہی خبر لے کر آئے تھے"

"کیا؛ کیا شہزادۂ عالم نے —"

"ہاں شہزادۂ عالم نے۔ ہمارے بیٹے نے — شیخو نے — ہمارے سلیم نے تخت حاصل کرنے کے لیے خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے"

"یہ — یہ انہونی سی بات ہے —"

"ان ہونی بعض اوقات ہو جاتی ہے"

"لیکن —"

"یہ وقت بحث میں ضائع کرنے کا نہیں ابوالفضل — شہزادہ نور الدین جہانگیر کے

نام سے تاجدار ہند ہونے کا اعلان کر چکا ہے اور راجہ نرسنگھ دیو اس کی فوجوں کی قیادت کرتے دلی اور آگرہ کی طرف بڑھ رہا ہے"

"وہ انسان نہیں شیطان ہے۔ یقیناً اسی نے شہزادے کو بہکایا ہے۔ مجھے تو راجہ مان سنگھ پر بھی کبھی اعتماد نہ تھا — یہ دونوں شہزادۂ عالم —"

"شہزادہ بچہ نہیں ابوالفضل" شہنشاہ نے گرجدار آواز میں اس کی بات کاٹی۔

"جی سرکار —"

شہنشاہ نے مختصراً ابوالفضل کو جاسوسوں کی لائی ہوئی معلومات بہم پہنچائیں، مہریں اور فرمان دکھائے — ابوالفضل ششدر سا رہ گیا — لیکن شہزادے سے کہیں زیادہ وہ راجہ مان سنگھ اور راجہ نرسنگھ دیو کو کوسنے لگا۔ بلند بخت بھی ان کا ساتھی تھا۔ وہ سب کے متعلق اشارۃً کنایتاً پہلے بھی کبھی کبھار کہتا رہتا تھا۔ لیکن شہنشاہ نے ان ہندو راجوں پر کبھی شک نہیں کیا تھا —

شہنشاہ اب بھی مورد الزام صرف اور صرف شہزادے کو ٹھہرا رہے تھے — جس نے باپ کے سینے میں اس بے رحمی سے خنجر اتارا تھا —

"تشویش کی کوئی بات نہیں عالم پناہ — بغاوت فرو کرنے کو ہمارے دلی اور آگرہ میں مقیم سپاہی ہی کافی ہیں —"

"نہیں —"

"ارشاد"

"ہم خود وہاں پہنچیں گے"

"آپ ظلِ الٰہی؟"

"ہاں —"

"آپ کے جانثاروں کی کمی نہیں ہم اپنی جانیں آپ پر نچھاور کرنے کو ہمہ وقت تیار ہیں"

"ہم جانتے ہیں — لیکن اس وقت تمہارا یہاں رہنا بہت ضروری ہے — جب تک سامو گڑھ پر قبضے کا پورا اطمینان نہیں ہو جاتا انتظام و انصرام کر کے امن و امان قائم نہیں ہو جاتا تم آدھی فوج کے ہمراہ یہیں رہو گے۔ آدھی فوج ہمارے ساتھ کوچ کرے گی۔"

"جو حکم عالی —"

"سفر کی تیاری کی جائے —"

"اسی وقت۔"

"ہاں — ہم مزید وقت ضائع نہیں کر سکتے۔"

"ٹھیک ہے۔"

پھر شہنشاہ نے جن دستوں کو ہمرکابی کا فخر بخشنا تھا ان کے متعلق احکامات دیئے جن جن عسکریوں کے ساتھ کی ضرورت تھی ان کے متعلق بھی بتایا۔ جتنا اسلحہ اور گھوڑے ہاتھی ساتھ جانا تھے ان کی تفصیل بھی طے کی —

شہنشاہ آج ہی کوچ کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے فوری تیاری کا حکم دیا۔ ابوالفضل سے یہ بھی کہہ دیا کہ شیخو کی بغاوت کی خبر مستور رہے۔ کسی کے کانوں میں بھنک بھی نہ پڑے۔

"ایسا ہی ہوگا عالم پناہ۔"

"اور ان مخبروں کے جانے کا بھی بندوبست کیا جائے۔ یہ بھی ہمارے ہی ساتھ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"خبر اڑنے نہ پائے۔"

"بالکل سرکار — ایسا ہی ہوگا۔ شاہی کوچ کے متعلق سب سے یہی کہا جائے گا کہ شہنشاہ سامو گڑھ کی طرف سے مطمئن ہو کر جا رہے ہیں۔ آگرہ میں جشن منانے کی تیاریاں ہو چکی ہیں۔ اس لیے شہنشاہ کی واپسی بہت ضروری تھی۔"

شہنشاہ کو یوں لگا جیسے کسی نے دکھتی رگ پر نمک چھڑک دیا ہو — "جشن — ہونہہ —"

پھر وہ بڑے طنز سے ہنسے —

ابوالفضل نے سر جھکا لیا —

شہنشاہ نے خود ہی اسے جانے کی اجازت دی — شاید وہ اپنی کوئی کمزوری اس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔

محلسرا کے ایک عقبی کمرے میں مہرتاج شمعدان میں مشعلیں روشن کر کے لگا رہی تھی۔ شام کے دھندلکے اترنے سے پہلے اس نے شہنشاہ عالم کی خواب گاہ میں فانوس روشن کرنا تھے۔ یہ مہارانی کا حکم تھا ــــ شہنشاہ محل میں موجود ہوں یا نہ ہوں ان کی خواب گاہ ہر رات روشن رہا کرتی تھی ــــ اور روشنی بکھیرنے کا انتظام مہرتاج کے ہاتھ میں تھا۔ محل کی باقی خوابگاہوں کو روشن کرنے کا اہتمام دوسری کنیزیں اور خواجہ سرا کیا کرتے تھے۔ مہارانی کے محل میں اگربتیاں اور چراغ جلانے کا کام سادتری کے سپرد تھا ــــ

شمعدان چاندی کا بنا ہوا تھا۔ اس میں بہت سی شمعیں روشن کر کے رکھنے کی گنجائش تھی۔ منقش اور قیمتی پتھروں سے جگمگاتا شمعدان بے دو دو شمعیں جلانے سے بہت خوبصورت نظر آرہا تھا ــــ ایرانی ارغوانی قالین پر مہرتاج بیٹھی یہ کام کر رہی تھی ــــ شمعوں کی روشنی اس کے خوبصورت چہرے پر پڑ رہی تھی ــــ

اپنا کام کرتے ہوئے وہ سوچوں میں گم تھی ــــ اس کی حسین آنکھوں میں انکار کے بھنور تھے۔ چہرے پر ہلکی سی افسردگی تھی۔ وہ اس وقت بھی اپنے محبوب ہی کے متعلق سوچ رہی تھی۔

محبوب

جو مفرور باغی تھا۔

اور

جس کو زندہ یا مردہ گرفتار کرنے والے کو منہ مانگا انعام مل سکتا تھا۔

گو نادر خان اسے ہر ملاقات میں یہی یقین دلاتا تھا کہ وہ کچھ نہ کچھ کر گزرنے والا ہے اور کسی قسم کے خطرات اسے درپیش نہیں۔ وہ اپنی حفاظت کرنا جانتا ہے۔

لیکن

مہرتاج کے وسوسے ان یقین دہانیوں سے ختم نہیں ہو پاتے تھے۔ کوئی نہ کوئی بات اس کے علم میں ایسی آ ہی جاتی تھی جو نادر کے سر پر لٹکی خطرے کی تلوار ہوتی تھی۔

آج بھی سہ پہر اس نے کچھ شہزادوں کو جب وہ شطرنج کھیل رہے تھے نادر کے متعلق باتیں کرتے سنا تھا۔

شہزادہ معظم بیگ نے تو ہنس کر کہا تھا "نادر بڑی نادر شے ہے۔ سوچو تو ذرا شہنشاہ نے اس کی قیمت کیا مقرر فرمائی ہے۔ اسے زندہ یا مردہ گرفتار کرنے والا منہ مانگی مراد پا سکتا ہے۔ کیوں نہ ساری قوت و طاقت اسے ڈھونڈ نکالنے پر صرف کی جائے ــــ منہ مانگی مراد پا لیں گے ــــ"

اور شہزادہ اسفندیار نے چال روک کر اسے دیکھا تھا اور کہا تھا "کیا مانگنا پسند کرو گے اگر تمہیں نادر کو گرفتار کرنے کا فخر حاصل ہو جائے؟"

"کچھ بھی"

"مثلاً"

"بھئی بڑی سے بڑی چیز مانگی جا سکتی ہے"

"یعنی ــــ کچھ ذہن میں تو ہو گا تمہارے"

"لاکھوں اشرفیاں ــــ پرگنوں کی منصب داری ــــ شاہی کوچک سرا ــــ اور ــــ اور ــــ"

"اور ـــــ"

"شہزادی حسن آرا سے شادی ـــــ"

"بس ؟ ـــــ"

"تو اور ـــــ"

"تمہاری جگہ میں ہوؤں تو پتہ ہے کیا مانگوں ؟"

"کیا ؟"

باقی شہزادے بھی تجسّس سے اسفندیار کو دیکھنے لگے تھے۔ معظم بیگ بولا "بتاؤ نا۔ تمہاری اڑان کیا ہوگی ـــــ"

"بتا تو دوں ـــــ لیکن ـــــ"

"لیکن کیا ـــــ"

"کہیں شہنشاہ اعظم کے کانوں میں بھنک پڑ گئی تو دھر لیا جاؤں گا"

"یہ خدشہ تو تب ہوگا جب ہم میں سے کوئی نادر کو گرفتار کر کے حاضر خدمت کرے گا۔ ہم تو ایسے ہی قیاس آرائیاں کر رہے ہیں ـــــ بتاؤ نا تم کیا مانگنا پسند کرو گے"

"ہاں ہاں مذاق کی بات ہے بتا دو ـــــ" شہزادہ گلفام بولا ـــــ

"میں ـــــ میں مانگوں گا ـــــ آں ـــــ آں"

"ہاں ہاں ـــــ"

"میں مانگوں گا تخت و تاج ـــــ" اس نے ایکدم ہی کہا۔

"او ـــــ ہو ـــــ او ـــــ" کئی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئی تھیں۔ اسفندیار جلدی سے بولا "اور پتہ ہے یہ کس لیے"

"کس لیے ـــــ ؟"

"اس لیے کہ شہزادہ معظم کو خونی ہاتھی کے اکھاڑے میں ڈلوانے کی مجھے پوری آزادی

ہو ـــــ" اس نے قہقہہ لگایا "زندہ گرفتار ہونے والے باغیوں کو شہنشاہ یہی سزا دیتے ہیں نا"

"میری جان کے پیچھے کیوں پڑو گے" معظم بولا۔

"اس لیے کہ شطرنج میں میرا مدمقابل نہ رہے اور میں ہر بازی جیت لیا کروں"

"بزدل کہیں کے ـــــ صرف اس لیے تخت و تاج حاصل کرنے کے خواہش ہو"

"بھئی۔ یہ میری خواہش ہے تمہیں کیا ـــــ"

سب شہزادے آپس میں چھیڑ چھاڑ اور ہنسی مذاق کرنے لگے تھے۔ لیکن مہرتاج کا دل ڈوب ڈوب گیا تھا ـــــ نادر خان کی گرفتاری کا خواہاں کون نہیں تھا؛ اب بھی

وہ یہی باتیں سوچ رہی تھی۔ پریشان ہو رہی تھی۔

ایک گہری سانس چھوڑتے ہوئے اس نے آخری مشعل بھی شمعدان میں رکھی۔ وہ اٹھنے کو تھی کہ پردہ ہٹا کر سوسن اندر آگئی۔

"تم یہاں ہو" وہ آتے ہی دوزانو ہو کر شمعدان کے دوسری طرف مہرتاج کے سامنے بیٹھ گئی۔

"ہاں ـــــ"

"میں تمہیں پائیں باغ میں ڈھونڈتی پھر رہی تھی ـــــ"

"تمہیں پتہ تو ہے اس وقت میں مشعلیں جلاتی ہوں ـــــ"

"بوکھلاہٹ میں خیال ہی نہ رہا ـــــ"

"بوکھلاہٹ ؟"

مہرتاج نے اپنی سیاہ پلکوں کی جھالریں اوپر اٹھائیں۔ سامنے بیٹھی سوسن کو دیکھا۔ جس نے سوسنی رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ بالوں میں پھولوں کی کلیاں سجا رکھی تھیں۔ اور کنیزوں والے سارے زیورات پہنے ہوئے تھے۔

"مہرتاج" وہ آگے کو ہو کر سرگوشیانہ انداز میں بولی۔

"کیا بات ہے" مہرتاج نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"کچھ سنا تم نے"

"کیا؟"

"شہنشاہ اعظم واپس تشریف لا رہے ہیں ـــ"

"ساموگڑھ کی فتح کی خبر کل آچکی ہے۔"

"نہیں بھئی ـــ کوئی اور بات ہے ـــ ان کے ہمراہ آدھی فوج بھی واپس لوٹ رہی ہے"

"تو ـــ"

"کوئی خاص بات ہے ـــ"

"تم کیسے کہہ سکتی ہو"

"ایسے کہ میں شہزادی بانو بیگم کا لباس درست کر کے رکھنے ان کے کمرے میں جا رہی تھی کہ بہت سی ملی جلی آوازیں سن کر رک گئی ـــ شہزادی حسن آرا شہزادی ماہ لقا شہزادی بدرالنساء سب ہی وہاں تھیں ـــ اور بڑی رازداری کی باتیں کر رہی تھیں ـــ"

"کیا باتیں؟"

"ٹھیک سے پتہ نہیں چل سکا ـــ وہ سب بہت پریشان اور سہمی ہوئی لگ رہی تھیں۔ کسی بغاوت کی غالباً بات ہو رہی تھی ـــ"

"بغاوت"

"ہاں ـــ نام میں سُن نہیں سکی۔ لیکن ـــ بات بڑی پریشان کن اور سنجیدہ تھی۔ یا تو کوئی باغی ہوا ہے۔ یا مارا یا پکڑا گیا ہے"

مہرتاج کا دل سینے میں تھم سا گیا بے اختیار ہو کر اس نے ہاتھ منہ پر رکھ لیا ـــ

"کہیں نادر ـــ" اس کے لبوں سے صرف اتنا ہی نکلا ـــ

"نام تو میں نے سنا نہیں۔ لیکن بات تشویشناک ہے۔ ساوتری بتا رہی تھی کہ مہارانی صاحبہ پتھرائی پتھرائی سی ہیں ـــ انہوں نے دوپہر کا بھوجن بھی نہیں کیا ـــ"

"خوان تو آج شاہی دسترخوان سے بھی بھرے بھرائے اٹھ گئے تھے" مہرتاج نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کوئی تشویشناک ہی بات ہے"

"وہ کیا ہو سکتی ہے"

"پتہ نہیں۔ شہنشاہ کا چند دن پہلے ہی قاصد آیا تھا۔ ان کی واپسی کی کوئی اطلاع نہیں تھی۔ اب ایکا ایکی ـــ"

"ہاں ـــ یہ بات تو ہے"

"میں تمہارے پاس آئی تھی کہ شاید تمہیں کچھ معلوم ہو ـــ"

"مجھے کیسے معلوم ہوتا ـــ"

"تم تو ہر وقت شہزادوں شہزادیوں اور بیگمات کے ساتھ رہتی ہو ـــ"

"میں نے غور نہیں کیا تھا۔ لیکن اب ـــ"

"کیا؟"

"واقعی آج بیگمات کچھ چپ چپ تھیں ـــ اور شام شہزادیاں پائیں باغوں میں بھی نہیں اتریں ـــ"

"ہوئی نا پھر کوئی بات ـــ"

"ہاں اب سوچوں تو لگتا ہے کہ واقعی کچھ ہوا ہے ـــ"

"ہوں"

"سوسن"

"میرا تو دل ہول رہا ہے۔"

"کیوں"

"کہیں نادر؟"

"پگلی ___ نادر کو کسی حالت میں گرفتار کیا گیا ہوتا تو محلسراؤں میں خوشیوں کے شادیانے بج رہے ہوتے ___ نادر کی بات نہیں ___"

"یہ ___ یہ تم نے ٹھیک کہا سوسن ___ کوئی اور ہی بات ہوئی ہے۔"

دونوں باتیں کرنے لگیں ___ قیاس آرائیاں اور مفروضے ہی تھے اصل بات کیا تھی دونوں اس تک نہ پہنچ سکیں۔

"اچھا میں چلوں" سوسن اُٹھتے ہوئے بولی۔

"میں بھی فانوس روشن کرنے جا رہی ہوں۔"

"تو چلو ___ شمعیں تو جلالی ہیں ___"

"ہاں"

"آؤ"

مہر تاج نے دوپٹہ درست کیا۔ پشواز ٹھیک کی۔ پھر جھک کر شمعدان اٹھایا اور احتیاط سے ہاتھوں پر شمعدان اٹھائے قدم اٹھایا۔

سوسن پہلے کمرے سے نکلی اور دائیں ہاتھ کی راہداریوں کی طرف مڑ گئی۔ دو خواجہ سرا سامنے سے آ رہے تھے وہ رک کر ان سے باتیں کرنے لگی۔

مہر تاج سہج سہج قدم رکھتی برآمدوں سے ہوتی شہ نشین کی طرف آئی اور ادھر ہی سے شہنشاہ کی خواب گاہ کی طرف چل دی۔ جہاں اس نے فانوس روشن کرنا تھے۔

وہ ابھی بیرونی راہداری ہی میں تھی کہ اس نے چند کنیزوں کو محرابی دروں تلے کھڑے کھسر پھسر کرتے دیکھا۔ ان میں لالہ رخ بھی تھی۔ زرنگار بھی ہندو باندیاں بھی تھیں۔

اور فیروز بخت خواجہ سرا بھی تھا۔

مہر تاج کے قدم آپوں آپ ان کی طرف اٹھ گئے۔

"کیا بات ہے" اس نے ان کے قریب جاتے ہوئے پوچھا۔

سب نے ایک دوسری کی طرف دیکھا ___ فیروز بخت گال پر انگلی رکھتے ہوئے بولا

"آئے ہائے تمہیں کچھ پتہ ہی نہیں ___"

"نہیں ___ مجھے کچھ پتہ نہیں۔ تم سب لوگ پریشان کیوں ہو ___ کوئی خاص بات ہے"

مہر تاج نے ان جان بنتے ہوئے کہا۔

"شہنشاہ اعظم واپس آ رہے ہیں" لالہ رخ نے کہا۔

"کب؟"

"اسی ہفتے وہ آگرہ پہنچ جائیں گے۔"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے ___ ساموگڑھ فتح ہو چکا ہے بغاوت کچل دی گئی ہے۔"

"ایک اور بغاوت جو ہو گئی ہے ___"

"بغاوت؟"

"ہاں ہاں"

"کس سر پھرے نے کی"

"ہائے ہائے ایسے تو نہ کہو"

"کیوں ___"

"بغاوت ___ شہزادۂ عالم نے کی ہے۔"

"کیا" مہر تاج کے ہاتھوں میں شمعدان لرز گیا۔ اس کا رنگ فق ہو گیا اور آنکھیں پھٹ جانے کی حد تک کھل گئیں۔ دل یوں لگا جیسے رک گیا ہو۔

"ہاں مہرتاج —— یہ بات سرسوتی نے بتائی ہے"

"نہیں میں اس بات کی صحت سے انکار کرتی ہوں۔ ایسا نہیں ہو سکتا —— یہ انہونی بات ہے کیا تم سب نے اس بات پر یقین کر لیا ہے ——"

"یقین کرنے کی گنجائش ہی نہیں بی بی" فیروز بخت بولا" سارے امیران سلطنت دیوانِ خاص میں ایسے ہی اکٹھے نہیں ہوئے —— راجہ ٹوڈرمل اور عزیز کوکلتاش دو تین بار مہارانی صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں چند گھنٹوں میں —— اندر ہی اندر ہلچل مچی ہوئی ہے۔ خان خاناں عبدالرحیم خان نے امیران کا فوری اجلاس طلب کیا ہے —— یہ سب کس لیے ہے"

"ہم تم رموزِ سلطنت کیا جانیں فیروز بخت —— کوئی اور بات ہو گی۔ شہنشاہ جو آ رہے ہیں ان کے لیے اجلاس بلایا گیا ہو گا —— تم لوگ بے پر کی نہ اڑاؤ ——"

"یہ بے پر کی نہیں ——"

"اگر نہیں بھی —— تب بھی یوں جمگھٹے بنا کر تبصرے مت کرو۔ تم لوگ اپنی حیثیت جانتے نہیں کیا۔؟"

"ہم تو پریشان ہو گئے تھے اس لیے آپس میں باتیں کر رہے تھے"

"ہائے ہائے شہزادۂ عالم کو کیا سوجھی"

"اسی لیے اپنی رانیوں بیگموں اور بچوں کو پہلے ہی الٰہ آباد بھجوا دیا تھا ——"

"اور سنا ہے شاہی خزانے سے خطیر رقم بھی نکلوالی تھی ——"

"ایک دن کے لیے یہاں آئے تو کیسے اکھڑے اکھڑے تھے۔ زرنگار کو بھی منہ نہیں لگایا تھا"

"کم بختو ——" مہرتاج نے سرزنشی لہجے میں کہا" تمھاری زبانیں گدی سے کھینچی جائیں گی تب ہی چپ ہوں گی —— اور فیروز بخت تمھارے پیٹ میں تو کوئی بات پچتی ہی نہیں

جاؤ اپنا کام کرو۔ مت بے سروپا باتیں منہ سے نکالا کرو —— اور تم سب بھی —— کیا ضرورت ہے اس طرح سر جوڑ کر باتیں کرنے کی"

"ہائے ہائے تمھارا دل تو پتھر ہے شاید —— اتنی بری خبر سن کر بھی ایسی باتیں کر رہی ہو"

"میں اپنی حیثیت اور مرتبہ جانتی ہوں۔ تم لوگ بھی جاننے کی کوشش کرو۔ چپ ہو جاؤ۔ اور اس بات کو سینوں میں اتار لو۔ جو ہو گا جب ہو گا سب دیکھ لیں گے —— میرا مشورہ یہی ہے آگے تم مانو نہ مانو ——"

مہرتاج نے جانے کو قدم اٹھایا تو ساوتری اور لالہ رخ بولیں" واقعی مہرتاج ٹھیک کہتی ہے چلو اپنی اپنی راہ لو ——"

جب مہرتاج خواب گاہ میں داخل ہوئی تب وہ سب ادھر ادھر منتشر ہو گئی تھیں۔ مہرتاج ہاتھوں میں شمعدان لیے آگے بڑھی شمعدان اس نے درمیانی تپائی پر رکھ دیا اور خود قالین پر بیٹھ کر سر ہاتھوں پر گرا دیا سا سے اپنا دماغ ماؤف ہوتا لگ رہا تھا۔

کیا واقعی شہزادۂ عالم باغی ہو گئے؟

یہ بات کیا واقعی سچ ہے؟

اگر سچ ہے تو یہ سچائی کتنی بھیانک اور اذیت ناک ہے۔

شہنشاہ کے خلاف تو بغاوتیں ہوتی ہی ہیں۔ لیکن اک باپ کے خلاف بیٹے کی بغاوت۔ باپ بھی وہ جو بیٹے کو اپنی ہمت و قوت قرار دیتا ہے۔ جو اسے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین سمجھتا ہے؟

اُف —— خداوندا ——

مہرتاج نے گھبرا کر سر اٹھایا۔ خوابگاہ میں اندھیرا اتر رہا تھا —— اس نے اسے روشن کرنا تھا روشن رکھنا تھا۔ وہ اٹھی اور فانوس جلانے لگی۔

سارا دن زوروں کی بارش ہوئی تھی۔ لیکن اب مطلع صاف تھا۔ آسمان دُھل کر نکھر آیا تھا اور ستارے اس وقت جھلملاہٹیں بکھیر رہے تھے۔ چاندنی کا فسوں فضا میں گھل گیا تھا۔ مٹی کی سوندھی سوندھی مہک ہوائیں ادھر ادھر بکھیرتی پھر رہی تھیں ـــــ حبس اور گھٹن جو بارش بند ہونے کے بعد تھی اب بالکل نہیں تھی۔ ہوائیں جب آموں سے لدے پیڑوں سے چھو کر گزرتیں تو ماحول میں خوشبودار چاشنی سی گھل جاتی۔ کوئل کی کوک اور پپیہے کی پی کہاں کی رٹ دلوں میں گداز پیدا کر دیتی۔ ماحول اور فضا بڑی رومانوی ہو جاتی۔

مہر تاج موسم اور ماحول سے بے نیاز محتاط قدم اٹھاتی اس ریتلے ٹیلوں والے میدان کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جہاں نادر اس کے انتظار میں پل پل دھکیل رہا تھا۔ اب وہ جمنا کنارے کی بجائے اس میدان میں ملا کرتے تھے۔ جمنا کنارے عسکریوں کا گزرا اور پہریداروں کی آمد ورفت اب خاصی ہونے لگی تھی۔ اسی لیے انہوں نے یہ جگہ بدل لی تھی اور قلعے کے عقبی میدان میں جہاں ان گنت چٹانیں اور ریتلے ٹیلے تھے ملاقات کے لیے جگہ منتخب کی تھی۔ اس طرف کسی کے آنے کا خدشہ تھا نہ خطرہ۔ گو مہر تاج کو اب دور کا چکر لگا کر آنا پڑتا تھا۔ لیکن محبوب کی خاطر یہ سب گوارہ تھا ـــــ یہاں وہ سکون اور نسبتاً آسودگی سے ملن کی گھڑیاں گزار سکتے تھے۔

مہر تاج نے اپنا وجود ریشمی سرمئی چادر میں لپیٹ رکھا تھا۔ جگہ جگہ گڑھے تھے جن میں بارش کا پانی کھڑا تھا۔ وہ اپنے لباس کو پانی اور کیچڑ سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے سنبھل سنبھل کر چل رہی تھی۔ لیکن پھر بھی کبھی کبھی پانی پاؤں میں پڑ جاتا کہیں ریتلی مٹی میں دھنس جاتا۔ اس کے پائنچے پانی اور مٹی میں لتھڑ گئے تھے اور جوتے بھی کیچڑ آلود ہو گئے تھے۔ اور جب وہ گھنے درختوں تلے سے گزری تھی تو پتوں اور شاخوں سے بوند بوند گرتا پانی اس کی چادر کو بھی بھگو گیا تھا ـــــ

"مہر تاج،" نادر نے اس کے بھیگے لباس کی نمی کو محسوس کرتے ہوئے کہا "بارش تو بند ہو چکی۔ تم بھیگ کیسے گئیں۔ چادر اتار دو ـــــ بہت گیلی ہو رہی ہے ـــــ"

مہر تاج نے لمبی چوڑی سرمئی چادر اتار کر ریت کے ٹیلے پر پھیلا دی "واقعی۔ یہ تو اتنی گیلی ہو گئی ہے جیسے بارش پڑی ہو اس پر ـــــ درختوں تلے سے گزری ہوں نا۔ پتوں سے پانی ابھی تک ٹپک رہا ہے ـــــ"

"موسم اچھا ہے نا۔ بھیگنے میں بھی ایک لطف ہے ـــــ سردی ہوتی تو اس طرح بھیگ کر بیمار بھی پڑ سکتی تھیں ـــــ"

"برسات کا موسم ایسے ہی ہوتا ہے"

"بڑا حسین اور بڑا دلنواز ـــــ"

"شاید ـــــ"

دونوں ایک چھوٹی سی پتھریلی چٹان کی گود میں بیٹھ گئے۔

"آج دن بھر اتنے زوروں کی بارش ہوئی" نادر بولا "میں تو پریشان ہو رہا تھا"

"کیوں"

"ڈر رہا تھا کہ پانی اسی طرح پڑتا رہا تو تم آ نہ سکو گی"

"پانی پڑ رہا ہوتا تب بھی میں آ جاتی نادر ـــــ"

”سچ“

”ہاں — وعدہ جو تھا — اور پھر — آج تو میں نے ضرور ہی آنا تھا۔ تم سے ایک بہت بڑی بات کہنا تھی —“

”بہت بڑی بات“

”ہاں نادر —“

”وہ کیا“

”نادر —“

”ہوں“

”شاید تمھیں بھی سن کر افسوس ہوگا“

”کس بات کا مہرو — کوئی افسوسناک بات بتانے جا رہی مجھے“

”ہاں“

”بتاؤ“

”نادر۔ آج محلسرا میں یہ خبر پھیلی ہوئی ہے کہ شہزادۂ عالم نے بغاوت کر دی“

”اوہ —“

”کتنی بُری اور افسوسناک خبر ہے“

”تو یہ خبر — صحیح ہے“

”ہاں —“

”کئی روز پہلے میرے مخبروں نے یہ خبر مجھ تک پہنچائی تھی —“

”تو۔ تو تم جانتے تھے —“

”جانتا تھا۔ لیکن خبر مستند نہیں تھی۔ میں اس کی صحت کے بارے میں انتظار کر رہا ابھی تک میرے آدمی سند یافتہ خبر نہیں لا سکے تھے۔ برسات کی وجہ سے ندی نالے اد

چڑھے ہوئے تھے نا۔ شاید اس لیے وہ مجھ تک ابھی تک پہنچ نہیں سکے — تو۔ یہ خبر“

”ہاں نادر — یہ خبر درست ہے — اور یہ بھی صحیح ہے کہ شہنشاہ عالم سامو گڑھ سے واپس آ رہے ہیں — ان کے ہمرکاب آدھی فوج بھی ہے —“

”اچھا —“

”ہاں نادر — محلسراؤں میں بڑی بے چین سی ہلچل ہے۔ مہارانی جی کی پریشانی دیکھی نہیں جاتی۔ فتح پور سیکری سے مادر ملکہ حمیدہ بانو اور سلطان سلیمہ بیگم تشریف لے آئی ہیں۔ سب گم صم ہیں شہزادے شہزادیاں ہراساں ہیں —“

”شہزادے نے بالآخر علم بغاوت بلند کر ہی دیا —“

”انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا — ایکا ایکی کیا سوجھی —“

”ایکا ایکی نہیں مہر تاج۔ شہزادے کے تیور دو تین سالوں سے بگڑے ہوئے تھے۔ اندر ہی اندر سازشوں کے جال پھیل رہے تھے۔ شہزادہ تخت و تاج حاصل کرنے کے لیے سرگرداں تھا“

”کیا واقعی —“

”ہاں — ان کی پشت پر ہندو راجے ہیں۔ جو انہیں اکساتے رہتے تھے۔ سردار بلند بخت بھی شہنشاہ سے انتقام لینے کی خاطر شہزادے کو ورغلا رہا تھا۔ یہ مواد اک عرصے سے پک رہا تھا۔ آخر پھٹ کر بہہ نکلا —“

”اب کیا ہوگا —“

”یہ تو وقت ہی بتائے گا — لیکن ایک بات ہے؟“

”کیا؟“

”شہنشاہ اس بغاوت کو کچل ڈالیں گے — ان میں اب بھی اتنی ہمت ہے۔ سامو گڑھ کا قلعہ ناقابل تسخیر تصور کیا جاتا تھا۔ لیکن شہنشاہ نے کس آسانی سے فتح کر لیا —“

”شہزادے نے اچھا نہیں کیا نادر ــــ“

”اچھا تو نہیں کیا ــ لیکن ــــ“

”کیا؟“

”شہنشاہ کی واپسی میں دیر ہو سکتی ہے۔ یہ دیر باغیوں کو قدم جمانے میں مدد دے گی۔“

”وہ چند دنوں میں واپس پہنچنے والے ہیں ــــ“

”برسات کی وجہ سے راستے دشوار گزار ہیں ــ دریاؤں میں باڑھ آئی ہوئی ہے۔ ندی نالے اچھل اچھل کر کناروں سے باہر آ رہے ہیں۔ ایسے موسم میں فوجوں کے ہمراہ واپسی اتنی آسان نہیں ــــ“

”لیکن یہ مستند خبر ہے۔ کہ وہ چند دنوں میں آگرے پہنچ جائیں گے۔“

”ایسا ہونا ممکن تو نظر نہیں آتا۔ اگر وہ آگئے تو بڑی حیران کن بات ہوگی۔“

”نادر ــــ“

”ہوں“

”شہنشاہ عالم کو کتنا گہرا صدمہ پہنچا ہے۔ میں نے تو سنا ہے وہ یہ خبر سن کر غش کر گئے تھے ــــ“

”ممکن ہے“

”انہیں تو تمہارے باغی ہونے سے اتنا صدمہ پہنچا تھا یہ تو جان سے زیادہ عزیز بیٹے نے بغاوت کر دی ہے۔ اس بیٹے نے جس کے لیے وہ اک مستحکم اور مضبوط سلطنت بنانے کے لیے اس عمر میں بھی جان جوکھوں میں ڈال دیتے ہیں ــ کتنے دکھ اور افسوس کی بات ہے“

”ہاں“

مہرتاج اس خبر سے بری طرح متاثر تھی۔ اس کی ساری ہمدردیاں شاہ کے ساتھ تھیں۔

باتوں کے دوران اس نے کئی بار شہزادے کو برا بھلا بھی کہا اور کوسا بھی ــ نادر گو اس بات سے آگاہ تھا ــ لیکن مستند اطلاع نہ تھی۔ اب مہرتاج کی زبانی پوری روئیداد سنی تو سوچوں کے دریچے وا ہو گئے ــ نئی صورتحال سے نپٹنے کے لیے اس کے ذہن میں لپک جھپک کئی باتیں آئیں۔

”نادر ــ“ مہرتاج نے کافی دیر اسی موضوع پر بولنے کے بعد اس کی طرف دیکھا جو سر جھکائے سوچوں میں گم تھا۔

”کیا سوچ رہے ہو“

”ہوں“

”کس سوچ میں ہو“

”کچھ نہیں ــــ“

”سوچ بھی رہے ہو اور کہتے ہو کچھ نہیں۔ نادر مجھ سے کچھ مخفی رکھنے کی کوشش نہ کیا کرو۔“

نادر نے مسکرا کر اس کی کمر کے گرد بازو لے جاتے ہوئے کہا ”میں اور تم سے کچھ مخفی رکھوں۔ میں تو آئینے کی طرح تم پر آشکار ہوں مہرتاج ــــ سوچ رہا ہوں کہ اب مجھے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے ــ شہنشاہ واپس آ رہے ہیں۔ شہزادے نے بغاوت کر دی ہے۔ اس بغاوت کو فرو کرنے ہی کے لیے شہنشاہ واپس آ رہے ہیں نا ــــ“

”ہاں“

”اور ــــ“

”کیا“

”فی الحال کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ شہنشاہ اور شہزادے کے ٹکراؤ کا کیا انجام ہوگا“

”یقین تو یہی ہے۔ کہ شہنشاہ کے سامنے یہ بغاوت ٹھہر نہ سکے گی“

”شہزادے کی طاقت کا ابھی اندازہ بھی تو نہیں۔ یقیناً اس کی پشت پناہی بھی طاقتور

سردار اور راجے مہاراجے کر رہے ہوں گے ـــ بغاوت کرنے سے پہلے شہزادے نے اتنی طاقت اور قوت تو حاصل کرلی ہوگی ـــ کہ شہنشاہ سے ٹکرایا جا سکے ـــ"

"ہاں ـــ یہ بات بھی سوچنے کی ہے"

"میں سوچ رہا تھا"

"کیا"

"کہ اپنے سارے آدمیوں کو جمع کرکے ـــ پر ـــ خیر چھوڑو ـــ"

"کیا کہنا چاہتے ہو"

"کچھ نہیں"

"نادر ـــ بتاؤ نا ـــ"

"سوچ رہا تھا شہزادے کا ساتھ دوں۔ اپنی ساری سپاہ کو جمع کرکے اس کے علم تلے آجاؤں ـــ"

"تم ـــ تم باغی شہزادے کا ساتھ دینے کا سوچ رہے ہو"

"کیوں ـــ کیا ہرج ہے؟"

"نادر!!"

"دیکھو مہرتاج ـــ شہنشاہ کے عتاب سے بچنے کا یہی ایک راستہ ہے"

مہرتاج چپ ہوگئی ـــ اس کے ذہن میں اتھل پتھل ہو رہی تھی۔ وہ ڈھنگ سے کوئی بات سوچ نہ سکتی تھی ـــ شہنشاہ سے اسے دلی انس تھا۔ اس کی ساری ہمدردیاں اور خلوص بھری عقیدت شہنشاہ کے ساتھ تھی۔ وہ تو اکثر نادر کو بھی یہی ترغیب دیا کرتی تھی۔ کہ وہ شہنشاہ کے حضور حاضر ہوکر ان سے اپنے کیے کی معافی مانگ لے۔

لیکن

نادر کی سوچوں کے زاویے کسی اور رخ تھے ـــ وہ باغی تھا ـــ اور اس کے سر کی قیمت

مقرر ہو چکی تھی ـــ شہنشاہ نے ہر باغی کی سزا موت مقرر کی ہوئی تھی۔ اور نادر کے معاملے میں ایک اور بھی ترغیب لوگوں کو دی تھی کہ اسے زندہ یا مردہ گرفتار کرنے والے کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔

نادر ایک عرصے سے بھگوڑوں کی زندگی گزار رہا تھا ـــ اس کے سپاہی ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ گو کچھ جاں نثاروں نے اس کا ساتھ دینے کو اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھی ہوئی تھیں۔ لیکن اب وہ اس زندگی سے تنگ آچکا تھا۔ وہ تو مہرتاج تھی جس کی خاطر وہ اب تک اس حال میں بھی گزر بسر کر رہا تھا۔ لیکن تا بہ کے۔ آخر اسے ان جھمیلوں سے نکلنا تھا۔ خوف و خدشے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے ـــ ان سے رہائی کی صورت نظر نہ آتی تھی۔

لیکن

اب

اسے اُمید کی کرن نظر آئی تھی ـــ شہزادے سے اپنی وفاداریاں استوار کرکے وہ ان جھمیلوں سے نکل سکتا تھا ـــ

اور

جب سے اس نے مہرتاج سے شہزادے کی بغاوت کی خبر سنی تھی، وہ یہی بات سوچ رہا تھا۔

کچھ دیر یہی باتیں کرتے رہے۔ نادر شہزادے کے پرچم تلے آنے کا سنجیدگی سے سوچ رہا تھا ـــ یہیں سے اسے راہ نجات مل سکتی تھی۔ متفق مہرتاج بھی ہو رہی تھی۔ یہ قدم اٹھانے سے جو مشکلات سدراہ ہو سکتی تھیں ان سے صرف نظر بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

سب سے بڑی مشکل تو جدائی کی تھی۔ اگر نادر شہزادے کے ساتھ مل کر شہنشاہ کے مقابل آنا چاہتا تھا تو اسے اس جگہ سے کوچ کرنا تھا۔ الہ آباد جا کر شہزادے کے فرمان کے مطابق عمل پیرا ہونا تھا اس صورت میں خدا جانے کتنے عرصے کے لیے وہ آگرہ سے کٹ جائے۔

آگرہ جہاں اس کی جان تمنا مہرتاج تھی۔ جو اس کی زندگی کا محور تھی۔ اس محور سے کٹ کر
کہیں اور دائروں میں گھومنا آسان تو نہیں تھا۔

اور

بالفرض ایسا کر بھی لیا جاتا۔ کلیجے پر صبر کی سل رکھ بھی لی جاتی تو بھی مشکل یہی
تھی۔ کوئی پتہ نہیں تھا کہ باپ بیٹے کے ٹکراؤ میں پانسہ کس کی طرف پلٹتا ہے۔ اگر شہزادے
کی جیت ہوتی ہے۔ تو پھر بھی امکان تھا کہ نادر ان مصائب اور جھمیلوں سے نکل کر آزاد
زندگی گزار سکے۔

لیکن

اگر جیت شہنشاہ کی قدم بوسی کرتی ہے تو پھر — انجام؟ اس سے بھی کہیں زیادہ
بھیانک ہو سکتا تھا جواب ہے۔

دونوں کافی دیر اسی پر سوچ وبچار کرتے رہے۔ حتمی فیصلہ کوئی بھی نہ ہو سکا۔

"نادر" مہرتاج نے گہری سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔

"ہوں"

"فی الحال یہی بہتر ہے۔ کہ حالات کے اتار چڑھاؤ کا پوری طرح جائزہ لیا جائے۔"

"ہاں —"

"شہنشاہ یہاں آ کر کیا حکمت عملی اختیار کرتے ہیں وہ دیکھ لی جائے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے — ہو سکتا ہے وہ شہزادے سے افہام وتفہیم سے کام لینا پسند
کریں — قاصدوں اور نامہ بروں سے کام لے کر مصالحت کی راہ اختیار کریں۔"

"شہزادہ ولی عہد سلطنت ہے۔ ان سے لڑائی سے گریز ہی کیا جائے گا۔"

"لیکن ان پر باغی ہونے کی مہر لگ چکی ہے۔"

"ہاں بغاوت انہوں نے کی ہے۔ اور یہ بھی سنا ہے کہ وہ اپنی جاگیر کی حدود بہت بڑھا

رہے ہیں ان کی فوجیں ملک گیری کے لیے چاروں اور پھیل رہی ہیں — جمنا کے ساتھ
ساتھ کے علاقے انہوں نے قبضہ میں کر لیے ہیں۔ اپنے مصاحبوں کو جالبی بہار اور کئی دوسری
سرکاریں بھی بخش دی ہیں —"

"اچھا — بات یہاں تک پہنچ چکی ہے — بڑے منظم طریق سے بغاوت کی ہے
شہزادے نے۔"

"لگتا تو ایسا ہی ہے۔"

"پھر تو مصالحتی کوششوں سے شاید کام نہ بن سکے۔"

"تو کیا باپ بیٹا میدان جنگ میں آمنے سامنے ہوں گے۔"

"بالکل ہوں گے۔"

"کتنی بری بات ہے نادر۔ سوچو تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ باپ کی محبت پر وار کر کے بیٹے
نے اچھا تو نہیں کیا نا؟"

نادر تلخی سے ہنسا پھر مہرتاج کے کندھے پہ اپنا مضبوط ہاتھ رکھتے ہوئے بولا "باپ بھی
تو اقتدار سے چمٹا ہوا ہے نا — اس عمر میں بھی تخت وتاج سے دستبردار نہیں ہو رہا شہزادہ
تیس بتیس سال کا ہو چکا ہے۔ شوق حکمرانی فطری ہے —"

مہرتاج اس کی بات کا کوئی جواب نہ دے سکی۔ ہاں اس نے اپنے کندھے پر رکھا
نادر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا "یہ شوق لے بھی ڈوبتا ہے۔"

نادر نے گہری سانس لے کر پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر لاتے ہوئے کہا "ہاں۔ اس
کا مجھے تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔"

دونوں کچھ دیر کے لیے آپوں آپ خاموشی کے ساگر میں ڈوب گئے۔

چاند کا چہرہ دھندلانے لگا۔ ہواؤں کی چنچل شوخیاں بھی تھمنے لگیں۔ دور دیس سے
آنے والی بدلیاں افقی کناروں پر پھیلنے بڑھنے لگیں — فضا میں نمی کا احساس جاگنے لگا۔

اور پھر ایکا ایکی بادلوں کی گڑگڑاہٹ نے دونوں کو چونکا دیا۔

"بادل گھر رہے ہیں" مہرتاج جلدی سے بولی "بارش آتے دیر نہیں لگے گی۔ اب مجھے چلنا چاہیے۔"

نادر نے آسمان کی طرف دیکھا اور بڑبڑایا "کیا تھا جو کچھ دیر اور مطلع صاف رہتا۔"

"ہماری قسمت" مہرتاج اٹھتے ہوئے مسکرائی

"ابھی مت جاؤ ——"

"نہیں نادر —— بارش اتر آئی تو بہت مشکل ہوگی۔ راستے میں بہت گڑھے ہیں۔ دیکھو تو میرے پاؤں ——"

نادر شوخی سے اس کے پاؤں کی طرف جھکتے ہوئے بولا "بے انتہا خوبصورت ہیں۔"

"ہٹو بھی۔ مَیں کیچڑ دکھا رہی ہوں ——"

"اور مجھے گلابی گلابی نرم و گداز پاؤں نظر آ رہے ہیں ——"

وہ ہنس پڑی۔ فضا میں دھیمی دھیمی نقرئی گھنٹیوں کا شور گھل مل گیا۔

نادر بھی اٹھ کھڑا ہوا ——

پھر
دونوں سنگ سنگ چلنے لگے۔

"مہرتاج" وہ بولا۔

"جی"

"کیا یہ ممکن ہوگا کہ تم محلسرا میں اڑنے والی خبریں افواہیں اور سرگوشیاں مجھ تک روز پہنچاتی رہو۔ مادر ملکہ بھی تم نے کہا نا آ چکی ہیں ——"

"ہاں ——"

"حالات کا رخ تم دیکھ سکو گی اور اگر مجھے بھی باخبر کرتی رہو تو میں آئندہ کے لیے

کوئی لائحہ عمل بنا سکوں۔ بولو —— کر سکو گی یہ کام ——"

"مہرتاج تمہارے لیے جان بھی دے سکتی ہے نادر —— یہ کام تو سہل نہیں۔ لیکن میں روز آؤں گی تمہیں آگاہ کرتی رہوں گی —— اس روشنی میں تم فیصلہ کر دگے تو یقیناً بہتر ہوگا اور تمہاری بہتری میری بہتری ہے —— کیوں؟"

اس نے ادائے دلربائی سے گردن موڑ کر نادر کو دیکھا ——

نادر دل تھام کر رہ گیا۔

پورے کا پورا الہ آباد جگمگا رہا تھا۔ ہر چھت پر دیے جل رہے تھے۔ شہنشاہ نورالدین جہانگیر کی تخت نشینی کا جشن منایا جا رہا تھا۔۔۔ لوگوں کو خوشیاں منانے کی کھلی چھٹی دی گئی تھی۔۔۔ پیسہ پانی کی طرح بہایا گیا تھا۔۔۔ لوگوں کو جھولیاں بھر بھر کر پیسہ دیا گیا تھا شہر کے مختلف علاقوں میں لوگ مختلف انداز سے خوشیاں منا رہے تھے۔ کہیں آتش بازی چھوڑی جا رہی تھی۔ کہیں گانا بجانا ہو رہا تھا۔ کہیں طوائفیں مجرا کر کے لوگوں کے دل اور مال لوٹ رہی تھیں۔ کہیں کھانوں کی مہک اشتہا بڑھا رہی تھی۔ کہیں مشروبات اور مئے ناب اڑ رہی تھی۔ اور کہیں لونڈے بالے پاؤں میں گھنگھرو اور ہاتھوں میں دف لیے ناچ رہے تھے۔ نئے شہنشاہ نے ان کو جی بھر کر نوازا تھا۔ وہ بھی جی بھر کر خوشیاں منا رہے تھے۔

قلعے کو بھی چراغاں کیا گیا تھا۔ شاہی محلات کی آرائش و زیبائش بھی دیدنی تھی جھاڑ و فانوس روشن تھے۔ جگہ جگہ شمعیں فروزاں تھیں۔ خوشبودار بتیاں جل رہی تھیں۔ وسیع و عریض قلعے کا کوئی گوشہ بھی اندھیرے کی لپیٹ میں نہ تھا۔

محلوں میں بڑی گہما گہمی تھی۔ نئے شہنشاہ کی ساری رانیاں اور بیگمات دربار میں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھیں۔۔۔ ہر کوئی دوسری پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ بہترین لباس زیب تن کیے تھے۔ جگمگاتے زیورات سے سر تا پا لدی تھیں۔ بناؤ سنگار میں

بھی کوئی کمی نہ چھوڑی تھی۔ جا بدست مشاطاؤں کے تیار کرنے کے باوجود ہر کوئی دیوارگیر آئینوں میں اپنا آپ دیکھ کر اپنے اپنے سنگار کو ناقدانہ نگاہوں سے تک رہی تھیں۔۔۔ وہ سب بہت خوش تھیں۔ شہنشاہ کی بیویاں کہلانا ان کے لیے بہت بڑا اعزاز تھا۔ اور وہ جوش و خروش سے اس جشن کی خوبصورتی میں اضافہ کرنے میں مصروف تھیں۔ ہر کوئی دل میں شہنشاہ کی منظور نظر بننے کی خواہش مند تھی۔۔۔

رانیوں اور بیگموں کے علاوہ کنیزوں لونڈیوں اور خواجہ سراؤں نے بھی خوب سج دھج نکالی تھی۔۔۔ چڑھتے سورج کو ہر کوئی سلام کرتا ہے۔۔۔ شہزادے نے شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ اس لیے یہی لوگ جو آگرے میں شہنشاہ جلال الدین اکبر کے گن گاتے تھے۔ اب نورالدین سلیم جہانگیر کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔

رانی شیودھا بھی آج بڑے اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ وہ الہ آباد آ کر بہت خوش تھی۔ اور آج تو پتی دیو کے شہنشاہ بننے کی خوشی میں جشن منایا جانے والا تھا۔ اس لیے وہ بہت خوش تھی۔ بناؤ سنگھار نے اس کے حسن جہانسوز کو قاتل بنا دیا تھا۔ تراشے ہوئے جسم پر جگمگاتی ساڑھی اس انداز سے باندھی تھی کہ جسم کا ہر نشیب و فراز نمایاں ہو گیا تھا۔۔۔ اس کی دلکشی اور جاذبیت میں بیش بہا اضافہ ہوا تھا۔ جسم خوشبوؤں میں مہکا تھا۔۔۔ زیورات چمک دمک رہے تھے اور تازہ پھولوں کے گچھے بالوں کے جوڑے میں بہار دکھا رہے تھے۔۔۔

وہ تیار ہو کر آئینوں میں اپنا آخری جائزہ لے کر دالان سے باہر نکل آئی۔۔۔ باقی رانیوں اور بیگموں کے حجروں میں ابھی کنیزیں اور لونڈیاں سامان آرائش لیے آ جا رہی تھیں۔ وہ رانی مان بائی کملاوتی کے دالان کی طرف بڑھی۔

ان دنوں رانی مان بائی کملاوتی کی ذہنی حالت کچھ اچھی نہ رہتی تھی۔۔۔ کبھی کبھی تو بالکل اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگتی تھی۔ زیادہ وقت تنہائی ہی میں گزارتی تھی۔ پچھلے دنوں اس کی اپنے بھائی راجہ مان سنگھ سے بھی تلخ کلامی ہو گئی تھی۔ راجہ کو اس نے بہت برا بھلا

کہا تھا اور یہاں تک کہہ دیا تھا کہ وہ اس کی شکل دیکھنا نہیں چاہتی ۔

شیودھا اس کے متعلق بڑی فکر مند رہتی تھی۔ شہنشاہ کو بھی اسی نے ماں بائی کی خرابیٔ طبع کا بتایا تھا ۔ انہی کے کہنے پر حکیم اور وید اسے دیکھنے آتے تھے ۔

شیودھا خوشی خوشی ماں بائی کے کمرے میں آئی ۔ آتے ہی پکارا ”دیدی ۔ “

کمرے میں کوئی لونڈی باندی نہ تھی ۔ ماں بائی اکیلی ہی منقش چوکی پر بیٹھی تھی۔ اس نے لباس تو تبدیل کر لیا تھا لیکن نہ ہی خاص زیور پہنے تھے اور نہ ہی بناؤ سنگھار کیا تھا۔

”ہائے دیدی“ شیودھا اس کی طرف لپکی اور اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی ”یہ کیا ابھی تک تیار ہی نہیں ہوئیں ۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا“

”ٹھیک ہوں“ وہ بجھے بجھے لہجے میں بولی۔

”تو ۔ تو ابھی تک تیار کیوں نہیں ہوئیں ۔ “

”تیار تو ہوں ۔ “

”اچھا ۔ یہ تیار ہو ۔ نہ غازہ نہ مسی نہ کاجل نہ خوشبو ۔ اور زیورات بھی وہی روز والے ۔ اُٹھو دیدی ۔ تمہیں تو آج ایسا سنگھار کرنا چاہیے کہ شاہ حضور دل تھام کر رہ جائیں ۔ پتہ ہے آج آپ کو شاہ بیگم کا لقب عطا ہونے والا ہے اور مہارانی بھی کہلایا کریں گی ۔ “

کملا نے بیزار سی نگاہ اس پر ڈالی اور دل پہ ہاتھ رکھ کر بولی ”مجھے ان باتوں سے ذرہ بھر خوشی نہیں ہو رہی شیودھا ۔ “

”اوہ ۔ پھر وہی باتیں۔ تمہیں سمجھا سمجھا کر تو لگتا ہے میں پاگل ہو جاؤں گی۔ کیوں ایسی غلط سلط باتیں سوچتی رہتی ہو ۔ “

”غلط سلط“

”تو اور کیا ۔ ؟“

”تم خوش ہو“

”بہت خوش“

”شیودھا ۔ “

”ہوں“

”تمہیں شاہ بابا اور رانی ماں کا خیال نہیں آتا۔ کتنا صدمہ پہنچا ہو گا انہیں ۔ باپ ابھی زندہ ہے اور بیٹے نے شہنشاہ بننے کا اعلان کر دیا ۔ ؟“

”اُف ۔ “ شیودھا نے ماتھے پر ہاتھ مارا ۔ ”دیدی ۔ تم بھی عجیب ہی عورت ہو ۔ پتی سے زیادہ پتی کے باپ کا خیال ہے ۔ “

”شیودھا جی ۔ اس باپ کا خیال نہ کروں۔ جو بیٹے کے لیے زندہ ہے۔ جو بیٹے پر جان نچھاور کرتا ہے۔ جو بیٹے کے لیے اس عمر میں بھی جان جوکھوں میں ڈال دیتا ہے۔ جو بیٹے ہی کے لیے اک مضبوط راجیہ بنانے کے لیے پر خطر سفروں پر جاتا اور تلواروں کے سائے میں زندگی بسر کرتا ہے ۔ سامو گڑھ جانا کوئی آسان کام تو نہ تھا ۔ “

”سامو گڑھ فتح ہو چکا ۔ اب ۔ “

”تمہارا کیا خیال ہے بغاوت کی خبر شاہ بابا تک نہ پہنچی ہو گی“

”آگرہ جب پہنچیں گے تو پتہ چلے گا ۔ “

”نہیں شیودھا۔ انہیں یہ منحوس خبر مل چکی ہو گی۔ وہ جہاں بھی جاتے ہیں سلطنت کے امور سے باخبر رہتے ہیں۔ یہ خبر انہیں مل گئی ہو گی“

”ہو سکتا ہے مل گئی ہو ۔ وہ واپس آ رہے ہیں۔ شاید یہ خبر ہی انہیں واپس کھینچ لائی ہے ۔ “

”میں نے بھی سنا ہے وہ واپس آ رہے ہیں ۔ “

شیودھا نے گھور کر کملا کو دیکھا پھر مسکرا کر بولی ”آتے ہیں تو آ جائیں ۔ وہ دہاں خوش

ہم یہاں ——"

"تمہارا کیا خیال ہے وہ آگرے میں خاموش بیٹھ کر تماشا دیکھیں گے"

"ہائے ویدی۔ بھگوان کے لیے" اس نے مسکراتے ہوئے کملا کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہا

"آج تو ایسی دل ہولا دینے والی باتیں نہ سوچو۔ ہمارے مہاراج کی خوشی کا دن ہے۔ اچھی پتنی کی طرح صرف یہی بات سوچو —— اٹھو۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ —— لاؤ میں تمہارا سنگھار کروں"

کملا نے تیار ہونے کی کوئی خواہش ظاہر نہ کی —— شیودھا اسے زبردستی ہاتھ سے پکڑ کر آئینہ خانے میں لے گئی —— اور اسے سجانے سنوارنے لگی۔

اس نے اسے خوشبوؤں میں جیسے نہلا دیا۔ بڑی چابکدستی سے سنگھار کیا اور اس نے ہیرے جواہر اس پر لاد دیئے ——

"آہا" اس نے بنی سنوری کملا کو پیار کرتے ہوئے کہا "شاہ بیگم ——"

"مت کہو مجھے شاہ بیگم"

وہ ہنسی اور بولی "اچھا مہارانی صاحبہ ——"

"شیودھا —— شیودھا —— مجھے مت پکارو ان القابات سے"

"کیوں؟"

"یہ حق صرف شاہ بابا کو ہے۔ میں نہ تو شاہ بیگم بنوں گی نہ ہی مہارانی"

"ہائے ویدی" شیودھا پریشان ہو گئی "آہستہ بولو —— جانتی ہو ان محلوں میں تمہارے کتنے دشمن ہیں۔ رانی کرم سی اور اس موئی جانکی کو بھول گئیں۔ اور وہ نور النساء بیگم بھی تمہاری سجن نہیں —— ان کے کانوں میں تمہاری باتوں کی بھنک پڑ گئی تو —— کچھ تو اپنے اوپر قابو رکھا کرو —— ہر کوئی شیودھا تو نہیں ——"

"پھر —— پھر میں کیا کروں شیودھا۔ میرا من —— خوش نہیں —— مجھے ہر وقت شاہ بابا

ور رانی ماں کا خیال ستاتا رہتا ہے۔ ان کے دکھ کا سوچتی ہوں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے —— کیا ہو گیا ہے شیودھا —— باپ بیٹے میں یہ دراڑ کیوں پڑ گئی ہے۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ شاہ بابا کو بیٹے سے کتنا پیار ہے"

"جانتی ہوں۔ پیار نہیں عشق ہے۔ پر ہم کیا کریں۔ ہمیں تو اپنے پتی ہی کا ساتھ دینا ہے نا۔ ہمارا مرنا جینا تو انہی کے ساتھ ہے —— چلو اب بس کرو۔ چہرے پر بشاشت کے آثار پیدا کر لو —— میرے خیال میں اب رانیاں دربار کی طرف جانا شروع ہو گئی ہیں —— نہیں تو سب سے پہلے جھروکے میں پہنچنا چاہیے ——"

رانی ماں بائی کملا وتی نے اک دلفگار سانس کھینچی۔ اس کی آنکھوں میں اذیت و آزار کے سائے رینگ رہے تھے۔

"دیکھو ویدی" شیودھا نے اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے اس کے ماتھے کا ٹیکہ ٹھیک کرتے ہوئے کہا "مسکراتے چہرے سے باہر نکلو —— کسی پر اپنے جذبات کا اظہار نہ ہونے دو —— اچھی پتنی بنو —— جب تم اور کچھ کر ہی نہیں سکتیں تو پھر دل جلانے اور اپنا دماغ خراب کرنے سے فائدہ —— مسکراؤ —— مسکراؤ نا ویدی۔ چلو میری خاطر ہی سہی ——"

شیودھا نے اس کی ٹھوڑی اونچی کی اور مسکرانے کے لیے ضد سے کہنے لگی۔

ماں بائی جبراً مسکرائی —— پھر اپنا سر اس کے کندھے پر رکھ کر بولی "میں کیا کروں۔ شیودھا۔ یہ سب میرے بس میں نہیں رہتا —— کسی وقت تو لگتا ہے میں پاگل ہو جاؤں گی —— میرا دماغ بھک سے اڑ جائے گا ——"

"تم ہر بات کا بہت اثر لیتی ہو ——" شیودھا نے اس کا سر اونچا کرتے ہوئے کہا "چلو اب۔ مہاراج بھی اب دربار میں جانے والے ہوں گے ——"

"ابھی نوبتی کی آواز تو نہیں آئی ——"

"میرا تو جی چاہ رہا تھا کہ ہم دربار میں جانے سے پہلے پتی دیو کے درشن کیلئے ان کے کمرے میں جاتیں۔ بھگوان قسم آج تو تمہیں دیکھتے نا وہ ____ تو بس ____" شیودھا نے شوخی سے ابرو اچکائے۔

کملا پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے بولی "مجھے یا تمہیں ____ بہت حسین اور بڑی پیاری لگ رہی ہو آج ____"

"میں ؟" شیودھا سینے پر انگلی رکھ کر آنکھیں مٹکاتے ہوئے بولی۔

"تو اور کیا ؟ ____ آئینوں میں دیکھا نہیں اپنا آپ ____"

"دیکھا ہے۔ پر تم ____ سوگند کھاتی ہوں کہ چودھویں کا چاند لگ رہی ہو۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ ناری شہزادہ خسرو کی ماں ہے ____"

"چل ہٹ ____ یاد دلا دی بیٹے کی ____ وہ آگرے میں ____"

"اپنی منی سی دلہنیا عشرت جہاں کے ساتھ عیش کر رہا ہو گا آگرے میں۔ اب تم شاہ بابا کے ساتھ اس کا غم بھی دل و جگر میں سنا تار لینا ____ سمجھیں ____" اس نے ہنستے ہوئے مان بائی کی ٹھوڑی ہلائی ____

پھر

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے دالان سے باہر لے گئی۔ ہر راہداری میں اسے چمکتے دمکتے چاند نظر آئے جو کشاں کشاں درباری جھروکوں کی طرف جا رہے تھے۔

شاہی دربار کی شان و شوکت دیدنی تھی۔ شہزادہ سلیم آج پہلی بار شہنشاہ نورالدین سلیم جہانگیر کے نام سے جلوہ افروز ہوئے تھے۔ سونے کے پایوں والا گنگا جمنی تخت ہیرے موتیوں سے جگمگا رہا تھا۔ وسیع و عریض ایوان خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ مدور ستونوں کے نقش و نگار انتہائی دیدہ زیب تھے اور ان پر کھڑی چھت جگمگا رہی تھی۔ فرش نرم و دبیز قالینوں سے ڈھکے تھے۔ دروں پر حریری پردے لہرا رہے تھے۔ دیواروں پر باناتی کپڑوں پر بنی تصاویر لگی ہوئی تھیں کہیں کہیں مرمریں دیواروں پر زنگار رنگ پھولوں کی بہار تھی۔ زمرد عقیق اور مرمر سے بنے پھول بڑے حقیقی معلوم ہوتے تھے ____ یہ ایوان شہنشاہ اکبر ہی نے الہ آباد کے وسیع و عریض قلعے میں تعمیر کروایا ہوا تھا۔

لیکن

اس کی آرائش و زیبائش اس جشن کے لیے بطور خاص کی گئی تھی۔ کیونکہ آج شہنشاہ جہانگیر پہلی بار دربار کو رونق بخش رہے تھے۔ بڑے بڑے نقرئی گلدانوں میں خوشبودار پھول سجائے گئے تھے۔ منقش شمعدانوں میں شمعیں روشن تھیں۔ روشنی کا اہتمام پوری طرح کیا گیا تھا سارا ایوان اتنا روشن تھا کہ رات پر دن کا گمان ہوتا تھا ____

تخت شاہی اونچی جگہ پر رکھا تھا۔ زربفت و کمخواب کے گاؤ تکیے رکھے تھے۔ کئی

سیڑھیاں نیچے اُتر کر درباریوں کی دو رویہ نشستیں تھیں۔ اونچی پشت والی منقش کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ عہدے اور رتبے کے مطابق امراء وزرا اور دوست احباب بیٹھے تھے۔ سب نے خوبصورت اور شوخ لباس زیب تن کیے ہوئے تھے ــــ مسلمان امراء بلدار دستاریں سر پر رکھے ہوئے تھے۔ اور ہندو راجے اور امیر گلابی رنگ کی پگڑیاں باندھے ماتھوں پر تلک اور کشک لگائے ریشمی لباس اور کمخواب کی کُرتیاں پہنے ہوئے تھے۔

امرا کی نشستوں کے پیچھے اونچی چوکیاں تھیں۔ جن پر مدعوئین بیٹھے تھے۔ وسیع و عریض ایوان لوگوں سے بھرا تھا۔

تخت شاہی کے پیچھے جھروکوں میں شاہی خواتین بیٹھی تھیں۔ امرا اور وزراء کی بیگمات کے لیے بھی انہیں جھروکوں میں بیٹھنے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ خواتین نے بھی اس خوشی کے موقع پر رنگ و خوشبو کی محفل سجائی تھی۔ لباس اور زیورات میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی پوری کوشش کی تھی۔ رنگا رنگ لباس چمکتے دمکتے زیورات کے ساتھ پورے پورے سولہ سنگھار کے ساتھ حرم کی بیگمات رانیاں اور امیروں وزیروں کی بیویاں آئی ہوئی تھیں۔ سب بہت خوش تھیں۔ آج بہت سے لوگوں پر نوازشات ہونا تھیں۔ القابات سے نوازا جانا تھا جاگیریں اور منصب داریاں ملنا تھیں۔ شہزادے نے اپنے دوستوں مداحوں حواریوں اور ساتھ دینے والوں پر پہلے بھی اتنا کچھ لٹایا تھا کہ مثال قائم کر دی تھی۔ اب باقی لوگوں کو مراعات دینا تھیں۔ سب بہت خوش تھے اور خوشی منانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔ وہ شاہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے بڑھ چڑھ کر نذرانے بھی لائے تھے۔ اور نایاب تحائف بھی شہنشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اکٹھے کیے تھے۔

آج تو خواجہ سراؤں کی بھی جیسے عید تھی۔ خوبصورت لچکیلے چمکیلے لباسوں اور زیورات سے دلہنوں کی طرح سجے پھر رہے تھے ــــ انعام و اکرام پا چکے تھے۔ آج مزید انعامات اور بخشیشیں ملنا تھیں۔ کنیزوں کا بھی کچھ یہی رنگ تھا۔ مرصع زیورات روپہلی اوڑھنیاں چمکیلی کرتیاں ریشمی گھاگھرے۔ کامدانی پشوازیں اور حیدر آبادی لباس پہنے ادھر سے ادھر اتراتی پھر رہی تھیں۔ بیگمات کے جھروکوں میں کھانے پینے کی چیزیں اور خوشبودار مشروبات پیش کرتی پھر رہی تھیں۔

تخت کے پیچھے والے جھروکے میں رانی مان بائی کملاوتی کی نشست مخصوص تھی۔ آج اسے شاہ بیگم کا لقب مرحمت فرمایا جانا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ شیودھا بیٹھی تھی ـــ رانی کرم سی بائیں ہاتھ تھی۔ لیکن وہ اٹھ کر دوسرے جھروکے میں چلی گئی تھی ـــ

شیودھا اس کے اٹھ کر چلے جانے پر بڑے خوبصورت طنز سے مسکرائی اور مان بائی کملاوتی کے ہولے سے کہنی مارتے ہوئے آنکھیں مٹکائیں ـــ

وہ کچھ نہیں بولی

تو

شیودھا نے ہولے سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا "دیکھا دیدی۔ جلنے والے ابھی سے جلنے لگے ہیں۔ یہاں بیٹھنا گوارہ نہیں ہوا ـــ"

کملا نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنی انگلیاں کنپٹیوں پر پھیرے جا رہی تھی۔

"دیدی ـــ کیا بات ہے ـــ طبیعت تو ٹھیک ہے نا ـــ"

"ہاں ـــ"

"دربار کی طرف دیکھو دیدی۔ لوگوں کی خوشیوں کا اندازہ کرو۔ کتنی گہما گہمی ہے کتنی رونق ہے۔ آج تو دلی کی مشہور مغنیہ اور رقاصہ مجیدن بھی آئی ہوئی ہے۔ سنا ہے بہت خوبصورت رقص کرتی ہے۔ اسے بھی آج شاہی رقاصہ کا اعزاز ملے گا ـــ دیدی آج کی محفل تو ہماری زندگیوں کی یادگار محفل ہوگی"

"ہاں" کملا نے اک گہری سانس چھوڑی۔

"تم خوش نہیں ہو ـــ بری بات ہے لونڈیاں باندیاں جھروکوں میں آ جا رہی ہیں۔ لگائی بجھائی کرنے میں بہت تیز ہوتی ہیں ـــ اپنے حواس میں رہو دیدی۔ رنگ میں بھنگ نہ ڈال دینا۔"

"میں کوشش تو کرتی ہوں شیودھا۔ لیکن ——— میرا من بالکل خوش نہیں۔ یہ سب کچھ ایک بیٹا باپ کے خلاف کر رہا ہے ——— اس باپ کے خلاف جو اس پر جان دیتا ہے۔ شیودھا دل پر ہاتھ رکھ کر کہو۔ یہ سب اچھی بات ہے کیا؟"

"اوہ بھگوان ——— کیا کتھا لے بیٹھیں۔ جتنا سمجھاتی ہوں۔ الٹا ہی اثر لیتی ہو۔ یہ موقع ہے ایسی باتیں کرنے کا۔ دیدی! مت چڑھاؤ اعصاب پر یہ باتیں ——— ابھی مہاراج پہنچنے والے ہیں۔ دربار شروع ہونے والا ہے ادھر ہی دھیان دو ———"

"اچھا" کملاوتی نے بچوں کی سی فرمانبرداری سے کہا تو شیودھا نے پیار سے اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے اسے پیار کر لیا۔ "شاباش ———"

وہ اس سے باتیں کرنے لگی۔ یہاں آنے سے پہلے اس نے برابر والے جھروکے میں شہزادی زونی اور نورالنساء بیگم کو دیکھا تھا۔ زونی تو اس بناؤ سنگھار میں واقعی وادئ کشمیر کا حسین چاند لگ رہی تھی۔ وہ کملا کو اس کے متعلق بتانے لگی۔

وہ باتیں کر رہی تھی، کملا اپنے آپ کو سنبھالنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ لیکن دل فگار تھا۔ دکھ کے دھارے بہہ رہے تھے ——— وہ سوچ سوچ کر باؤلی ہو رہی تھی کہ جب اس راج دربار کی خبریں شاہ بابا تک پہنچیں گی تو انہیں کتنا دکھ اور صدمہ ہوگا۔ رانی ماں کتنی دکھی ہو رہی ہوں گی۔ ان کی آہیں کہیں نئے شہنشاہ کو لے ہی نہ ڈوبیں۔

شیودھا باتیں کیے جا رہی تھی۔ شہنشاہ ابھی تشریف نہیں لائے تھے۔ اس لیے درباری بھی گھل مل کر باتیں کر رہے تھے۔ کوئی نشستوں پر براجمان تھا۔ کوئی کھڑا تھا۔ کوئی درمیانی جگہ میں جمگھٹے بنائے تھا۔ اس جگہ سے شہنشاہ نے گزر کر تخت تک جانا تھا۔ اور اسی کھلی جگہ پہ رقص و سرور کی محفل جمائی جانی تھی۔ مجیدن کا رقص دیکھنے کے لیے لوگ بے تاب ہو رہے تھے۔

ٹھیک آمد کے وقت پر باہر سے چوبداروں نقیبوں اور پیش رووں کی صدائیں گونجنے

لگیں۔ نوبتی نے گونگ پہ ضرب لگا کر شہنشاہ کی آمد کا اعلان کیا۔

باخبر

باملاحظہ

ہوشیار

حد ادب

نگاہ روبرو

سلطان المظفر

بادشاہ غازی

سلطان ابن سلطان

شہنشاہ نورالدین سلیم جہانگیر

ایوان میں تشریف لا رہے ہیں ———

ایک دم ہی کھسر پھسر اور سرگوشیاں ختم ہو گئیں۔ سناٹا چھا گیا۔ سب اپنی اپنی جگہوں پہ مؤدبانہ کھڑے ہو گئے۔ ہاتھ سینوں پر رکھ کر سر جھکا لیے ——— غرفوں اور جھروکوں میں بھی خاموشی چھا گئی۔

نقیب چند قدم آگے آکر رک گیا۔ اس نے شہنشاہ کے القابات اور خطابات دہرائے۔ ایک طرف ہو کر اس نے شہنشاہ کے لیے جگہ چھوڑ دی۔

نورالدین سلیم جہانگیر لباس فاخرہ پہنے درمیانی جگہ سے دبیز قالینوں پر پُر وقار انداز میں قدم رکھتے سلام و تعظیم قبول کرتے چوڑی سیڑھیاں چڑھ کر شہ نشین پر پہنچے اور مرصع تخت کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے گھوم کر رخ درباریوں کی طرف کیا اور اک طائرانہ نگاہ ہجوم پر ڈالتے ہوئے ہاتھ کا اشارہ کیا۔

ان کے تخت پر بیٹھتے ہی سب اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔

درباری کارروائی شروع ہوئی۔

نورالدین سلیم جہانگیر کے باقاعدہ شہنشاہ ہونے کا اعلان قاضی القضاۃ نے کیا۔ دربار مبارک سلامت کے شور سے گونج اٹھا۔ نشستوں پر بیٹھے اراکین نے اٹھ اٹھ کر مبارکباد دی۔ شہزادے کا دست خاص اور ساتھی خوبو جسے قطب الدین کا لقب دیا گیا تھا اٹھا اور برابر والے دالان سے جا کر سونے کے تھال میں رکھی ہیروں اور موتیوں جڑی دستار جس میں لبوترے ہیرے والی کلغی لگی تھی لے آیا۔ اس نے تھال قاضی کو پیش کیا ——

قاضی نے چند دعائیہ آیات پڑھیں دعائیں مانگیں اور تاج دستار شہزادے کے سر پر رکھ دیا۔ پس تخت کھڑی خوبرو کنیزیں مورچھل لیے کھڑی تھیں۔ ان کے ہاتھ تیزی سے گردش کرنے لگے۔ شہنشاہ پر سے وارے جانے والے طلائی سکے اور اشرفیاں پانے کے لیے انہوں نے اپنی جھولیاں وا کر دیں۔

شہنشاہ تخت پر تشریف فرما ہوئے تو نذرانے اور تحائف پیش کیے جانے لگے۔ باری باری ہر سردار ہر عہدیدار نے سونے چاندی اور ہیرے موتیوں بھرے تھال جو خوش رو اور خوش لباس کنیزیں اٹھائے ہوئے تھیں شہنشاہ کے حضور پیش کیے۔

شہنشاہ ہاتھ قدرے اونچا کر کے نذرانے قبول کرتے رہے۔

یہ مرحلہ ختم ہوا تو لوگوں کو القابات اور خطابات سے نوازا گیا۔ پہلے سے تیار کی گئی فہرست شہنشاہ کی منظوری حاصل کرنے کے بعد پڑھ کر سنائی گئی —— سندیں بھی عطا ہوئیں جاگیریں بھی دی گئیں اور پرگنوں کے منصب دار بھی بنائے گئے۔

سب سے پہلے رانی مان بائی کملاوتی کو شاہ بیگم کا اعزازی لقب دیا گیا اور اسے باقی بیگمات اور رانیوں میں افضل اور منفرد حیثیت دی گئی —— شاہ بیگم کو مہارانی کہنے کی بھی اجازت دی گئی۔ مبارک سلامت کا شور اٹھا لیکن کئی جھروکوں میں موت کی سی خاموشی چھا گئی۔

شیودھا نے پیار سے کملا کو لپٹاتے ہوئے کہا "مبارک بہت بہت مبارک شاہ بیگم صاحبہ" لیکن کملا نے کسی خوشی کا اظہار نہیں کیا —— بلکہ وہ گھبرائے گھبرائے لہجے میں بولی "میں چلی جاؤں یہاں سے مجھ سے یہ سب کچھ دیکھا نہیں جا رہا ——"

"پاگل ہو گئی ہو ——"

"میرا سر گھوم رہا ہے شیودھا۔ میں بیٹھ نہیں سکتی۔ میری آنکھوں میں اندھیرا اتر رہا ہے مجھے یہاں سے لے چلو ——"

"اُف —— کیا کروں —— دیدی درباری کارروائیاں تو ختم ہو لینے دو۔ لو میں ایک طرف ہو جاتی ہوں تم یہیں ٹیک لگا لو —— اس وقت اٹھ کے جانا ٹھیک نہیں ——"

اس نے کملا کو آرام دہ نشست پر نیم دراز کرتے ہوئے ہولے سے کہا "شکر ہے اس جھروکے میں ہم ہی دونوں ہیں —— کرم سی اٹھ کر چلی گئی —— وہ یہاں ہوتی تو بھگوان جانے پتی مہاراج کے کان کیسے کیسے بھرتی —— تم سے سب جلتی ہیں —— دیدی —— سب جلتی ہیں۔"

درباری کارروائیاں جاری تھیں —— رسومات ادا ہو رہی تھیں —— لوگ خوشیوں سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ اس جشن کو کامیاب بنانے کے لیے سب کوشاں تھے۔

تقریب کی رسمی کارروائیاں اور مراعات دینے کا سلسلہ ختم ہوا تو خواجہ سرا تھالوں میں خورد و نوش کی چیزیں لیے آ گئے۔ پس پردہ حکم کی منتظر کنیزیں بلوریں جام لیے کھڑی تھیں۔ وہ بھی حکم پاتے ہی باہر نکل آئیں۔ حسین و ماہ جبین کنیزیں شوخ بھڑکیلے لباس پہنے ہوئے تھیں ادا و ناز دکھاتے ہوئے وہ ساغر و مینا کی طرح محفل میں گردش کرنے لگیں —— ہر کنیز نے پہلے بلوریں جام شاہ کی خدمت میں پیش کیے۔ پھر درباریوں کو پیش کیے ——

شراب کے دور کے ساتھ ہی مجیدن مجرے کے لیے پیش ہوئی۔ قاتل حسینہ کیا تھی اک برق بے پناہ تھی۔ جسم جیسے ربڑ کا بنا ہوا تھا —— اتنی لچک تھی کہ جب اس نے حاضری کا

کورنشی سلام شاہ کے حضور پیش کیا تو واہ وا کی پکار سے ایوان گونج گیا ــــ لوگ نشستوں پر جم کر بیٹھ گئے۔ اس سمے کچھ خواتین اپنے جھروکوں سے اٹھ کر چلی گئیں۔ کچھ رقص دیکھنے کے لیے بیٹھی رہیں ــــ

رقص شیودھا بھی دیکھنے کی مشتاق تھی۔

لیکن

کملا کی طبیعت بہت خراب ہو گئی۔ وہ جانے کے لیے اٹھی تو لہرا گئی ــــ شیودھا نے بڑھ کر اسے تھام لیا ــــ اور جھروکے سے باہر لے آئی۔

گو کملا نے اسے کہا بھی کہ وہ کنیز کے ساتھ چلی جائے گی۔ لیکن شیودھا نہیں مانی۔ وہ اسے ساتھ لگائے آہستہ آہستہ چلتی اسے اس کی خوابگاہ میں لے آئی۔

رقص و سرور کی حسین محفل سپیدۂ سحر ہونے پر ختم ہوئی ــــ لیکن شیودھا نے یہ سارا وقت کملا کے پاس گزارا ــــ اسے سمجھاتے تسلیاں دیتے اور حالات سے نباہ کرنے کا مشورہ دیتے۔

مان بائی کملاوتی کی طبیعت پھر بھی نہیں بہلی۔

وہ

خاصی بیمار پڑ گئی ــــ

اعصابی مریضہ بن گئی۔

سپید بالوں اور سرخ و سفید نورانی سے چہرے والی مادرِ ملکہ حمیدہ بانو جنھیں مریم مکانی کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا سفید بے داغ لباس پہنے شیش محل کے مغربی دالان میں خوبصورت پلنگ پر تکیوں کے سہارے بیٹھیں تھیں۔ یہ دالان انہیں کے لیے مختص تھا۔ وہ زیادہ تر فتح پور سیکری ہی میں رہتی تھیں۔ فتح پور سیکری جسے شہنشاہ اکبر نے سلیم کی پیدائش کی خوشی میں ایک خوبصورت شہر بنایا تھا اور جہاں انتہائی خوبصورت محلات تعمیر کروائے تھے شہنشاہ کی بڑی اور معزز بیگم سلطان سلیمہ بیگم بھی مادرِ ملکہ کے ساتھ وہیں رہا کرتی تھیں سلیمہ بیگم انتہائی زیرک ہوشیار اور عقلمند خاتون تھی اپنی علمیت دانشمندی اور ہونہاری کی وجہ سے انہیں خدیجۂ عصر کے امتیاز سے سرفراز کیا گیا تھا۔

مادرِ ملکہ اور سلطان سلیمہ بیگم شہزادے کی بغاوت کی منحوس خبر سن کر بے طرح پریشان ہو گئی تھیں۔ اور جب انہیں یہ اطلاع ملی کہ شہنشاہ بغاوت کی خبر ملتے ہی آگرے کے لیے اسیر گڑھ کی تسخیر کے فوراً بعد ہی روانہ ہو چکے ہیں تو وہ پریشان سے پریشان تر ہوتی گئیں۔ اب ان سے فتح پور سیکری میں ٹھہرنا مشکل تھا ــــ اسی لیے وہ آگرہ آ گئیں۔ مادرِ ملکہ بہت ضعیف ہو چکی تھیں۔ سفر ہزار سہولتوں کے باوجود ان کے لیے تکلیف دہ تھا۔ لیکن وہ بے چین و مضطرب تھیں۔

محل میں مقیم شاہی خواتین نے گزارش بھی کی کہ اس عمر میں وہ یہ سفر اختیار نہ کریں۔ اکثر
طبیعت ناشاد رہتی ہے۔ کبھی کچھ ہو جاتا ہے کبھی کچھ ——— یہاں طبیب جو مرض شناس ہے، ہر
وقت موجود ہوتا ہے۔

لیکن

وہ نہیں مانیں

سلطان سلیمہ بیگم نے بھی بہت کہا ”مادر محترم آپ آگرہ تشریف نہ لے جائیں۔ میں
جو جا رہی ہوں۔ سفر آپ کی صحت پر اثر انداز ہوگا — آپ کی طبیعت ویسے بھی گری گری رہتی
ہے۔ بہتر ہوگا کہ آپ یہ ارادہ ترک کر دیں۔ میں جا رہی ہوں۔ اور انشاء اللہ کوئی نہ کوئی
تدبیر کر ہی لوں گی کہ حالات مزید خراب ہونے سے بچ جائیں ——“

”شہزادے نے بہت بُرا کیا ہے سلطان بیگم“ مادر ملکہ کی آواز میں بے انتہا دکھ کی
لرزش تھی ”ہمیں اس کی توقع نہیں تھی۔ شہزادہ ہماری آنکھوں کا نور ہے۔ ہمیں بے حد پیارا
ہے۔ اسی لیے اس کی اس حرکت نے ہمیں اتنا دکھ دیا ہے۔ جب ہم اتنے دکھی ہیں تو ہمارے
بچے کا کیا حال ہوگا۔ اکبر عجلت میں واپس آ رہے ہیں۔ یقیناً انہیں بھی ایسا دکھ پہنچا ہے
کہ دل خون خون ہو گیا ہوگا۔ اس کی بیٹے کے لیے چاہت اور محبت مستور اور مخفی تو نہیں“

”میں جانتی ہوں مادر محترم کہ صاحب کراں کو شہزادۂ عالی کی اس جسارت سے بہت
صدمہ ہوا ہوگا ——— ہم سب اس دکھ اور صدمے سے بے حال ہیں۔ شہزادۂ عالی ہماری
آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں ——— آپ جانتی ہیں کہ وہ مجھے بھی کتنے عزیز ہیں اور
یہ بھی جانتی ہیں کہ وہ بھی مجھ سے والہانہ لگاؤ رکھتے ہیں۔ میں پُر اُمید ہوں کہ انہیں
راہ راست پر لے آؤں گی“

”لیکن۔ میں یہاں رُک نہیں سکتی۔ اکبر واپس آنے سے پہلے آگرہ پہنچنا ضروری
ہے۔ تم اکبر کو جانتی ہو ——— دکھ اپنی جگہ۔ لیکن اس کے اصول بھی اپنی جگہ ہیں۔ وہ کوئی قدم

اٹھا لے“

”ہاں ——“ سلیمہ بیگم سوچ میں پڑ گئیں۔ تو حمیدہ بانو ملائمت سے بولیں ”میں اکبر کے
وہ پہنچنے سے پہلے وہاں پہنچنا چاہتی ہوں ——— پیشتر اس کے کہ وہ کوئی خوفناک قدم اٹھا لے
پتائیوں کے لیے تباہی کا باعث بنے ——— میں اسے روک لوں گی ——“

”آپ بجا فرماتی ہیں ——“

”وہ میرا بیٹا ہے۔ میرا بیحد احترام کرتا ہے۔ میں باپ بیٹے میں تصادم ہوتے نہیں
دیکھ سکتی۔ میں اکبر کو روک تو سکتی ہوں“

”جی بالکل ——— یہ تو کرنا ہی ہے۔ عجلت میں اٹھائے قدم غلط بھی پڑ سکتے ہیں“

”پھر تم ہی کہو کیا میں یہاں بیٹھی رہوں۔ سفر کی صعوبتوں کے پیش نظر آگرہ نہ جاؤں۔
بیٹی میں نے زندگی کے بڑے نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ یہ سفر مجھ پر اتنا اثر انداز نہیں ہوگا۔
بیٹا تم سمجھ رہی ہو ——— اور پھر شاہی گھوڑا گاڑیاں ہر سہولت سے آراستہ ہیں۔ میں تکیوں
کے سہارے بیٹھ کر جا سکتی ہوں ——— لیٹ بھی سکتی ہوں ——— اور جہاں تکان محسوس کروں
سفر کو روکا بھی جا سکتا ہے ——“

”وہ تو ہے مادر محترم ——“

مادر ملکہ کو آگرہ جانے سے نہیں روکا جا سکتا تھا۔ سلطان سلیمہ بیگم نے بھی جب
ان کی باتیں سُنیں تو مناسب یہی سمجھا کہ وہ آگرہ تشریف لے چلیں۔ اور واقعی شہنشاہ کے
وہاں پہنچنے سے پہلے ان کا وہاں ہونا ضروری بھی تھا۔

شہزادہ سب ہی کا لاڈلا اور پیارا تھا ——— دادی کی آنکھوں کا واقعی نور تھا۔ اس نے
بغاوت کی حرکت سے ہر دل کو دکھ اور صدمہ پہنچایا تھا۔ بغاوت کھلا اظہار تھی کہ وہ اپنے
باپ کی ذات کو اب برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ بات ہر دل میں گھاؤ ڈال رہی تھی۔ شاہی خاندان
کے افراد تو ایک طرف محلات کے غلام اور کنیزیں بھی شہزادے کی اس جرأت سے ناشاد تھے۔

کیوں کہ سب جانتے تھے کہ شہزادہ سب کے لیے کیا ہے۔ وہ ہر دل میں بستا تھا۔ اور ہر فرد کو عزیز تھا۔ اسی لیے جب سے اس کے باغی ہونے کی اطلاع ملی تھی محلوں پر تشویش کی گھر چھا گئی تھی۔ یوں لگتا تھا رواں دواں زندگی ایکا ایکی رک گئی ہے۔ رونقیں معدوم ہو گئی تھیں۔ چہکار نے دم توڑ دیا تھا۔ در و دیوار اداس تھے اور فضا میں سوگواری سی رچ بس گئی تھی۔

ارا کین سلطنت بھی متاثر ہوئے تھے۔ شہنشاہ کی عدم موجودگی میں حکومتی انتظام سنبھالنے والے بھی ہراساں تھے۔ اندر ہی اندر ملکی سیاست پلٹا کھا رہی تھی اور مختلف نظریات کے لوگ دھڑوں میں بٹ گئے تھے۔ مفاد پرستوں نے ساز باز شروع کر دی تھی۔ سازشیں پہلے بھی ہوتی رہتی تھیں۔ ایسے حالات میں انہیں پنپنے کا زیادہ ہی موقع ملتا ہے۔ ہر کوئی اپنی نظر سے واقعات کو دیکھ رہا تھا اور اپنے ہی ذہن سے سوچ رہا تھا۔

حالات مخدوش تھے۔ اسی لیے مادر ملکہ سلطان سلیمہ بیگم اور رانی جودھا بائی متوحش تھیں ــــ حمیدہ بانو اور سلیمہ بیگم کے آنے سے رانی جودھا بائی کو بڑا سہارا ملا تھا۔ ورنہ بغاوت کی خبر نے تو اس کے جیسے ہوش و حواس چھین لیے تھے۔

اب بھی وہ مادر ملکہ کے پاس تھی ــــ سلطان سلیمہ بیگم بھی مادر ملکہ کے پلنگ کے قریب اونچی پشت والی زرنگار کرسی پر بیٹھی تھیں ــــ جودھا بائی پلنگ کی پائینتی کی طرف مادر ملکہ کے پاؤں کے قریب بیٹھی تھی ــــ اس کا چہرہ اداس و ویران تھا ــــ اور معمول کی طرح نہ تو اس نے سارے زیور زیب تن کیے ہوئے تھے نہ ہی سولہ سنگھار ــــ بالوں میں دلپسند موتیے کے پھول بھی نہیں لگائے تھے۔

کنیزوں نے دالان کی مشرقی محرابی دروں والی کھڑکیوں اور غرفوں کے آگے سے پردے ہٹا دیئے تھے ــــ ٹھنڈی ہوائیں بے روک ٹوک اندر آ رہی تھیں ــــ آموں کی مہک پھیلی ہوئی تھی اور سبزے کی خوشبو اڑتی پھر رہی تھی ــــ

دبیز قالینوں پر بے آواز چلتی کنیزیں کمخواب کے خوان پوشوں سے ڈھکے خوان لا کر تپائیوں پر رکھ گئی تھیں ــــ مشروبات بھی چاندی کے چھوٹے چھوٹے پیالوں میں ڈال کر رکھ دیئے تھے۔ لیکن ان خواتین نے کھانے پینے کی اشیاء یا مشروبات کی طرف دیکھا تک نہیں تھا۔ تینوں وقفوں سے باتیں کر رہی تھیں۔ کبھی لہجے تیز ہو جاتے۔ کبھی ان میں ملائمت گھل جاتی اور کبھی خاموشی انہیں اپنے حصار میں مقید کر لیتی۔

"مریم زمانی بیگم"، مادر ملکہ نے رانی جودھا بائی کو ان کے چغتائی لقب سے پکارا۔ مہارانی کو اس لقب سے صرف وہی پکارا کرتی تھیں۔ شادی کے بعد ہی یہ لقب رانی جودھا بائی کو مرحمت کیا گیا تھا۔ لیکن نہ ہی شہنشاہ اور نہ ہی مہارانی یہ لقب استعمال کرتے تھے۔ ہاں مادر ملکہ کو یہ لقب پسند تھا اور وہ اپنی راجپوتن بہو کو ہمیشہ اسی لقب سے پکارتی تھیں۔

مادر ملکہ نے پکارا تو مہارانی نے گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھا۔

"جی ماں جی ــــ" وہ بولی

"بیٹی۔ میں جانتی ہوں تمھیں شہزادے کی بغاوت نے بہت دکھ دیا ہے۔ لیکن تمھیں اس دکھ کا اس طرح اظہار نہیں کرنا چاہیئے۔"

"ماں جی" مہارانی روہانسی ہو کر بولی "جانے مجھ سے بیٹے کی تربیت میں کہاں بھول ہو گئی۔ جو یہ دن دیکھنا پڑا ــــ"

"تمھاری تربیت میں کوئی بھول نہیں تھی ــــ" مادر ملکہ نے کہا۔

"ہاں جودھا بائی۔ تم اپنے آپ کو کیوں موردِ الزام ٹھہراتی ہو۔" سلطان سلیمہ بیگم نے بڑے وقار سے کہا۔

"تو کیا کروں سلطان آپا"، رانی کی آنکھوں میں نمی تیر گئی "میں نے تو جس دن سے یہ خبر سنی ہے راتوں کا چین اور سکون غارت ہو گیا ہے۔"

"جب ہم لوگ اتنے متاثر ہوئے ہیں ــــ تو ــــ تم ــــ تو ماں ہو ــــ یہ بات انہونی نہیں۔"

"دشمن ہمیشہ تاک میں رہتے ہیں" مادر ملکہ نے اپنا رعشہ زدہ ہاتھ اٹھا کر جودھا بائی کے سر پر پھیرتے ہوئے کہا "شہزادے کو یقیناً بہکایا گیا ہے۔ ورنہ وہ تو اپنے خونی اور جگری رشتوں سے بڑا مرعوب تھا۔ جان چھڑکتا تھا ہم سب پر ــــ یوں کٹ کر رہ گیا وہ ــــ"

"سازشیں ہوتی ہی رہتی ہیں" سلطان سلیمہ بیگم بولی "سلطنت کے اگر لاکھوں بہی خواہ ہوتے ہیں تو کچھ بدخواہ بھی ہوتے ہیں ــــ شہزادے کی یہ بغاوت ایسے ہی بدخواہوں کے ٹولے کی سازش کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے"

"کچھ پتہ چلا ــــ مریم زمانی بیگم کہ شہزادے کا ساتھ کون لوگ دے رہے ہیں"

مادر ملکہ نے گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھے ہوئے پوچھا ــــ

"کچھ ٹھیک سے معلوم نہیں ــــ"

"ہم نے سنا ہے راجہ نرسنگھ دیو اور مان سنگھ اس کی پشت پناہی کر رہے ہیں"

مہارانی نے سر جھکا لیا اور آہستگی سے بولی ــــ "سنا تو میں نے بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ لیکن یقین نہیں آتا نرسنگھ دیو اور مان سنگھ دونوں ہی مہاراج کے بھروسے کے آدمی ہیں۔ دونوں کو اپنے آقا سے بڑی عقیدت اور محبت ہے۔ ظاہر تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ دلوں کے بھید بھگوان جانتا ہے ــــ"

"اپنا مفاد بھلا لگتا ہے بی بی ــــ راجہ مان سنگھ مان بائی کملاوتی کا بھائی ہے"

"ہاں ہے تو ــــ میرے بھی بھائی کا بیٹا ہے۔ لیکن میں نے مان سنگھ کو کبھی ایسا نہیں پایا۔ اسے تو مان بائی سے زیادہ خسرو پیارا ہے ــــ اور خسرو ان دنوں یہاں ہیں"

"اس بات سے ہم باخبر ہیں، شہزادہ خسرو اپنی ماں کے ساتھ الہ آباد نہیں گئے تھے"

"رانی ماں ــــ یہ بچوں کو الہ آباد بلا بھیجنے کی ایک سازش ہی تھی۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ شیخو کے ارادے کیا ہیں۔ وہ تو خسرو بھی چلا جاتا ــــ ان دنوں وہ یہاں تھا ہی نہیں ــــ اپنی نانی سے ملنے گیا ہوا تھا"

"مجھے تو شک ہے کہ خسرو کو بھی بہکانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں ــــ" سلطان سلیمہ بیگم بولیں۔

"وہ نوعمر ہیں ــــ ان ریشہ دوانیوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں ــــ" مادر ملکہ نے کہا۔

"نوعمر ضرور ہیں۔ لیکن ــــ سمجھدار بہت ہیں۔ اور ــــ"

"کیا کہنا چاہتی ہیں آپ" رانی جودھا بائی بولی۔

"شہزادے کی شادی نوعمری ہی میں کر دی گئی ہے" وہ بولی۔

"ہاں ــــ" مادر ملکہ نے کہا "یہ بات ہم ترکوں اور افغانوں میں نہیں ہے۔ یہ رسم ہم لوگوں نے یہاں کے لوگوں سے اپنائی ہے۔ شہزادہ خسرو سولہ سال کی عمر میں عزیز کوکلتاش کی خوبرو بیٹی سے بیاہ دیئے گئے ہیں۔ جیسے سلیم اس عمر میں رانی مان بائی کملاوتی سے رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیئے گئے تھے ــــ"

"خسرو اور عشرت جہاں خوش باش ہیں ــــ؟"

"ہاں عشرت خسرو کی بیوی ہیں اور اس عمر میں جذباتی ناطے بڑے تند ہوتے ہیں۔ اسی لیے خسرو اپنے سسر عزیز کوکلتاش کے قریب بھی بہت ہیں"

"ہوں"

"اور اس قربت میں سے مجھے عزیز کی خود غرضی کی بو آتی ہے"

"کیا مطلب سلطان سلیمہ بیگم" مادر ملکہ نے سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

سلیمہ بیگم نے کرسی پر پہلو بدلا اور بڑے متعین اور سنجیدہ لہجے میں بولیں "میں چند دنوں سے یہاں ہوں۔ اور میری نظریں ہر چہرے کا عمیق مطالعہ کر رہی ہیں ــــ"

"تو کیا کھوجا آپ نے" رانی جودھا بائی بے تابی سے بولی۔

"فی الحال یقین سے کوئی بات نہیں کہی جا سکتی ــــ لیکن مجھے عزیز کوکلتاش کے رویے کچھ ٹھیک نہیں لگتے"

"عزیز کی وفاداریاں مشکوک نہیں"، مادر ملکہ بولیں "وہ ہمارے بیٹے کا دودھ شریک بھائی اور ساتھ کھیلا دوست ہے۔"

"مادر محترم بجا فرمایا آپ نے ــــ لیکن جب خون کی وفاداریاں بدل سکتی ہیں تو ایسے رشتوں پر کیا بھروسہ۔ عزیز شہزادہ خسرو کے سسر ہیں ــــ اپنی بیٹی اور داماد کا مفاد ہی چاہیں گے۔"

"نہ معلوم آپ کا اشارہ کس سمت ہے" مادر ملکہ ہراساں سی ہو گئیں ــــ

"ابھی کچھ ٹھیک سے نہیں کہہ سکتی مادر محترم۔ صرف قیاس ہی ہے۔ کچھ اشارے ملے ہیں بس ــــ میرا خیال ہے ــــ شہزادے کو بغاوت پر اکسانے میں ان سب لوگوں کا ہاتھ ہے تاکہ باپ بیٹے میں دیوار کھڑی کی جا سکے ــــ ایسی صورت میں کہ سلیم اپنی حکمرانی کا اعلان کر چکے ہیں۔ ظاہر ہے شہنشاہ انہیں اپنا ولی عہد مقرر کرنے کا فرمان واپس لے لیں گے۔"

رانی بھونچکا سی ہو کر سلیمہ بیگم کا منہ تکنے لگی۔

مادر ملکہ بھی چونکیں۔

سلطان سلیمہ بیگم اطمینان سے سانس لیتے ہوئے بولیں "ولی عہد کا فرمان واپس لیا گیا ــ تو ظاہر ہے کسی اور کو اس اعزاز سے نوازا جائے گا ــ اور اس کا حقدار سلیم کے سب سے بڑے بیٹے شہزادہ خسرو کے سوا اور کوئی نہیں ہو گا۔ اور آپ سب جانتی بھی ہیں کہ شہنشاہ شہزادہ خسرو سے کتنا پیار کرتے ہیں۔ کتنا مان کرتے ہیں ان پر ــــ"

رانی کو تو جیسے سکتہ سا ہو گیا۔

مادر ملکہ بھی تشویش سے سلطان سلیمہ بیگم کو تکنے لگیں۔

سلیمہ بیگم نے دونوں کی پریشانی اور ہراسانی محسوس کرتے ہوئے جلدی سے کہا "میں نے صرف واقعات کا تجزیہ کیا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ غلط بھی ہو ــــ"

"تمہاری باتیں مفروضے نہیں ہوتیں بیٹی" مادر ملکہ دکھ سے بولیں "تمہارا تجزیہ حقیقت کے

قریب تر ہے۔ مان سنگھ بھی ملوث ہو سکتا ہے۔ خسرو اس کا بھانجا ہے اور بہت ہی پیارا بھی۔"

سب چپ ہو گئیں۔ سوچوں نے ذہنوں کو جکڑ لیا تھا۔ معاملے کی تہہ تک جوں جوں پہنچنے کی کوشش کی جا رہی تھی سنجیدگی اور نزاکت ابھر رہی تھی۔

کئی لمحوں کے توقف کے بعد سلطان سلیمہ بیگم بولیں "ابھی ہمیں سوچوں میں زیادہ نہیں الجھنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے یہ سب باتیں غلط ہوں۔ ہمیں شہنشاہ کا انتظار کرنا چاہیے۔ میں نے تو تہیہ کر لیا ہے کہ ان کو رضامند کر لوں گی کہ میں الہ آباد جا کر شہزادے کو سمجھاؤں اور شہنشاہ سے معافی مانگ لینے پر تیار کروں۔"

"ایسا ہو جائے گا" رانی جودھا بائی بولی۔

"ضرور۔ مجھے یقین ہے شہزادہ مجھ سے بہت مانوس ہے اور میری بات کبھی نہیں ٹالتا ــــ"

"خدا کرے تم ایسا کر سکو ــــ یوں خاندان کی تشویش اور پریشان دور کر سکو۔"

"انشاءاللہ ــــ" وہ بولیں۔

کافی دیر تینوں باتیں کرتی رہیں۔ پھر شہزادی بخت النساء بیگم جو اکبر کی بہن اور حمیدہ بانو کی بیٹی تھی ملنے آ گئی۔ وہ بھی حالات سے خوفزدہ اور سہمی ہوئی تھی ــــ وہ دلی سے آئی تھی۔ سب کو وہاں کے حالات اور اڑتی افواہوں سے آگاہ کرنے لگی۔

سلیمہ بیگم بڑے دھیان سے اس کی باتیں سن رہی تھی اور اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ جو قیاس اس نے حالات کے رخ سے لگائے ہیں وہ بڑی حد تک صحیح ہیں۔

"خدا خیر کرے گا"، سب کو پریشان ہوتے دیکھ کر سلیمہ بیگم بولیں ــــ "ہمیں شہنشاہ کی آمد کا انتظار کرنا چاہیے ــ"

"ہاں"، مادر ملکہ نے گہری سانس چھوڑی ــــ

پھر

تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد جودھا بائی سے پوچھا "مریم زمانی بیگم الہ آباد سے کوئی خبر لایا تھا کہ رانی مان بائی کملا وتی علیل ہیں ۔۔۔"

"رانی ماں کملا کو اعصابی تکلیف بڑی دیر سے ہے۔ جب کوئی پریشانی ہو تو یہ دورے بڑھ جاتے ہیں ۔۔۔ آپ کو پتہ ہے نا جب حرم کی خواتین نے آپس میں مل کر ساز باز کی تھی ۔۔۔ تب بھی وہ بیمار ہو گئی تھی ۔۔۔"

"کثرت ازدواج سے ایسا ہوتا ہی ہے۔ شہزادۂ عالی کی ہندو مسلم بیویوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ کچھ شراب نوشی اور افیون نوشی سے کملا کو چڑ ہے ۔۔۔ رانی کا ذہن نازک اتنے بار کا متحمل نہیں ہو سکتا" سلیمہ بیگم نے بے لاگ تبصرہ کیا ۔۔۔ "اب بھی سنا ہے شہزادہ رنگ رلیوں میں مصروف ہیں ۔۔۔ کملا کا بیمار ہونا ناقابل فہم نہیں ۔۔۔"

"اسے اپنے سسر جی سے بھی بڑی عقیدت ہے" رانی رادھا بائی بولی "اسے پتہ ہوتا کہ سازش ہو رہی ہے تو وہ کبھی الہ آباد نہ جاتی ۔۔۔"

"بیچاری بچی" ، مادر ملکہ نے آہ بھری ۔۔۔

کچھ دیر سب کملا ہی کی باتیں کرتی رہیں ۔۔۔

مادر ملکہ اپنا حلق خشک محسوس کر رہی تھیں۔ انہوں نے پانی طلب کیا۔ سلیمہ بیگم نے خوش رنگ مشروب کا پیالہ اُٹھا کر انہیں پیش کیا۔

وہ پی چکیں تو سلیمہ نے سب سے کہا "مادر محترمہ کو آرام کرنے دیا جائے ہمیں یہ محفل برخاست کرنی چاہیئے ۔۔۔"

"ہاں بالکل"

سب اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ مادر ملکہ کو جھک کر تعظیم دی اور ایک ایک کر کے دالان سے نکل گئیں۔

"چُپ چُپ کیوں ہو نادر" مہرتاج نے گردن موڑ کر اس کے چہرے کو دھیمی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی۔ دونوں ایک مٹیالی بھوری چٹان تلے ایک بڑے سے ٹیڑھے میڑھے پتھر پر بیٹھے تھے ۔۔۔ مہرتاج نے حسب وعدہ محل میں واقع ہونے والی چھوٹی بڑی تبدیلیوں سے آگاہ کیا تھا۔ مادر ملکہ اور سلطان سلیمہ بیگم کی باتوں سے جو کچھ وہ اخذ کر سکتی تھی وہ بھی اسے بتایا تھا۔ افواہیں جو گردش کر رہی تھیں۔ وہ بھی گوش گزار کی تھیں ۔۔۔ اور یہ خبر بھی سنائی تھی کہ آج شام ڈھلے شہنشاہ آگرہ پہنچ گئے ہیں ۔۔۔ ان کی آمد کی خبر سے محلوں میں کیسی ہلچل مچی وہ بھی بتائی تھی ۔۔۔

اتنی باتیں نادر نے خاموشی سے سنی تھیں۔ بہت کم بولا تھا۔ اس کی اس خاموشی کو مہرتاج نے محسوس کیا تو پوچھ ہی بیٹھی۔

"بتاؤ نا ۔۔۔ اتنی خبریں سُن کر بھی تم چپ ہو ۔۔۔" وہ رسانیت سے بولی۔

"کیا کہوں"

"کچھ بھی ۔۔۔ یہ خبریں تمہارے لیے پریشان کُن ہیں کیا؟"

"حیران کن ۔ پریشان کن ۔۔۔"

"واقعی"

"ہوں"

"لگتا ہے شورش زیادہ ہی بڑھے گی۔ سازشیں ہوتی ہی رہتی ہیں۔ لیکن یہ سازشیں مغل حکومت کے لیے پیہم دردسری اور خطرے کا باعث ہوں گی ——"

مہرتاج نے شوخ ادائی سے سر کو جنبش دی اور دلفریب انداز میں بولی "تم ان سے متفکر کیوں ہو تم بھی تو یہی چاہتے ہو ——"

"نہیں مہرتاج —— میں ایسا ہرگز نہیں چاہتا ——"

"تم تو —— باغی شہزادے کے پرچم تلے شہنشاہ کے خلاف محاذ آرائی کرنے کی بھی بات کر رہے تھے۔"

نادر پھر چپ ہو گیا۔

کئی لمحے مہرتاج بھی خاموش رہی۔

پھر

نادر خود ہی بولا "مہرتاج —— میں اس زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ بھگوڑا بن کر جینا آسان نہیں ہوتا میں نے جو شہزادے کے پرچم تلے آنے کی بات کی تھی وہ بھی اسی وجہ سے کہ اس دلدل سے اس صورت نکل سکوں ——"

"پھر ——"

"حالات اس طرح بھی سازگار نہیں ہوں گے —— شہنشاہ واپس آ چکے ہیں آدھی فوج ان کے ہمراہ ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شہزادے کے خلاف اعلان جنگ کرنے سے نہیں چوکیں گے۔"

"پتہ نہیں اب تو وقت ہی بتائے گا کہ وہ کیا کرتے ہیں ——"

"ان کا اتنی عجلت میں واپس آنا —— آدھی فوج کو ہمراہ لانا بلاوجہ تو نہیں"

"میں نے سنا ہے مادر ملکہ اور سلطان سلیمہ بیگم شہزادۂ عالی اور شہنشاہ عالم میں

مصالحت کروانے کی تیاری کر رہی ہیں —— شاہ پہنچ چکے ہیں۔ آج کل میں اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا کہ دونوں معزز خواتین باپ بیٹے میں مصالحت کروا دیں۔"

"حالات بڑے مخدوش اور گھمبیر ہیں مہرتاج —— اتنے سہل طریق سے حل نہیں ہوں گے۔"

"شہزادۂ عالی اپنی دادی سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور سلطان سلیمہ بیگم کو بھی حقیقی ماں سمجھتے ہیں —— وہ ان کی بات کیسے نہیں مانیں گے۔"

نادر اس کی بات پر بے اختیارانہ ہنس دیا۔

"کیوں؟" وہ بولی

"میں حیران ہوں مہرتاج کہ تم کیا شے ہو۔"

"کیوں؟"

"کبھی تو اتنی ہوشیار زیرک اور معاملہ فہم ہو جاتی ہو کہ تمہیں دانشور تسلیم کرنا پڑتا ہے"

"پھر؟"

"پھر کبھی کبھی تم ایسی باتیں کرنے لگتی ہو کہ تمہیں احمق بھی کہا جائے تو ——"

"ہٹو جی —— میں ناراض ہو جاؤں گی۔"

"نہ نہ —— نہ —— یہ ظلم نہ کرنا ——"

"تو پھر میرے متعلق ایسی رائے کیوں قائم کرتے ہو کہ مجھے احمق قرار دے دو"

"ایسے ہی بات کر رہا تھا میری جان ——"

اس نے اپنا بازو اس کی کمر میں حمائل کرتے ہوئے کہا —— وہ سمٹ کر ایک طرف ہونے کی کوشش کرتے ہوئے بولی "نہیں بولتی تم سے"

"نہ بولو۔ لیکن قریب تو رہو" نادر نے ہنس کر اسے قریب کر لیا۔ پھر ہولے سے بولا "تم ابھی شہزادے کے متعلق بتا رہی تھیں نا کہ وہ مادر ملکہ اور سوتیلی ماں سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اس لیے وہ ان کی بات مان کر صلح پر آمادہ ہو جائیں گے۔"

"غلط بات تو نہیں کہی ــــ"

"پگلی شہزادے کو ان محبتوں اور چاہتوں کا اتنا ہی پاس ہوتا تو وہ یہ قدم اٹھاتا۔ باپ کی بے پناہ محبت اور ماں کی بے لوث محبت کو جس نے پس پشت ڈال دیا وہ ان رشتوں کی پروا کرے گا بھلا؟"

"ہاں یہ بات سوچنے کی ہے۔"

"جو تم نے سوچی نہیں ــ اب کہو تمہیں احمق کہنے میں حق بجانب ہوں نا" اس نے شوخی سے مہرتاج کو زور سے جھنجھوڑا ــ وہ کسمسائی۔ لیکن اپنے آپ کو نادر کی گرفت سے آزاد نہ کر سکی۔

"مہرو" نادر نے ہولے سے اسے پکارا۔

"ہوں"

"ایک بات پوچھوں"

"پوچھو ــ"

"حالات سنگین اور مخدوش ہو رہے ہیں۔ تم ان سے گھبرا تو نہ جاؤ گی"

"کیا مطلب؟"

"مطلب واضح ہے"

"میں سمجھی نہیں ــ"

"مہرو ــ ہو سکتا ہے یہ حالات ہم دونوں کے لیے مصائب کھڑے کر دیں۔ میں تم تک نہ پہنچ سکوں تم مجھ تک نہ ــ"

"ایسا نہ کہو نادر ــ" مہرتاج نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی ــ "اب دوریاں میری برداشت سے باہر ہوں گی ــ"

"اسی سوچ سے تو میں پریشان ہوں ــ"

"نادر ــ"

"ہوں"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم جہاں جاؤ مجھے بھی ساتھ لے جاؤ"

نادر نے ایک گہری سانس لی پھر دو انگلیوں سے اس کی ٹھوڑی چھو کر اس کا چہرہ اونچا کرتے ہوئے بولا ــ "کاش ایسا ممکن ہوتا ــ"

"ممکن کیوں نہیں" مہرو بڑی مستحکم آواز میں بولی ــ

نادر نے اس کا چہرہ چھوڑتے ہوئے کہا "میرا کوئی ٹھکانہ نہیں مہرو"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تم تو ہو نا۔ میرے لیے یہی کافی ہے۔ نادر میں بہادر اور جرأت مند لڑکی ہوں ــ تمہارا ساتھ ہر حال میں دوں گی۔ میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہوگا"

"میں تمہاری محبتوں کی انتہا سے واقف ہوں مہرتاج ــ" وہ گھمبیر لہجے میں بولا۔

"تو پھر ــ مجھے اپنے سے الگ کیوں رکھنا چاہتے ہو"

"مجبور ہوں ــ"

"اور اس مجبوری سے نپٹنے کی ابھی تک کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی"

"راہیں مسدود ہوتی جا رہی ہیں"

"تم مایوس ہو رہے ہو"

"نہیں ــ"

"پُرامید ہو تو ایسے لہجے میں باتیں کیوں کر رہے ہو ــ"

"میں ــ میں بٹ جاتا ہوں مہرو ــ"

مہرتاج اس کے قریب ہوتے بولی "کیا مطلب؟"

"مہرتاج ــ"

"ہوں"

"میں نے جو منصوبے بنائے تھے وہ شہزادے کی بغاوت سے پنپ نہیں سکتے۔ اب شہنشاہ بھی واپس آگئے ہیں۔ ان کے ہمراہ فوج بھی آئی ہے۔ ادھر جمنا کے پار الہ آباد میں شہزادے کا پایہ تخت ہونے کی وجہ سے بھی اس کی فوج کی بھرمار ہے۔"

"تو ــــ"

"میرے سپاہی اور وفادار لشکری سب بکھرے ہوئے ہیں۔ اب ان کے گھر جانے کا خدشہ ہے کیونکہ ان کے اردگرد مغل فوجیں پھیل جائیں گی ــــ ایسی صورت میں میرے لیے ــــ خیر چھوڑو ان باتوں کو ــــ آؤ کچھ اور باتیں کریں ــــ"

"ہماری موت وزیست کا مسئلہ ہے نادر ــــ ہم اس سے ہٹ کر اور کیا باتیں کریں گے"

"کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی"

"جو صورت ہے اس سے تم متفق نہیں ہوتے"

"کیا ہے"

"شہنشاہ سے معافی مانگ لو ــــ"

"مہر تاج" نادر اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور خفت سے بولا "یہ چاہوں بھی تو ایسا قدم اس حال میں اٹھانا ممکن نہیں ــــ میں بارہا تمھیں بتا چکا ہوں ــــ"

"نادر" وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی

"ہوں"

"اس سلسلے میں میں بہت کچھ کر سکتی ہوں"

"مثلاً ــــ"

"مثلاً یہی کہ راہیں استوار کر سکتی ہوں۔ میں شاہی خواتین کے بہت قریب ہوں"

"وہ کچھ نہیں کر سکتیں ــــ"

"یہ مجھ پر چھوڑ دو ــــ"

"تم جذبات میں آکر وہ راستہ چننے کی کوشش کر رہی ہو۔ جو خطرناک بھی ہو سکتا ہے"

مہر تاج چپ ہو گئی۔

چند لمحے گزر گئے۔

پھر وہ خود ہی بولی "نادر ایک بات بتاؤ"

"کیا؟"

"فرض کیا میں راہ ہموار کر لیتی ہوں ــــ تب تم شہنشاہ سے معافی مانگ لوگے"

"ایں خیال است ومحال است وجنوں است ــــ"

"میں نے فرض کیا ہے ــــ بتاؤ نا ــــ تم ــــ"

"سنو ــــ" ایک دم ہی نادر نے اس کی بات کاٹ کر ہاتھ اونچا کیا اور گردن اونچی کر کے بائیں سمت دیکھتے ہوئے کان کھڑے کر کے بولا۔

"کیا ہے"

"کچھ آوازیں ــــ"

"کیا؟"

"سنو تم بھی ــــ"

مہر تاج بھی چوکنی ہو گئی ــــ نفی میں سر ہلایا۔ لیکن کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ بھی ہراساں سی ہو گئی ــــ

"دھمک سی سنائی دے رہی ہے" وہ بولی

"لگتا ہے گھوڑے ــــ" نادر نے پنجوں کے بل اونچا ہوتے ہوئے اس سمت دیکھا۔

"ہاں نادر ــــ گھڑسوار آرہے ہیں ــــ گھوڑوں کی ٹاپوں کی دھمک ہے۔ بہت دور ہے لیکن ہے سہی ــــ"

"شاید کوئی فوجی دستہ ادھر آرہا ہے"

"ہاں ــ یہی لگتا ہے ــ"

"تم ـ تم چلی جاؤ ــ یہ نہ ہو وہ قریب آجائیں اور تم ــ"

"اور تم ؟"

"میری فکر نہ کرو ــ میں ان کے آنے سے پہلے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاؤں گا۔ تم جلدی کرو۔ ایسا نہ ہو ــ وہ قریب آجائیں اور تمہارا واپس جانا ممکن نہ رہے۔ باقی باتیں پھر ہوں گی فی الحال تم جانے کی کرو۔"

"نادر ــ" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"فکر کی بات نہیں۔ تم جاؤ ــ جلدی کرو ــ مجھے بھی ان کے یہاں تک پہنچنے سے پہلے روپوش ہونا ہے ــ"

"خدا حافظ نادر ــ" مہرتاج کسی آنے والے خطرے کی گھنٹی محسوس کرتے ہوئے روہانسی ہو کر بولی۔

"خدا حافظ میری جان" نادر نے جلدی سے کہا ــ پھر چند لمحے توقف کر کے بولا۔

"اور سنو مہرتاج کل نہیں آنا"

"کیوں ؟"

"شاید ــ کل مجھ سے یہاں تک پہنچنا ممکن نہ ہو ــ پتہ نہیں یہ کون لوگ آرہے ہیں لیکن لگتا ہے۔ چند ایک نہیں بیشمار گھوڑ سوار ہیں ــ ہو سکتا ہے یہ شہنشاہ کے ہمراہ واپس آنے والے لشکری ہوں۔ تم جاؤ ــ"

"پرسوں آؤں ــ"

"حالات دیکھ لینا ــ"

"میں ضرور آؤں گی نادر ــ"

نادر نے جلدی سے دن شمار کیے اور بولا "تین دن بعد آنا ــ اسی میں بہتری

ہے۔ اگر حالات مخدوش ہوئے تو پھر نہ آنا سمجھیں ــ"

اس نے جلدی جلدی مہرتاج کو سمجھایا۔ گھوڑوں کے ٹاپوں کی دھمک اب زیادہ واضح ہو گئی تھی۔ وہ پریشان ہو رہا تھا۔ بار بار دونوں ایک دوسرے کو خدا حافظ کہہ رہے تھے۔ جی نہیں چاہ رہے تھے لیکن چلے جانے میں مصلحت تھی۔

مہرتاج جدا ہو کر چل دی۔ جب تک وہ نظر آتی رہی وہ اسے تکتا رہا۔ پھر وہ پلٹ کر اپنی راہ جانے لگا۔

چہرہ جذبات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ من میں جو کچھ ہو اس کا پرتو چہرے پر پڑتا ہے۔ آنکھوں سے چھلک جاتا ہے۔ انسان خواہ کتنی ہوشیاری اور خوبصورتی سے اپنے اندر ہونے والی اتھل پتھل اور توڑ پھوڑ کو اپنی حرکات اور گفت گو سے چھپالے۔ لیکن یہ اتھل پتھل اور توڑ پھوڑ پوری ایمانداری سے چہرے اور آنکھوں سے جھانکتی رہتی ہے اور اپنے ہونے کا پوری شدت سے احساس دلاتی رہتی ہے۔

شہنشاہ اکبر کا چہرہ بھی ان کے دلی جذبات کا آئینہ دار تھا۔ وہ اندر ہی اندر جذبات کے جن ریلوں سے دوچار تھے ان کا عکس ان کے چہرے سے عیاں تھا ان کی آنکھوں سے چھلکتا تھا ـــ حالانکہ وہ بڑے صبر وضبط اور تحمل کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ بڑی دلجمعی سے معاملے سے نپٹ رہے تھے اور کسی جذباتی کمزوری سے مرعوب نہ ہونے کا اظہار کر رہے تھے۔

وہ آگرہ واپس پہنچ چکے تھے۔ ان کی آمد پر ساری رسمی کارروائیاں، ور شاہی تکلفات کیے گئے ـــ امیر وزیر حاضری کے لیے پیش ہوئے ـــ مغل کوشک سراؤں میں ہلچل مچ گئی اور خاندان کے چیدہ چیدہ افراد اور شاہی خواتین بھی حاضر خدمت ہوئیں ـــ مہارانی بھی قدم بوسی کو حاضر ہوئی اور شہنشاہ مادر ملکہ کی خدمت میں آداب کہنے اور احوال پرسی

کرنے حاضر ہوئے۔

لیکن

شہنشاہ نے کسی پر اپنے دکھ کا اظہار نہیں کیا۔ اس معاملے پر کہ شہزادے نے بغاوت کر کے بہت بُرا کیا ہے۔ کسی نے اظہار خیال نہیں کیا۔ شہنشاہ نے موقع ہی نہیں دیا اور سرسری سی ملاقاتوں کے بعد اپنی خوابگاہ میں چلے گئے ـــ سب نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ ابھی یہ باتیں نہ کی جائیں۔ شہنشاہ ایک لمبے اور تکلیف دہ سفر کے بعد یہاں پہنچے تھے اور انہیں آرام کی ضرورت تھی ـــ

آرام

جو

شاید ان کے مقدر میں نہیں تھا ـــ

ان کی بے چینی اضطراب اور دکھ مادر ملکہ مہارانی سلطان سلیمہ بیگم اور سب ملاقاتیوں نے محسوس کر لیا تھا۔ ان کی ہمدردیاں شاہ سے بڑھ گئی تھیں ـــ اور وہ سب ہی شہزادے کی بے باکانہ جرأت پر اسے دل ہی دل میں کوس رہے تھے۔

اگلے دن بڑے پر آشوب تھے۔ شہنشاہ کی غیر موجوگی میں کئی سانحے پیش آچکے تھے۔ ان کا مشیر خاص وزیر خزانہ راجہ ٹوڈرمل فوت ہو گیا تھا۔ اس کے چند دن بعد راجہ بھگوان داس چل بسا تھا۔ دونوں شہنشاہ کے عزیز ترین دوست تھے۔ ان کی جدائی کا صدمہ خاصا گہرا تھا ـــ اس سے پہلے جب شہنشاہ کا رکن خاص راجہ بیربل جو پیدائشی مزاحیہ قصہ گو تھا فوت ہوا تھا تو شہنشاہ کئی دن اس کے سوگ میں دربار میں نہ آئے تھے عزیز دوست کے بچھڑنے کا انہیں بہت صدمہ ہوا تھا ـــ

اب ان دونوں کے مرنے کی خبر بھی شاہ کے حواس کو بُری طرح متاثر کر گئی تھی۔ ایک بیٹے کی بغاوت کا صدمہ دوسرے ساتھیوں کے بچھڑ جانے کا غم ـــ لگتا تھا باہمت اور

اولوالعزم شہنشاہ کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔

شہنشاہ نے فوری طور اجلاس طلب کیا اور ان جدا ہونے والوں کا سوگ منایا گیا۔ ان کی خدمات کو سراہا گیا اور ان کے لواحقین سے اظہار افسوس کرنے کے علاوہ انہیں جاگیریں بھی عطا کی گئیں۔ اس اجلاس میں عزیز کو کلتاش راجہ مان سنگھ نے بھی شرکت کی اور شہزادہ خسرو بھی عزیز کے کہنے پر حاضر ہوا ـــــ

شہزادہ خسرو سولہ سترہ سالہ خوبرو نوجوان تھا۔ شہنشاہ کا منظور نظر پوتا تھا۔ اس کی تربیت شاہ نے خود بھی کی تھی ـــــ اور اسی لیے وہ شاہ دادا کو بہت عزیز تھا۔ باپ سے زیادہ وہ شاہ دادا کے قریب رہا تھا۔ اس لیے اس کی محبت اور پیار بھی شاہ دادا سے بہت زیادہ تھا۔ بلکہ وہ شاہ دادا ہی کو باپ سمجھتا تھا۔ ویسے بھی شہزادہ بڑا ہونہار تھا۔ ابوالفضل جیسے عالم فاضل اور کہنہ مشق سالار کے زیر سایہ رہنے کی وجہ سے اس میں بھی وہی خوبیاں تھیں ـــــ وہ کئی علوم سیکھ چکا تھا اور اس نوعمری ہی میں بڑی خوبیوں سے لیس تھا۔ وہ عام مغل شہزادوں کی طرح شراب اور افیون کا استعمال بھی نہیں کرتا تھا ـــــ موسیقی اور فنون لطیفہ سے بھی دلچسپی تھی ـــــ سلطنت کے امور سے آگاہی تھی۔ زیرک اور معاملہ فہم بھی تھا۔ حالات نے جو رخ بدلا تھا وہ بڑے غور سے ان کا مطالعہ کر رہا تھا عزیز کو کلتاش نے بھی خیالات کا رخ بدلا تھا اور یہ بات اس کے ذہن نشین کر دی تھی کہ اگر شہزادہ سلیم نے نافرمانی کی روش اختیار کیے رکھی تو شہنشاہ اکبر ولی عہد کو بے دخل کر دیں گے اور یقینی بات ہے کہ اس کے بعد تخت و تاج کے وارث کے لیے وہی موزوں ہوگا۔ عزیز نے اسے بطور خاص آگاہ کیا تھا کہ وہ شاہ دادا کے قریب رہ کر ان کی محبت اور اعتماد سمیٹ لے۔

شہزادہ ناسمجھ تو نہیں تھا اور پھر اتنی بڑی سلطنت کا وارث ہونا بھی معمولی بات نہ تھی۔ وہ عزیز کی باتوں میں آگیا اور اس نے توجہ اور لگن سے شاہ دادا کا اعتماد حاصل

کرنے کے لیے کوشش کر دی۔ اس کے ماموں مان سنگھ نے بھی کچھ ایسے ہی سبق اسے پڑھائے۔

چنانچہ

آج اس کی دربار میں حاضری اسی مقصد کے تحت تھی۔

تعزیتی اجلاس برخاست ہوا تو شہنشاہ کے معتمد آدمی وہیں رہ گئے۔ ان میں عزیز اور راجہ مان سنگھ بھی تھے۔ شہزادہ خسرو بھی تھا اور سالار صلابت خان بھی جو آگرے میں فوجوں کا سالار تھا اور خسرو کی پشت پناہی کر رہا تھا ـــــ

شہزادے کی بغاوت کا معاملہ در پیش ہوا۔ شہنشاہ نے بے چینی اور اضطراب چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "کئی بغاوتوں نے ختم لیا اور ہم نے انہیں مسل کر رکھ دیا۔ سامو گڑھ اور اسیر جیسے قلعے سرنگوں ہو گئے۔ شہزادے کی کیا بساط ـــــ چند ہزار لشکریوں کو لے کر ہمارے مقابلے کے لیے نکلے گا ـــــ ہماری قوت و طاقت سے اس نے چشم پوشی کی ہے۔ ہم میں سرکشی اور بغاوت کو کچلنے کی پوری ہمت ہے"

خسرو اپنی جگہ سے اٹھا۔ دربار کی چوڑی سیڑھیوں کو طے کرتے ہوئے شہنشاہ کے تخت تک پہنچا۔ پھر گھٹنوں کے بل جھکتے ہوئے شہنشاہ کے گھٹنوں پر سر رکھتے ہوئے گھگھیایا "شاہ دادا ـــــ بابا کی سرکشی نے آپ کو دکھ پہنچایا ـــــ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا ـــــ میں آپ کا وفادار اور جانثار ہوں شاہ دادا ـــــ بابا کی جسارت ناقابل معافی ہے"

شہنشاہ بڑے متاثر ہوئے۔ خسرو کی پشت پر ہاتھ سے تھپکی دی۔ پھر اسے کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا۔ اس کے خوبصورت چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولے "جان دادا ـــــ تمہیں ہراساں اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے بوڑھے دادا کے حوصلے بلند ہیں۔ سلیم ہمیں بہت عزیز ہے۔ لیکن ہم اپنی محبت کا گلا گھونٹ کر وہی کریں گے جن کے حالات متقاضی ہوں گے ـــــ نافرمانی کرنے والوں کو چھوڑا نہیں جائے گا"

شہنشاہ نے خسرو کو پیار سے اٹھایا اور اپنے پہلو میں تخت پر بٹھالیا۔

خسرو نے شہنشاہ کا ہاتھ تھام کر بوسہ دیا اور پھر آنکھوں سے لگاتے ہوئے بولا "شاہ دادا ہمیں آپ پر مان ہے فخر ہے —"

"جیتے رہو —" شہنشاہ نے پھر اس کی پیٹھ تھپکی۔

عزیز اور مان سنگھ کے من میں لڈو پھوٹنے لگے — شہنشاہ کا رویہ نیک فال تھا۔ شہزادے کو تخت پر اپنے پہلو میں بٹھانے سے بھی ان کا حوصلہ بلند ہوا تھا۔ شہزادہ سلیم کے بعد شہنشاہ کے لیے خسرو ہی روشنی کی کرن تھی۔

شہنشاہ خسرو سے کچھ دیر اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ خسرو تسلسل سے اپنے باپ کی نافرمانی پر غم اور غصے کا اظہار کرتا رہا۔

شہنشاہ دل ہی دل میں پہلے ہی شہزادے کی جسارت پر پیچ و تاب کھا رہے تھے خسرو کی باتوں سے آگ بھڑک اٹھی۔ وہ بڑی گونجدار آواز میں بولے "ہم شہزادے کو اس جسارت کا مزہ چکھا دیں گے۔"

"تو کیا مہاراج لشکر کشی کا ارادہ رکھتے ہیں —" راجہ مان سنگھ جس نے شہزادے کو بھڑکانے اور بغاوت پر اکسانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اب شہزادہ خسرو کا طرفدار بن چکا تھا سلیم کی جگہ تاج شاہی خسرو کے سر پر دیکھنا چاہتا تھا وہ بڑی لجاجت سے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا —

"ہم ایسا قدم اٹھانے پر مجبور ہیں —" شہنشاہ نے رعب دار آواز میں جواب دیا۔

"عالی جاہ —" صلابت خان نے عرض کی "اجازت ہو تو کچھ عرض کردں"

شہنشاہ نے ہاتھ کے اشارے سے اجازت مرحمت فرمائی۔

"ظل سبحانی —" وہ مؤدبانہ انداز میں سینے پر ہاتھ رکھ کر سر جھکاتے ہوئے بولا "ہماری عسکری قوت اتنی ہے کہ اس کا چوتھائی حصہ بھی شہزادے کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا جائے تو کافی ہوگا —"

"یہ نئی بات نہیں۔ مابدولت آگاہ ہیں —"

"عرض خدمت ہے کہ جنگ و جدل کے بغیر ہی اس معرکے کو سر کیا جائے تو کیا ہرج ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"شہزادۂ عالی کو خط لکھ کر سرزنش کی جائے۔ متنبہ کیا جائے کہ اگر انہوں نے یہی روش اختیار کیے رکھی تو انجام اچھا نہیں ہوگا —"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ طریق کارگر ہوگا؟"

"یقیناً ظل سبحانی۔ شہزادہ عالی کی سختی سے باز پرس ہو تو وہ ہتھیار ڈال کر معافی مانگ لیں گے۔"

"کیوں عزیز —" شہنشاہ نے صلابت خان کی باتوں میں وزن محسوس کرتے ہوئے عزیز سے پوچھا۔

"بندہ کیا کہہ سکتا ہے۔ خط لکھ کر دیکھ لیجئے۔ ہوسکتا ہے ہمارے سالار کی بات درست ہو۔" مان سنگھ نے بھی شہنشاہ کے پوچھنے پر یہی بات کہی — دونوں جانتے تھے کہ شہزادہ ان باتوں سے مرعوب ہونے والا نہیں — سالار صلابت کے ذہن میں بھی یہ بات تھی لیکن وہ شہنشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے یہ منصوبہ پیش کر رہا تھا — حالانکہ اس کے علم میں جو باتیں آئی تھیں اسے پتہ تھا کہ شہزادے کی حالت چڑھے ہوئے طوفان کی سی ہے۔ اس طوفان کی زد میں جو کچھ آتا ہے خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتا ہے۔ شہزادے سے اس صورت میں یہی توقع تھی کہ وہ خط سے کوئی اثر نہیں لے گا۔ جس سے شہنشاہ کے غصے کی آگ بھڑکے گی اور وہ بیٹے کے اور خلاف ہوجائے گا۔

شہنشاہ نے یہ تجویز ذہن میں رکھی

اور

جب اپنے معتمد اور بھروسے کے مشیروں سے اس کا تذکرہ کیا تو شاہ اور سلطنت
مغلیہ کے سچے بہی خواہوں نے اس تجویز کو پسند کرتے ہوئے کہا" شہزادے سے دو ٹوک
فیصلہ کرنے کے لیے جنگ سے پہلے یہ طریق صحیح ہے۔ وہ اکسائے اور پھسلائے گئے ہیں
یہ تنبیہ کارگر ہوگی ——"

شہنشاہ نے اس کام کے لیے خواجہ محمد شریف کو منتخب کیا۔ یہ شہزادہ سلیم کا بچپن کا
دوست اور ساتھی تھا۔ یہ موزوں ترین آدمی کا جو خط کے ساتھ زبانی بھی شہنشاہ کا
سرزنشی پیغام اور انکار کی صورت میں تباہ کن انجام کی دھمکی بھی شہزادے تک پہنچا سکتا تھا

شہنشاہ کو حرم کی خواتین نے بھی اسی بات پر آمادہ کیا کہ وہ شہزادے کو چٹھی بھجوائیں
مادر ملکہ نے جو صدمے سے نڈھال تھیں روہانسی آواز میں بیٹے سے کہا" اکبر بیٹے لشکر کشی سے
اجتناب کرو۔ میں باپ بیٹے میں آگ و خون کے دریا بہتے نہیں دیکھ سکتی۔ سلیم نے نافرمانی
کی ہے۔ یہ بڑے دکھ اور کرب کی بات ہے۔ شاید یہ صدمہ میری جان ہی لے لے۔"

" مادر محترم ——" اکبر نے بزرگ اور بیمار خاتون کے پاؤں پر ہاتھ رکھ دیئے اور
دکھتے لہجے میں بولے" میں آپ کے جذبات کا احترام کرتا ہوں —— گو میرا دل خون خون ہے
اور میں شہزادے کی نافرمانی کی سزا اسے دینے کو بے تاب ہوں۔ تاہم آپ کے الفاظ کا
احترام کرتے ہوئے میں وہی کروں گا جو آپ کی خواہش ہے۔"

" جیتے رہو ——" وہ لرزتی آواز میں بولیں" مجھے سلیم بھی بہت پیارا ہے اکبر تم
خط میں یہ حوالہ بھی دینا کہ اس کے اس اقدام سے اس کی بوڑھی اور کنارِ گور دادی کو بہت
صدمہ ہوا ہے اور کوئی عجب نہیں کہ یہی صدمہ ان کی جان بھی لے لے —— میں چاہتی ہوں
کہ مرنے سے پہلے باپ بیٹے میں مصالحت ہو جائے ——"

شہنشاہ نے اٹھ کر ماں کے ہاتھ تھام لیے —— اور روہانسی آواز میں بولے" آپ

ٹھیک ہو جائیں گی مادر محترم —— اس صدمے کو ذہن سے جھٹک دیں۔ سلیم کو عنقریب
حضور کی قدم بوسی کے لیے پیش کر دیا جائے گا ——"

" کاش —— آنکھیں بند ہونے سے پہلے میں اسے دیکھ سکوں ——"

" آپ ہمت اور حوصلہ نہ ہاریئے مادر محترم۔ آجکل میں قاصد چٹھی لے کر الٰہ آباد چلا
جائے گا اور چند دنوں میں شہزادہ آپ کے قدموں میں ہوگا ——"

مادر ملکہ بہت بیکل اور مضمحل تھیں —— آگرہ آنے سے پہلے بھی ان کی طبیعت ناساز
رہتی تھی۔ بڑھاپا بذات خود بیماری تھا۔

لیکن

شہزادے کی نافرمانی نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ چند دنوں ہی میں اتنی
نڈھال ہو گئی تھیں کہ بستر میں پڑ گئی تھیں —— سہارے کے بغیر اٹھنا ممکن نہ رہا تھا
اور گھبراہٹ اور بے چینی کے باقاعدہ دورے پڑنے لگے تھے ——

سلطان سلیمہ بیگم انہیں بڑا حوصلہ دلاتیں۔ ڈھارس بندھاتیں۔ لیکن غم کا تیر جگر
کے آر پار تھا انہیں کوئی فرق نہ پڑا —— اور جب اپنے جان سے عزیز بیٹے کو دیکھا۔ ان کے
چہرے پر حزن و ملال کی کیفیتیں دیکھیں ان کی آنکھوں میں جما ہوا آزار نظر آیا تو وہ دکھ کے
دھاروں پر تیزی سے بہنے لگیں —— حکیم وید اور سیانے بیماری سے تو نبرد آزما ہو سکتے
تھے دکھی جذبوں کی کیسے تسکین کرتے ——

مادر ملکہ کی جان کے لالے پڑ گئے۔ کسی وقت تو یوں لگتا کہ اب چند سانسیں ہی
باقی رہ گئی ہیں۔ اسی کے پیش نظر شہنشاہ کو سلطان سلیمہ بیگم نے بھی یہی رائے دی ——
ان کی بہن بخت النساء بیگم نے بھی یہی کہا کہ شہزادے کو خط لکھ کر راہ راست پر لانے
کی کوشش کی جائے۔ مادر ملکہ کے علاوہ ان خواتین کے بھی شہزادے سے جذباتی رابطے
تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ باپ بیٹا آمنے سامنے ہوں اور جنگ و جدل انہیں دور

سے دور تر کردے۔ ان کی کوشش تھی۔ کہ کسی نہ کسی طور باپ بیٹے میں مصالحت ہو جائے۔ خط کے علاوہ یہ خواتین تو خود الہ آباد جانے کو بھی تیار تھیں۔

"میں شہزادے کے پاس جانے کو تیار ہوں" سلطان سلیمہ بیگم نے ایک دن شہنشاہ سے کہا۔

"آپ جا کر کیا کریں گی"

"انہیں سمجھاؤں گی"

"وہ نہ سمجھے تو ـــــ"

"یہ نہیں ہو سکتا ـــــ آپ مجھ پر چھوڑ دیں ـــــ میں انہیں یہاں لے آؤں گی۔ ہاں ایک بات ہے کہ آپ اسے معاف کر دینے کا وعدہ کریں ـــــ"

"یہ تو جب ہوگا جو وہ یہاں آئے گا"

"انہیں لانا میرا کام ہے۔ میں انہیں لانے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔ آپ یہ وعدہ فرما دیں کہ ان کی نافرمانی کو معاف فرما دیں گے"

شہنشاہ چپ ہو گئے تھے۔ سلیمہ بیگم نے ان کے چہرے کے تند و تیز تناؤ دیکھے تو دل میں سہم گئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ شہنشاہ شہزادے کو معاف کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتے ـــــ وہ کیا کرنا چاہتے تھے۔ وہ یہ بھی نہ جان سکی۔

لیکن

اس کے بار بار کہنے پر بھی جب شہنشاہ نے معاف کر دینے کا وعدہ نہیں کیا تو وہ بولی "آپ شہزادے کو سرزنشی اور تنبیہی خط لکھوا رہے ہیں ـــــ"

"ہاں اور یہ خط محمد شریف خواجہ کے ہاتھ بھجوایا جا رہا ہے"

"خط اپنی جگہ" وہ بولی "لیکن میں خود جاؤں تو معاملات اچھی طرح سلجھائے جا سکتے ہیں"

"سلطان سلیمہ بیگم ـــــ اس وقت حالات ٹھیک نہیں۔ شہزادہ بیس ہزار فوج کے

ساتھ الہ آباد کے انواح و اطراف میں دندناتا پھر رہا ہے۔ پر آشوب زمانے میں آپ کا الہ آباد جانا مناسب نہیں ہے ـــــ پہلے شریف جائے گا ـــــ اور اگر کوئی سلجھاؤ کی صورت ہوئی تو پھر آپ کے جانے کا سوچا جا سکتا ہے ـــــ"

اکبر کی بہن شہزادی بخت النساء بیگم نے بھی بھائی سے یہی عرض کی "شہزادہ مجھ سے بہت مانوس ہے۔ میں اسے آگرہ لا سکتی ہوں۔ مجھے جانے کی اجازت دی جائے"

شہنشاہ نے اسے بھی وہی جواب دیا۔ جو سلیمہ بیگم کو دیا تھا۔

اصرار کے باوجود شہنشاہ نے دونوں خواتین سے اتفاق نہیں کیا۔

رانی جودھا بائی کی حالت بھی غم اور غصے سے ٹھیک نہ تھی ـــــ اسے تو غم کھائے جا رہا تھا۔ شہنشاہ کے حضور جب بھی کچھ کہنے کو لب کھولے آنکھیں ساون بھادوں کا سماں پیش کرنے لگیں۔

"یہ کیا ہو گیا مہاراج"

"اب کیا ہوگا"

"شہزادے نے کیا کیا۔ کیوں کیا؟"

"سازشیوں نے میرے بچے کو پھنسا لیا"

"شیخو ایسا تو نہیں تھا ـــــ"

مہارانی دکھ سے سوچتی۔ اپنے آپ سے سوال کرتی۔ ممتا کی ماری ماں کو کسی کل چین نہ پڑتا۔ حالات کس رخ جا رہے تھے۔ آگے چل کر کس رخ مڑیں گے وہ کچھ نہیں جانتی تھی، لیکن شہنشاہ کے رویے سے وہ سہمی ہوئی تھی۔ شہنشاہ اسے کوئی تسلی بھی تو نہ دے رہے تھے۔

سارے محلات سوگواری کی لپیٹ میں آئے ہوئے تھے۔ رونقیں گہما گہمیاں اور ہلچل مفقود تھی۔ ہر کوئی ہراساں تھا۔ ہر کوئی پریشان تھا۔

"اے"

"کیا ہے"

"سدھ بدھ کھوئے بیٹھی ہو۔ کتنی بار پکارا تمھیں۔ جواب ہی نہیں دیا۔ جب ہی بیٹھی ہو——"

"کیا کہنا ہے۔"

"رات اتر آئی ہے۔ اندر چلو——"

"میں کچھ دیر یہیں بیٹھوں گی"

"کیوں"

"وقت گزار رہی ہوں——"

"یہاں بیٹھنے سے وقت جلدی گزرے گا کیا؟"

"سوسن تم اندر جاؤ—— مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"ہوا کیا ہے"

"کچھ نہیں۔"

"پھر بھی"

"کہا نا کچھ نہیں——"

سوسن اس کے قریب بارہ دری کی سیڑھیوں پر بیٹھتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں بولی" دو دن سے نادر کو نہیں دیکھا اس لیے ہوش و حواس کھوئے بیٹھی ہو——"

"سوسن —— میں آج —— نادر سے ملنے جاؤں گی"

"آج——"

"ہاں"

"لیکن تم نے تو بتایا تھا —— کہ——"

"میں کل تک انتظار نہیں کر سکتی"

"لیکن وہ تو کل آئے گا نا—— آج وہاں تھوڑا ہی ہو گا۔"

مہر تاج چپ ہو گئی۔ اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں پر گرا لیا۔

"مجھے تو لگتا ہے تم پاگل ہو جاؤ گی مہر تاج" سوسن نے ہمدردی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا" خود ہی تو بتایا تھا۔ کہ نادر نے ——"

"لیکن ——" مہر تاج نے سر اٹھایا —— "میرا دل بے چین ہے۔ طبیعت گھبرا رہی ہے۔ لگتا ہے لگتا ہے ——"

"کیا لگتا ہے"

"لگتا ہے کچھ ہونے والا ہے ——"

"یہ کوئی نئی اور بڑی بات نہیں مہر تاج۔ محلوں کی فضا اتنی بوجھل اور اتنی آزردہ ہے کہ ہر وقت یہی لگتا ہے کہ کچھ ہونے والا ہے —— ہر چہرے پر اداسی چھائی ہے۔ ہر آنکھ میں اضطراب ہے۔"

"میں اوروں کی بات نہیں کر رہی سوسن —— اپنی بات کر رہی ہوں۔ مجھے نادر کی طرف سے تشویش ہے۔ اب سے —— کچھ ——"

"اسے کچھ نہیں ہو گا ــــ وہ جرأت منداور بہادر ہے۔ جو آدمی ان حالات میں بھی تمھیں باقاعدگی سے ملنے آسکتا ہے اسے کچھ نہیں ہو سکتا ــــ وہ چاروں طرف سے خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ اس کے سر پر ہر وقت ننگی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔ لیکن وہ تم سے ملنے چلا آتا ہے۔ میں تو سوچتی ہوں تو پریشان ہو جاتی ہوں ــــ"

"سوسن ــــ اس رات ــــ گھڑسوار ادھر سے گزرے تھے ــــ پتہ نہیں کیوں میرا من ڈول رہا ہے کہیں کسی نے نادر کو دیکھ نہ لیا ہو ــــ"

"پگلی ــــ نادر کو دیکھ لیا ہوتا تو یقیناً گرفتار کر لیا ہوتا ــــ"

"اللہ نہ کرے"

"یہی تو بتا رہی ہوں۔ نادر کی گرفتاری کی خبر کیا مخفی رہتی ــــ تم گھبراؤ نہیں وہ کسی کے ہاتھ نہیں آئے گا ــــ"

"لیکن ــــ"

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔ کل اس نے آنے کا کہا ہوا ہے تو کل ہی جانا۔ آج جا کر کیا کرو گی ــــ اور ہاں کل بھی جاؤ ــــ تو بے حد احتیاط کرنا ہو گی۔ جانتی ہو کہ شاہی لشکر جمنا کے کنارے کنارے دور تک پڑاؤ ڈال چکا ہے ــــ"

"ہاں ــــ سنا تو ہے" مہرتاج بولی پھر کچھ سوچتے ہوئے کہا "اس رات کہیں مغل لشکری ہی نہ ادھر سے گزرے ہوں"

"وہی ہوں گے ــــ جمنا کے کنارے کنارے دور تک ان کے خیمے اور چھولداریاں لگ چکی ہیں"

"کیا؟" مہرتاج مارے ہراسانی کے بے اختیارانہ کہہ اٹھی۔

"تمھیں نہیں پتہ؟"

"تو کیا سارے میدان میں ــــ"

"ہاں اوپر کی بالکنیوں سے میں نے آج شام دیکھا تھا۔ ہر طرف خیمے اور چھولداریاں ہی نظر آتی ہیں ــــ دریا کی ناکہ بندی کی گئی ہے ــــ الٰہ آباد سے آنے والے دریائی راستے روکے گئے ہیں"

"اوہ میرے مالک"

"کیوں ــــ کیا ہوا ــــ"

"سوسن ــــ"

"ہاں"

"اب کیا ہو گا ــــ"

"پتہ نہیں ــــ"

"سوسن ــــ نادر اب کیسے آئے گا مجھے ملنے ــــ"

"کیوں؟ کیا وہ ادھر ہی سے آتا ہے جدھر لشکر پھیل گیا ہے"

"ہاں ــــ"

سوسن چپ ہو گئی۔ مہرتاج بے چین اور بے کل ہو کر بولی "سوسن اب کیا ہو گا۔ نادر کیسے مجھ تک پہنچے گا"

سوسن نے اس کی پریشانی محسوس کرتے ہوئے اسے ساتھ لگا کر کہا "گھبراؤ نہیں۔ نادر نے تم سے ملنے کا کہا ہے تو وہ ضرور تم تک پہنچے گا ــــ"

"میرا دل گھبرا رہا ہے سوسن ــــ میرے نادر پر ضرور کوئی ــــ"

"الٹی سیدھی باتیں سوچ سوچ کر پریشان نہ ہو ــــ خدا سے خیر مانگو ــــ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم تو بڑی بہادر ہو۔ خطرات سے گھبراتی نہیں۔ آج تمھیں کیا ہو رہا ہے ــــ"

"میں ــــ میں ــــ ان گنت خطرات کی چاپ محسوس کر رہی ہوں سوسن ــــ میرا

دل کہہ رہا ہے کہ نادر ــــ اُف خدایا ــــ"

"اٹھو اندر چلو ــــ" سوسن ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ مہرتاج کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی اٹھایا اور قدم اٹھاتے ہوئے بولی "محلوں کی فضا سوگوار ہے۔ مادر ملکہ زندگی کے آخری اور گنے چنے سانس پورے کر رہی ہیں۔ اس سوگواری اور اداسی کا اثر ہے جو تمہارا دل گھبرا رہا ہے۔ اندر چلو ــــ لوگوں میں گھلو ملو ــــ کنیزوں سے باتیں کرو ــــ طبیعت خود بخود ٹھیک ہو جائے گی ــــ"

"نہیں ــــ سوسن ــــ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ نادر کسی خطرے سے دوچار ہے"

سوسن نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ پھر ملائمت سے بولی "خطرے تو ہر وقت اس پر منڈلاتے رہتے ــــ اور وہ بے جگری سے ان کا مقابلہ کر رہا ہے۔ خدا جانے سارا دن وہ کس طرح اور کس حال میں گزارتا ہے۔ پھر بھی رات کو تم تک پہنچ جاتا ہے۔ ملنے کا جو وقت دیتا ہے اس وقت پر بہر صورت پہنچ جاتا ہے ــــ"

"لیکن آج ــــ"

"مہرتاج ــــ آج تو اس نے تمہیں ملنے کا نہیں کہا نا ــــ پرسوں تم نے خود ہی تو بتایا تھا وہ کل آئے گا ــــ اور ضرور آئے گا ــــ لیکن ایک بات دھیان میں رکھو۔ اب تم لوگ ملنے کے ٹھکانے بدل لو ــــ جدھر تم جاتی ہو ادھر اب لشکری پھیلے ہیں۔ کہیں کسی نے دیکھ لیا تو ــــ"

سوسن کانپ گئی ــــ

لیکن مہرتاج نادر ہی کے خیال میں کھوئی رہی۔ اس کا دل گھبرا رہا تھا۔ کوئی کشش اسے نادر کی طرف کھینچ رہی تھی ــــ وہ جانتی تھی کہ نادر نے کل رات ملنے کے لیے آنے کو کہا تھا۔ لیکن اس کی روح اس کا دل اور اس کا من پکار پکار کر کہہ رہا تھا "مہرتاج آج ہی پہنچو اپنے محبوب کے پاس۔ آج ہی آج ہی ــــ آج ہی ــــ"

یہ بے تار خبر رسانی بھی عجیب ہی ہے۔ دل سے دل کو راہ اسی کے حوالے سے ہوتی ہے۔ سچا پیار کرنے والے ایک دوسرے سے اسی رابطے سے جڑے ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے دور ہوں۔ تب بھی اور سکھ کے دار اکٹھے ہی محسوس کرتے ہیں۔ ایک خوش ہو تو دوسرا دور ہوتے ہوئے بھی اس خوشی کو اپنے اندر اترتا محسوس کرتا ہے۔ ایک اداس و پریشان ہو ــــ تو دوریوں کے باوجود یہ اداسی اور پریشانی دوسرے کو متاثر کرتی ہے۔

بے تار خبر رسانی کے یہی رابطے اس وقت مہرتاج کو بے کل اور بے چین کر رہے تھے۔ نادر اس سے دور تھا۔ اور اسے قطعاً معلوم نہیں تھا۔ کہ وہ کس حال میں ہے۔ لیکن پھر بھی وہ محسوس کر رہی تھی۔ کہ نادر کسی مصیبت سے دوچار ہے۔ اسے کوئی تکلیف پہنچی ہے۔ وہ ٹھیک نہیں ہے۔

سوسن مہرتاج کو اس کے کمرے تک چھوڑنے آئی۔ اسے اس کے بستر پر لٹاتے ہوئے بولی "آرام سے سو جاؤ ــــ دل سے پر وہم نکال دو ــــ یہ جو تم اداس اور پریشان ہو رہی ہو نا۔ یہ سب محلوں کی سوگوار فضا کا اثر ہے۔ صرف تم ہی نہیں یہاں ہر کوئی پریشان ہے۔ شہنشاہ سے لے کر ادنیٰ وفادار ملازم تک۔ سبھی دکھی ہو رہے ہیں"

مہرتاج نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سوسن کچھ دیر اس کے پاس رہی۔ ادھر ادھر کی باتوں سے اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتی رہی ــــ

اس کے جانے کے بعد بھی مہرتاج کی طبیعت نہ سنبھلی۔ دل ہول کھا رہا تھا گھبرا رہا تھا۔ بار بار نادر ہی کا خیال آ رہا تھا۔ خوف وسوسے اندیشے اسے بے چین کر رہے تھے۔ جمنا کے کنارے کنارے لشکریوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ سارا دن سپاہی اسی میدان میں چلتے پھرتے ہوں گے۔ جس میں ایک ابھری مٹیالی چٹان تلے نادر اور وہ ملتے تھے۔ نادر کا اپنے ٹھکانے کو راستہ بھی تو اسی طرف سے جاتا تھا۔ جدھر خیمے اور چھولداریاں لگ گئی تھیں۔ وہ کسی مشکل سے دوچار نہ ہو گیا ہو۔ کسی مشکل میں پھنس نہ چکا ہو۔ وہ

سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔

مہرتاج کو چین نہیں آ رہا تھا۔ ساری رات وہ بے کل رہی۔ کئی بار اس نے اپنی چادر اٹھائی اور نادر کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔

لیکن

ہر بار سوسن کے استدلال پر دماغ نے مہر ثبت کی۔ جانے کا فائدہ نہیں تھا۔ کیونکہ نادر نے کل آنا تھا—— آج تو وہ جانے کہاں ہوگا؟

رات انہیں سوچوں اور ادھیڑ بنوں میں سوتے جاگتے گزر گئی۔ صبح اس کی طبیعت کسلمند سی تھی اس لیے وہ دیر تک اپنے کمرے ہی میں رہی——

سارا دن بھی وہ محلاتی سرگرمیوں سے دور ہی رہی—— سوسن ہی نے آ کر اسے بتایا کہ مادر ملکہ کی حالت رات بہت خراب ہو گئی تھی—— شہنشاہ مہارانی اور سلطان سلیمہ بیگم نے باری باری مادر ملکہ کے پاس رات کا بیشتر حصہ گزارا—— مادر ملکہ شہزادہ سلیم کو دیکھنے کی متمنی ہیں۔ باغی شہزادے کو ایک نظر دیکھ لینے کی خواہش ان کے سانسوں کی ڈوری کو حیات سے باندھے ہوئے ہے۔ بھی سوسن ہی نے بتایا کہ شہزادے کو تنبیہی خط روانہ کر دیا گیا ہے۔ محمد شریف خواجہ کو یہ فرض سونپا گیا ہے کہ وہ جلد از جلد شہزادے کو معافی مانگنے پر مجبور کر کے آگرہ لے آئے۔

مہرتاج کو لگتا تھا کہ اسے ان باتوں سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔ وہ تو رات کا انتظار کر رہی تھی۔

رات

جب وہ اپنے باغی محبوب سے ملنے جان جوکھوں میں ڈال کر اس میدان میں جائے گی جہاں اب قدم قدم پر خطرے للکار رہے ہیں——

رات اتر آئی

اور

پھر

وہ گہری ہوتی چلی گئی۔

اور جب محلات کے ہنگامے سو گئے۔ خاموشی نے اپنا تسلط جما لیا اور پہریدار مستعد ہو گئے۔ سنگینیں ننگی اور تلواریں بے نیام ہو گئیں۔

تب

ہاں تب مہرتاج اپنا وجود چادر میں لپیٹے انتہائی محتاط اور سنبھل سنبھل کر چلتی سوتی رات میں جاگتے اور فرائض کو مستعدی سے ادا کرنے والے پہریداروں کی نظروں سے بچتی اس سرنگ کی طرف بڑھتی گئی جس سے نکل کر اس نے قلعہ کے باہر والے میدان میں جانا تھا—— اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ غیر محسوس سی چاپ سے خدشے اپنی طرف بڑھتے محسوس کر رہی تھی۔ دل بار بار ڈوب رہا تھا—— بہادر اور نڈر لڑکی آج بے طرح سہمی ہوئی تھی۔ شعوری کوششیں بھی اسے بے چینی اور اندیشوں سے باہر نہ نکال پائی تھیں۔

سرنگ سے باہر آ کر اس نے ایک طائرانہ نگاہ میدان پر ڈالی۔ دور دور تک خیموں اور چھولداریوں کے ہیولے دکھائی دے رہے تھے—— کھلی ہوئی چاندنی میں کچھ خیموں کی تکونیں چمک بھی رہی تھیں۔ کسی کسی خیمے کے سامنے لوہے کے ڈنڈوں پر لگی مشعلیں بھی روشن تھیں——

اس کا دل کانپ کانپ گیا۔

لیکن

قدم بڑھتے ہی گئے—— کسی مقناطیسی کشش کے ساتھ۔ وہ کشاں کشاں جائے محبوب کی طرف بڑھتی گئی—— کچھ اتفاق بھی تھا کہ جدھر سے وہ گزر رہی تھی ادھر کوئی خیمہ

نہیں تھا۔ اور نہ ہی کوئی فوجی سامان۔۔ یا گھوڑا درختوں تلے بندھا تھا۔ ٹھیلہ گاڑیاں اور بہلیاں بھی نہیں تھیں۔ فوج کا سارا دباؤ دریائی کناروں پر تھا۔ یہ راستہ نسبتاً محفوظ تھا۔

وہ بے آواز قدموں سے چلتی آگے بڑھ رہی تھی۔ کبھی کبھی چرچراتے یا درختوں پر گھونسلوں میں دبکے پرندے پھڑپھڑاتے تو وہ دم بخود رک لیتی۔ وحشی ہرنی کی طرح رک کر چاروں اور دیکھتی اور جب کچھ اطمینان ہو جاتا تو آگے بڑھ جاتی۔

بالآخر وہ اس پتھریلی ابھری ہوئی دیوار نما چٹان تک جا ہی پہنچی۔ اس نے اندھیرے ملی چاندنی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ نادر اسے کہیں کھڑا نظر نہ آیا۔

اس نے دل تھام لیا۔ اور بے تابی سے آگے بڑھی ۔۔

"نادر" اس نے مدھم سی آواز میں پکارا ۔۔۔

"مہرتاج" اس سے بھی کہیں زیادہ مدھم اور نقاہت زدہ سی آواز اس کے کانوں میں اتری ۔

"نادر ۔۔" وہ بے اختیارانہ آواز کی سمت بڑھی۔ نادر ایک کھوہ سی جگہ پہ پتھریلی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ مہرتاج قریب آئی تو اٹھنے کی بدقت کوشش کرتے ہوئے نحیف آواز میں بولا "مہرو ۔۔۔ تم آگئیں مہرو ۔۔"

مہرتاج نے اس کے قریب جلدی سے بیٹھتے ہوئے اس کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر بے صبری سے پوچھا "نادر۔ کیا ہوا۔ تم بخیر تو ہو ۔۔"

نادر نے اپنا ٹھنڈا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ ہاتھ کی ٹھنڈک محسوس کر کے مہرتاج گھبرا گئی ۔۔ "نادر۔ تم اچھے تو ہو نا ۔۔۔"

"تم آگئی ہو تو اچھا ہی ہوں"

"نادر ۔۔"

"مہرتاج ۔۔"

نادر نے مہرتاج کا ہاتھ پوری قوت سے تھام لیا۔ دونوں پر کئی لمحے بے کلی کی وہ کیفیت طاری رہی جس نے محسوسات کو گداز کر دیا ۔۔۔ اور دکھ درد از خود ایک سے دوسرے میں منتقل ہو گئے۔

اسی لیے تو مہرتاج نے سکوت کو توڑتے ہوئے ہولے سے کہا "تم ۔۔ تم ہراساں اور پریشان ہو۔ تمھاری آواز میں نقاہت ہے ۔۔ تم پر آلام و مصائب کے سائے بڑھ گئے ہیں ۔۔۔"

"ہاں مہرو ۔۔۔" نادر بولا۔

"کیا ہوا تھا"

"میں یہاں پھنس گیا تھا مہرو ۔۔ تین دن سے یہاں بھوکا پیاسا مقید ہوں ۔۔"

"نادر ۔۔۔ اوہ میرے خدا ۔۔۔ تم بھوکے پیاسے تین دن سے یہاں ہو ۔۔ کہیں جا ہی نہیں سکے ۔۔"

"گھبراؤ نہیں۔ اب تم آگئی ہو تو راہ نکل آئے گی ۔۔۔ اس رات پتہ ہے نا گھڑ سواروں کی آوازیں آئی تھیں"

"ہاں ۔۔۔"

"وہ مغل فوجی تھے"

"مجھے پتہ چلا ہے"

"وہ دریا کے کنارے کنارے پھیل گئے تھے۔ میرا واپسی کا راستہ مخدوش ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا صبح دیکھوں گا لیکن صبح لشکریوں کے خیمے لگ چکے تھے۔ سارے میدان میں فوجی ہی فوجی تھے ۔۔۔ میرے لیے اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ اس کھوہ میں دبکا بیٹھا رہوں ۔۔۔ سارا دن ۔۔۔ اسی طرح گزارا ۔۔۔ رات کو باہر نکلا ۔۔۔ راستے کا اندازہ و تعین کیا ۔۔ ۔۔"

" پھر —" وہ بے صبری سے بولی —

" میں چھپ کر نکل سکتا تھا —"

" پھر نکلے کیوں نہیں —"

نادر نے آگے کو ہوتے ہوئے مہرتاج کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر ہولے سے کہا۔

" تمھاری وجہ سے —"

" میری وجہ سے —"

" ہاں مہرو — میں نکل تو جاتا۔ لیکن پھر واپس آنے کی سبیل نہ بنتی۔ تو آج جب
تم آتیں اور مجھے نہ پاتیں تو —"

" اوہ نادر —" اس نے نادر کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر آنکھوں سے لگالیا۔
آنسو نادر کے ہاتھوں کو بھگونے لگے۔

" کل تو میری حالت بہت خراب تھی مہرو۔ اس چٹان کے ارد گرد سارا دن سپاہی
گھومتے پھرتے رہے —"

" ہائے اللہ —"

" لیکن خیریت گزری — کسی کو اس کھوہ میں جھانکنے کا خیال نہ آیا۔ کوئی دیکھ لیتا
تو — سوچو مہرو میں نے سارا وقت کس طرح تلوار کی دھار پہ گزارا —"

" میرا دل کہتا تھا نادر — میرا دل کہتا تھا کہ تم گرفتار بلا ہو۔ میں کل آنا چاہتی تھی
لیکن سوسن نے آنے نہیں دیا — اوہ — کاش میں کل آجاتی —"

" اچھا ہی ہوا جو تم کل نہیں آئیں — کل میدان میں سپاہی گھوڑوں کو لیے پھرتے رہے
تھے — رات تک۔ پتہ نہیں کیوں — میں تو یہی سمجھتا رہا کہ انہیں یہاں میری موجودگی کا احساس
ہوگیا ہے — خدا نے بڑی خیر کی —"

" تم نے تین دن اتنی تکلیف و اذیت میں گزارے — تم نے — تم نے کچھ کھایا پیا —

بھی نہیں بھوکے رہے"

" نقاہت اسی لیے تو ہو رہی ہے۔ چھاگل میں تھوڑا پانی تھا۔ جو کام آیا۔ آج تو سارا
دن بوند بوند پانی سے صرف حلق ہی تر کر سکا —"

" اوہ نادر —" مہرتاج بے اختیارانہ اس کے کندھے سے لگ کر رونے لگی " تم
نے کتنی تکلیف اٹھائی —"

" تکلیف؟ — ایسی تکلیفوں کا تو اب میں عادی ہو چکا ہوں —"

مہرتاج نے سر اٹھایا۔ آنکھیں پونچھیں اور الگ ہوتے ہوئے بولی " میں تمھارے لیے
کھانا لے آؤں؟"

" نہیں مہرتاج —" نادر نے اسے روکا۔ سمجھایا کہ ان حالات میں بار بار آنا جانا خطرناک
ہوسکتا ہے۔ کسی نے دیکھ لیا تو۔ لیکن مہرتاج نہیں مانی — وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور نادر کو
اسی کھوہ میں بیٹھے رہنے کا کہہ کر واپس چلی گئی —

چاند ڈوب گیا — اندھیرے میں خنکی رچ گئی — خاموشی گھمبیر ہوگئی۔

کافی دیر بعد مہرتاج کھانا اور پانی لے کر واپس لوٹی — اس نے اپنے ہاتھوں سے
نادر کو کھانا کھلایا۔ نادر نے تھوڑا سا کھانا کھا کر پانی پیا — اتنے دنوں کے فاقے کے بعد
پیٹ بھر کر کھانا کھانا مناسب نہیں تھا —

نادر کچھ دیر کے لیے اٹھ کر ٹہلا بھی ٹانگیں سیدھی ہی نہ ہو رہی تھیں۔ مہرتاج کا دل
دھو ہو رہا تھا — کھا پی لینے سے نادر تازہ دم ہوگیا۔ نقاہت جاتی رہی وہ ٹہلتا رہا
مہرتاج نے برتن سمیٹ لیے۔

" اب کیا ہوگا —" بڑی ہی دیر خاموش رہنے کے بعد جب نادر مہرتاج کے پہلو
میں بیٹھ گیا تو مہرتاج نے پوچھا۔

" دو ہی راستے ہیں —" نادر نے کہا۔

"وہ کونسے ؟"

"میں نے بہت سوچا ہے ان تین دنوں میں ___"

"کیا۔ سوچا ہے ___ نادر ___"

"رات کے اندھیرے میں مَیں یہاں سے نکل کر کہیں روپوش ہو جاؤں ___ ان دنوں الہ آباد دلی اور آگرہ کے ارد گرد کے سارے علاقے میرے لیے غیر محفوظ ہیں۔"

"تو ___" مہرتاج نے بے صبری سے اس کا کندھا پکڑ لیا۔

"مجھے بچتے بچاتے کہیں دور نکل جانا پڑے گا ___"

"نادر ___"

"ہاں مہرتاج ___"

"مَیں۔ مَیں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی"

"نہیں مہرتاج ___ نہیں ___"

"تو ___ پھر ___ پھر تم بھی ___ کہیں نہیں جا سکتے نادر ___ مَیں۔ مَیں"

"مہرتاج دوسرا راستہ یہی ہے کہ میں اسی طرح کھوہ میں چھپا رہوں ___ قسمت اچھی ہوئی تو بچ جاؤں گا۔ ورنہ ___"

مہرتاج نے اپنا ہاتھ نادر کے منہ پر رکھ دیا۔

"دونوں راہیں تمہارے سامنے ہیں مہرو ___" نادر نے اس کے ہاتھ کو پیار کرتے ہوئے کہا "جیسا کہو گی میں کر لوں گا ___"

مہرتاج کچھ نہ کہہ سکی ___

نادر ہی اسے سمجھانے لگا۔ اس نے بڑے پیار سے اسے دلائل دے دے کر سمجھایا! اس کے یہاں سے چلے جانے ہی میں مصلحت تھی۔ یہاں تو ہر لمحہ اسے موت سے قریب کرنے والا تھا۔

مہرتاج بضد تھی کہ وہ جہاں جائے اسے بھی ساتھ لے جائے۔ زندگی اور موت دونوں میں وہ اس کے سنگ سنگ تھی۔ ساتھ جینے اور ساتھ مرنے کی قسمیں ایسے ہی تو نہ کھائی تھیں۔ وہ موت سے ہرگز خوفزدہ نہ تھی۔

لیکن

نادر ان حالات میں اسے ساتھ لے جانے کو تیار نہیں تھا۔ ابھی پتہ نہیں اس نے کہاں کہاں کی خاک چھاننا تھی۔ کہاں کہاں بھٹکنا تھا ___ کس دربار تک رسائی حاصل کرنا تھی۔ اور اس کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلنا تھے ___ اس کے ساتھی بچھڑ چکے تھے۔ ان کی تلاش میں بھی سرگرداں ہونا تھا۔

وہ مہرتاج کو ساری باتیں بڑی وضاحت سے بتاتا رہا ___

مہرتاج کا دماغ تو جیسے ماؤف ہی ہو گیا۔ زندگی کو داؤ پر لگا دینا آسان نہیں تھا۔ نادر اس کی زندگی تھا۔ اس سے بچھڑنے کا خیال ہی سوہانِ روح تھا ___ اسے جو خطرات اور سنگین معاملات پیش آنا تھے ان کا سوچ سوچ کر بھی پاگل ہوئی جا رہی تھی ___

وہ نہ مانی

تو

نادر نے کہا "ٹھیک ہے ___ تمہاری خاطر میں یہ بھی کر گزروں گا ___ اگر میں گرفتار ہو گیا۔ تو ___"

"نہیں نادر ___" مہرتاج نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ___

"تو پھر بتاؤ نا میں کیا کروں ___" وہ بولا۔

"تم ___ تم ___ یہاں سے نکل ___ جاؤ" وہ ہچکیوں سے روتے ہوئے بولی تو نادر کا دل بیٹھ سا گیا ___ لیکن اس نے کمال صبر و ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "میں وعدہ کرتا ہوں مہرتاج ___ کہ جب بھی ممکن ہوا تم تک پہنچوں گا ___"

مہرتاج نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا "قسمت میں ہوا تو یہ دن آجائے گا۔ ورنہ۔"

"امید رکھو ——"

"نادر —— تم مہرتاج کی زندگی ہو ——"

"میں جانتا ہوں —— تم میری زندگی ہو ——"

"تمہاری زندگی کا چراغ گل ہوا تو مہرتاج کی زندگی کا دیا بھی بجھ جائے گا نادر۔"

"میں خدا سے دعا کروں گا کہ مجھے تمہارے ہی لیے زندہ اور بخیر رکھے ——"

"آمین ——"

وہ کافی دیر باتیں کرتے رہے۔ ملکی سیاست اور بغاوت کے حوالے سے بھی رونپذیر ہونے والے حالات کی باتیں کیں —— اس بغاوت سے نادر کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ ممکن ہوا تو شہزادہ سلیم تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ مہرتاج کی ساری ہمدردیاں شہنشاہ کے ساتھ تھیں۔ اس لیے وہ نادر سے متفق نہ تھی۔ وہ چاہتی تھی کسی طرح راہ ہموار کر کے نادر شہنشاہ تک پہنچ جائے —— اور اپنی حرکت پر معافی مانگ کر انہیں اپنی وفاداری اور جانثاری کا یقین دلاتے ہوئے شہزادے کی بغاوت فرو کرنے میں ان کا مددگار و معاون ثابت ہو۔

لیکن

نادر اس سے یہ وعدہ نہیں کر سکا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ مستقبل اس کے لیے کیا لیکر آرہا ہے۔ ہاں اس نے مہرتاج سے یہ ضرور کہا "اگر شہزادہ شہنشاہ سے لڑائی میں ہار گیا اور گرفتار ہو گیا۔ تو —— تو —— اس کی جان بھی چھوٹ سکتی ہے ——"

"وہ کیسے؟"

"وقت آئے تو پتہ چلے گا۔ ہاں شہزادے نے ہتھیار نہ ڈالے تو بات نہیں بنے گی"

"کس کی"

"میری ——"

"میں کچھ سمجھی نہیں ——"

"چھوڑو ان باتوں کو —— اب ہم ایک غیر معینہ مدت کے لیے جدا ہو رہے ہیں مہر— ہمیں یہ وقت ان باتوں اور مفروضوں میں نہیں گنوانا چاہیئے —— ایک دوسرے کی ڈھارس اور ہمت بندھانا چاہیے —— کیوں؟

"ہاں ——"

"تم میرا انتظار کرتی رہنا —— میں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ تمہارے پاس آؤں گا ضرور ——"

"خدا جانے یہ وقت کب آئے ——"

"وقت رکتا نہیں —— آجائے گا یہ وقت بھی ہو سکتا ہے کہ دیر کے بعد ——"

"خدا کرے۔ تم خیریت سے رہو ——"

"حوصلہ نہیں ہارنا —— وعدہ کرو —— ہمت جرأت اور بے باکی سے زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جیو گی ——"

"تم —— کب آؤ گے" وہ روہانسی ہو گئی۔

"جب حالات نے اجازت دی" وہ بولا ——

"میں کیسے جانوں گی نادر ——"

"میں تمہیں مطلع کر دوں گا"

"کیسے؟"

"یہ مجھ پر چھوڑ دو ——"

"اچھا ——"

"پہلے بھی تو ہم بچھڑ گئے تھے نا —— پھر مل گئے۔ اب بھی انشاءاللہ ہم ضرور ملیں گے"

مہرتاج چپ ہوگئی۔ چادر کے پلو سے وہ اپنے بہتے آنسو پونچھنے لگی۔ نادر بھی کچھ نہیں بولا ـــ دونوں دکھ کے دھاروں پر بہہ رہے تھے۔

"اب مجھے چلنا چاہیے مہرو ـــ کچھ ہی دیر بعد سحر کروٹ لینے والی ہے۔ میں چاہتا ہوں اس اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نکل جاؤں ـــ"

"کوئی خطرہ تو درپیش نہ ہوگا ـــ"

"ابھی تو خیموں اور چھولداریوں پر مکمل خاموشی کا تسلط ہے۔ غالباً سب فوجی گہری نیند سو رہے ہیں ـــ میں بڑی احتیاط برتوں گا ـــ انشاءاللہ اپنے راستے پر نکل جانے میں کامیاب ہو جاؤں گا ـــ ایک بار دریا کے کنارے اس بڑے پتھر تک پہنچ جاؤں۔ جس کے پیچھے سے میرا راستہ نکلتا ہے۔ پھر کوئی خطرہ نہیں ـــ"

"خدا تمہارا حافظ و ناصر ہو ـــ"

نادر نے اٹھ کر مہرتاج کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ بھی اٹھی ـــ

"مہرتاج" نادر نے اسے اپنی طرف ہلکے سے جھٹکے سے کھینچا۔

وہ بے سہارا سی ہو کر اس کے ساتھ لگ گئی ـــ جدائی کے لمحے بڑے قاتل ہوتے ہیں۔ مہرتاج تو مہرتاج نادر بھی بے چین ہوگیا۔

مہرتاج ہچکیوں سے روتی رہی

اور

نادر دکھی سا اسے سمیٹے کھڑا رہا ـــ

پھر

جب وہ جذبات کی گرفت سے اپنے آپ کو نکالنے میں کامیاب ہوا تو اس نے بولتے ہوئے اپنے بازوؤں کی گرفت ڈھیلی کر دی ـــ

"مہرتاج ـــ آنکھیں پونچھ لو ـــ اور مجھے مسکراتے ہوئے خدا حافظ کہو ـــ ہم ضرور

ملیں گے۔ ضرور ـــ" اس نے خود مہرتاج کی آنکھیں اس کی چادر سے پونچھ ڈالیں ـــ

"خدا حافظ مہرو ـــ وقت گزر رہا ہے۔ ویرا اندھیر نہ ہو جائے۔ اب تم جاؤ اور میں بھی چلوں۔

"نادر ـــ" وہ ایک بار لہرا گئی۔ نادر نے اسے تھام لیا ـــ

"اس طرح حوصلہ ہار دوگی تو میں کچھ بھی نہ کر پاؤں گا۔ مہرتاج میری ہمت بنو۔ حوصلے سے مجھے رخصت کرو ـــ ناامیدی کا دامن جھٹک دو ـــ حالات ہمیشہ ایک سے نہیں رہتے ـــ"

"ہاں نادر ـــ جاؤ ـــ" مہرتاج نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "لیکن بتا تو جاؤ اپنے آنے کی مجھے کیسے اطلاع دوگے ـــ"

"نادر سوچ میں پڑ گیا۔ پھر جلدی سے بولا" یوں کرو۔ تم ہر مہینے کی آخری جمعرات کو یہاں آجایا کرنا۔ میں جب بھی آیا مہینے کی آخری جمعرات کو آؤں گا۔ یہ ٹھیک رہے گا نا ـــ"

"ہاں ـــ" وہ دل گرفتہ تھی "میں ہر مہینے کی آخری جمعرات یہاں آکر تمہارا انتظار کیا کروں گی"

"اچھا خدا حافظ" نادر نے اسے الگ کرتے ہوئے کہا۔

"خدا حافظ" مہرتاج نے بھی کہا۔ وہ اب بھی روئے جا رہی تھی۔

نادر نے قدم اٹھایا۔ مہرتاج بھی واپس مڑی ـــ اس نے سمیٹے ہوئے برتن بھی اٹھا لیے اور چادر سے آنکھیں پونچھیں۔

دونوں مخالف سمتوں میں بڑے محتاط قدموں سے جا رہے تھے۔ کچھ کچھ فاصلے پر رک رک کر ایک دوسرے کو تک بھی رہے تھے۔ معدوم سے ہیولوں کے سوا انہیں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

دونوں جدا ہو کر اپنی اپنی راہوں پر چل پڑے۔ جدائی کتنے عرصے پر محیط ہوگی۔ یہ دونوں ہی نہیں جانتے تھے۔

حالات روز بروز گھمبیر ہوتے جا رہے تھے۔ سازشوں کے جال بنے جا رہے تھے۔ ہر کوئی اپنے مفاد کے لیے دوڑ دھوپ کر رہا تھا۔ شہزادہ سلیم کی بغاوت نے مغل حکومت کے وقار کو بڑا دھچکا لگایا تھا۔

عزیز کوکلتاش خسرو کو شہنشاہ کی نظروں میں معتبر بنانے کے لیے پوری کوششیں کر رہا تھا۔ خسرو بھی تخت و تاج پانے کا اب متمنی نظر آتا تھا۔ اسی لیے باپ کی بغاوت کو خوب اچھال رہا تھا اور شہنشاہ کی قربتوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس، بغاوت کی مذمت کرتا رہتا تھا۔ غیر محسوس طریق سے وہ شہنشاہ کو بیٹے کی نافرمانی کا احساس دلاتے ہوئے ان کا ذہن سلیم کی طرف سے مسموم کر رہا تھا۔

ان دنوں افواہیں اڑتی رہتی تھیں۔ افواہیں ہواؤں کے دوش پر اڑتے بادلوں کی طرح ہوتی ہیں۔ ہوا کا رخ جدھر کو ہو ادھر ہی پھیل جاتی ہیں۔ یہ افواہیں اور خبریں آگرہ سے نکل کر الٰہ آباد پہنچ رہی تھیں اور سب سے زیادہ رانی مان بائی کملا وتی کو متاثر کر رہی تھیں۔

کملا وتی کئی دنوں سے حواس باختہ سی تھی۔ نازک اندام اور نازک دل و دماغ رکھنے والی مان بائی کملا وتی اعصابی مریضہ بن چکی تھی — یہ مرض اسے وراثت میں بھی ملا تھا۔ حالات اس پر بری طرح اثر انداز ہو رہے تھے۔ وہ شوہر کی نافرمانی سے ہی نالاں تھی۔

اب خسرو کے متعلق خبریں مل رہی تھیں — بیٹا باپ کے خلاف سارے حربے استعمال کر رہا تھا۔ وہ یہ بات برداشت نہ کر پا رہی تھی۔ اس نے بیٹے کو خط بھی لکھا تھا کہ وہ ایسی سازشوں میں شریک نہ ہو۔

لیکن

خسرو نے ماں کے خط کا جواب دینے کی زحمت بھی گوارہ نہ کی تھی۔ مان بائی کملا وتی کو زبردست دھچکا لگا تھا — اور وہ بیمار پڑ گئی تھی۔

اس کا مرض ذہنی تھا۔ اس لیے علاج معالجے سے فرق نہیں پڑا تھا۔ شہزادہ سلیم کو مان بائی کملا وتی سے بڑی محبت تھی۔ اس نے جشن کے موقع پر اسے شاہ بیگم کا لقب دیا تھا۔ اپنی منکوحہ اور غیر منکوحہ بیویوں میں یوں اس کا مقام افضل اور منفرد کر دیا تھا۔

لیکن

کملا وتی بڑی حساس تھی۔ اسے خوشی سے زیادہ غم ہوا تھا۔ شہنشاہ اکبر زندہ تھے۔ یہ لقب وہ مرحمت فرماتے تو مناسب تھا۔ شہزادے کی بغاوت اور من مانی کرنے کا اسے بے حد قلق تھا۔ وہ ابھی اسی دکھ سے نکل نہ پائی تھی کہ شہزادہ خسرو کے متعلق خبریں ملنے لگیں۔ تخت و تاج کے لیے وہ بھی اپنے سُسر کی چالوں میں آ گیا تھا —

کملا وتی کو لگتا اس پر دکھ کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں۔ رانی یشودھا اسے بہلانے کی بڑی کوشش کرتی۔ سمجھاتی رہتی — حالات سے نباہ کرنے کا بھی کہتی۔

لیکن

کملا وتی پر کوئی اثر نہ ہوتا۔

اس دن کملا کی طبیعت کچھ زیادہ ہی خراب تھی۔ رانی یشودھا اس کے پلنگ کے پاس بیٹھی تھی، اور اسے باتوں میں لگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ باندیاں پلنگ کے اردگرد کھڑی تھیں۔ دو ایک مورچھل لیے ہوا کر رہی تھیں۔ ایک پاؤں دبا رہی تھی اور ایک

عرق گلاب چاندی کی کٹوری میں لیے کھڑی تھی ___

ایک دم ہی کملاوتی چیخی "ہٹ جاؤ۔ چلی جاؤ سب۔ چھوڑ دو میرے پاؤں۔ ہٹاؤ مورچھل ___"

"ویدی" رانی یشودھا اٹھ کر اس پر جھک گئی۔

"شیودھا" ماں بائی کملاوتی نے کہا۔

"ہاں ___"

"ان سب کو بھیج دو باہر ___"

"کیوں ویدی ___ پاؤں دبا رہی ہیں تمہارے اور مورچھل جھل رہی ہیں۔"

"نکال دو سب کو" کملا نے اپنے بالوں میں مٹھیاں بھر کر آنکھیں بند کر لیں ___

"بہت اچھا ___" یشودھا جلدی سے بولی "سب جاؤ ___ چلی جاؤ۔ میں ہوں یہاں۔ تم لوگ جاؤ"

وہ سب سر جھکاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"ویدی"

"ہوں"

"میرے یہاں رہنے پر تو تمہیں اعتراض نہیں نا ___"

"شیودھا ___"

"ہاں دیدی"

"میں کیا کروں ___"

"کیا کرنا ہے"

"مجھ سے یہ سب کچھ برداشت نہیں ہوتا ___ میرا بیٹا بھی وہی کچھ کر رہا ہے جو میرے پتی نے کیا"

"دیدی راج درباروں میں یہ سب کچھ ہوتا ہی رہتا ہے۔ تم کیوں سوچ سوچ کر ہلکان ہوتی ہو"

"معاملہ سلجھنے کی بجائے الجھتا جا رہا ہے۔ تم نے سنا نہیں ___"

"کیا"

"سسر جی نے ہمارے پتی کو خط لکھا تھا ___"

"ہاں خواجہ شریف لے کر آیا تھا یہ خط ___"

"جواب دینے کی بجائے یہ خط پھاڑ ڈالا ہمارے مہاراج نے"

"ہاں ___"

"اور خواجہ شریف کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ___ وہ واپس نہیں گیا۔ کسی پرگنے کی سرداری اسے دے دی گئی ہے"

"ہاں ___ ہاں میں جانتی ہوں ___ کیا ہوا۔ پتی دیو نے یہی بات مناسب جانی ہوگی۔ اس میں مصلحت ہوگی ___"

"ہونہہ ___"

"تم ان باتوں سے کیوں الجھتی رہتی ہو۔ جھٹک دیا کرو ایسی باتیں۔ فائدہ کیا ہے۔ اپنا بھیجا خراب کر لیا ہے تم نے تو ___"

رانی کملا بائی ایک دم ہی رونے لگی ___

"ویدی ___ ویدی" پلنگ کی پٹی پر بیٹھتے ہوئے شیودھا اس پر جھک گئی اور اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھنے لگی۔

"نہ رو ویدی ___ نہ رو ___"

لیکن وہ بے اختیار رو ئے گئی۔ روتے روتے وہ چیخنے لگی۔ یشودھا نے کئی بار اس کے منہ پر ہاتھ رکھا ___ لیکن وہ اسے چیخنے چلّانے سے باز نہ رکھ سکی ___

مجبور ہو کر یشودھا نے کملا وتی کی خاص باندی کو بلایا اور اسے سلیم کے پاس بھیجا۔

"مہاراج سے کہو رانی جی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے تشریف لائیں۔"

باندی نے جھک کر سینے پر ہاتھ رکھا اور مؤدبانہ بولی" ابھی جاتی ہوں رانی جی —— آپ یوں کیجئے کہ مہارانی صاحبہ کو دوائی ملے عرق گلاب کے چھینٹے ماریئے۔ میں کٹوری لا دیتی ہوں۔ اس سے انہیں افاقہ ہوتا ہے۔"

"لاؤ جلدی سے۔"

باندی پردہ ہٹا کر دوسرے دالان میں گئی اور نازک سی کٹوری میں دوا ملا عرق گلاب لے آئی یشودھا نے اس سے کٹوری لے لی اور اپنی انگلیاں عرق میں ڈبو کر کملا کے چہرے پر چھینٹے مارنے لگی۔

"کچھ عرق ہونٹوں پر بھی لگا دیجئے ——" باندی بولی۔

"منہ میں تو نہیں چلا جائے گا ——"

"کوئی ہرج نہیں —— اس سے بہت جلدی طبیعت سنبھل جاتی ہے ان کی۔"

"اچھا —— میں انہیں سنبھالتی ہوں۔ تم مہاراج کے پاس جاؤ۔ ویسے بھی وہ انہیں آج دیکھنے آئیں گے۔ ابھی آ جائیں تو اچھا ہے۔ خود دیکھ لیں اپنی آنکھوں سے —— کیسی حالت بنا رکھی ہے انہوں نے۔"

باندی نے پھر سر جھکایا اور بولی" ابھی اطلاع کرتی ہوں —— وہ ابھی محل ہی میں تشریف فرما ہیں۔"

"تو جاؤ جلدی کرو ——"

وہ کمرے سے نکل گئی —— کملا کی یہ خاص لونڈی تھی۔ جو نامہ و پیغام کے لیے سلیم تک پہنچ سکتی تھی۔ وقتاً فوقتاً یہی لونڈی رانی کی حالت کے متعلق اسے بتانے جایا کرتی تھی۔

یشودھا کملا کے چہرے پر چھینٹے مارے گئی۔ اس کے لب بھی تر کیے —— دوا کا اثر

تھا۔ یا ویسے ہی کملا تھک گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں —— اور چیخنا چلانا ترک گیا۔ کئی لمحے وہ بے سدھ سی پڑی رہی ——

یشودھا اس کے پاس ہی رہی۔ کملا سے اس کی بڑی دوستی تھی۔ دکھ سکھ کی ساجھی تھیں دونوں —— سوتنیں تھیں۔ لیکن آپس میں اس رشتے کا جلاپا نہیں تھا —— یشودھا کملا کو اپنی دیدی سمجھتی تھی اور کملا بھی بڑی بہن کی طرح اسے پیار کرتی تھی۔ شہزادے کی دوسری ہندو اور مسلم بیویوں میں سے کسی کے تعلقات بھی آپس میں ایسے نہیں تھے۔ جلاپا اور حسد ان میں موجود تھا۔

کملا کافی دیر بے سدھ پڑی رہی۔

پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ یشودھا اس پر جھک کر بولی" کیوں۔ اب کیسی ہو۔"

"ٹھیک ہوں ——"

"مہاراج آتے ہی ہوں گے ——"

"تم نے بلایا انہیں ——"

"آج تمہیں دیکھنے آنا ہی تھا انہوں نے ——"

"ہوں ——"

"دیکھو دیدی ——"

"کیا"

"مہاراج آئیں تو ان سے الٹ پلٹ باتیں نہیں کرنا ——"

کملا نے اک گہری سانس کھینچی۔ پھر آنکھیں بند کر لیں۔ یشودھا نے اس کا گال تھپتھپایا۔ پھر بال درست کیے۔" دیکھو تو کیا حالت بنا لی ہے۔ اٹھ کے بیٹھو۔ مہاراج آنے والے ہیں۔ ہنس کر ان کا سواگت کرنا پریشان کر دیتی ہو سب کو —— ہوں —— اٹھو۔ شاباش —— دیدی —— آج پتی دیو کو ناراض نہیں کرنا۔ خوش کر دینا —— ہوں ٹھیک"

اس نے تکیئے درست کر کے کملا کو ٹیک لگا کر بٹھا دیا۔ زیورات درست کیے ماتھے کا
جھومر جو اُلٹ گیا تھا ٹھیک سے لگایا اور بندیا ٹھیک کی۔ ساڑھی کا چمکتا پلو سر پر ڈالا۔
پھر ہنس کر بولی" اب مسکراؤ۔"

کملا مسکرانے لگی ——

" بالکل ٹھیک ——" وہ بولی" پھر پلنگ کی پٹی سے اٹھتے ہوئے مسکرا کر بولی" میں
چلتی ہوں ——"

" کیوں" کملا نے کہا۔

وہ آنکھیں شوخی سے گھماتے ہوئے بولی" پتی دیو آرہے ہیں۔ دل کی باتیں کرنا
ہوں گی —— بھئی مجھے خود ان سے اکیلے میں ملنا پسند ہے۔ اس لیے۔ اس لیے —— میں
گئی ——" وہ ہنستے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

کملا بائی تکیوں کے سہارے بیٹھی رہی۔

پھر

کافی دیر بعد باندی نے شہزادۂ عالم کی جواب شہنشاہ کہلاتے تھے، آمد کی اطلاع
دی ——

شہنشاہ شاہی لباس زیب تن کیے ہوئے تھے۔ دیوان خاص میں آج مجلس مشاورت
تھی۔ وہاں جانے کے لیے تیار ہوئے تھے۔ وہ بڑے پر وقار اور خوبصورت لگ رہے تھے۔

وہ اندر آئے تو کملا نے پلنگ سے اتر کر ان کے قدم چھونے چاہے۔ لیکن سلیم نے
ہاتھ اونچا کر کے اسے اترنے سے روک دیا۔ خود ہی قریب آئے اور ملائمت سے کہا" آپ
یہیں بیٹھی رہیں۔ شاہ بیگم ——"

کملا کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی" مجھے مان بائی یا کملا دتی ہی
کہیں پتی دیو"

" کیوں یہ القاب پسند نہیں۔ مابدولت نے آپ کو سب بیگمات اور رانیوں میں افضل
ہونے کا اعزاز بخشا ہے"

" نہیں چاہیے مجھے کچھ بھی ——" رانی کی حالت دگرگوں ہونے لگی۔

" کیا بات ہے مہارانی ——"، سلیم نے لہجہ خوشگوار ہی رکھا۔

" میں مہارانی نہیں ہوں" وہ جھلائی۔

" تو کیا ہو۔ شاہ بیگم کہلوانا بھی پسند نہیں اور مہارانی بھی بننا نہیں چاہتیں ——" سلیم
نے کملا کو دیکھا۔

کملا نے اپنا چہرہ ہاتھوں پر گرا لیا —— سلیم پلنگ کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے بولے
"طبیعت ابھی تک ناساز لگتی ہے"

کملا نے سر اِدھر اُدھر مارتے ہوئے کہا" یہ سب کیا ہو گیا ہے —— کیا ہو گیا ہے؟"

" کچھ نہیں ہوا" سلیم نے جھٹکے سے اٹھتے ہوئے کہا —— " مان بائی —— اپنے آپ
کو سنبھالو۔ مابدولت جب بھی آپ کے پاس آتے ہیں۔ ایسی ہی اُلٹی سیدھی باتیں سنتے
ہیں۔ ہمیں یہ گوارا نہیں —— سمجھیں ——"

" مہاراج ——"

" مان بائی کملا دتی —— ہم آپ سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ آپ کی عزت کرتے ہیں۔
آپ کو اپنے قریب سمجھتے ہیں۔ لیکن آپ کے رویے سے معلوم ہوتا ہے آپ ہم سے کوسوں
دور ہیں۔ آپ ہمارا ساتھ نہیں دینا چاہتیں —— کہیں آپ ہم سے غداری ——"

" مہاراج ——" شہزادے کی گونج گرج سے خائف ہو کر کملا چیخی۔

" ہم نے ویدوں اور طبیبوں سے پوچھا ہے۔ آپ کو کوئی بیماری نہیں۔ آپ ذہنی
مریض ہیں۔ آپ تندرست ہونا چاہتی ہیں تو اپنا آپ درست کیجیے۔ سوچوں اور خیالوں کو
مثبت راہ پر لگائیے —— سسر اور بیٹے کو بھول کر اپنے شوہر کا ساتھ دیجیے ——"

کملا اس سرزنشی لہجے کی عادی نہ تھی۔ شوہر کے غصے اور گھن گرج نے اعصاب پر منفی اثر کیا۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

شہزادے کا مزاج برہم ہو گیا ــــ آج پیار محبت اور ملائمت سے کملا کو سمجھانے کی بجائے وہ غصّے میں بھر گئے۔ چند لمحے وہ اسے خشمگیں نگاہوں سے کھڑے تکتے رہے، پھر ایک دم ہی اپنے قدموں پر مڑے اور بولے "آپ اپنا دماغ ٹھکانے پر لے آیئے ــ مابدولت اب اس وقت تک آپ کے پاس نہیں آئیں گے جب تک آپ خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال نہیں کریں گی ــــ"

وہ غصے سے پاؤں پٹخ کر چلے اور کمرے سے نکل گئے ــــ

کملا وتی گنگ سی ہو گئی۔

دو تین دن وہ گم صم سی رہی۔ لونڈیوں باندیوں سے بھی کوئی بات نہیں کی یشودھا سے بھی نہیں بولی۔

پھر

ایک رات جب محلسرا پر نیند اور خاموشی کی پریاں پر پھیلائے اُتریں۔ کاروبار حیات تھم گیا اور دن کی تگ و دو نے دم روک لیا تو رانی مان بائی کملا وتی نے بہت ساری افیون اپنے اندر اتار لی۔ وہ اپنے پتی دیو کی ناراضگی کا چرکہ برداشت نہ کر سکتی تھی۔ سلیم اس دن ناراض ہو کر چلے گئے تھے۔ وہ دن انہوں نے اس کی احوال پرسی نہیں کی تھی۔ خود آئے تھے نہ ہی کسی کو بھیجا تھا۔ مان بائی کملا وتی کو اتنا زبردست جھٹکا لگا تھا کہ اس نے حیات ہی سے ناطہ توڑ لیا تھا۔

رانی کی موت الہ آباد کے محلوں کے در و دیوار کو سوگوار کر گئی۔ شہزادہ سلیم تو بت بن

گئے۔ کئی دن وہ اس ناگہانی صدمے سے نپٹ نہ سکے۔ لونڈیاں باندیاں اور خواجہ سرا گریہ زاری کرتے رہے۔ رانی یشودھا تو غم سے نڈھال ہو گئی۔ اسے لگتا تھا وہ دنیا میں تنہا رہ گئی ہے۔ باقی بیگمات اور رانیوں نے بھی اس کی موت سے بہت اثر لیا۔ کئی دن محلوں کی فضا ماتمی رہی۔

شہنشاہ اکبر آتش زیرپا تھے۔ غصے سے پیچ وتاب کھا رہے تھے۔ جب سے انہیں
معلوم ہوا تھا کہ شہزادہ سلیم نے ان کی بھیجی ہوئی تنبیہی اور سرزنشی چٹھی کو پھاڑ ڈالا اور
محمد شریف خواجہ کو بہلا پھسلا کر اپنا طرفدار بنا لیا۔ نیز اسے کسی پرگنے کی صوبیداری بھی بخش
دی۔۔۔ تب سے شہنشاہ شہزادے کی اس جسارت پر گرج برس رہے تھے۔ اب تک
ان کا رویہ شہزادے کے لیے سخت نہیں تھا اور وہ چاہتے تھے کہ شہزادہ اپنی نافرمانی
کی معافی ان سے مانگ لے۔

لیکن

شہزادے کی اس حرکت نے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ اس سے ایک شہنشاہ کی
طرح نپٹیں اور شہزادے کو ایک باغی تصور کر کے وہی لائحہ عمل اختیار کریں جو ایسی
صورت میں کیا جانا چاہیئے۔

چنانچہ شہنشاہ نے ایک ہنگامی اجلاس بلایا تھا۔۔۔ اور اس میں واضح طور پر اعلان
کر دیا تھا کہ شہزادہ سلیم سلطنت مغلیہ کا باغی ہے۔ اس باغی کی سرکوبی کے لیے وہ ہر حیلہ
وسیلہ استعمال کریں گے۔ وہ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے فوج کشی کریں گے اور سلیم کو
پابہ زنجیر آگرہ میں لا کر اسی سے وہی سلوک کریں گے۔ جو اب تک باغیوں سے کیا جاتا رہا ہے۔

اہل دربار کے دل دہل گئے تھے۔۔۔

چند سرکردہ امرائے نے زبان کھولنے کی جرأت کی تھی اور شہنشاہ کو اتنے سخت اقدام
سے روکنے کے لیے کچھ کہنا بھی چاہا تھا۔

لیکن

شہنشاہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا تھا "سلیم نے تخت وتاج سے بغاوت کی ہے۔ وہ
مجرم ہے اور اس کی سزا اسے ملنی چاہیے۔ ہم اس بغاوت کو کچل کر رکھ دیں گے اور شہزادہ
ہمارے ہاتھ آیا تو اسے قرار واقعی سزا ملے گی۔"

شہنشاہ کے رعب ودبدبے نے زبانیں گنگ کر دی تھیں۔

دربار برخاست ہونے کے بعد شہنشاہ نے عبدالرحیم خان خاناں کو کچھ دیر کے لیے
روک لیا تھا۔ وہ اس سے مزید صلاح مشورہ کرنا چاہتے تھے۔

شہنشاہ تخت پر جلوہ افروز تھے۔ اپنا ایک بازو انہوں نے تخت کے سنہری اور
منقش بازو پر ٹکا رکھا تھا۔ دوسرا بائیں گھٹنے پر تھا۔ پاؤں آگے رکھی گنگا جمنی چوکی پر ٹکائے
ہوئے تھے۔ وہ اس وقت بڑے سنجیدہ متین اور آہنی ارادوں کا پیکر دکھائی دے رہے
تھے۔ لشکر کشی کا منصوبہ بن چکا تھا اور سرداروں اور سالاروں کو تیاری کے احکامات بھی
دے دیئے گئے تھے۔ مخبروں کے ذریعے شہزادے کی سپاہ اس کی قوت وطاقت کا اندازہ
ہو گیا تھا راجہ نرسنگھ راؤ۔ راجہ ببر سنگھ اور بلند بخت کس کس جگہ لشکر لیے پیش قدمی
کر رہے تھے سب اطلاعیں مل چکی تھیں۔

شہنشاہ نے ایک کثیر لشکر کے ساتھ الہ آباد پر حملہ آور ہونے کا پلان بنایا تھا
اور اس کے لیے انہوں نے دریائی راستے کا انتخاب کیا تھا۔ ان کا غیظ وغضب دیر کا متحمل
نہیں ہو سکتا تھا اور وہ جلد از جلد شہزادے اور اس کے ساتھیوں کے علم سرنگوں کرنا
چاہتے تھے۔

"خان خاناں ——" شہنشاہ نے ایوان خالی ہو جانے کے بعد عبدالرحیم سے مخاطب ہو کر کہا۔

"عالم پناہ —— فرمائیے" عبدالرحیم جو تخت سے چند سیڑھیاں نیچے دائیں ہاتھ اپنی زرنگار کرسی کے سامنے مؤدبانہ کھڑا تھا بولا۔

"ہم نے حملے کے لیے دریائی راستے کا انتخاب کیا ہے" وہ تمکنت سے بولے۔

"جی عالم پناہ ——" وہ بولا۔

"تمہارا کیا خیال ہے —— یہ راستہ ٹھیک رہے گا ——"

وہ چند لمحے چپ رہا پھر متذبذب آواز میں بولا "گو بارشیں تھم چکی ہیں عالی جاہ —— پھر بھی پہاڑوں پر ابھی ان کا سلسلہ جاری ہے۔ جس سے دریاؤں میں اکثر طغیانی کی کیفیت رہتی ہے۔ جمنا بڑا دھیما دریا ہے۔ لیکن بعض اوقات یہ بھی شوریدہ سر ہو جاتا ہے اور اس کی شوریدہ سری کے یہی دن ہیں عالم پناہ ——"

"تو گویا —— تم ہمارے منصوبے سے متفق نہیں ہو ——"

"خانہ زاد یہ جرأت نہیں کر سکتا ظل الٰہی ——"

"پھر ——"

"میں نے حقیقت عرض کی ہے ——"

"اس کا مطلب ہے کہ یہ دریائی راستہ ٹھیک نہیں ——"

"اس موسم میں اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا"

"دوسرے راستوں سے جانے کے لیے جانتے ہو کتنا لمبا عرصہ درکار ہوگا"

"جی عالم پناہ ——"

"اور اتنی دیر ما بدولت انتظار نہیں کر سکتے۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ مادر ملکہ بہت علیل ہیں ——"

"خدا ان کو صحت کامل دے"

"وہ ضعیف ہو چکی ہیں۔ اس پر بیماری پچھلے دنوں کچھ سنبھلیں۔ لیکن اب پھر بیماری ود کر آئی ہے۔ وہ اس ناہنجار کے لیے تڑپ رہی ہیں —— اور ہم چاہتے ہیں —— اس باغی کو پابہ زنجیر مادر محترم کے حضور پیش کریں —— اس لیے ہم موسم کے بدلنے کا انتظار نہیں کر سکتے ——"

"جو حکم عالم پناہ ——" عبدالرحیم نے سر جھکایا پھر چند لمحے چپ رہا۔ شہنشاہ نے تخت پر پہلو بدلا تو عبدالرحیم نے نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا —— ان کے چہرے پر بڑا جلال تھا۔ لیکن ان کی آنکھوں میں دکھ کی پرچھائیاں تھیں۔

"عالم پناہ" عبدالرحیم نے خاصے توقف کے بعد کہا۔

"کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو خان خاناں ——"

"کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں"

"ہم سن رہے ہیں۔ کہو ——"

"ظل سبحانی —— شہزادۂ عالم ملکہ عالیہ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں"

"پھر ——"

"اگر شہزادۂ عالی کو ان کی بیماری کی سنگین نوعیت سے مطلع کیا جائے تو میرا خیال ہے۔ وہ انہیں دیکھنے ضرور آئیں گے —— اور اگر وہ آئیں تو ظاہر ہے اپنے کیے کی معافی مانگ لیں گے"

"تم شاید ہمیں ہمارے ارادے سے متزلزل کرنا چاہتے ہو ——"

"میرا یہ مقصد نہیں تھا عالم پناہ —— لیکن براہ راست باپ بیٹے میں تصادم دیکھنا بھی خاکسار کو گوارا نہیں ——"

"خان خاناں —— شہزادے نے بغاوت کی ہے۔ یہ جرم ہے جو اس سے سرزد ہوا۔

ہم نے آج تک کسی باغی کے بارے میں اپنے روّیے میں لچک پیدا نہیں کی۔ تم جانتے ہو— جس نے ہمارے سامنے سر اٹھانے کی جرأت کی۔ ہم نے اسے کچل دیا— اور جو کوئی نادر خان جیسے باغی کی طرح بھگوڑا ہوگیا۔ ہم نے اس کے سر کی قیمت مقرر کردی— اب بات شہزادے کی آئی ہے تو تم سمجھتے ہو ہم اپنے اصولوں سے منحرف ہوجائیں گے۔"

"عالم پناہ— اگر باغی ندامت محسوس کرے اور حاضر خدمت ہو کر معافی مانگ لے تب تو اسے بخشا جاتا ہے نا— میں بھی یہی چاہتا ہوں عالی جاہ—"

"یہ کوشش تم جیسے لوگوں ہی کے کہنے پر کی جاچکی ہے۔ شہزادے نے اپنے جرم کو اور سنگین بنا لیا ہے۔ اس کوشش کو ٹھکرا کر— ہمارے خط کا اس نے کیا حال کیا۔ ہمارے قاصد کو بھی ساتھ ملا لیا۔ کیا یہ جرم قابل معافی ہے"

شہنشاہ کی آواز میں گھن گرج تھی۔ خان خاناں کچھ اور کہنے کی جرأت نہ کرسکا۔

"شہزادہ ہمارا بیٹا نہیں۔ ہمارا حریف ہے مدمقابل آیا ہے۔ ہمارا مجرم ہے۔ دشمن ہے" وہ گرجے۔

"عالم پناہ—" خان خاناں نے سہم کر انہیں دیکھا۔

"ہم نے اپنا ولی عہد شہزادہ خسرو کو منتخب کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے" شہنشاہ اکبر نے تمکنت سے کہا۔

"ظلِ الٰہی—" بے اختیارانہ عبدالرحیم نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہم سلیم سے نپٹ کر خسرو کے ولی عہد ہونے کا باقاعدہ اعلان کردیں گے۔ شہزادے نے ہمیں جس طرح زیر کرنے کی کوشش کی ہے یہ اس کی معمولی سی سزا ہوگی— ہم اس سے پوری طرح نپٹیں گے—"

عبدالرحیم پریشان ہوگیا۔ عزیز کوکلتاش اور مان سنگھ کے متعلق وہ جانتا تھا دونوں شہزادہ خسرو کو سلیم کی جگہ دلانے کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ وہ یہ بھی جانتا

تھا کہ راجہ مان سنگھ نے خود ہی پہلے سلیم سے ساز باز کی تھی۔ اسے شہنشاہ سے بغاوت پر اکسانے میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔

لیکن وہ الہ آباد سے آنے پر بدل گیا تھا۔ شہزادہ سلیم کی بجائے خسرو کی پشت پناہی کرنے لگا تھا— عبدالرحیم کو یہ بھی پتہ چلا تھا کہ مان سنگھ کی بہن رانی مان بائی کملاوتی نے اسے مجبور کیا تھا کہ وہ شہزادہ سلیم کو باپ سے ٹکرانے میں اس کا ساتھ نہ دے۔ بہن بھائی میں بڑی تکرار ہوئی تھی۔ رانی نے پتہ نہیں کیا دھمکی دی تھی کہ وہ آگرے چلا آیا تھا اور اپنی وفاداریاں پھر سے شہنشاہ سے استوار کرکے عزیز کوکلتاش سے مل گیا تھا۔ خسرو کو شہنشاہ سے قریب تر کرنے میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔

عبدالرحیم چند لمحے بت بنا کھڑا رہا۔

شہنشاہ تخت سے اٹھے— مجلس برخاست کرنے کا ارادہ تھا۔ لیکن بیشتر اس کے کہ وہ قدم اٹھاتے یا عبدالرحیم کو جانے کی اجازت دیتے— چوبدار نے اطلاع دی کہ راجہ مان سنگھ ملنے کے لیے آرہے ہیں—

شہنشاہ نے ہاتھ اٹھا کر اجازت کا اشارہ دیا—

عبدالرحیم خان خاناں نے اجازت طلب نظروں سے شہنشاہ کی طرف دیکھا۔ شہنشاہ بولے "مان سنگھ آرہے ہیں۔ رک جائیے۔ بیٹھئے— شاید کوئی اہم بات ہو—"

عبدالرحیم اپنی نشست پر بیٹھ گیا— اس نے سرسری سی نگاہ ارد گرد کی خالی نشستوں پر ڈالی۔ جن پر کچھ دیر پہلے اجلاس میں شرکت کرنے والے امیران سلطنت بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے ذہن میں ساری ہدایات اور احکامات جو شہنشاہ نے دیئے تھے لہرانے لگے۔ لشکر کشی کا غیر متزلزل ارادہ تھا۔ کوچ کی تیاریوں کے لیے حکم دے دیا گیا تھا۔ اور حملے کے لیے دریائی راستے کا انتخاب کیا گیا تھا۔ عبدالرحیم تو تصادم ہی کے خلاف تھا۔ اس پر دریائی راستہ — وہ سوچ سوچ کر پریشان ہونے لگا۔

مان سنگھ کے قدموں کی آواز پر اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اوہ" اس کے لبوں سے مدھم سی آواز نکلی اور وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔

شہنشاہ بھی جہاں تھے وہیں رک گئے۔۔۔ ان کی نظریں مان سنگھ پر تھیں لیکن وہ منہ سے ایک لفظ نہ نکال سکے۔

مان سنگھ سراپا غم تھا۔ اور اس نے اپنے بازو پر نیلی پٹی باندھ رکھی تھی۔

مغلوں میں دستور تھا کہ جب شہنشاہ کو کسی کی فوتیدگی کے صدمۂ جانکاہ سے آگاہ کرنا ہوتا تو مرنے والے کا قریب ترین عزیز بازو پر نیلی پٹی باندھ کر حاضر خدمت ہو جاتا۔ شہنشاہ کو پتہ چل جاتا کہ کسی عزیز کی موت واقع ہو چکی ہے۔

راجہ مان سنگھ کے بازو کی نیلی پٹی نے شہنشاہ اور عبدالرحیم دونوں کے دل دہلا دیئے کچھ وقت خاموشی کا مہیب سا تسلط رہا۔

پھر

شہنشاہ کو دکھ بھری خبر سنانے کو عبدالرحیم نے پہل کی۔ اس نے مان کے قریب آتے ہوئے پوچھا "کون بچھڑ گیا۔۔۔"

"میری بہن۔۔۔ رانی مان بائی کملاوتی۔۔۔" مان سنگھ بولا۔

"کیا؟" شہنشاہ اور عبدالرحیم کے منہ سے بیک وقت نکلا۔ شہنشاہ بے اختیار نہ ایک سیڑھی نیچے اتر آئے۔۔۔

"مان بائی۔۔۔ مر گئیں؟" شہنشاہ نے حیرانی سے پوچھا "کب؟ کیسے؟ ہمیں خبر تک نہ دی گئی۔۔۔ ان کی بیماری کی۔۔۔ ہوں۔۔۔"

"انہوں نے حالات سے دل برداشتہ ہو کر خودکشی کر لی مہاراج۔۔۔ مجھے بھی آج ہی پتہ چلا ہے۔ اس واقعے کو تو تین ہفتے گزر چکے ہیں۔۔۔"

"افسوس صد افسوس" شہنشاہ نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

عبدالرحیم نے سر ادھر ادھر ہلایا۔۔۔

مان سنگھ نے جو تفصیلات معلوم ہو سکی تھیں شاہ کے گوش گزار کر دیں۔

شہنشاہ تخت پر بیٹھ گئے۔ اس خبر سے انہیں دلی صدمہ ہوا تھا۔ مان بائی کملاوتی انہیں بیٹی کی طرح عزیز تھی۔ وہ بھی ان سے بیحد پیار کرتی تھی۔ بڑا احترام کرتی تھی۔ بالکل چھوٹی عمر میں بیاہ کر ان کے زیر سایہ آ گئی تھی۔۔۔ اس لیے پیار و محبت کے بندھن بڑے مضبوط ہو چکے تھے۔۔۔ رانی نے جن حالات سے تنگ آ کر خودکشی کا اقدام کیا تھا۔ وہ بھی شہنشاہ کے لیے اذیت دہ تھا۔ شیخو نے سارے ناطے اس طرح منقطع کر لیے تھے کہ جذبوں کی بھی قدر کی تھی نہ پروا۔۔۔

"ہم تم سے سمجھ لیں گے شیخو۔ سمجھ لیں گے۔" وہ بڑبڑائے۔

پھر چند لمحے وہ خاموش رہے۔

عبدالرحیم نے مان سنگھ سے اظہار تعزیت کیا۔ رانی مان بائی کی خودکشی کا اسے بھی بہت افسوس ہوا تھا۔ رانی انتہائی بے ضرر عورت تھی۔۔۔ اس نے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا تھا۔ کسی کو گزند نہیں پہنچائی تھی۔ سلیم کی ساری بیویوں میں اسے فوقیت حاصل تھی۔

تھوڑی دیر بعد شہنشاہ اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔ رانی کے مرنے کا درباری سوگ منانے کا اعلان کیا۔ اور مان سنگھ سے پوچھا "مہارانی کو خبر ہو چکی؟"

"نہیں مہاراج۔۔۔ میں آپ کو خبر دینے کے بعد ہی ان کے پاس جانے کا سوچ کر آیا تھا۔"

"ہم بہت دکھی ہوئے ہیں اس خبر سے۔۔۔ کملا ہمیں بیحد عزیز تھی۔۔۔" شہنشاہ نے اک گہری سانس لینے کے بعد کہا "کملا مہارانی کو بھی بہت پیاری تھی۔ انہیں بھی یہ خبر بے انتہا دکھ دے گی۔۔۔ شہزادہ خسرو بھی بہت متاثر ہوں گے۔۔۔"

"ہاں مہاراج بات ہی دکھ دینے والی ہے۔۔۔"

"خان خاناں ——" شہنشاہ نے دل گرفتہ لہجے میں کہا۔

"جی ظلِ سبحانی،" وہ بولا۔

"کل صبح تعزیتی اجلاس ہوگا —— حکم نامہ جاری کر دیا جائے۔"

"جو حکم عالی جاہ ——"

شہنشاہ چند لمحے وہاں اور رُکے۔ وہ مان بائی کے بچھڑنے کے صدمے سے دوچار تھے۔ دکھ اس بات کا بھی تھا کہ شیخو نے اس کے مرنے کی اطلاع انہیں نہیں دی تھی۔ وہ باغی ہو کر رشتوں ناطوں کی ڈور کاٹ چکا تھا۔ اسی بات سے شہنشاہ کچھ زیادہ ہی دکھی ہو رہے تھے۔

شہنشاہ نے جانے کے لیے قدم اٹھایا۔ راجہ مان سنگھ کو واپس جانے کے لیے حکم دیا جا چکا تھا۔ خان خاناں چند قدم شاہ کے ساتھ ساتھ چلا۔

شہنشاہ جب دروازے سے باہر نکلے تو عبدالرحیم نے متذبذب سے لہجے میں کہا

"عالم پناہ۔ اب شہزادے پر غم کا کوہ گراں ٹوٹا ہے۔ کیا عالی جاہ اب بھی حملے کا ارادہ رکھتے ——"

شہنشاہ نے انتہائی غضب ناک لہجے میں اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "تو کیا ہم اس کی جسارت کو معاف کر دیں گے۔ ہرگز نہیں —— کوچ اسی وقت ہوگا جس کا اعلان کیا جا چکا ہے۔ تاخیر نہیں ہوگی تیاریاں مکمل کی جائیں ——"

شہنشاہ باہر نکل گئے

عبدالرحیم وہیں کھڑا رہ گیا۔

ششدر اور پریشان!

رانی مان بائی کملاوتی کے مرنے کی خبر محلوں میں پھیل گئی۔ رانی بڑی ہر دلعزیز تھی۔ اس لیے جس نے سُنا اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ خودکشی کا سن کر تو ہر کوئی لرز اٹھا۔ محل میں صف ماتم بچھ گئی۔ مان بائی رانی جودھا بائی کے بھائی کی بیٹی تھی۔ بہو بھی تھی۔ اس لیے اس کے دکھ اور غم کا عالم ہی اور تھا —— اسی رشتے کی وجہ سے محلسراؤں سے بیگمات اور دوسری خواتین مہارانی جودھا بائی کے رنگ محل میں اظہار تعزیت کے لیے آ رہی تھیں۔ کنیزیں لونڈیاں باندیاں جوق در جوق رنگ محل میں جمع ہو رہی تھیں۔ خواجہ سرا بھی مارے مارے پھر رہے تھے۔ تعزیت کو آنے والے مرد حضرات کے پیغام اور تعزیتی پُرسے مہارانی تک پہنچا رہے تھے۔

مہارانی ان دنوں پہلے ہی بہت پریشان تھی۔ شیخو کی بغاوت اور شہنشاہ کے رویے نے اس کی ہنستی مسکراتی زندگی کو غم آشنا کر دیا تھا۔ شہنشاہ سلیم کو اس کی بغاوت کی سزا دینے پر تلے ہوئے تھے۔ حملے کی تیاریوں کا حکم دے چکے تھے۔ مہارانی نے بڑا سمجھایا تھا۔ منت سماجت کی تھی۔ رو رو کر دہائی دی تھی۔

لیکن

شہنشاہ کا ارادہ بدلا تھا نہ رویے میں لچک آئی تھی۔

اب مان بائی کملاوتی کے مرنے کی خبر ملی تھی تو مہارانی کی حالت دگرگوں تھی۔ کسی پل چین نہ آتا تھا۔ شیخو کے غم اور دکھ کا احساس تھا۔ وہ جانتی تھی شیخو مان بائی سے بیحد محبت کرتا ہے۔ اس کی خودکشی سے وہ کتنا متاثر ہوا ہوگا ـــــ

مہارانی بار بار سینے پر ہاتھ مارتی اور کہتی "میرا بچہ ـــــ میرا دکھیارا بچہ۔ مان بائی تم نے کیا کر دیا ـــــ"

اردگرد بیٹھی عورتیں اس کے ہاتھ پکڑ لیتیں اور دلاسہ دینے کو کہتیں "صبر سے کام لیں۔ جو ہونا ہو چکا ـــــ اس طرح کرنے سے کچھ نہیں ہوگا ـــــ"

"میں کیا کروں۔ جی چاہتا ہے اڑ کر الہ آباد پہنچوں"

"اب وہاں جا کر کیا کریں گی ـــ مان بائی کو مرے تین ہفتے ہو چکے ہیں۔"

"یہ بھی تو پتہ چلا ہے کہ شیخو بہت پریشان اور غمزدہ ہے۔"

"وہ تو ظاہر ہے۔ ہوں گے ہی ـــ"

"اسے کون تسلی دلاسہ دیتا ہوگا ـــ میرا دل تڑپ رہا ہے۔ میرے سینے میں آگ بھڑک رہی ہے کاش یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا ـــ شیخو تم نے فاصلوں کی خلیجیں حائل کر دی ہیں۔ انہیں کیسے پاٹ لوں"

ممتا کی ماری مہارانی کو کسی طور چین نہ آتا تھا۔ صدمہ اوروں کو بھی پہنچا تھا شہزادی بخت النساء بیگم بھی دکھ اور غم سے نڈھال تھی۔ سلطان سلیمہ بھی غمزدہ تھیں ـــ صدر جہاں بیگم بھی پژمردہ تھیں۔ شہزادی جہاں آراء اور حسن بانو تو غم اور صدمے سے پتھرا سی گئی تھیں۔ محلوں کی فضا ماتمی اور پریشان کن تھی ـــ ایک طرف یہ صدمات دوسری طرف مادر ملکہ کی حالت خراب ـــ مان بائی کی خودکشی کی خبر ان سے چھپائی گئی تھی ـــ

لیکن

بوجھل اور سوگوار فضا کو وہ محسوس کر رہی تھیں۔ نقاہت کے باوجود وہ بار بار پوچھتی

تھیں "کیا ہوا؟ کچھ ہو گیا ہے؟ خسرو کیوں اداس رہتا ہے۔ جودھا بائی کے چہرے پر سوگواری کیوں ہے؟"

ایسے سمے سلطان سلیمہ بیگم نے اپنے حواس بجا رکھے اور ان کا ذہن مسائل کا حل تلاش کرنے کی تگ و دو میں لگ گیا۔ بڑی سوچ بچار کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ شہنشاہ سے اس معاملے پر دلائل کی روشنی میں بات کریں گی۔

چنانچہ

اس شام جب مان بائی کا سرکاری سوگ ختم ہو گیا اور شہنشاہ اپنی نشست گاہ میں تشریف لے گئے تو سلطان سلیمہ بیگم نے مہرتاج کو بلا بھیجا ـــ

"فرمایئے سلطان حضور" مہرتاج حاضر خدمت ہوئی جھک کر سلام کیا اور جواب کی منتظر کھڑی رہی۔

"شہنشاہ اپنی نشست گاہ میں تشریف فرما ہیں" وہ بولیں۔

"جی ہاں۔"

"ہم ان سے ملنے جانا چاہتے ہیں۔ تم جا کر ہماری آمد سے انہیں مطلع کرو۔ باریابی کی اجازت چاہیئے۔"

"بہت بہتر ـــ"

"اجازت ملے تو فوراً آ کر ہمیں بتاؤ ـــ"

"بہت اچھا سلطان حضور ـــ"

"جاؤ۔ ہم انتظار کر رہے ہیں"

مہرتاج نے مؤدبانہ سر جھکایا اور ہاتھ ماتھے تک لے گئی۔ وہ سلطان سلیمہ کے بھروسے کی لڑکی تھی ـــ اور شہنشاہ کے حضور جب بھی کوئی پیغام پہنچانا ہوتا۔ سلیمہ بیگم اسی کا انتخاب کرتیں۔ انہیں محلسرا کی کنیزوں پر کچھ خاص اعتماد نہیں تھا ـــ

مہر تاج کمرے سے نکل گئی۔

سلطان سلیمہ بیگم ایک مسند پر تکیے کے سہارے بیٹھ گئیں۔ ان کا چہرہ سنجیدہ اور متین تھا اور وہ بار بار اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر پھیر رہی تھیں۔ شہنشاہ کے گوش گزار جو کچھ کرنا تھا وہ اسے اپنے من میں مجتمع کر رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد مہر تاج واپس آئی اور اس نے اطلاع دی کہ شہنشاہ نے سلطان سلیمہ بیگم کو یاد فرمایا ہے۔

سلیمہ بیگم مسند سے اٹھیں۔ مہر تاج نے آگے بڑھ کر ان کی طلے دار جوتی ان کے پاؤں کے قریب کر دی۔

سلیمہ بیگم نے اپنے خوبصورت پاؤں جوتیوں میں ڈالے اور اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

مہر تاج نے ان کی پشواز کی شکنیں ٹھیک کیں اور بھاری کامدار دوپٹہ ٹھیک سے اوڑھنے میں ان کی مدد کی۔ سلطان سلیمہ بیگم بڑی مدبر اور باوقار ملکہ تھیں۔ لباس میں نفاست پسند کرتی تھیں۔ زیورات بھی ہمیشہ نازک اور نفیس پہنتی تھیں۔

وہ مہر تاج کے ساتھ ساتھ کمرے سے باہر نکلیں اور چوڑی راہداری عبور کر کے دوسرے دالان کی طرف گھوم گئیں ــــ شام گہری ہو چکی تھی۔ راہداریوں اور غلام گردشوں میں روشنیاں جگا دی گئی تھیں ــــ باہر باغوں میں اندھیرا اترا ہوا تھا ــــ دریچوں اور غرفوں سے چھن چھن کر آنے والی روشنیاں کہیں کہیں دم سادھے کھڑے درختوں پر پڑ رہی تھیں ــــ

مہر تاج نقیب کے فرائض ادا کر رہی تھی۔ وہ سلطان سلیمہ بیگم سے چند قدم آگے چل رہی تھی ــــ راہداری میں اسے کوئی فرد نظر آتا تو وہ با آواز بلند سلطان سلیمہ بیگم کی آمد سے اسے مطلع کر دیتی۔ آنے جانے والے کے قدم وہیں رک جاتے اور جب ملکہ قریب سے گزرتیں تو سر تعظیم سے جھکا کر ہاتھ سینے پر رکھ کر وہ ملکہ کو سلام کرتا اور جب ملکہ گزر کر کئی گز کا فاصلہ طے کر لیتیں تو وہ اپنی راہ لیتا۔

مہر تاج نے نشست گاہ کے دروازے پر رک کر شہنشاہ کو ملکہ کی آمد کی اطلاع دی۔

پھر پردہ ہٹا کر ایک طرف ہو گئی۔

"تشریف لے جائیے" اس نے ملکہ سے کہا "شہنشاہ ادھر ہی تشریف فرما ہیں"

ملکہ اندر چلی گئی۔

مہر تاج نے پردہ چھوڑ دیا اور دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی ــــ

شہنشاہ کی نشست گاہ میں فانوس روشن تھے۔ کونوں میں شمعدانوں میں رکھی بے درد بتیاں بھی جل رہی تھیں ــــ وہ ایک خوبصورت اور چوڑی مسند پر بیٹھے تھے۔ دستار سر سے اتار رکھی تھی ــــ سفید کمخواب کی قبا پہنے ہوئے تھے ــــ سینے پر سفید موتیوں کی دو تین مالائیں تھیں اور کانوں میں موٹے موٹے سفید رنگ چمک رہے تھے۔

ملکہ کو دیکھ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے ــــ

"آئیے سلطان سلیمہ بیگم ــــ" وہ پھر بیٹھ گئے اور سلیمہ بیگم کو جو اپنا نازک سا ہاتھ ماتھے تک تین بار لے جاتے ہوئے آداب عرض کر رہی تھیں قریب بیٹھنے کا ہاتھ سے اشارہ کیا۔

ملکہ گاؤ تکیے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مسند پر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے شہنشاہ کی طرف دیکھا۔

"کہئے ــ کیسے آنا ہوا ملکۂ عالیہ ــــ" شہنشاہ کے چہرے پر سوگوار سی مسکراہٹ تھی۔

"ملکہ نے شہنشاہ کی طرف دیکھا پھر گہری سانس لیتے ہوئے بولیں "ماں بائی کا سرکاری سوگ ختم ہو گیا۔"

"ہاں"

"لیکن ہمارے دل ابھی تک سوگوار ہیں۔"

"ماں بائی کے مرنے کا ہمیں بھی بہت قلق ہے۔"

"جب ہمیں اتنا دکھ ہوا ہے تو شیخو کا کیا حال ہو گا عالم پناہ ــــ"

شہنشاہ نے اک تیز نگاہ سلطان سلیمہ بیگم پر ڈالی۔ پھر مسند سے اٹھ کھڑے ہوئے بے تابی سے ٹہلتے ہوئے وہ زرنگار کرسی کی پشت پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر شہنشاہ گرجدار لہجے میں بولے "سلطان سلیمہ بیگم ـــ اگر آپ شہزادے کی حمایت میں کچھ کہنے آئی ہیں تو یہ موضوع یہیں ختم کر دیں۔ ہم اس ناخلف کے بارے میں کچھ سننا نہیں چاہتے۔"

"عالم پناہ ـــ" وہ انتہائی تحمل سے بولیں "شہزادہ کوئی غیر نہیں۔ ہمارا بیٹا ہے۔ اس کے معاملے میں سنجیدگی سے سوچنا ہمارا فرض ہے اگر وہ غلطی کر ہی بیٹھا ہے تو اسے پیار سے سمجھا کر راہ راست پر لانے کی ضرورت ہے۔"

"ناممکن ـــ وہ راہ راست پر کبھی نہیں آسکتا۔ حرص و ہوس نے اس کا دل پتھر کا بنا دیا ہے۔ اس کا خون سفید ہو چکا ہے۔ وہ رشتوں ناطوں کے بندھن سے آزاد ہو چکا ہے۔ اس کا کوئی نہیں۔ وہ کسی کا نہیں ـــ"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے عالم پناہ ـــ خون کے رشتے بھی کبھی ٹوٹے ہیں۔ نادانی اور بات ہے۔"

"وہ نادان نہیں۔"

"عالی جاہ ـــ وہ بہکایا گیا ہے"

"ملکہ ـــ آپ ـــ بے جا طرفداری کر رہی ہیں۔ شہزادہ باغی ہے۔ وہ ہمارا اور ہماری مملکت کا مجرم ہے ـــ دشمن ہے ـــ اور اسے اس کے کیے کی سزا اسی طرح ملنی چاہیئے۔ جس طرح سلطنت اور تاج و تخت کے باغی کو ملتی رہی ہے اور ملتی رہے گی۔"

سلیمہ بیگم مسند سے اُٹھ کھڑی ہوئیں ـــ شہنشاہ کے قریب آکر بولیں "عالم پناہ۔ سلیم ولی عہد سلطنت مغلیہ ہے۔ اس کا معاملہ عام باغیوں سے الگ ہے۔"

"اسے ولی عہد ہم ہی نے بنایا تھا۔ اب ہم ہی اسے اس عہدے اور اعزازے

ـک کر دیں گے۔"

"شہنشاہ عالم ـــ بخدا ایسا نہ کیجئے گا ـــ اس سے ایسے لوگوں کی مرادیں پوری ہوں گی جو سلطنت کے سچے بہی خواہ نہیں ہیں ـــ"

"ہم ولی عہدی کے لیے کسی غیر پر تکیہ نہیں کریں گے۔ شہزادہ خسرو یقیناً ہماری امیدوں اور آرزوؤں کے چراغ روشن کرے گا ـــ"

"خسرو ہمیں بھی عزیز ہے۔ لیکن ـــ حق حقدار کو ملنا چاہیئے۔"

"اس سر پھرے باغی کو ـــ"

"عالم پناہ ـــ میں کہہ چکی وہ نادانی میں اور بہکاوے میں آکر یہ قدم اٹھا چکا ہے۔ اسے سمجھایا جا سکتا ہے۔"

"ہم یہ بھی کر چکے ہیں ـــ"

سلیمہ بیگم نے حیرانی سے شاہ کی طرف دیکھا۔ وہ سر ہلاتے ہوئے بولے "شہزادے کو تنبیہی خط لکھنا کیا سمجھانے کی کاوش نہ تھی ـــ"

سلیمہ بیگم بولیں "خط لے کر جانے والا ہی غدار ہو تو ـــ"

شہنشاہ پر رعب آواز میں زور سے بولے "آپ شہزادے کی بے جا حمایت کر رہی ہیں۔ وہ باغی ہے اور ہم اس سے اسی طرح نپٹیں گے جس طرح ایک باغی سے نپٹا جاتا ہے۔ ہم اسے اس کی غداری کا دندان شکن جواب دیں گے ـــ الہ آباد پر حملہ ناگزیر ہے"

"عالم پناہ ـــ" سلیمہ بیگم احتجاجاً بولیں۔

"ہم فیصلہ کر چکے ہیں اور اب ہمارے فیصلے میں سرمو کمی بیشی نہیں ہو گی۔ ہم یہی بات مہارانی جودھا بائی سے کہہ چکے ہیں۔ اور آپ سے بھی کہہ رہے ہیں۔ لشکر کو کوچ کی تیاری کا حکم دیا جا چکا ہے۔"

"عالی جاہ ـــ اس سمے ـــ آپ لشکر کشی کریں گے؟"

" لشکر کشی کے لیے کوئی خاص وقت مقرر ہوتا ہے ملکہ ؟ — پہلے ہی ہم نے دیر کردی۔ باغی کو سر اٹھاتے ہی کچل دینا چاہیے۔ ڈھیل دینے سے معاملے اور الجھ جاتے ہیں۔ اس لیے ہمارے فیصلے کو اب التوا میں نہیں ڈالا جا سکتا —"

" عالم پناہ آپ کا آگرے میں رہنا بہت ضروری ہے ان دنوں"

" ہمارے نائب سلطنت یہاں موجود ہیں —"

" میرا مطلب امورِ سلطنت سے نہیں۔"

" تو —"

" مادر محترمہ کی حالت آپ سے مخفی نہیں —"

" ہم جانتے ہیں — خدا ان کو صحت دے"

" وہ شہزادے کو ایک نظر دیکھنے کی متمنی ہیں — جب بھی آنکھ کھولتی ہیں اسی خواہش کا اظہار کرتی ہیں —"

" اسی لیے تو ہم جلد از جلد الہ آباد پہنچنا چاہتے ہیں۔ باغی شہزادے کی سرکوبی کے لیے بے تاب ہیں۔ تاکہ اسے گرفتار کرکے مادر محترم کے قدموں میں لا ڈالیں — وہ سخت بیمار ہیں۔ بیماری — انہیں ہم سے جدا بھی کرسکتی ہے — ہم ان کی یہ خواہش نظر انداز نہیں کرسکتے — ہم لشکر کشی کا ارادہ ملتوی نہیں کریں گے۔"

سلیمہ بیگم اس صاف جواب سے پریشان تو ہوئیں۔ لیکن اپنی کوشش جاری رکھی۔ شہنشاہ کو اپنے ارادے سے باز رکھنے کے لیے انہوں نے بہت کچھ کہا۔

لیکن

شہنشاہ کا فیصلہ پتھر پر لکیر تھا — وہ کسی طور شہنشاہ کو لشکر کشی کے ارادے سے باز نہ رکھ سکیں —

شہنشاہ سے ملنا اسی طرح سے بے سود تھا۔ جس طرح مہارانی کی آہ زاری — وہ

بھی کوشش کرچکی تھی — شہنشاہ نے تو اپنی لاڈلی بہن شہزادی بخت النساء بیگم کی بات بھی نہیں مانی تھی جس نے بہ منت عرض کی تھی — کہ وہ الہ آباد جاکر شہزادے کو سمجھا بجھا کر آگرہ لائے گی۔

سلطان سلیمہ بیگم مایوس ہوگئیں۔ کافی دیر بحث و استدلال جاری رہی تھی۔ لیکن نتیجہ وہی تھا۔ وہ شہنشاہ کو خدا حافظ کہہ کر باہر آگئیں۔

مہرتاج دریچے کے ساتھ لگی ساری باتیں سنتی رہی تھی۔ شہنشاہ کے عزم سے وہ کانپ کانپ گئی تھی — اس کی سوچیں نادر خان کے گرد گھوم رہی تھیں۔

شہنشاہ جب اپنے بیٹے کو نہیں بخش سکتے تھے تو نادر خان — مہرتاج سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔

”مہرتاج“

”ہوں“

”کیا سوچ رہی ہو“

”جو سوچ رہی ہوں تم جانتی ہو سوسن“

”ہائے ہائے۔ کیا روگ پال رکھا ہے تم نے۔ زندگی اجیرن کرلی ہے۔ ایک لاحاصل شے کو حاصل کرنے کی کوشش میں لگی ہو نادر خاں سراب ہے اس کے پیچھے بھاگ بھاگ کر باؤلی ہوتی رہو گی اس جمعرات گئی تھیں نا وہاں ——“

”ہوں“

”نہیں آیا وہ“

”نہیں ——“

”اب نہ جانا ادھر“

”کیوں“

”خواہ مخواہ اپنے آپ کو کسی ایسی مصیبت میں گرفتار کرلو گی کہ اس سے چھٹکارا مشکل ہو جائے گا“

”میں نادر خان کا انتظار کرتی ہوں سوسن —— اس نے کسی بھی مہینے کی آخری جمعرات وہاں آکر مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا ہے۔ وہ ضرور آئے گا ——“

”ہونہہ چاہے یہ مہینے کی آخری جمعرات تمھاری زندگی کی آخری جمعرات ہو“

”کوئی بات نہیں ——“

”چل اُٹھ“

”کہاں چلوں۔ اندر محل میں میرا کوئی کام نہیں۔ فارغ تھی یہاں آبیٹھی“

”یہاں بارہ دری میں بیٹھنے کی کیا تک۔ فارغ ہی تو چلو وہاں چلیں۔ پھولوں کے تختے اور فواروں کی رم جھم ہے۔ موسم بڑا ہی خوبصورت ہے۔ ادھر جھولے بھی پڑے ہیں۔ میں خود بھی تفریح کے ارادے سے ادھر آئی تھی ——“

”تم فارغ ہو اس وقت“

”ہاں۔ بمشکل جان چھڑائی ہے۔ شہزادی حسن آرا تو جب بھی مجھے دیکھتی ہیں انہیں کوئی نہ کوئی کام یاد آجاتا ہے —— ابھی بھی انہیں کی خوابگاہ ٹھیک کرکے آئی ہوں پردے سمیٹے ہیں۔ چھپرکھٹ کی کامدانی سوزنی بدلی ہے۔ موتیوں کی لڑیاں صاف کی ہیں“

”پھر تو تفریح کی تمھیں واقعی ضرورت ہے۔ اتنے کام جو کرکے آئی ہو“

”جی ہاں —— کام کرکے آئی ہوں۔ تمھیں کرنا پڑیں نا تو پتہ چلے۔ بیگم صاحبہ کو سوائے فانوس روشن کرنے کے کچھ اور کرنا جو نہیں پڑتا ——“

”بکو نہیں ——“

”ہاں جی تو فرمایئے اور کیا کرتی ہیں آپ ——“

”میں آج رات بھر مادر ملکہ کے پاس رہی ہوں ——“

”اوہ ہاں —— رات ان کی طبیعت کہتے ہیں کچھ زیادہ ہی بگڑ گئی تھی۔ حکیم ہمام بھی تشریف لائے تھے“

"ہاں ــــ"

"مجھے تو لگتا ہے مادر ملکہ ــــ اب ــــ" سوسن نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے ہاتھ سے بھی نفی کا اشارہ کیا ــــ

"کسی وقت تو بالکل ہی ــــ" مہرتاج نے بھی سر نفی میں ہلایا۔

"عمر بھی تو بہت ہو چکی ہے ان کی ــــ"

"سلطان سلیمہ بیگم بتا رہی تھیں کہ گزرے رمضان المبارک میں مادر ملکہ ستّر سال کی ہوئی تھیں ــــ"

"باسٹھ تریسٹھ کے تو شہنشاہ بھی ہو رہے ہیں ــ"

"ہاں ــــ"

"خاصے بوڑھے" سوسن نے ادھر ادھر دیکھ کر سرگوشی کے انداز میں کہا۔ پھر خود ہی ہنس پڑی۔

"لیکن بوڑھے شہنشاہ کی ہمّت اب بھی جوان ہے"

"شہزادہ عالم کی بغاوت نے دھچکا لگایا ہے۔ اب معمر نظر آنے لگے ہیں ــ ورنہ دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اتنے عمر رسیدہ ہیں ــــ اس عمر میں بھی لمبے لمبے سفروں پر نکلتے ہیں اور خوفناک جنگوں میں حصہ لیتے ہیں ــــ"

"ہاں" مہرتاج نے ایک گہری سانس چھوڑی ــــ" سامو گڑھ کا معرکہ ابھی پرانا نہیں ہوا ۔ لیکن اب وہ پھر لشکر کشی کا ارادہ کر چکے ہیں ــــ"

"شہزادہ عالم پر؟"

"ہاں"

"اسے جانے دو ــــ وہ اس ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنائیں گے"

"تم کیسے کہہ سکتی ہو ــــ"

"ایسے کہ انہیں اس ارادے سے باز رکھنے والے بہت ہیں"

"مثلاً"

"مہارانی جودھا بائی جی ــــ شہزادے کی ماتا جی ــــ سلطان سلیمہ بیگم شہزادے کی ماں جی ــــ مادر ملکہ شہزادے کی دادی جی ــــ اور ــــ"

"بس بس ــــ"

"کیوں"

"یہ سب اپنے طور کوشش کر چکے ہیں ــــ"

"تو ــــ"

"شہنشاہ نے کسی کی بات نہیں مانی ــــ لشکر کو تیاری کا حکم دیا جا چکا ہے"

"نہیں ــــ نہیں ــ"

"یہ سچ ہے سوسن"

"اوئی اللہ ــــ"

"شہنشاہ شہزادۂ عالم کو کسی طور معاف کرنے پہ آمادہ نہیں ــــ"

"سچ"

"ہاں"

"ہائے ہائے ــــ کتنا بُرا ہو گا ــــ" سوسن سینے پہ مار کر آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولی "باپ بیٹے میں لڑائی ہو گی ــــ؟"

"ہوں ــــ شہنشاہ کے اصول پتھر پہ لکیر ہوتے ہیں۔ جب ہر باغی کی سرکوبی کے لیے تلوار اٹھائی جاتی ہے تو پھر شہزادے کو الگ کیسے رکھا جا سکتا ہے"

"لیکن شہزادہ ــــ شہزادہ ہے۔ ولی عہد ہے ــــ"

"باغی ہے مجرم ہے ــــ یہ بات بھی تو ہے ــــ"

"ہائے مہرتاج ——"

"ہوں ——"

"پھر تو —— پھر تو —— نادر خان —— کو بھی شہنشاہ نہیں چھوڑیں گے — وہ جب بھی پکڑا گیا —— تو —— تو ——"

مہرتاج نے ایک دلفگار سانس چھوڑی اور روہانسی آواز میں بولی" یہی تو پریشانی ہے مجھے۔ جب وہ بیٹے کے معاملے میں اتنے سخت گیر ہیں تو نادر خان کے بارے میں رویہ نرم کیسے ہو سکتا ہے —— میں نے بارہا نادر کو اکسایا کہ وہ شاہ کے حضور حاضر ہو کر معافی مانگ لے —— لیکن وہ نہیں مانا۔ وہ جانتا ہے نا کہ شاہ کے اصول پتھر پر لکیر ہوتے ہیں۔"

"تو —— تو کیا بنے گا اس کا —— کب تک بھگوڑا رہے گا۔ اس کے تو سر کی قیمت بھی مقرر ہو چکی ہے —— لوگ اس کی گرفتاری کے لیے کوشاں ہیں ——"

مہرتاج نے سر دونوں ہاتھوں پر گرا لیا اور دکھی لہجے میں بولی" خطرے کی تلوار اس کے سر پر ہمہ وقت لٹکی ہوتی ہے سوسن —— وہ خطرات میں گھرا ہوا ہے —— اس کا خدا ہی حافظ و ناصر ہے"

"واقعی ——"

"پتہ نہیں۔ کس لمحے کیا ہو جائے ——"

"خدا تم پر رحم کرے"

سوسن بھی متفکر نظر آنے لگی ——

چند لمحے دونوں چپ رہیں۔ پھر سوسن ہی بولی" مہرتاج ——"

"ہوں ——"

"ان دنوں نادر خان کہاں ہے"

"کچھ پتہ نہیں ——"

"کوئی تو ٹھکانہ ہوگا ——"

"تھا۔ لیکن اب وہ اسے چھوڑ کر جا چکا ہے ——"

"تم بھی اس کے ساتھ ہی چلی جاتیں" سوسن ایک دم ہی بولی —— "دکھ سکھ میں ساتھ تو ہوتیں"

مہرتاج نے گہری سانس چھوڑتے ہوئے اسے دیکھا پھر سر اثباتی انداز میں ہلاتے ہوئے بولی" میں نے تو کئی بار کہا۔ لیکن وہ مانا نہیں —— اسے جانے کہاں کہاں خجل خوار ہونا ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ میں بھی اس کے ساتھ مصائب جھیلوں۔"

"اب کونسا تم سکھی بیٹھی ہو ——"

"بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن وہ بھی سچ کہتا تھا —— میری وجہ سے وہ اپنی دوڑ دھوپ اور سرگرمیاں جاری نہ رکھ سکتا تو —— وہ صبح کہیں ہوتا ہے شام کہیں —— اس کے سارے ساتھی بکھر چکے ہیں۔ ان کو اکٹھا کرنے کے لیے وہ کتنی تگ و دو کرے گا —— کتنی مصیبتیں اٹھائے گا اور جبکہ اس کے لیے قدم قدم پر خطرے ہیں"

"ہائے مہرتاج —— تو نے دل بھی لگایا —— تو کس سے ——"

مہرتاج پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر لاتے ہوئے بولی" دل جب لگایا تھا وہ باغی نہیں تھا۔ شہنشاہ کا منظور نظر تھا —— یہ میری بدقسمتی ہے سوسن۔ جو حالات یوں پلٹ گئے۔"

"اچھا میری بہن —— صبر سے کام لے۔ حالات اب بھی پلٹ سکتے ہیں۔ تیری قسمت یاور ہوئی تو سب راہیں کھل جائیں گی —— دنیا اُمید پر قائم ہے۔ تُو بھی اُمید قائم رکھ ——"

"اسی امید پر تو زندہ ہوں ——"

دونوں وہیں بیٹھی دکھ سکھ کی باتیں کرتی رہیں۔ محلسرا میں بیشمار کنیزیں باندیاں تھیں لیکن مہرتاج کی دوستی صرف سوسن سے تھی۔ سوسن بڑی مخلص اور غمگسار دوست تھی۔ وہ

اس سے بے دھڑک دل کی باتیں کر لیتی تھی۔ وہ اس کے رازوں کی امین تھی ــــ مہرتاج
کا ہر راز اس نے سینے میں اتار رکھا تھا اور اس کی بھنک بھی کبھی کسی کان میں نہ ڈالی تھی۔

"اب چلنا چاہیئے" سوسن نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"کہاں"

"محل میں"

"میرا تو جی گھبراتا ہے۔ کچھ تو میرے اپنے اندر گھٹن ہے کچھ ان محلسراؤں میں۔ کشادہ
اور اونچی اونچی چھتوں والے دالان چوڑی محرابی دریچوں والی راہ داریاں وسیع و عریض کمرے۔
جانے کیوں مجھے گھٹن ہی کا احساس ہوتا ہے۔ اب بھی جب میں باہر آئی ہوں تو یہی لگتا
تھا میرا دم گھٹ جائے گا ان چھتوں تلے ــــ"

"مہرتاج محلوں کی فضا بھی تو سوگوار ہے۔ ہر چہرہ اداس اور پریشان ہے۔ رونقیں
معدوم ہو گئی ہیں۔ مہارانی کی طرف جاؤ تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ بیٹے کے غم نے ادھ موا کر
رکھا تھا۔ اس پر رانی مان بائی کملا وتی کی موت۔ سلطان سلیمہ بیگم بہت حوصلہ مند خاتون
ہیں۔ لیکن ان صدموں نے انہیں بھی بے حال کر رکھا تھا۔ باقی بیگمات رانیاں شہزادے
شہزادیاں بھی سہمے سہمے پھرتے ہیں ــــ اور اب تو ــــ جب سے سب کو پتہ چلا ہے
کہ شہنشاہ شہزادۂ عالم پر لشکر کشی کرنے والے ہیں سب دم بخود ہیں ــــ"

"ہاں ــــ کسی کی نظر ہی کھا گئی ہے چغتائیوں کی خوشیوں کو ــــ"

"کتنی گہما گہمی تھی۔ کتنی رونقیں تھیں۔ جب شہزادے کی چتوڑ کی فتح کی خوشیاں
منانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ملک گیر جشن ہونا تھا۔ سب کس قدر خوش تھے۔ واقعی
سچ کہتے ہیں کوئی چیز بھی حد سے بڑھ جائے تو اچھی نہیں ہوتی ــــ جتنی خوشیاں تھیں
ان سے بڑھ کر صدمے ٹوٹے۔ رانی مان بائی کا تو خود مجھے بھی بہت دکھ ہوا ہے"

"وہ سب کو عزیز تھیں"

"مادر ملکہ کو تو بتایا نہیں گیا ان کے متعلق"

"بے وقوف ــــ ان کی حالت ہے ایسی کہ انہیں یہ بات بتائی جائے ــــ وہ
خود گرتی دیوار ہیں۔ جانے کب بلاوا آجائے ــــ"

"ہاں اب تو ان کے بچنے کی کوئی اُمید نہیں۔ حکیم و طبیب سب مایوس ہو گئے ہیں"

"عمر بھی تو بہت ہو چکی ہے۔ اس پر شہزادے کی بغاوت کا صدمہ ــــ اسی صدمے سے
نڈھال ہو گئیں"

"فتح پور سیکری سے جب آئی تھیں تب تو اتنی لاغر نہ تھیں"

"اب تو چند دن کی مہمان ہیں ــــ"

"حکیم صاحب نے یہی کہا ہے"

"خدا رحم کرے ــــ"

"ان کی حالت کے پیش نظر شہنشاہ کو شہزادے پر لشکر کشی کا ارادہ ترک کر دینا چاہیئے"

"محترمہ سلطان سلیمہ بیگم نے بہت سمجھایا۔ لیکن وہ مانتے نہیں ــــ ارادہ غیر متزلزل
ہے۔ لشکروں کا کوچ متعین وقت پر ہوگا ــــ"

"اور جو ملکہ دم توڑ گئیں تو ــــ"

"اللہ بہتر جانتا ہے"

دونوں کافی دیر تک اپنی اپنی سمجھ اور بساط کے مطابق باتیں کرتی رہیں۔ باتیں کرنے
سے مہرتاج کا جی بھی کچھ ہلکا ہو گیا تھا۔ اس لیے جب سوسن نے اسے اپنے ساتھ اندر
لے جانے کے لیے اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

رانی مان بائی کملاوتی کی مرگ ناگہانی پر شہزادہ سلیم کے دوست حواری اور بغاوت میں اس کا ساتھ دینے والے ساتھی افسوس کے لیے آرہے تھے۔ شہزادے کو رانی کی جدائی شاق گزری تھی۔ دو دن تک اس نے کھانے کو چھوا تک نہیں تھا۔ شراب نوشی بھی چند دنوں کے لیے ترک کر دی تھی۔ چہرہ کملا گیا تھا اور ذہن ماؤف سا لگتا تھا۔ اسے دکھ اس بات سے بھی تھا کہ اس نے رانی سے ترش کلامی کی تھی ــــ اسی وجہ سے شاید اس نے خودکشی کر لی تھی ــــ اس کا ضمیر بے چین تھا۔

شہزادہ سلیم کے ذہن میں ہر وقت ہلچل مچی رہتی تھی۔ وہ اپنے قریبی اور خونی رشتوں سے کٹ چکا تھا۔ لوگ تعزیت کے لیے آتے تھے۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ سب زبانی کلامی باتیں کرنے والے لوگ ہیں تکلفاً ایسا کرتے ہیں۔ شاہی آداب انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرتے ہیں ورنہ ان لوگوں کو رانی کے مرنے سے کوئی فرق نہیں پڑا ــــ اسی لیے وہ ان لوگوں کو بہت کم وقت دیتا تھا۔ زیادہ وقت وہ محلات ہی میں گزارتا۔ کبھی کسی رانی کے پاس کبھی کسی بیگم کے پاس۔ جوان سے بھی جی اوب جاتا تو تنہائی پسند کرتا اور اپنی خوابگاہ میں پہروں رہتا۔ کسی کو وہاں جانے کی اجازت نہ ہوتی۔

شہزادے کی ہندو مسلم بیویوں کی بڑی تعداد یہاں موجود تھی۔ وہ سب شہزادے

کی دلجوئی کرنے میں پیش پیش تھیں ــــ رانی کرم سی ــــ رانی جانکی رانی یشودھا بائی بیگم نورالنساء شہزادی زدنی اور بخت آور سبھی شہزادے کو بہلانے اور اس کی قربتوں میں شامل ہو کر رانی مان بائی کی جگہ حاصل کرنے کے لیے کوشاں تھیں۔ بہت سی بیویوں کو تو کملا کے مرنے سے خوشی ہوئی تھی۔ ظاہر داری کو سوگ منایا تھا لیکن من میں لڈو پھوٹتے تھے۔ رقابت کا رشتہ بڑا مضبوط تھا۔

لیکن

رانی یشودھا کو اس صدمے نے نڈھال کر دیا تھا۔ وہ کملا سے بڑی محبت کرتی تھی۔ کملا کی رازداں بھی تھی ــــ وہ رانی کی خودکشی کے سبب سے بھی آگاہ تھی۔ اسی لیے شہزادہ سلیم جب بہت بے چین ہوتا تو رانی یشودھا کے پاس آجاتا۔ اس سے مان بائی کی باتیں کرتا۔ یشودھا سے اس کی باتیں سنتا ــــ یشودھا اس کی دلجوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتی ــــ شہزادے کو تسکین بہم پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتی۔

اس دن بھی شہزادہ رانی یشودھا کی چھپر کھٹ پر براجمان تھا۔ دربار سے اٹھ کر وہ اسی طرف آگیا تھا۔ آج راجہ بھیر سنگھ جو بندھیل کھنڈ کا راجپوت سردار تھا ــــ تعزیت کے لیے آیا تھا۔ وہ شہزادے کا دوست تھا۔ اور چند برس پہلے جب شہزادہ سلیم نے تخت و تاج سے بغاوت کا منصوبہ بنایا تھا بھیر سنگھ نے اس کی بھرپور مدد کی تھی ــــ

بھیر سنگھ نے تعزیت کے علاوہ اور بھی بہت سی معلومات جن کا مغل دربار سے تعلق تھا شہزادے کے گوش گزار کی تھیں۔ اس نے بتایا تھا کہ شہنشاہ کے غیظ و غضب کی انتہا نہیں۔ اور وہ شہزادے کو اس کی گستاخی کی سزا دینے پہ تلے ہوئے ہیں۔ لشکرکشی کے متعلق بھی اسے جو سن گن ملی تھی بتائی تھیں ــــ

"ان کی فوجیں لیس ہو رہی ہیں۔ جمنا کے کناروں پہ پھیل گئی ہیں۔ خشکی کے راستوں کا تعین کیا جا رہا ہے اور یہ بھی پتہ چلا ہے کہ شہنشاہ نے دکن سے ابوالفضل کو بلا بھیجا ہے۔

وہ شہنشاہ کا دوست اور مشیر خاص ہے جنگی معرکوں میں وہ اس سے مدد لیتے ہیں۔ اسے واپس بلانے کا مقصد یقیناً یہی ہے کہ آپ کی سرکوبی کے لیے وہ لائحہ عمل تیار کرے گا۔

شہزادہ جو پہلے ہی ایسی ایسی خبریں سن کر ہراساں تھا۔ ماں بائی کے مرنے سے الگ پریشان تھا بے اختیارانہ کہہ اٹھا تھا "بھیر سنگھ اگر تم ہمارے دوست اور بہی خواہ ہو تو ابوالفضل آگرہ پہنچنے نہ پائے۔"

بھیر سنگھ کی آنکھوں میں چمک بھر گئی تھی۔ سینے پر ہاتھ مار کر بولا تھا "اک راجپوت کی دوستی کو آزما دیکھیے مہاراج ـــ یہ بات پتھر پر لکیر سمجھیے ابوالفضل کے قدم اب سرزمین آگرہ کو چھو نہ سکیں گے ـــ"

"اس کا آگرے پہنچنا ہمارے لیے بے پناہ خطرات کا سبب بن سکتا ہے۔ ہم جانتے ہیں شہنشاہ اس کی باتوں میں ایمان کی حد تک یقین رکھتے ہیں۔ وہ ہمیں ملیامیٹ کرنے کے منصوبے ہی بنائے گا۔"

بھیر سنگھ ہنس کر بولا تھا "آگرہ پہنچے گا تب نا ـــ اس کا راستہ بندھیل کھنڈ سے ہی ہو کر جاتا ہے ـــ اور یہ راستہ اسے ملے گا نہیں ـــ"

شہزادے نے سر اثباتی انداز میں ہلاتے ہوئے کہا تھا "یہ مصیبت ٹل گئی تو ہماری بہت سی پریشانیاں کم ہو جائیں گی ـــ"

"آپ بے فکر رہیے مہاراج ـــ ہم جو ہیں آپ کی پریشانیاں بانٹنے والے۔"

"ہاں۔ ابھی ہم اپنے مخلص دوستوں سے محروم نہیں ہوئے۔ اس لیے شہنشاہ کی لشکر کشی ہمیں خوفزدہ نہیں کر سکتی ـــ"

شہزادے نے یہ بات کہہ تو دی تھی۔ لیکن اندر سے ٹوٹا پھوٹا اور بکھرا بکھرا شہزادہ سخت بے چین تھا۔ یہی بے چینی اسے یشودھا کے پاس لے آئی تھی۔

یشودھا نے چھپر کھٹ کے تکیے کی طرف بیٹھتے ہوئے بڑی محبت سے سلیم کا سر اپنے

زانو پر رکھا ہوا تھا اور اپنی نرم و نازک انگلیاں اس کے بالوں میں پھیر رہی تھی ـــ شہزادہ کچھ سکون محسوس کرتے ہوئے بولا "رانی پتہ نہیں کیوں ماں بائی کو میں بھلا نہیں پاتا۔"

"مہاراج" وہ دکھی آواز میں بولی "رانی تو رانی تھی ـــ اگر جانور کو بھی کچھ دن پیار سے رکھا جائے تو اس سے بچھڑنے کا دکھ بھی بہت ہوتا ہے۔"

"وہ تو تھی بھی بہت اچھی ـــ"

"اس میں کوئی شک نہیں پتی دیو۔"

"وہ صرف تیرہ برس کی تھی جب ہم امبر کی اس راجکماری کو بیاہ کر لائے تھے۔ بہت حسین تھی بڑی شوخ و شنگ تھی۔ وہ پہلی لڑکی تھی جو ہماری زندگی میں آئی اور ہم نے اس سے ٹوٹ کر پیار کیا ـــ"

"ہاں مہاراج ـــ"

"لیکن اُس روز ـــ اُف ـــ ہم نہیں جانتے ہم نے کیوں اس سے تلخی سے ہمکلامی کی ـــ ہم اس سے ناراض ہو گئے تھے ـــ اسی ناراضی سے بددل ہو کر ہماری شاہ بیگم نے خودکشی کر لی ـــ"

یشودھا چند لمحے چپ رہی ـــ پھر شہزادے پر جھکی۔ اس کی معطر زلفیں شہزادے کے چہرے کو چھونے لگیں وہ ہولے سے بولی "رانی کا ذہنی توازن کچھ ٹھیک نہیں تھا پتی دیو۔ پے درپے صدموں نے ان کو ہلا کر رکھ دیا تھا ـــ"

"یقیناً اسے اپنے پتا راجہ بھگوان داس کی موت کا بھی صدمہ پہنچا تھا ـــ"

"یہ صدمہ اپنی جگہ۔ زیادہ دکھ تو نہیں ـــ"

وہ چپ ہو گئی تو شہزادے نے اسی طرح تساہل سے لیٹے لیٹے گردن قدرے اونچی کر کے یشودھا کی طرف استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔

یشودھا بولی "وہ بڑی حساس تھیں مہاراج ـــ سچی بات کہوں؟"

"کھو جانم ——" شہزادے نے اس کی لٹ ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"اسے شاہ بابا سے بڑا پیار تھا اور خاندان میں پڑنے والی اس دراڑ نے اسے بے کل کر دیا تھا۔ آپ جانتے ہیں جب سے وہ الہ آباد آئی تھیں —— اور انہیں پتہ چلا تھا کہ آپ نے شاہ بابا کے خلاف ——"

"ہاں ہاں کہو یشودھا ——"

وہ ڈرتے ہوئے بولی "میں ان کی بات کر رہی ہوں مہاراج —— حالانکہ میں انہیں سمجھایا بھی کرتی تھی کہ ہم لوگوں کو اپنے پتی کی خوشی دیکھنی چاہیئے اور انہیں کا ساتھ دینے کو جانیں وقف کرنی چاہئیں ——"

"تو اسے ہمارے اعلان آزادی کا دکھ تھا؟" شہزادہ اس کے بالوں کو انگلیوں کے گرد لپیٹتے کھولتے بولا۔

"جی مہاراج ——"

"کیا چاہتی تھی وہ ——"

"باپ بیٹے میں صلح ہو جائے"

"اس کا امکان نہیں تھا ——"

"لیکن وہ تو یہی چاہتی تھیں اور جب سے انہوں نے سنا تھا ——"

"کہو کہو۔ ہمیں بہت سکون مل رہا ہے تمہاری باتوں سے رانی ——"

"جی۔ وہ"

"ہاں تو کیا سنا تھا انہوں نے ——"

"پتہ نہیں جی —— کس نے بتایا تھا کہ شاہ بابا —— آپ کی جگہ ممکن ہے شہزادہ خسرو کو ولی عہد بنا دیں ——"

"ہونھ ——" شہزادے نے ہنستے ہوئے کہا "کیا وہ بیٹے کو سلطنت مغلیہ کا ولی عہد

نہیں بنانا چاہتی تھیں؟"

"یقیناً نہیں —— وہ تو چاہتی تھیں آپ شاہ بابا سے معافی مانگ لیں —— آپ ہی ان کے صحیح جانشین تھے ——"

"ان باتوں کا انہوں نے اتنا اثر لیا کہ جان ہی دے دی ——"

"وہ بہت زیادہ حساس تھیں۔ اور پچھلے دنوں تو اعصابی دورے پڑنے سے ان کی برداشت بالکل ختم ہو گئی تھی ——"

"اور آخری ضرب ہم نے لگائی یشودھا ہم نے ——" شہزادے نے اس کے زانو پہ اپنا رکھا سر بازو کے حلقے میں کرتے ہوئے دکھ بھری آواز میں کہا "ہم اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکتے یشودھا نہیں کر سکتے ——"

یشودھا نے اپنی نرم و گداز باہیں ان کے کندھوں پر رکھ دیں۔ جھکی اور اپنا گال شہزادے کے بالوں سے لگاتے ہوئے بولی "جو ہونا تھا ہو چکا مہاراج —— ہمت سے کام لیجئے۔ اس طرح تو نصیب دشمناں آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی ——"

وہ پیار و محبت کا اظہار کرتے ہوئے شہزادے کی ہمت بندھاتی رہی ——

شہزادہ ابھی یشودھا ہی کے کمرے میں تھا کہ کنیز نے باریابی کی اجازت چاہی۔ اجازت مرحمت فرمائی گئی تو وہ دریچے کے قریب آ کر یہ کہتے ہوئے نگاہیں جھکائے مؤدبانہ لہجے میں بولی۔

"عالی جاہ —— آگرہ سے کچھ مہمان خواتین تشریف لائی ہیں ——"

شہزادہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا اور خوشی اور گھبراہٹ کے ملے جلے جذبات سے بولا "آگرہ سے —— خواتین"

"جی عالم پناہ ——"

"کون کون ——"

"محترمہ سردار جہاں بیگم صاحبہ کے ساتھ کچھ خواتین اور بھی ہیں ——— آپ سے ملنے کی خواہاں ہیں۔ انہیں نشست گاہ میں بٹھا دیا گیا ہے اور خاطر مدارات کی جارہی ہیں۔"

"ہم آتے ہیں۔ تم جاؤ ———"

شہزادے نے بستر سے اترتے ہوئے کہا۔ رانی نے ان کے لباس کی شکنیں درست کیں۔ ان کی چوڑی چھاتی پر پڑی مالائیں ٹھیک کیں ——— بال گردن کی پشت پر سیدھے کیے۔ اور پھر بڑے پیار سے انہیں دیکھ، ہاتھ جوڑ دیئے اور جانے کے لیے راہ دے دی ———

شہزادہ نشست گاہ میں جانے کی بجائے اپنی آرام گاہ میں چلا گیا اور وہیں سے خواجہ سرا ثاقب کو بھیجا کہ آنے والے وفد کی خاتون سردار جہاں بیگم کو بلا لائے۔

کچھ ہی دیر بعد جہاں بیگم اپنا دوپٹہ سنبھالتیں خواجہ سرا کے ساتھ شہزادے کے دالان میں آگئیں ——— وسیع و عریض دالان محل کے باقی کمروں ہی کی طرح آراستہ پیراستہ تھا۔ قالین بچھے تھے۔ دریچوں پر باناتی منقش پردے لہرا رہے تھے اور سنہری پشتوں والی چوکیاں جن پر نرم گدیلے رکھے تھے پڑی تھیں۔ جگہ جگہ آرائشی چیزیں پڑی تھیں۔ مغلوں کی جمالیاتی حس اور حسن ذوق ہر چیز سے عیاں تھا۔

ایک بڑی مسند کے سنہری جنگلے پر ہاتھ رکھے شہزادہ عالم کھڑا تھا ——— جہاں بیگم معمر خاتون تھیں۔ سفید مغلئی لباس پہن رکھا تھا۔ شہنشاہ سے دور پار کی رشتہ داری تھی۔ اس لیے جب بھی وہ کابل سے آگرہ آتیں۔ ان کی عزت و تکریم شاہی خاندان کے افراد کی طرح ہوتی۔ بڑی معزز اور معتبر مانی جاتی تھیں۔ شہزادہ سلیم تو گود میں کھیلا تھا۔ بچوں کی طرح پالا تھا۔ اس لیے وہ اسے اب بھی بچہ ہی سمجھتی تھیں ———

لیکن شہزادہ خود سری کی روش اپنا چکا تھا۔ شہزادے کی بجائے شہنشاہ کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ اس لیے جب بیگم جہاں اندر آئیں اور والہانہ اس کی طرف بڑھیں تو شہزادے

نے قدرے سرد مہری کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں ہاتھ کے اشارے سے چند قدم کے فاصلے پر ہی روک دیا اور بولا "بی بی جان۔ کیسے آنا ہوا ———"

شہزادے کے لہجے کی رکھائی سے جہاں بیگم کا دل کٹ گیا۔ دکھی پہلے ہی ہوئی تھیں کہ شہزادے نے اپنے اور ان کے درمیان فاصلہ رکھ کر بات کی تھی ——— لیکن وہ جہاندیدہ خاتون تھیں۔ بدلے رویوں سے نپٹنے کو ذہنی طور پر تیار ہو کر آئی تھیں ——— اس لیے تانت سے بولیں "بیٹھنے کے لیے بھی حضور کی اجازت لینا ہوگی۔"

سلیم قدرے خفت سے بولا "تشریف رکھیئے ———"

وہ ایک چوکی پر بیٹھ گئیں۔ شہزادہ بھی سامنے والی بڑی سی مسند پر بیٹھ گیا جہاں بیگم نے مان بائی کی تعزیت کی۔ افسوس کا اظہار کیا۔ پھر کچھ دیر خاموشی رہی۔ بڑی جانگسل سی خاموشی ——— یوں لگتا تھا دونوں کے پاس کہنے سننے کو کچھ ہے ہی نہیں۔

پھر

جہاں بیگم ہی نے بات شروع کی۔ بغیر کسی تمہید اور تکلفانہ گفتگو کے وہ بولیں "میں جس طرح یہاں پہنچی ہوں تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ مجھے سلطان سلیمہ بیگم نے بھیجا ہے۔"

"وہ۔ وہ کیسی ہیں ———"

جہاں بیگم نے نظر بھر کر شہزادے کو دیکھا اور بولیں "رتبے اور حیثیتیں بدل جانے سے خون کے رشتے نہیں ٹوٹتے شیخو بابا ——— تمہاری مائیں ماہئی بے آب کی طرح تمہارے لیے تڑپ رہی ہیں۔ مہارانی سلطان سلیمہ بیگم اور سب سے بڑھ کر ملکہ حمیدہ بانو۔"

"دادی حضور ——— سنا ہے بیمار تھیں ———"

"لب گور ہیں ———"

"نہیں ———"

"یقین مانو شہزادے ـــــ ان کی حالت بہت خراب ہے۔ انہیں بہت صدمہ پہنچا ہے۔ لیکن اب بھی ان کی نظریں تمہیں تلاش کرتی ہیں ـــــ تمہارے لیے خاندان کا ہر فرد بے چین اور مضطرب ہے یہ تم نے کیا کر دیا شہزادے ـــــ کیوں منہ موڑ لیا سب سے ـــــ رانی کے مرنے تک کی اطلاع نہ دی۔ ہائے ہائے۔"

وہ کچھ جذباتی سی ہوگئیں ـــــ شہزادہ بظاہر سرد مہری کا رویہ اپنائے تھا۔ لیکن جہاں بیگم کی باتوں سے اس کا من ڈول گیا۔

وہ بولتی چلی گئیں ـــــ

اور

وہ سر جھکائے سنتا رہا ـــــ نادم نادم خفیف خفیف سا۔

دادی کی بیماری کا سن کر تو شہزادہ بے طرح بے چین ہو گیا۔ اسے اپنی دادی سے بے پناہ محبت تھی ـــــ اس محبت کا گلا گھونٹ کر اس نے بہت بڑا جرم کیا تھا۔ وہ بہت پریشان نظر آ رہا تھا ـــــ لگتا تھا اسے کچھ سوجھ بوجھ ہی نہیں رہا ہے در پے پریشانیوں نے ذہن میں ہلچل مچا دی تھی۔

جہاں بیگم نے اسے سلطان سلیمہ بیگم کا پیغام پہنچایا ـــــ وہ خط بھی دیا جو انہوں نے بطور خاص لکھا تھا اور جس میں تحریر کیا تھا کہ اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ وہ سب شہنشاہ سے کہہ کر شہزادے کو اس کے کیے کی معافی دلوا سکتی ہیں۔ خاندان میں جو پھوٹ پڑ گئی ہے۔ اسے اسی طرح روکا جا سکتا ہے کہ شہزادہ آگرہ آ کر اپنے والد کی قدم بوسی کرے۔"

"تمہارے باپ کے سینے میں ایک تڑپتا بلکتا دل ہے شیخو ـــــ تم ایک قدم بڑھو گے تو وہ دس قدم بڑھ کر تمہیں سینے سے لگا لیں گے ـــــ باپ سے معافی مانگنا باعث شرم نہیں ہے بیٹے ـــــ حالات کو مزید خراب ہونے سے بچا لو ـــــ اور اپنی ماں کا کہنا مان لو ـــــ سلطان سلیمہ بیگم کا مشورہ صائب ہے۔ وہ تو خود یہاں آنے کو بیقرار تھیں ـــــ لیکن شہنشا

ہ سے اجازت نہیں ملی۔ ویسے بھی وہ حمیدہ بانو کو اس حال میں چھوڑ کر نہیں آ سکتی تھیں ـــــ"

شہزادہ بے قراری کے عالم میں اُٹھ کر ٹہلنے لگا۔ جہاں بیگم باتیں کرتی رہیں۔ وہ کن مشکلوں سے یہاں پہنچی تھیں شہزادے کو بتایا ـــــ

"مجھے مایوس نہ کرنا ـــــ اپنی بیمار دادی اور تڑپتی بلکتی ماں کی خاطر سلیمہ بیگم کی صلاح مان لو بچے ـــــ"

شہزادے نے چند لمحے کچھ سوچا ـــــ پھر سر اٹھاتے ہوئے بولا "یہ ممکن نہیں۔ بی بی جان"

"کیوں۔ کیوں ممکن نہیں ـــــ"

"میں اپنے باپ کے مزاج اور اصولوں سے واقف ہوں ـــــ"

"سارا خاندان تمہاری پشت پناہی کرنے کو تیار ہے ـــــ"

"ہوں ـــــ"

"اکبر صرف شہنشاہ ہی نہیں تمہارا باپ بھی ہے۔"

"اور یہ بھی حقیقت ہے بی بی جان۔ کہ وہ ہم پر لشکر کشی کرنے کو تیار ہو رہے ہیں۔"

"تم ان کے حضور حاضر ہونے کا ارادہ کرو ـــــ تو وہ اپنا ارادہ ترک بھی کر سکتے ہیں ـــــ"

پھر وہ روتے لہجے میں بولیں "شیخو بابا۔ ناحق کے خون خرابے سے بچو ـــــ جنگ اچھی نہیں ـــــ تم اپنے باپ کی طاقت سے بھی ناواقف نہیں ہو ـــــ انہوں نے کئی باغیوں کے سر کچلے ہیں ـــــ تم ان کے عتاب کو دعوت نہ دو ـــــ انہیں معافی نامہ بھجوا دو ـــــ"

شہزادے نے کوئی جواب نہیں دیا ـــــ وہ تذبذب میں پڑ گیا تھا۔ دادی کی بیماری اور بیان کردہ حالت نے اس کا دل دہلا دیا تھا۔

لیکن

ان سب باتوں کے باوجود وہ سلطان سلیمہ بیگم کے مشورے پر عمل نہیں کر سکتا تھا۔ دل میں خوف موجود تھا۔ اپنی خود سری کا بھی احساس تھا اور شہنشاہ کے پتھر پر لکیر

جیسے اصولوں سے بھی آگہی تھی ـــــ

پھر بھی وہ اب قدرے نرم پڑ گیا۔ اور مصالحتی لہجے میں بولا" بی بی جان ہم پھر گفتگو کریں گے آپ تھکا دینے والے سفر سے آئی ہیں۔ جا کر آرام کیجیے ـــــ"

شہزادہ چلا گیا ـــ ذہنی خلفشار اسے مضطرب و بے چین کر رہی تھا۔

جہاں بیگم بھی اٹھ کر اس طرف آ گئیں جہاں ان کے ساتھ آنے والی دو کنیزیں اور دوسری بیٹھی تھیں۔

شہزادے نے جہاں بیگم سے پھر گفت و گو کرنے کا کہا تھا۔ لیکن وہ پھر ان سے نہیں ملا ایک ملاقات ہی نے اسے اور مضمحل اور بے چین کر دیا تھا۔ ذہنی طور پر وہ پہلے ہی منتشر تھا۔ اب دادی اور اہل خانہ کے متعلق سن کر بے کل ہو گیا تھا۔

لیکن

ابھی

اور

اس حال میں نہ تو وہ کوئی قدم اٹھانے کا اہل تھا نہ ہی فیصلہ کرنے کا۔

اس لیے اس نے بی بی جان سے پھر ملاقات نہ کی۔ وہ انہیں واپس بھی تو نہیں بھیج سکتا تھا۔

اس نے یہی فیصلہ کیا کہ بیگم جہاں فی الحال یہیں رہیں۔ یہیں رکھنے کے لیے اس نے ان کی نظر بندی ضروری سمجھیں۔

چنانچہ جہاں بیگم اور ان کے ساتھ آنے والی خواتین کو محل ہی میں مقید کر دیا گیا۔

جہاں بیگم سٹپٹا کر رہ گئیں۔

"کدھر جا رہی مہرتاج" سوسن نے پوچھا۔ وہ راہداری میں مہرتاج کو جاتے دیکھ کر کمرے سے نکل آئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں شہزادی آرام بانو کے زیورات کی صندوقچی تھی۔ جو وہ مہارانی جودھا بائی کے رنگ محل میں انہیں دینے جا رہی تھی۔

مہرتاج نے رک کر اس کی طرف دیکھا اور بولی" میں فارغ تھی۔ سوچا شہنشاہ عالی کی نشست گاہ کے فانوسوں کی چمنیاں ہی صاف کر ڈالوں۔ کافی دن ہو گئے صاف نہیں کروائیں۔"

"خود کرو گی"

"اتار تو میں لوں گی صاف باندی سے کروا لوں گی ـــــ وہ پانی لینے گئی ہے۔ تم آج سارا دن نظر نہیں آئیں۔ اب کدھر؟"

"آج سارا دن شہزادی بانو کے زیورات صاف کرنے میں گزر گیا۔ ابھی فارغ ہوئی ہوں۔ چند چیزیں انہوں نے مہارانی صاحبہ کو پہنچانے کے لیے دی ہیں۔ وہ لے کر جا رہی ہوں ـ تم بھی تو سارا دن غائب رہتی ہو۔ کہاں تھی آج۔ کہیں دن میں بھی تو ادھر نہیں جانے لگیں"

"کدھر؟"

اپنا پیا کو ڈھونڈنے۔ قلعے سے باہر" سوسن نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو مہرتاج

نے اک گہری سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔" وہاں جا کر کیا کروں گی۔"

"اس جمعرات کو گئی تھیں؟"

"ہاں"

"نہیں آیا وہ"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ پھر بولی" میں ناحق اس کی باتوں میں آ گئی۔ مجھے اس کے ساتھ ہی چلے جانا چاہیے تھا۔ خدا جانے وہ کہاں ہے کس حال میں ہے۔"

"حالات روز بروز خراب ہی ہو رہے ہیں۔ شہزادۂ عالم کو تو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔ ان کی اس حرکت نے دلوں میں گھاؤ ڈال دیئے ہیں۔ پریشانی ہی پریشانی ہے۔"

"پریشانیوں میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ شہنشاہ عالم کو تو دیکھ کر دل ہول جاتا ہے۔"

"حالانکہ وہ ظاہر یہی کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فکر کوئی پریشانی نہیں۔"

"شہنشاہ ہیں۔ ظاہرداری کے لبادے اوڑھنے ہی پڑتے ہیں۔ لیکن دل گھائل ہے۔ بیحد دکھی ہیں ــــ میں نے رات کے اندھیروں میں انہیں کئی دفعہ شاہ نشین کے پاس عالم بیقراری میں ٹہلتے دیکھا ہے۔"

"ہائے ہائے ــــ"

"ہاں سوسن ــــ اور مہارانی صاحبہ بھی تو کس قدر دکھی ہیں ــــ پتہ نہیں شہزادۂ عالم نے اپنی محبتوں کا گلا اس سفاکی سے کیسے گھونٹا ــــ وہ تو اپنی ماں سے بہت پیار کرتے تھے۔"

"صرف ماں سے؟ وہ تو سب سے بہت پیار کرتے تھے۔ سلطان سلیمہ بیگم سے کتنا لاڈ پیار تھا اپنی دادی حضور کا دم کیسے بھرتے تھے۔ شہزادیوں سے کتنا لاڈ کرتے تھے۔"

"مادر ملکہ ــــ کتنا تڑپ رہی ہیں ان کے لیے ــــ اس کا دم شاید اسی انتظار میں اٹکا ہوا ہے کہ شہزادہ آ جائے اور وہ اسے دیکھ کر دید کی پیاس بجھا لیں ــــ"

"اس کا کوئی امکان ہی نہیں ــــ"

"کوششیں تو کی جا رہی ہیں لیکن بے سود ــــ"

"شہنشاہ حملہ کرنے کی تیاری کا حکم دے چکے ہیں۔ یہ خبریں یقیناً الٰہ آباد بھی پہنچ چکی ہوں گی ــــ مجھے تو خانم جان کا وہاں جانا بھی فضول ہی لگتا ہے۔ وہ بھلا ان کے کہنے پر آ جائیں گے؟ ــــ"

"کئی دن ہو گئے انہیں گئے ــــ ابھی کوئی جواب تو آیا نہیں ــــ سلطان سلیمہ بیگم صاحبہ نے سنا ہے بڑا درد بھرا خط لکھا ہے انہیں ــــ"

"شہزادے کا خون سفید ہو چکا ہے۔ ان درد بھرے خطوں کا کوئی اثر نہیں لیں گے۔ وہ تو اب شہنشاہ نورالدین جہانگیر بن چکے ہیں۔ شہنشاہیت کا اپنا ہی نشہ ہوتا ہے بھئی"

"ہونھ ــــ شہنشاہ عالی بہت سوں کے ایسے نشے ہرن کر چکے ہیں۔ ابھی سامو گڑھ کا کیا حشر ہوا ہے۔ شہزادے کی شہنشاہ عالی کے سامنے کیا حیثیت ــــ میں نے تو سنا ہے ــــ"

"کیا سنا ہے مہتاج ــــ چپ کیوں ہو گئیں"

"بھئی دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ یہ نہ ہو ہماری باتیں کوئی سن لے۔"

"یہ سرگوشیاں کون سن سکتا ہے۔ ہم تو خود بھی ایک دوسری کی آواز بمشکل سن رہی ہیں۔ ہاں تو کیا کہہ رہی تھیں ــــ"

"رات میرے کمرے میں آ جانا۔ پھر باتیں کریں گے۔"

"رات تک کھٹک میرے سینے میں رہے گی جناب۔ بتاؤ ــــ پہلے ــــ پھر تفصیل سے باتیں رات کو کریں گے ــــ"

"کل میں مادر ملکہ کے پاس رہی تھی سارا دن ــــ"

"ہاں تو ــــ"

"انہیں دیکھنے لوگ آتے جاتے رہے۔ بس انہی کی آپس کی باتوں سے پتہ چلا کہ شہزادے

کے دو ایک ساتھی ان سے الگ ہو گئے ہیں ــــ"

"تو کیا ہوا ــــ"

"عبداللہ بیگ انہیں چھوڑ گئے ہیں۔ جو ان کے دست راست تھے۔ انہی پر تو وہ انحصار کیے ہوئے تھے۔ شہنشاہ عالم کے خلاف جنگ میں وہ شہزادے کا ساتھ نہیں دے رہے ــــ اسی طرح کالپی کے سردار نے بھی سنا ہے شہزادے کی مدد کا دم نہیں بھرا۔"

"اچھا"

"ہاں کچھ ایسی ہی باتیں سننے میں آ رہی ہیں۔ شہزادے کے دوستوں اور حواریوں میں لگتا ہے پھوٹ پڑ چکی ہے ــــ"

"خدا کرے یہ باتیں سچ ہوں ــــ"

"اگر یہ باتیں سچ ہوئیں تو شہزادۂ عالم اکبری یلغار کے سامنے ٹھہر نہیں سکتے۔"

"بھئی ہم تو اپنے شہنشاہ ہی کی جیت اور برتری کے لیے دعائیں مانگ رہے ہیں"

"دعائیں دل سے از خود نکل رہی ہیں ــــ"

"ہاں۔ اور ــــ وہ ــــ"

دونوں باتیں کرتے کرتے ایک دم چپ ہو گئیں۔ سامنے سے دوشی اور لیلیٰ آ رہی تھیں۔ وہ ان کے قریب آ کر رک گئیں۔ احوال پرسی کرنے کے بعد لیلیٰ نے سوسن کے ہاتھ میں پکڑی صندوقچی دیکھتے ہوئے کہا "اُف کتنی خوبصورت صندوقچی ہے۔ انعام میں ملی؟"

"اے نہیں ــــ تمھیں تو دور کی سوجھتی ہے۔" سوسن منہ بناتے ہوئے بولی "محلوں کی فضا دیکھو اور اپنی بات پر غور کرو۔ ہیں انعام لینے کے دن ــــ"

"ہائے واقعی نہیں" لیلیٰ بولی "حالات تو اور بھی خراب ہو گئے ہیں ــــ"

پھر وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آگے کو ہو کر سرگوشیانہ لہجے میں بولی "کچھ سنا تم لوگوں نے"

"کیا؟"

"ابھی ابھی خبر آئی ہے"

"کیا خبر ــــ"

"لیلیٰ ــــ تم زبان بند رکھو" دوشی نے اسے گھورتے ہوئے ڈانٹا۔

"آئے ہائے ـ کیا بات ہے ــــ تم نے بھی تو سنی ہے۔ ہم بھی سن لیں تو کونسا غضب ہو جائے گا"

"سب ہی سن لیں گے۔ ایسی باتیں چھپتی ہیں بھلا"

"ان کو ہم پر اعتماد نہیں" مہرتاج نے تجسس چھپاتے ہوئے کہا۔

"یہ بات نہیں مہرتاج ــــ لیلیٰ خبر اڑا لائی ہے۔ اب اسے پھیلانا نہیں چاہیے۔ ہر خود ہی نکل آئے گی"

سوسن چمک کر بولی "بہت سیانی بنتی ہو"

لیلیٰ بولی "تم سب جانتی ہو کوئی بات ہو تو میرے پیٹ میں نہیں پچتی"

"پھر کہہ ہی ڈالو" دوشی بولی۔

"کہہ دوں" لیلیٰ نے کہا۔

"تمھاری مرضی" سوسن نے بنا اشتیاق ظاہر کیے کہا۔

"بھئی میں سلطان سلیمہ بیگم کے لیے کتابیں کتب خانے سے لینے گئی تھی"

"ہوں"

لے کر آئی تو ان کے کمرے سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میرے قدم رک گئے۔ وہاں شہزادی بخت النساء بیگم بھی تھیں ــــ شرف النساء بیگم بھی وہیں تھیں اور کنیز بھی تھی ــــ وہ ــــ خوبصورت سی لمبی سی لڑکی ــــ"

دوشی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "صاحب سلطان ــــ"

"ہاں صاحب سلطان" لیلیٰ بولی۔

"صاحب سلطان ـــــ" مہرتاج نے جلدی سے کہا" وہ تو جہاں بیگم صاحبہ کے ساتھ الہ آباد گئی تھی ـــــ"

"وہی۔ وہی ـــــ" لیلیٰ بولی۔

"وہ ـــــ وہ الہ آباد سے کب آئی ـــــ" سوسن اور مہرتاج نے بیک زبان کہا

"آئی کیسے؟ یہ بھی تو سنو۔ یہی تو راز کی بات پتہ چلی ـــــ"

دونوں متوجہ ہوگئیں۔

لیلیٰ بولی" وہ الہ آباد سے بھاگ کر آئی ہے"

"بھاگ کر" پھر دونوں کی آنکھیں پھیل گئیں اور یک زبان بولیں۔

"ہاں بھئی" لیلیٰ نے رازداری سے کہا" بڑی مشکلوں سے فرار ہوئی وہ ـــ پتہ نہیں کن کن مصیبتوں کو جھیل کر یہاں پہنچی ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ شہزادۂ عالی نے خانم جان کو قید کر لیا ہے"

"کیا؟؟؟" دونوں سرتاپا لرز گئیں۔

"یہی تو بات بتائی اس نے۔ میں نے اپنے کانوں سے سنی ہے۔ خانم جان کے ساتھ جتنی بی بیاں گئی تھیں۔ سب حراست میں لے لی گئی ہیں ـــــ"

"ہائے ہائے ـــــ"

"شہزادے کی مت تو نہیں ماری گئی" سوسن ایک دم ہی کہہ اٹھی۔

"ارے زبان سنبھال کر بات کرو" دوشی بولی۔

"ہاں ایسی باتوں پر ایسے تبصرے ہمیں نہیں کرنے چاہئیں" مہرتاج نے کہا۔

"لیکن کتنی بُری بات ہے"

"ہے تو ـــــ"

"ہائے ہائے" سوسن نے سینے پر ہاتھ مارا ـــــ" بیچاری بزرگ خاتون مصالحت کروانے گئی تھیں"

"اور گئی بھی تو شہنشاہ کی اجازت کے بغیر تھیں۔ سلطان سلیمہ بیگم نے بھیجا تھا انہیں کہ کسی طرح شہزادے کو لے آئیں ـــــ مادر ملکہ کی خاطر انہوں نے یہ قدم اٹھایا تھا" مہرتاج بڑے متفکر لہجے میں بولی۔

"اب کیا ہوگا" سوسن نے کہا۔

"اللہ جانے" لیلیٰ بولی" ویسے ساری بیگمات اور خود سلطان عالیہ بیحد متفکر ہوگئی تھیں"

"بات ہی ایسی ہے"

"اور چھپ بھی نہیں سکے گی"

"شہنشاہ عالم کو پتہ چل گیا تو ـــــ"

"عتاب نازل ہوگا ـــــ وہ پہلے ہی بڑے غضب میں ہیں ـــــ"

"خانم جان کی وہ بہت عزت کرتے ہیں ـــــ"

"شہزادے کا خون واقعی سفید ہوگیا ہے۔ رشتوں کا احساس رہا ہی نہیں ـــ"

"بغاوت کر کے سارے بندھن توڑ ڈالے ہیں ـــــ"

"بندھن توڑ ڈالے تھے جب ہی تو علم بغاوت اٹھایا تھا ـــــ"

"ہائے اب کیا ہوگا ـــــ"

"حالات واقعی بد سے بدتر ہو رہے ہیں ـــــ"

"ہر طرف انتشار ہی انتشار ہے"

"پریشانی کی بات تو ہے ہی ـــــ"

"ایک طرف یہ پریشانیاں۔ دوسری طرف مادر ملکہ کی حالت ـــــ"

"خدا ہی خیر کرے"

"اب تو شہنشاہ چھوڑنے والے نہیں۔ ان کا عتاب شہزادے پر ٹوٹے گا۔ اسے اب کوئی نہیں روک سکتا ——"

"وہ تو پہلے ہی کوئی نہیں روک سکا۔ ان کا فیصلہ اٹل ہے۔ اسی ہفتے لشکر کوچ کر رہے ہیں۔"

"زرین بتا رہا تھا ایوانوں میں ہر وقت ہلچل مچی رہتی ہے۔ شہنشاہ اک اک دستے کو خود دیکھ رہے ہیں۔ اسلحہ خانوں میں خود جاتے ہیں۔ اور سنا ہے اس دفعہ تو توپیں بھی جمنا کے کسی کنارے پر گاڑی جا رہی ہیں ——"

"ہائے ہائے —— یہ سب کیا ہو رہا ہے" سوسن ہراساں ہو کر بولی "حالات ایک دم ہی پلٹ گئے۔ کیسے خوشی خوشی ملک گیر جشن منانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ کتنی گہما گہمی تھی۔ محلوں کے ایک ایک لونڈی غلام کے لیے نئے لباس بن رہے تھے چراغاں کرنے کے لیے لاکھوں کی تعداد میں دیے بنوائے جا رہے تھے۔ منوں موم اور تیل اکٹھا ہو رہا تھا۔ شہروں میں تیاریاں ہو رہی تھیں۔ گاؤں سجائے جا رہے تھے۔ غریبوں کی جھولیاں ابھی سے بھرنا شروع ہو گئی تھیں ——"

"ہاں —— سب کچھ شہزادے کی فتح کی خوشی میں ہو رہا تھا ——"

"شہزادے نے ان خوشیوں کے کلیجے میں خنجر بھونک دیے۔"

"اور برابر بھونکے جا رہے ہیں۔"

"یہ خانم جان ہی کو لے لو ——"

"اُف بیچاری ——"

"نیکی کمانے گئی تھیں ——"

"اور اس صاحب جان کی وفاداری اور جاں نثاری کا عالم تو دیکھو۔ تن تنہا لڑکی اللہ!

یہاں پہنچ گئی ——"

"ہے تو بہادری کی بات —— لیکن" سوسن نے منہ برا سا بنایا۔

"لیکن کیا؟" مہرتاج نے پوچھا۔

"اچھا تھا جو نہ پہنچتی یہاں —— پہلے ہی مصیبتیں کم ہیں کیا۔ یہ خبر تو مسائل اور مصائب میں اور اضافہ کرنے والی ہے ——"

"واقعی"

"اور جو شہنشاہ کے علم میں آ گئی نا بات تو قیامت ہی آ جائے گی"

"آئے گی تو ضرور ——" سب متفکر اور پریشان ہو ہو کر باتیں کرنے لگیں۔

"چلو بھئی۔ ہم کیا کر سکتے ہیں" آخر دوشی بولی "ہمیں اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔ چلو لیلی ہم تو شہزادی حسن آرا کے پاس جا رہی تھیں"

"مجھے بھی مہارانی کے محل جانا تھا" سوسن بولی۔

"چلو سب اپنے اپنے کام کو —— میں بھی چلوں۔ چمنیاں اتارنی ہیں مجھے تو ——" مہرتاج نے کہا۔

پھر سب اپنی اپنی راہ ہو لیں۔

رُت بدل رہی تھی۔ گرمی کی شدت اور برسات کا حبس ختم ہو چکا تھا۔ اب موسم نے بڑی خوبصورت انگڑائی لی تھی۔ دوپہر کو سورج کی حدت ضرور محسوس ہوتی اور بسا اوقات لگتا کہ موسم گرما کی طوالت بڑھ گئی ہے۔ لیکن صبح و شام موسم بڑا خوشگوار ہوتا۔ ماحول اور فضا حسین سی توانائیوں سے معمور لگتی۔ اور سبزے پھولوں اور پھلوں کی مہک ان توانائیوں کو خوب سے خوب تر بنا دیتی۔ ایسے میں جی چاہتا کہ خوبصورت مناظر کو نظروں میں بھر کر ان کی ساری تازگی اپنے اندر اتار لی جائے۔ اس تازگی سے ذہن اور من کی ساری کثافتیں لگتا دور ہو جائیں گی۔ غم و فکر کے بار ذہن سے ہٹ جائیں گے۔ اور انسان زندگی سے نئے طور سے نبھاہ کرنے کے لیے تازہ دم ہو جائے گا ۔۔۔

کچھ یہی احساس ذہن نشین کیے صبح صبح جب سورج کی بنفشی شعاعیں محلوں کے در و بام کو روشن کرنے لگی تھیں مہرتاج اپنی خواب گاہ سے نکل کر راہداریوں میں آگئی تھی۔ یہاں سے دور دور تک پھیلے باغات کا سلسلہ نظر آتا تھا۔ تر و تازہ درخت اور سبزہ زار بڑے بھلے لگ رہے تھے اور ہوائیں ان کی سوندھی سوندھی مہک چرائے ادھر ادھر گشت کر رہی تھیں۔ روشنی کی آنکھیں کھل رہی تھیں ۔۔۔ اور ہر سو سونا سا بکھرا ہوا لگتا تھا۔

مہرتاج کافی دیر ان راہداریوں میں ٹہلتی رہی۔ محلات میں صبح کا آغاز اپنے

معمولات سے شروع ہو چکا تھا ۔۔۔ خواجہ سرا اور کنیزیں اپنے اپنے حجروں سے نکل کر محلوں کے کشادہ صحنوں مرمریں شہ نشینوں اور وسیع و عریض دالانوں میں آنے جانے لگی تھیں۔ محلوں کے توشہ خانوں میں بھی ہلچل تھی۔ خوشبوئیں اڑ رہی تھیں اور ناشتے کے لیے خوان سجائے جا رہے تھے۔

مہرتاج ان مناظر میں اتنی کھوئی کہ کھانے پینے کا خیال ہی نہ آیا۔ وہ راہداری سے اوپر والی شہ نشین پر چلی آئی اور مرمریں جالیدار کٹہروں کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ یہاں سے قلعے کے باہر کے مناظر بھی نظر آتے تھے۔ درختوں کی گھنی قطاروں کے پیچھے بہتا جمنا کا لہریں لیتا پانی پگھلی ہوئی چاندی کی طرح چمکتے دمکتے بہہ رہا تھا جو انتہائی خوبصورت لگ رہا تھا ۔۔۔

پرندوں کے غول کبھی کبھی پر پھڑپھڑاتے ہوئے گزر جاتے تو فضا کا خوبصورت سکوت ٹوٹ جاتا ۔۔۔ لیکن پروں کی نغمگی کا احساس جاگ اُٹھتا۔

بڑے ہی دنوں بعد مہرتاج کو فطرت کی ان حسین و رنگین ساعتوں سے لطف اندوز ہونے کا خیال آیا تھا۔ اس کی سہیلی سوسن ہی نے اسے اس راہ پر چلایا تھا۔ دن رات فکروں اور سوچوں میں کھوئی رہنے سے وہ خاصی بیمار لگنے لگی تھی۔ چہرہ مرجھایا رہتا تھا اور رنگت میلی میلی ہو رہی تھی ۔۔۔

"کمرے میں مقید رہنے سے بہتر ہے باہر نکل جایا کرو۔ صبح و شام سیر کیا کرو فطرت کے مناظر سے لطف لیا کرو۔ دیکھنا کتنا بہل جاتی ہو۔ میں تو تمھیں گانے کی مشق بھی کرنے سے منع کروں گی۔ تمھارے ستار سے حزنیہ سر ہی نکلتے ہیں۔ تمھاری آواز میں سوز ہی سوز بھرا ہوتا ہے ۔۔۔ اس لیے کچھ دن یہ سارے مشغلے چھوڑ کر قدرت کے قریب ہو کر زندگی کو دیکھو دیکھ لینا چند دنوں ہی میں تم اپنے آپ کو تر و تازہ اور توانا محسوس کرو گی"

مہرتاج نے سوسن کی بات پر عمل کیا تھا۔

اور

اسے حیرت انگیز خوشی ہوئی تھی کہ وہ واقعی مناظر فطرت سے ہم آہنگ ہو کر اپنے آپ کو تر و تازہ محسوس کر رہی تھی۔

وہ آزاد پرند کی طرح جالیدار کٹہروں مرمریں شہ نشینوں اور کھلی وسیع و عریض چھتوں پر جیسے اڑتی پھری۔ اس کے لبوں پر نغمے بھی از خود مچلے اور وہ بڑے حسین و دلفریب انداز میں طرب بیز نغمے گنگناتی رہی ——

اب وہ خوبصورت دھن پر بنے نغمے کے چند بول گنگناتے ہوئے مرمریں کٹہرے پر جھکی، دور جمنا کے بہتے پانیوں کو جو درختوں کی قطاروں کے پار سے نظر آ رہے تھے تک رہی تھی ——

کہ

اچانک

گونگ پر ضرب پڑی۔

نقارچی نے نقارے پر بید کی چھڑیاں ماریں تو مہر تاج نے چونک کر پیچھے دیکھا۔

یہ

تو شہنشاہ کے جھروکے میں آنے کا اعلان تھا۔ خاص خاص موقعوں پر شہنشاہ کی آمد اس جھروکے میں ہوا کرتی تھی ——

"خدا خیر کرے،" مہر تاج نے دل ہی دل میں کہا —— وہ پیچھے ہٹی اور تیزی سے نیچے جانے والی مرمریں سیڑھیاں اترنے لگی۔ اسے اسی جھروکے سے گزر کر جانا تھا اور وہ شہنشاہ کے اندر سے برآمد ہونے سے پہلے وہاں سے گزر جانا چاہتی تھی۔

اس نے مرمریں جالیوں میں سے نیچے نگاہ ڈالی۔ جھروکے کے نیچے والے سنگ سرخ کے چبوترے پر لوگ جمع ہو رہے تھے ——

اس نے ایک لمحہ کو رک کر دیکھا۔ اس کا دل دہل گیا۔ سانس جیسے حلق میں آن اٹکا۔

اس نے پہلی قطار میں آ کر کھڑے ہونے والے آدمیوں میں سب سے آگے کھڑے ہونے والے کے بازو پر نیلی پٹی بندھی دیکھ لی تھی۔ وہ اس شخص کا چہرہ نہ دیکھ سکی۔ کیونکہ وہ یقیناً انتہائی رنجیدہ تھا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور سفید پگڑی سر پر بندھی تھی لباس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کوئی امیر سلطنت ہے۔

اس کے پیچھے آنے والے قطار بنا کر کھڑے ہوتے جاتے تھے۔

"کوئی مر گیا،" اس نے زیر لب کہا" پتہ نہیں کون؟"

ایک دم ہی اسے مادر ملکہ کا خیال آیا۔

لیکن

دوسرے لمحے اس نے ذہن سے یہ خیال جھٹک دیا۔ مادر ملکہ کو کوئی ہرج مرج ہوا ہوتا۔ تو یوں غیر لوگ اطلاع دینے تھوڑا ہی آتے ——

پھر

کوئی رئیس؟

کوئی وزیر؟

کوئی امیر؟

کوئی عالم دین؟

اس کے ذہن میں لپک جھپک کئی لوگوں کا خیال آیا —— اور وہ تیزی سے مرمریں زینے پھلانگتی اترتی چلی گئی۔

لیکن

بالانشین تک پہنچنے سے پہلے ہی ستون کے قریب کھڑے نوبتی نے شہنشاہ کے برآمد ہونے کا اعلان کیا۔

جھروکے کے نیچے چبوترے پر کھڑے تمام لوگ باادب نگاہیں جھکائے ہاتھ سینوں پر باندھے کھڑے ہوگئے۔

کسی لمحے شہنشاہ جھروکے میں آسکتے تھے۔ مہرتاج جھروکے سے ابھی کچھ فاصلے پر تھی۔ اس لیے اب ادھر سے گزرنا ممکن نہیں تھا۔

وہ وہیں رک گئی۔

لیکن

وہاں رکنا بھی تو ٹھیک نہیں تھا۔ اس طرف تو عام کنیزوں کو آنے کی اجازت ہی نہ تھی۔ وہ جلدی میں پرلی سیڑھیوں سے اُترنے کی بجائے ادھر والے زینے سے نیچے آگئی تھی۔

وہ گھبرا گئی ـــــ جھروکے میں کھڑے محافظوں اور پہریداروں کی نگاہ اس پر پڑجاتی تو یقیناً پوچھ گچھ کا اذیت دہ مرحلہ پیش آجاتا۔ اسی لیے وہ جلدی سے کٹہرہ چھوڑ کر دالان کے غرفے کی طرف بھاگ لی۔ غرفے میں صرف جانے کا راستہ تھا۔ یہ غرفہ شہنشاہ کی مجلس مشاورت والی نشست گاہ میں کھلتا تھا ـــــ

وہ غرفے میں آکر پریشان تو ہوئی۔ لیکن جائے رفتن نہ پائے ماندن والی بات تھی۔ شہنشاہ جھروکے میں تشریف لاچکے تھے۔ اس لیے اب اسے تب تک وہیں کھڑے ہونا تھا۔ جب تک ساری کارروائی ختم ہوکر جھروکے اور نیچے چبوترے سے لوگ واپس نہ چلے جاتے۔

وہ مجبوراً وہیں بیٹھ گئی ـــــ مرمریں جالیوں سے اسے نیچے کھڑے کچھ لوگوں کے سر نظر آرہے تھے ـــــ شہنشاہ نظروں سے اوجھل تھے۔ لیکن ان کی آواز اس تک صاف پہنچ سکتی تھی ـــــ

شہنشاہ کو لوگوں نے کورنشی سلام کیے ـــــ

نوبتی نے آنے والوں کے متعلق کہنے کو لب ہی کھولے تھے "عالم پناہ ـــــ"

اس کی بات سُنے بغیر ہی شہنشاہ نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے اسے بولنے سے روکا اور خود متعجبانہ لہجے میں بولے "ابوالخیر ـــــ یہ کس کے بچھڑنے کی خبر لائے ہو ـــــ"

ابوالخیر چند قدم آگے بڑھا۔ سر اونچا کیا اور سر ہاتھ پر رکھتے ہوئے بین کے سے انداز میں بولا ـــــ "میرا بھائی ـــــ ظلِ الٰہی میرا ابوالفضل ـــــ"

اس کی آواز شدتِ غم سے گھٹ گئی۔

لوگوں میں ہلچل مچی

اور

شہنشاہ نے انتہائی مضبوطی سے اپنے ہاتھ مرمریں کٹہرے پر جماتے ہوئے حیرت اور پریشانی ملے لہجے میں کہا "کیا ہوا ـــــ اسے ـــــ کیا ہوا ـــــ وہ تو ہمارے بلاوے پر سامو گڑھ سے آرہا تھا ـــــ"

ابوالخیر پگڑی کے لڑ سے آنکھیں پونچھتے ہوئے بولا "اس کی سر بریدہ لاش یہاں پہنچ چکی ہے عالم پناہ ـــــ"

"سر ـــــ بریدہ ـــــ؟" شہنشاہ کی آواز بجلی کی طرح کڑکی۔ مہرتاج تو بیٹھی بیٹھی لرز گئی ـــــ فضا میں سناٹا گھل گیا ـــــ

ابوالخیر کے آنسو تھم نہ رہے تھے ـــــ

چند لمحے موت کی سی خاموشی کا تسلط رہا ـــــ خود شہنشاہ بھی مبہوت ہوگئے تھے۔ یہ خبر اتنی دحشت ناک اور سنگین تھی کہ کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اُتر رہی تھی۔ چند لمحوں کو حواس ہی منتشر ہوگئے تھے ـــــ

"عالم پناہ" ابوالخیر کے ساتھ آنے والا رحمت خان بولا "ابوالفضل سامو گڑھ سے واپس آرہے تھے کہ بندھیلوں نے انہیں گھیر کر قتل کر دیا ـــــ"

"نہیں ـــــ" شہنشاہ کی رعدِ باراں کی سی کڑک سنائی دی "ایسا نہیں ہوسکتا ـــــ"

کوئی تلوار نہیں بنی جو ابوالفضل کا سر کاٹ سکے ____"

کچھ دیر سب خاموش رہے۔

پھر

ابوالخیر ہی بولا" عالم پناہ۔ یہ سانحہ رونپذیر ہو چکا ہے۔ میرے بھائی کی سربریدہ نعش یہاں پہنچ چکی ہے۔ ان کے کئی ساتھیوں کو بھی تہہ تیغ کر دیا گیا ہے۔ کچھ جان بچانے میں کامیاب ہو سکے ____ انہوں نے ہی بتایا ہے کہ راجہ بھیر سنگھ کے آدمیوں نے حملہ کیا۔ ان جان بچانے والوں نے چند سپاہیوں کو گرفتار بھی کیا ہے"

"حیف ___" شہنشاہ کے منہ سے حرف اسی قدر نکلا۔

"دکھ کی بات تو یہ ہے عالم پناہ" ابوالخیر کے ساتھ آنے والا سفید ریش آدمی بولا " ابوالفضل کو شہزادۂ عالم کے حکم پر قتل کیا گیا ہے"

"کیا؟" شہنشاہ کا مضبوط وجود لرز گیا۔

" یہ سچ ہے عالم پناہ ___" ابوالخیر نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

" یہ کس نے کہا؟" شہنشاہ گرجے۔

" انہی گرفتار شدہ سپاہیوں نے بتایا ہے۔ راجہ بھیر سنگھ نے ابوالفضل کا سر کاٹ کر دربار الہ آباد روانہ کیا تھا ___ نام نہاد شہنشاہ نورالدین کے حضور۔ تاکہ انہیں سند مل جائے کہ ان کے حکم کی بجاآوری میں بھیر سنگھ نے کوتاہی نہیں کی ___"

شہنشاہ چند لمحے چپ رہے۔ لگتا تھا کہنے کو کچھ رہا ہی نہیں تھی دامن ہو چکے ہیں

رحمت خان بولا" یہ قتل سازش کے تحت ہوا ہے عالی جاہ ___ گرفتار ہونے والوں میں دو سپاہی نادر خان کے بھی ہیں ___"

"نادر خان ___" شہنشاہ چونکے اور ان سے کہیں بڑھ کر غرفے میں بیٹھی مہرتاج چونکی۔ اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑکا کہ بے اختیارانہ اس نے ہاتھ سینے پر رکھ لیے چند

لمحوں کو اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اور کان جیسے قوت سماعت سے محروم ہو گئے۔

"راجہ بھیر سنگھ اور نادر خان یقیناً مل گئے ہیں اور یہ دونوں شہزادہ عالم کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں ___ سپاہیوں سے پوری پوچھ گچھ ہو گئی تو سب کچھ پتہ چل جائے گا"

شہنشاہ نے کیا کہا مہرتاج کچھ سن نہ سکی۔ وہ تو حواس باختہ سی ہو رہی تھی ___

چند لمحوں کے بعد اس کی حالت کچھ سنبھلی تو اس نے محسوس کیا کہ شہنشاہ جھروکے سے ہٹ کر اندر آ چکے ہیں اور نوبتی ابوالخیر رحمت خان اور سفید ریش بزرگ علی بیگ کو اوپر آ کر شہنشاہ کی نشست گاہ میں ان سے ملنے کے لیے کہہ رہا ہے۔

مہرتاج غرفے میں مقید ہو گئی۔ باہر جا نہیں سکتی تھی۔ اور نشست گاہ میں شہنشاہ آ چکے تھے۔ اس نے پردے کی ہلکی سی جھری سے اندر دیکھا۔ شہنشاہ عالم اضطراب میں ہاتھ ملتے ہوئے ٹہل رہے تھے۔ کئی بار انہوں نے سینے پر ہاتھ مارا ___

" افسوس۔ صد افسوس ___" وہ بڑبڑا رہے تھے۔

اور

جب وہ اسی غرفے کے سامنے بچھی نشست پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئے تو مہرتاج نے ان کی پشت پر نگاہ ڈالی۔ ان کا وجود لرز رہا تھا۔ اور وہ دونوں ہاتھوں پر سر گرائے آنسوؤں رندھی آواز میں کہہ رہے تھے" یہ تم نے کیا کر دیا شیخو۔ میرے رفیق میرے دوست میرے جانثار کو مروانے کی بجائے مجھے مروا ڈالتے ___"

کئی لمحے ان پر رقت طاری رہی ___ مہرتاج ہاتھوں میں منہ چھپا کر بے اختیارانہ رونے لگی۔ بے آواز آنسو بہاتے ہوئے وہ بھی یہی کہہ رہی تھی" اُف یہ کیا ہو گیا شہزادے تم نے یہ کیا کر دیا ___"

چند لمحے یونہی گزر گئے۔

پھر

نوبتی نے ان تینوں معززین کی باریابی کے لیے صدا لگائی جنہیں شہنشاہ نے اوپر طلب فرمایا تھا۔

شہنشاہ ایک دم اٹھ کر کھڑے ہوگئے چہرہ صاف کیا اور تینوں کو اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی ـــــ

تینوں اندر آکر فرشی سلام کر کے کھڑے ہوگئے۔

"بیٹھیے ـــــ" شہنشاہ نے سامنے والی نشستوں کی طرف اشارہ کیا۔

وہ سب مؤدبانہ بیٹھ گئے ـــــ

شہنشاہ نے ہلکے سے کھنکارا ـــــ گلا صاف کیا پھر دکھ بھری آواز میں بولے "ہمیں بے حد صدمہ پہنچا ہے۔ ابوالفضل ہمارے ساتھی دوست رفیق اور صلاح کار تھے۔ ہم نے انہیں سامو گڑھ سے مشورے ہی کے لیے طلب کیا تھا۔ کاش ہم انہیں نہ بلاتے ـــــ"

وہ چند لمحے رکے

تو علی بیگ اپنی ریش پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے "ان کی تقدیر یہی تھی ـــــ"

"نہیں ـــــ" شہنشاہ گرجے ـــــ "یہ تقدیر ان پر مسلط کی گئی ـــــ اور اگر اس میں شہزادے کا بھی ہاتھ ہے تو یقیناً یہ اس کی بدبختی ہے۔ اس نے پہلے ہی ہمارے غیظ و غضب کو للکار رکھا ہے یہ جرم کر کے اس نے معاملے کو اتنا سنگین بنا دیا ہے کہ اب کسی طور اسے بخشا نہیں جائے گا۔"

"عالم پناہ،" رحمت خان بے اختیارانہ کہہ اٹھا ـــــ "قتل بھیر سنگھ اور غالباً نادر خان نے اس سے مل کر کروایا ہے ـــــ"

"لیکن قتل آپ لوگوں کے بیان کے مطابق شہزادے کے ایما پر ہوا ہے"

"ان گرفتار شدگان نے یہی بیان دیا ہے۔ سب کا بیان ایک ہی ہے۔ اور یہ بھی تصدیق ہو چکا ہے کہ ابوالفضل کا سر کاٹ کر الہ آباد بھیجا گیا ہے۔ جہاں سے راجہ بھیر سنگھ

کے لیے کئی ہاتھی اور گھوڑے مع اشرفیوں اور ہیرے موتیوں کے تھیلوں کے بطور انعام بھجوائے گئے ہیں ـــــ" علی بیگ نے کہا۔

"اگر یہ سب بیان درست ہیں تو ہم ان ساری زیادتیوں کا ایسا بدلہ لیں گے کہ شہزادہ اور اس کے ساتھی بھاگنے کی راہ نہ پائیں گے ـــــ ہمارے اکھاڑے کا خونی ہاتھی شہزادے اور اس کے ساتھیوں کو کچلنے کے لیے بے تاب ہے۔" شہنشاہ اتنے زور سے گرجے کہ در و دیوار ہل گئے ـــــ

ابوالخیر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا اور لرزتے کانپتے بولا "عالی مقام ابوالفضل کے قتل کی اطلاع دینے کا میرا مقصد یہ ہرگز نہیں تھا کہ شہزادہ عالم عتاب سے دوچار ہوں"

"مت لو اس کا نام ـــــ اس نے کیا کیا ہے یہ دیکھنا اور اس سے نپٹنا ہمارا کام ہے۔ باغیوں کے لیے جو سزا ہے اور جو فرمان جاری کیے جا چکے ہیں ان سے انہی کی روشنی میں نپٹا جائے گا ـــــ آپ کا کیا خیال ہے کہ شہزادہ بے دردی سے ہمارے دل و جگر میں خنجر بھونکتا چلا جائے اور ہم یہ اذیتیں خاموشی سے سہتے چلے جائیں۔ ہرگز نہیں ـــــ شہزادے کا انجام قریب ہے ـــــ تین دن کے بعد ہمارے ہراول دستے کوچ کرنے والے ہیں ـــــ"

"عالم پناہ ـــــ" سبھی بولے۔

"مابدولت کو ابوالفضل کی موت سے جو صدمہ پہنچا ہے ناقابل بیان ہے۔ وہ ہمارا دست راست تھا ـــــ اس کی موت کا بدلہ کیا ہم نہیں لیں گے؟"

مہرتاج کانپ گئی ـــــ

شہنشاہ نے ان تینوں کو واپس جانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ گرفتار شدگان کو دوپہر دیوان خاص میں لایا جائے۔ وہ ان سے ساری تفصیلات خود سنیں گے نادر خان کے گرفتار شدہ دونوں ساتھیوں کو بھی انہوں نے حاضر کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

مہرتاج پر جیسے غشی کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

شاہی لشکر دریائے جمنا کے کنارے کئی کوس پر پھیلا ہوا تھا۔ دن نکل آیا تھا۔ دھوپ سونا بکھیر رہی تھی اور جمنا کے پانیوں میں بھیگی ہوائیں سبک خرامی سے چل رہی تھیں ــــ

ہتھیار صیقل کیے جا چکے تھے۔ آہنی وردیاں پہنی جا چکی اور گھوڑوں کی پشتوں پر زین کسے جا چکے تھے۔ فوجیوں کا سیلات تھا ــ دھوپ میں نیزوں کی انیاں اور بھالوں کے پھل چمک چمک کر نگاہوں کو خیرہ کر رہے تھے۔

ہر دستے کا سالار اور امیر قیادت کے لیے تیار تھا۔ وہ ذرہ بکتر پہنے سروں پر آہنی خود رکھے کمر میں تلوار اور خنجر لٹکائے اپنے گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے حکم کا منتظر تھا خصوصی اور امتیازی نشان والے پھریرے کے علاوہ سالار کے سر پر مغل پرچم بھی سایہ فگن تھا۔

سارے میدان میں رنگا رنگ پھریرے اور مغل پرچم لہرا رہے تھے۔ آہنی لباسوں کی چھنک اور گھوڑوں کی مسلسل ہنہناہٹ گھل مل کر فضا میں عجیب سا تاثر پیدا کر رہی تھی۔ گھوڑوں کے علاوہ ہاتھی بھی کبھی کبھی اپنی سونڈیں اٹھا کر چنگھاڑ رہے تھے۔ لگتا تھا وہ بھی کوچ کے لیے بے تاب ہیں۔ ہودج میں بیٹھے فیلبان اور جنگی عہدیدار ہاتھیوں کی اس بے تابی سے محظوظ ہو رہے تھے۔

لشکروں کے کوچ کا نظارہ ہمیشہ ہی دیدنی ہوتا تھا۔ نظم و ضبط کا بطور خاص اہتمام ہوتا۔ معرکہ سر کرنے کے جذبے سے سرشار فوجیوں کے چہرے دمک رہے ہوتے۔ جانثاری کے جذبات سے دل معمور ہوتے اور یقینی فتح کا احساس جاندار ہوتا۔ فولادی جسموں اور آہنی ارادوں والے یہ فوجی وحشت ناک اور خوفناک لڑنے کے ماہر ہوتے تھے۔ جب یہ میدان جنگ میں اترتے تو دشمن کی صفوں کو چیرتے چلے جاتے۔ اس بیدردی سے حملہ آور ہوتے کہ دشمن کے پاؤں زمین ــــ سے اکھڑ جاتے۔ اس لشکر میں اس دن بھی ایسے تجربہ کار اور جنگ آزمودہ سپاہیوں کی کمی نہ تھی۔ بیشتر سپاہی کئی کئی معرکے سر کر چکے تھے بہت سے فوجی تو حال ہی میں اسیر اور سامو گڑھ کے قلعے فتح کر کے لوٹے تھے۔ ان کا جوش و جذبہ ابھی بھی سرد نہیں پڑا تھا ایک معرکہ سر کر کے آتے اور دوسرے کے لیے پھر تلواریں نیاموں سے نکال کر روانہ ہو جانا ان کے لیے بڑی بات نہ تھی ــــ

لیکن

آج

لشکر کی کوچ اس طرح کا نہیں تھا۔ جس طرح ہمیشہ ہوا کرتا تھا۔ گو ہر طرح سے تیاری مکمل تھی ــــ معمول کی طرح پیادہ فوج سے لے کر ہاتھیوں کے دستے تک تیار تھے برق رفتار گھوڑ سواروں کی بھی کمی نہ تھی ــــ رسد و کمک پہنچانے کے بھی پورے انتظامات تھے۔

لیکن

آج

آج جوانوں اور سالاروں کے چہروں پر وہ دمک نہیں تھی جو ہمیشہ ہوا کرتی تھی۔ دل بوجھل اور کچھ بجھے بجھے سے تھے ــــ آج یہ لوگ ایک باپ کی قیادت میں ایک بیٹے کے خلاف لڑنے جا رہے تھے۔ وہ سب ان محبتوں اور چاہتوں سے بھی آگاہ تھے جو باپ کے دل

میں اپنی جان سے عزیز بیٹے کے لیے تھیں۔ معرکہ عجیب و غریب نوعیت کا تھا۔ شہنشاہ کا
حکم تھا اس لیے تعمیل سے انحراف کرنا ممکن نہیں تھا۔

لیکن کوئی اگر دلوں کی بات پوچھتا تو کوئی بھی ولی عہد شہزادے کے خلاف ہتھیار
اٹھانے کی خواہش نہیں رکھتا تھا۔

شہزادے نے بغاوت کا جرم کیا تھا۔ اس سے اور بھی غلطیاں سرزد ہوئی تھیں۔
ابوالفضل کا قتل بھی اس سے منسوب تھا۔ یہ ساری باتیں بلاشبہ سب کے لیے تکلیف دہ
تھیں ۔۔۔ اور ان کی سزا بھی شہزادے کو ملنا چاہیے تھی۔ لیکن سب یہی چاہتے تھے کہ
شہزادے کو افہام و تفہیم سے مغلوب کیا جائے۔ اسے کسی نہ کسی طور مجبور کر کے باپ
کے حضور معافی کے لیے پیش کیا جائے۔ اس باپ بیٹے میں جنگ کا تصور بھی عجیب سا لگتا
تھا۔ جن کے پیار و محبت کی کہانیاں زبان زد عام تھیں۔

کئی سالار اور امراء اور رؤسائے سلطنت ایسی کوششیں کر چکے تھے اور پورے
خلوص سے خواہاں تھے کہ یہ تصادم رک جائے۔ حرم کی معزز خواتین بھی اپنے طور شہنشاہ
کو مجبور کرنے کے لیے قدم اٹھا چکی تھیں۔ اور تو اور سلطان سلیمہ بیگم نے بہت بڑا جرأت مندانہ
قدم بھی اٹھا لیا تھا۔ شہنشاہ کی مرضی و اجازت کے بغیر جہاں بیگم کو سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ کہ وہ
کسی طرح شہزادے کو راہ راست پر لے آئیں۔ شہزادے نے انہیں بھی حراست میں لے کر
نافرمانی کا بہت بڑا اور قبیح قدم اٹھایا تھا۔ ابوالفضل کا قتل معاملے کو اور سنگین بنا گیا تھا۔
اس لیے اب تو کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ آج فوجیں کوچ کر رہی تھیں اور تصادم
یقینی تھا۔

کچھ دستے خشکی کے راستے روانہ کیے جا چکے تھے۔ انہیں ایک لمبا راستہ طے کر کے الہ آباد
پہنچنا تھا اور الہ آباد کے شمالی علاقوں میں پڑاؤ کرنا تھا۔ کچھ دستے کئی میل اوپر جا کر دریا کو
کشتیوں کے پل سے عبور کر کے الہ آباد کی طرف مغرب سے گھیرے میں لینے کے لیے روانہ

ہونے والے تھے۔

خود شہنشاہ نے چند دستوں کے ہمراہ کشتیوں کے ذریعہ دریا پار کر کے الہ آباد پہنچنا تھا۔ دو
ہفتے کے دریائی سفر میں خطرات و مصائب بہت زیادہ تھے۔ لیکن شہنشاہ نے یہی راستہ
اپنے لیے منتخب کیا تھا ۔۔۔ کشتی رانوں کا چاک و چوبند دستہ اس کام پر مامور تھا۔ کشتیوں کا
بیڑہ تیار تھا اور شہنشاہ کے امتیازی نشان والی کشتی کنارے کے ساتھ لگائی جا چکی تھی۔

شہنشاہ ابھی محل کے اندر ہی تھے ۔۔۔ وہ ہر معرکہ پر روانہ ہونے سے پہلے اپنے
خاندان کے افراد سے فرداً فرداً ملا کرتے تھے ۔۔۔ آج بھی وہ لشکر میں تشریف لانے سے
پہلے یہ کام سر انجام دے رہے تھے۔

مادر ملکہ کی حالت اچھی نہیں تھی۔ وہ زندہ لاش دکھائی دیتی تھیں۔ شہزادے کی
گستاخی کا انہوں نے بہت اثر لیا تھا ۔۔۔ بیٹے کو دیکھ دیکھ کر دل میں ہوک اٹھتی تھی۔ آخری
عمر میں انہیں یہ گہرے صدمے جھیلنا پڑے تھے۔ ہمت ہار گئی تھیں۔ یہ سب کچھ برداشت
کرنا ان کی طاقت سے بعید تھا۔ اب تو انہوں نے اس موضوع پر کچھ کہنا ہی چھوڑ
دیا تھا۔ ٹکر ٹکر تکتی رہتیں۔ ان کی نظروں میں جو آزار ہوتا وہ دوسروں کا دل چیر دیتا
تھا ۔۔۔ شہزادے کو آخری بار دیکھنے اور سینے سے لگانے کی خواہش بھی رد نہ کر پاتی
تھیں ۔۔۔ یہ خواہش ان کے چہرے اور بولتی آنکھوں سے چھلکتی رہتی تھی اور دیکھنے
والے کلیجے مسوس کر رہ جاتے تھے۔

شہنشاہ ماں کی حالت اور اس خواہش سے بے خبر نہ تھے۔ شہزادے پر حملہ کرنے
میں جلدی کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ کہ ماں کی حیات کا آفتاب غروب ہونے والا تھا
نفس اور وجود کا رشتہ ٹوٹنے میں زیادہ دیر نہیں تھی۔ اس سے پہلے کہ ماں کی آنکھیں
ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں وہ شہزادے کو گرفتار کر کے ان کے قدموں میں لا ڈالنا چاہتے
تھے۔ سزا اور اس سے نپٹنے کے مرحلے بعد کے تھے۔

شہنشاہ روانگی سے پہلے مادر محترم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے تشریف لائے تو پہلے دالان میں سلطان سلیمہ بیگم کھڑی تھیں۔ ان کے چہرے پر بڑے سوگوار تاثرات تھے۔ لباس بھی بالکل سادا پہنا ہوا تھا۔ اور تزئین و آرائش سے بھی بیگانہ تھیں۔

شہنشاہ انہیں دیکھ کر ٹھٹکے۔

سلطان سلیمہ بیگم نے ماتھے تک ہاتھ لے جاکر انہیں سلام کیا۔

"خیریت تو ہے نا"، شہنشاہ نے بے اختیاری سے کہا۔

سلیمہ بیگم نے سر اثبات میں ہلایا۔

شہنشاہ نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا اور بولے "ہم مادر محترم سے ملنے آئے ہیں۔ کیا وہ اس وقت بیدار ہیں ——"

"وہ غالباً سو رہی ہیں —— ہو سکتا ہے ویسے ہی آنکھیں بند کیے پڑی ہوں"

"ہم ان کے سلام کو حاضر ہوئے ہیں ——"

سلطان سلیمہ بیگم نے شہنشاہ پر ایک نگاہ ڈالی جو پورے فوجی لباس میں تھے۔ سر پر آہنی خود تھی۔ بازو بند اور سینہ بند آہنی تھے۔ کندھوں پر زنجیریں جو خود سے منسلک تھیں لٹک رہی تھیں۔ ٹانگوں پر پٹیاں بندھی تھیں۔ سر تا پا آہن ہی آہن تھے ——

"آپ اس لباس میں مادر محترم سے ملنے آئے ہیں ——"

"ہم آج اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کرنے والے ہیں سلطان سلیمہ بیگم"

"میں جانتی ہوں —— لیکن مادر محترم کی حالت دیکھتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہتی ہوں کہ آپ اس طرح ان کے سامنے نہ ہی جاتے تو اچھا تھا —— ان کی حالت اس صدمے کی متحمل نہ ہوگی عالم پناہ کہ آپ کو بیٹے کے خلاف جنگ پر جاتے ہوئے دیکھ سکیں"

"لیکن ہم ان کی قدم بوسی کے بغیر جا نہیں سکتے ——"

"بہتر ہوتا آپ تیار ہونے سے پہلے ان کے پاس آجاتے۔ اب تو ——"

"کوئی بات نہیں۔ ہم انہیں مطمئن کر دیں گے۔ آپ جاکر دیکھئے۔ اگر وہ سو رہی ہیں تو زیادہ ہی اچھا ہے۔ ہم انہیں سوتے ہی میں سلام کر لیں گے ——"

"خدا کرے وہ سو رہی ہوں" سلطان سلیمہ بیگم نے کہا "میں جاکر دیکھتی ہوں"

وہ دوسرے دالان کی طرف بڑھ گئیں۔ شہنشاہ بت کی طرح ساکت وہیں کھڑے رہے۔

سلطان سلیمہ بیگم جلد ہی لوٹ آئیں۔ شہنشاہ چند قدم آگے بڑھے۔ محتاط انداز میں چلتے اندر چلے گئے "وہ غالباً سو رہی ہیں۔ اچھا ہی ہو جو آپ کو اس لباس میں نہ دیکھ سکیں ——"

وہ دبے پاؤں چلتے آگے بڑھیں اور مادر ملکہ کی خوابگاہ کا پردہ ایک طرف کرتے ہوئے شہنشاہ کے اندر آنے کی جگہ بنائی —— شہنشاہ دروازے کے قریب ہی رک گئے۔

سامنے مسہری پر مادر ملکہ سفید بے داغ بستر میں تکیوں کے سہارے دراز تھیں ان کا جھریوں زدہ چہرہ بے حد زرد ہو رہا تھا۔ ہونٹ سپید پڑ چکے تھے۔ آنکھیں بند تھیں۔ سینے تک وجود ریشمی چادر سے ڈھکا تھا۔ ایک بازو چادر سے باہر تھا جو اتنا دبلا پتلا تھا کہ سوکھی لکڑی کا گمان ہوتا تھا —— وہ سوکھ کر جیسے کانٹا ہو چکی تھیں۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہی بستر میں پڑا تھا۔ سانس کا اتار و چڑھاؤ ان کے سینے کے زیر و بم سے محسوس ہو رہا تھا۔

شہنشاہ ملول و اداس سے ہو گئے۔ سلیمہ بیگم ان کے قریب ہی کھڑی تھیں، انہوں نے سرگوشی کے انداز میں کہا —— "آپ نے انہیں دیکھ لیا —— بہتر ہوگا کہ انہیں جگائے بغیر تعظیم دے کر تشریف لے جائیں"

شہنشاہ نے سر جھکایا۔ آگے بڑھے۔ ماں کے پاؤں پر ہولے سے ہاتھ رکھا اور پھر آگے بڑھ کر ان کے بالوں کو جھک کر بوسہ دیا۔ سلیمہ بیگم کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

وہ سیدھے ہو کر چند لمحے کھڑے رہے۔ پھر واپس مڑنے ہی کو تھے۔ کہ ماں کی نحیف سی

آواز پر چونک گئے۔ سلیمہ بیگم بھی قریب آکر مادر ملکہ پر جھک گئیں۔

"آپ نے کچھ فرمایا مادر محترم" وہ آہستگی سے بولیں۔

"اکبر جا رہا ہے" وہ آنکھیں بند کیے کیے بڑبڑائیں۔

شہنشاہ جلدی سے مڑ کر ماں پر جھکے اور بے تابی سے بولے "آپ کیسی ہیں مادر محترم"

"تم شہزادے ۔۔۔ پر ۔۔۔ حملہ ۔۔۔ کرنے جا رہے ہو ۔۔۔"

سلیمہ اور شہنشاہ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف چونک کر دیکھا۔ مادر ملکہ کی آنکھیں اب بھی بند تھیں۔ صرف ہونٹ ہل رہے تھے ۔۔۔

انہوں نے شہنشاہ کو جنگی لباس میں دیکھا تو نہیں تھا۔ پھر کیسے یہ بات کہہ دی؟

دونوں ہی حیران تھے ۔۔۔

مادر ملکہ پھر نحیف لہجے میں بولیں "یہ بے رحم ۔۔۔ دن ۔۔۔ بھی میں نے دیکھنا تھا ۔۔۔ تم ۔۔۔ شہزادے پر ۔۔۔ حملہ ۔۔۔ کرنے ۔۔۔ جا رہے ۔۔۔ ہو"

شہنشاہ صاحب دانش اور مالک فہم و فراست تھے۔ جلدی سے ماں کی پیشانی پر بوسہ دیا اور بولے "آپ بے فکر رہیں مادر محترم ۔۔۔ یہ ۔۔۔ یہ بات نہیں ۔۔۔"

"تو ۔۔۔ پھر ۔۔۔ تمہارا ۔۔۔ یہ جنگی لباس ۔۔۔" انہوں نے اسی طرح لیٹے لیٹے کہا ۔۔۔"

شہنشاہ ماں کی دلجوئی کے لیے بولے "کونسا جنگی لباس مادر محترم ۔۔۔ آپ نے تو آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ دیکھے بغیر ہی کہہ دیا ۔۔۔"

"میرے بچے ۔۔۔ ماں ۔۔۔ بچے کی ہر حرکت ۔۔۔ آنکھیں بند کر کے ۔۔۔ بھی دیکھ سکتی ہے ۔۔۔ تم شیخو پر حملہ کرنے جا رہے ہو ۔۔۔"

"نہیں مادر جان ۔۔۔" شہنشاہ نے جلدی سے کہا "میں نے تو فوجی مشقیں دیکھنے کے لیے یہ لباس زیب تن کیا ہے ۔۔۔ لشکری معائنے کے لیے جا رہا ہوں"

لیکن

وہ ان کی بات ان سنی کرتے ہوئے بولیں "جہاں جا رہے ہو ۔۔۔ نہ ۔۔۔ ہی جاتے ۔۔۔ تو ۔۔۔ اچھا تھا ۔۔۔"

شہنشاہ بہت مضطرب ہوئے ۔۔۔ لیکن پھر جھک کر بولے "میں شیخو کو لینے جا رہا ہوں۔ مادر محترم ۔۔۔ یقین رکھیں، وہ چند دنوں میں آپ کے قدموں میں ہوگا ۔۔۔"

وہ ضعف سے بولیں "چند ۔۔۔ دن ۔۔۔"

اس کے آگے انہوں نے کیا کہا شہنشاہ نے اپنا کان ان کے منہ کے قریب کر دیا تھا۔ لیکن سمجھ نہ سکے کہ انہوں نے کیا کہا ہے

چند لمحے وہ چپ چاپ کھڑے رہے۔ شہنشاہ منتظر رہے کہ مادر ملکہ پھر کچھ کہیں گی۔ لیکن وہ کچھ نہ بولیں۔ صرف ہاتھ دو بار ہلانے کی کوشش کی ۔۔۔ شہنشاہ نے اسے جانے کا اذن سمجھا ۔۔۔ اس لیے عقیدت بھری نگاہ ماں پر ڈالی ۔۔۔ ہاتھ ماتھے سے لگایا اور جانے کے لیے پلٹ گئے۔

سلطان سلیمہ بیگم بھی ان کے پیچھے پیچھے آئیں ۔۔۔

راہداری میں آنے سے پہلے شہنشاہ نے سلطان سلیمہ بیگم کو خدا حافظ کہا اور بولے "دعا کریں سلطان سلیمہ بیگم۔ ہم شیخو کو لانے میں کامیاب ہو جائیں ۔۔۔ اور مادر محترم کی آخری خواہش پوری کر سکیں۔

"اللہ آپ دونوں کا حافظ و ناصر ہو ۔۔۔" وہ دکھی لہجے میں بولیں ۔۔۔

شہنشاہ نے الوداعی نگاہ اس پر ڈالی اور باہر نکل گئے۔

کچھ دیر بعد وہ مہارانی جودھا بائی کے رنگ محل میں تھے۔

رنگ محل

جس کی ساری رنگینیاں حزن و ملال کے سمندر میں غرق ہو چکی تھیں۔ ہر سو سوگواری

کا عالم تھا۔ جہاں ہر وقت قہقہے گونجتے تھے ہنسیوں کی پھوار پڑا کرتی تھی۔ پھولوں کی مہک رچی بسی رہتی تھی۔ جھولے کی نقرئی گھنٹیاں چھنک چھنک اٹھتی تھیں۔ باندیاں فضا کو حسین اور خوبصورت بنانے کے لیے سازوں پر خوبصورت دھنیں بجاتی رہتی تھیں اور مہارانی زربفت کی چولیوں اور بنارسی جگ مگ کرتی ساڑھیوں پر تاروں بھری اوڑھنیاں لیے اس عمر میں بھی سولہ سنگھار کیے سرتا پا زیورات سے لدی خوشی خوشی دالانوں کمروں اور جھروکوں میں مستعدی سے گھومتی پھرتی اور کاموں کی خود نگرانی کرتی پھرتی رہتی تھی۔ آج بالکل سنسان اور ویران لگ رہا تھا۔

مہارانی نے سندوری رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ سبز رنگ کی اوڑھنی پر جگمگ کرتا کامدانی کام بھی نہیں تھا۔ اور بالوں میں پھولوں کے گجرے بھی نہیں تھے۔ سوائے مانگ میں سندور اور ماتھے پر تلک کے اس نے سر اور ماتھے کا کوئی زیور بھی نہیں پہن رکھا تھا___ اس کا چہرہ سلگ رہا تھا۔ آنکھیں سرخ و متورم تھیں۔ لگتا تھا کافی دیر روتی رہی ہے۔

اس نے حسب دستور شہنشاہ کا سواگت کیا۔ لونڈیوں کی قطار نذرانے اور صدقے کے تھال اٹھائے کھڑی تھی۔ اس نے مہاراج کی آرتی اتاری پھر انہیں جھروکے تک لے جا کر ان کے ہاتھ سے صدقہ خیرات بھی مستحقوں میں تقسیم کی۔

لیکن

وہ

بجھی ہوئی شمع تھی۔ سوائے تکلفانہ جملوں کے وہ منہ سے کچھ نہیں بولی۔

اور

جب

شہنشاہ اسے الوداع کہنے دالان میں آئے تو اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

"مہارانی" شہنشاہ اس کے قریب آ گئے___

"جی مہاراج" وہ مشینی انداز میں بولی۔

"ناراض ہو ہم سے"

"داسی یہ جرأت نہیں کر سکتی___"

شہنشاہ چند لمحے خاموش رہے وہ اسی طرح ہاتھ باندھے ان کے سامنے بت بنی کھڑی رہی۔

شہنشاہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اسے اپنے قریب کرتے ہوئے گھمبیر لہجے میں کہا "ہم تمہارے جذبات سمجھتے ہیں جودھا بائی۔ لیکن ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ شیخو ہمارے بھی جگر کا ٹکڑا ہے۔ تمہاری طرح ہمیں بھی وہ پیارا ہے۔ لیکن ہم صرف ایک باپ نہیں شہنشاہ بھی ہیں۔ جس پر صرف شیخو ہی کا نہیں مملکت کے ہر فرد کا حق ہے۔ شہنشاہ کی نظر میں سب ایک سے ہیں۔ شیخو بیٹا ہونے کے ساتھ ساتھ سلطنت مغلیہ کا باغی بھی ہے۔ اس نے ولی عہد ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ ہاتھ پاؤں پھیلا رہا ہے۔ ابوالفضل کے قتل کا یقیناً تمہیں بھی افسوس ہوگا۔ ہم ایک مجرم اور ایک قاتل کو کھلی چھٹی نہیں دے سکتے۔ اسے راہ دکھانا ہمارا فرض ہے۔ اس نے ٹیڑھی انگلی سے گھی نکالنے پر ہمیں مجبور کر دیا ہے۔ ہم مجبور ہیں مہارانی اور اسی مجبوری کے تحت یہ قدم اٹھا رہے ہیں___"

مہارانی نے کوئی جواب نہیں دیا___ اس نے شہنشاہ کے ہاتھوں میں پکڑے اپنے ہاتھوں پر ماتھا ٹکا دیا اور اس کی آنکھیں آنسو بہانے لگیں۔

"ہمیں یوں رخصت نہ کرو مہارانی۔ صرف ماں بن کر نہیں۔ راجپوت مہارانی بن کر ہمیں روانہ کرو___"

مہارانی نے سر اٹھایا اور جھلملاتی آنکھوں سے شہنشاہ کو دیکھتے ہوئے بولی "جائیے

مہاراج - میں آپ کی راہ میں حائل نہیں ہوؤں گی ۔"

شہنشاہ نے اس کے ہاتھ فرطِ جذبات سے دباتے ہوئے کہا" دعا نہیں کرو گی ہمارے لیے ہماری جیت کے لیے ہماری سرخروئی کے لیے ___"

مہارانی چپ رہی۔

شہنشاہ اس کے ہاتھ چھوڑتے ہوئے بولے" ہم تمہیں مجبور نہیں کریں گے کہ ہماری جیت کے لیے دعا کرو۔ ہم جانتے ہیں ہمارے حق میں دعا شیخو کے حق میں بددعا ہو گی۔ اور تم چاہے رانی کے سنگھاسن پر بیٹھ جاؤ ایک ماں بھی رہو گی ___ اس لیے ہم تم سے دعا کی استدعا نہیں کریں گے۔"

"مہاراج ___" مہارانی نے دونوں ہاتھ چھوڑ کر بے چارگی سے انہیں دیکھا۔

شہنشاہ نے اثباتی انداز میں سر ہلایا ___ مہارانی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کی ہمّت افزائی کی ___

" ہماری کوشش یہی ہو گی کہ شیخو کو زندہ گرفتار کر کے لائیں ___ خود بھی زندہ واپس لوٹیں تاکہ انصاف کے سارے تقاضے قانون اور اپنے فرمانوں کی روشنی میں پورے کر سکیں ___ خدا حافظ ___"

جمنا کنارے فوجی دستوں کے بگل بج رہے تھے۔ اب شہنشاہ کو جلد وہاں پہنچنا تھا۔ اس لیے وہ مہارانی کو الوداع کہہ کر رنگ محل سے باہر نکل آئے۔

ان کا جتکبرا گھوڑا لیے کافور ان کا منتظر تھا۔

شڑاپ شڑاپ کی آوازوں میں مانجھیوں کے مدھم گیتوں کے بول مدغم ہو رہے تھے۔ سورج افقی کناروں سے ابھر رہا تھا۔ اور اس کی نرم و ملائم روشنی جمنا کے بہتے پانیوں پر سونا بکھیر رہی تھی۔ دور دور تک سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ اور درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ مدورا گاؤں کو گھیرے ہوئے تھے۔ اس گاؤں کے نواح میں شہنشاہ کے ہمراہ دریائی سفر پر آنے والے جنگی دستوں کا پڑاؤ تھا۔ یہ تیسرا پڑاؤ تھا ___ یہاں دو دن قیام کیا گیا تھا۔ رسد لانے والی کشتیوں کا انتظار تھا۔ آج ان کی آمد متوقع تھی۔ اس لیے پڑاؤ اٹھانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ خیمے اکھاڑے جا رہے تھے۔ سامان اکٹھا ہو رہا تھا۔ کچھ فوجی کشتیاں لیے دریا میں گھومنے نکل گئے تھے۔ دریا کے پانیوں کے شور میں مانجھیوں کے گیت سن رہے تھے شاید دریائی سفر کی تکان اتارنے کا یہ طریق انہیں من بھایا تھا۔

شہنشاہ کا خیمہ ابھی تک اپنی جگہ نصب تھا اور وہ اس وقت خیمے کے اندر اپنے دو جنگی سالاروں سے صلاح ومشورے کر رہے تھے۔ شہنشاہ چاہتے تھے کہ سفر جلد از جلد ختم کرنے کی کوئی تدبیر کی جائے۔ کناروں پر پڑاؤ مختصر ہو اور کشتیاں چند گھنٹوں کی بجائے کئی کئی گھنٹے متواتر چلائی جائیں۔ وہ جلد از جلد الٰہ آباد کے نواحی علاقوں میں پہنچ کر اپنے دوسرے فوجی دستوں سے ملنا چاہتے تھے۔ اور جو وسیع و عریض میدان لشکروں کے قیام

کے لیے منتخب کیا گیا تھا ۔ اس کے متعلق بھی وہ اپنے سالاروں سے گفت گو کر رہے تھے ۔
وہاں وہ خشکی کے راستہ آنے والے فوجیوں سے بہرصورت پہلے پہنچنا چاہتے تھے ۔

بات چیت ہو رہی تھی کہ خیمے کے دروازے پر کھڑے ملک کافور نے اطلاع دی کہ آگرے سے سامان لے کر کشتیاں پہنچ گئی ہیں ــــ اور صلابت خان حاضر خدمت ہونے کی اجازت چاہتا ہے ۔

" بھیج دو " شہنشاہ کے ایما پر جنگی سالار نے کہا ۔

کچھ ہی دیر بعد صلابت خان جس نے فوجی لباس پہن رکھا تھا ۔ خیمے کے دروازے پر نمودار ہوا ۔ اس نے تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے فوجی انداز میں پہلے شہنشاہ اور پھر دونوں سالاروں کو تعظیم دی ۔

" آؤ صلابت خان " شہنشاہ نے پر رعب آواز میں کہا " سامان لے آئے "

" جی ہاں عالم پناہ " اس نے پھر جھکتے ہوئے تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھا ۔

" آگرہ میں سب ٹھیک ٹھاک ہے نا ــــ " شہنشاہ نے پوچھا ۔

" سب ٹھیک ہے ظل الٰہی ــــ "

" جب ہم آئے تھے تو مادر محترم کی حالت اچھی نہ تھی ۔ ہم انہیں کے متعلق فکرمند ہیں "

" مادر ملکہ عالیہ ، عالی جناب حکیم ہمام کے زیر علاج ہیں ۔ وہ پوری توجہ سے ان کا علاج کر رہے ہیں ۔ لیکن ان کی حالت ابھی اسی طرح ہے "

شہنشاہ نے اک گہری سانس لی ۔ پھر جنگی سالاروں کی طرف متوجہ ہو کر بولے ۔

" ہم جو معرکہ سر کرنے نکلے ہیں اس میں تاخیر کی گنجائش اس لیے بھی نہیں کہ مادر محترم کی حالت تشویشناک ہے "

" ہم اس بات سے باخبر ہیں عالم پناہ ــــ لیکن دریائی سفر وقت لے گا ۔ گو موسم بدل چکا ہے ۔ اور دریا کی رفتار سفر کے لیے بڑی موافقت رکھتی ہے ۔ لیکن اُوپر پہاڑوں

پر اس موسم میں بھی شدید بارشیں ہونے کی اطلاعیں مل رہی ہیں ۔ یہ بارشیں دریاؤں میں تلاطم پیدا کر سکتی ہیں ۔ خدا کرے دریا کی تلاطم خیزی سے قبل ہی ہم اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائیں "

" اسی لیے تو ہم چاہتے ہیں کہ قیام مختصر اور سفر زیادہ کیا جائے "

" ہماری کشتیاں تیز رفتاری سے سفر طے کر رہی ہیں ظل سبحانی ۔ اس سے زیادہ کی گنجائش نہ تو چپو چلانے والے مانجھیوں کے بازوؤں میں ہے ۔ نہ ہی لکڑی کی کشتیوں میں "

" ہوں " شہنشاہ نے چند لمحے توقف کے بعد کہا " اب کوچ کس وقت ہوگا سامان تو پہنچ گیا ہے ــــ "

" تھوڑی دیر لگے گی ابھی روانہ ہونے میں عالی جاہ ــــ " جنگی سالار نے کہا ۔ " سامان کی ترسیل بھی تو کرنا ہے "

" بہر حال ــــ کشتیوں کے لنگر اٹھانے میں زیادہ تاخیر نہ کی جائے ۔ آپ لوگ جائیے اور ضروری کاموں سے فوری طور پر نپٹ کر سفر شروع کرنے کا سوچیے ۔ مابدولت تیار ہیں "

" جو حکم عالی "

وہ تینوں سلام کر کے خیمے سے باہر نکل آئے ۔ کچھ قدم وہ ساتھ ساتھ چلے پھر اپنے اپنے دستوں کی طرف ہو لیے ــــ

سورج کافی اوپر آ گیا تھا ۔

جب سب تیاریاں مکمل ہو گئیں تو درختوں کے تنوں سے بندھی کشتیوں کی رسیاں کھولنا شروع ہوئیں ۔ فوجی اپنی اپنی کشتیوں میں اپنے اپنے سامان کے ساتھ کود کر سوار ہونے لگے ــــ

شہنشاہ بھی کنارے پر آ چکے تھے ۔ پانچ حفاظتی کشتیاں دریا میں جانے کے بعد شاہی بجرا کنارے کے قریب لایا گیا ۔ کشتی اور گیلے سیلے کنارے پر تختوں کا چھوٹا سا پل بنایا گیا ۔ جس پر چل کر شہنشاہ کشتی میں آئے اور اپنی مخملی نشست پر تشریف فرما ہو گئے ۔ چتر بردار

پردہ ان کے سر پر لہرا رہا تھا۔ سامنے مغل پرچم ہوا میں پھڑپھڑا رہا تھا۔ کشتی بہت خوبصورت اور ہر سہولت سے آراستہ تھی ــــ نشست بھی آرام دہ تھی ــــ اور جھلملاتا ہوا چھتری نما چتر سراپردہ شہنشاہ عالم کو دھوپ کی تندی و تیزی سے محفوظ رکھنے کے علاوہ بہت خوبصورت اور دلفریب بھی نظر آ رہا تھا ــــ

شہنشاہ کے پیچھے ملک کافور چمکتے پھل والی سنگین لیے کھڑا تھا۔ سامنے دو حبشی نژاد بھاری بھرکم اور لانبے قدوں والے پہریدار تھے ــــ تین معتبر جنگی فوجی شہنشاہ کی مسند نما نشست کی پشت پر بنی نشست پر بیٹھے تھے۔ جنگی سالار تقی جان شہنشاہ کے دائیں ہاتھ قدرے نیچی نشست پر بیٹھا تھا ــــ

کشتی آہستہ آہستہ کنارے سے دریا کے درمیان آئی ــــ شاہی کشتی کے پیچھے بھی بہت سی کشتیاں چلنے لگیں۔ جن میں فوجی سوار تھے ــــ

بیڑہ اگلے پڑاؤ کی طرف بڑھنے لگا ــــ

شہنشاہ عالم گاہے گاہے تقی خان سے باتیں کر رہے تھے۔ کبھی پچھلی نشستوں پر بیٹھے فوجی افسروں سے بھی کوئی بات کر لیتے ــــ کشتی روانی سے چلی جا رہی تھی۔ کہیں کہیں مانجھیوں کو کوئی دقت پیش آ جاتی تو کشتی کو جھٹکے لگنے لگتے ــــ اور اس کی رفتار بہت کم پڑ جاتی۔

ایسے میں شہنشاہ بہت کوفت محسوس کرتے۔ ان کے ماتھے پر بل پڑ جاتے اور وہ شاہی مانجھیوں پر برہم نظر آنے لگتے ــــ

کسی ایسی ہی جگہ جہاں مانجھیوں کے ہاتھوں کی رفتار چپو چلاتے ہوئے سست پڑ گئی تو شہنشاہ نے تقی خان سے کہا "جا کر دریافت کریں ــــ یہ کیا ہو رہا ہے۔ حفاظتی کشتیاں اتنی دور نکل چکی ہیں۔ اور یہ کشتی بار بار ہچکولے کھاتے ہوئے اتنی پیچھے رہ گئی ہے۔"

"ابھی پتہ کرتا ہوں عالم پناہ"

تقی خان اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور ڈولتے وجود کو کشتی کے کناروں کا سہارا دیتے ہوئے مانجھیوں کی طرف بڑھا۔

"کیا ہو رہا ہے فتو میاں" اس نے سیاہ چمکتے جسم والے مانجھی سے پوچھا۔

"سرکار ــــ یہاں دریا میں ریتلے ٹیلے ہیں کسی کسی جگہ۔ ان سے بچا کر نکلنا پڑتا ہے۔"

"رفتار بہت ہی سست پڑ جاتی ہے تمہاری۔ حالانکہ تم جانتے ہو شہنشاہ عالم کو پہنچنے کی جلدی ہے"

"سرکار۔ احتیاط برتنا ضروری ہے ــــ یہ دریا ہے"

"اور عالی جناب" دوسرا دبلا پتلا مانجھی بولا ــــ "دیکھیے نا۔ دریا کے نیلے پانی میں اب سرخی آتی جا رہی ہے"

"کیا مطلب؟"

"رفتار تیز ہو رہی ہے پانیوں کی پیچھے سے پانی میں مٹی گھل گھل کر آ رہی ہے پہاڑوں پر بہت بارشیں ہو رہی ہیں۔ دریا میں تیزی آ رہی ہے سرکار ــــ بہت احتیاط سے چلنے کی ضرورت ہے ــــ اور یہ کشتی بھی بہت بڑی ہے سرکار ــــ"

دونوں مانجھیوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا ــــ "عالم پناہ سے ہماری طرف سے عرض کیجیے ان علاقے میں احتیاط کی بہت ضرورت ہے۔ اس لیے ہمیں معاف فرمادیں"

تقی خان نے واپس آ کر مانجھیوں کی گفتگو کے انداز اور تجربے کی بنا پر کہی ہوئی باتوں سے شہنشاہ کو آگاہ کیا۔

تو

وہ سنی ان سنی کرتے ہوئے بولے "ان سے کہو کشتی دریا کے عین درمیان میں لے چلیں وہاں یقیناً پانی گہرا ہوگا اور ریتلی چٹانوں کا خطرہ نہیں رہے گا ــــ"

تقی خان نے جب شہنشاہ کا یہ پیغام مانجھیوں کو دیا، تو وہ خوفزدہ سے ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

فتو بولا "سرکار —— درمیان میں کشتی لے جانا خطرے سے خالی نہیں ہوگا"

"صاحب کراں خطروں سے نہیں ڈرتے" تقی خان بولا —— "تم حکم کی تعمیل کرو"

وہ دونوں گھبرائے

لیکن

تعمیل حکم سے انکار کی مجال بھی نہ تھی ——

وہ شہنشاہ کے کہنے پر کشتی کو آہستہ آہستہ دریا کے درمیان لے جانے لگے۔

اب کشتی کی رفتار تیز ہو گئی۔ شہنشاہ نے اطمینان سے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ حفاظتی کشتیاں اب نظروں کی زد میں تھیں اور پیچھے آنے والا بیڑہ بھی پورے دریا میں تیرتا چلا آرہا تھا۔ رنگا رنگ پھریرے اور شاہی پرچم لہراتے ہوئے بڑی بہار دکھا رہے تھے۔

شاہی کشتی کو کھینے والے بڑے مشاق تھے۔ فتو کی تو عمر ہی پانی کی لہروں پہ بہی تھی وہ دریا کا رمز شناس تھا۔ اس کے مزاج سے واقف تھا۔ اس کے اتار چڑھاؤ کی کیفیتوں سے آگہی تھی۔ پانیوں کے رنگ سے ان میں آنے والی تبدیلیوں کو پہچان لیتا تھا۔ اس کے دونوں ساتھی گو اتنے تجربہ کار نہ تھے۔ لیکن عام مانجھیوں سے زیادہ منجھے ہوئے اور ہوشیار تھے۔

تینوں کشتی رانی کے ماہر تھے۔ اور مدتوں سے شاہی کشتی کو کھینے کی ذمہ داری ان کے سپرد تھی۔ شہنشاہ یا محل کے کسی شہزادے یا شہزادیوں کو کہیں جانا آنا ہوتا تو فرض کی ادائیگی انہیں تینوں میں سے کسی ایک کو سونپی جاتی۔ وہ اپنے ساتھ دوسرے مانجھی کو لے جاتا۔ لیکن ذمہ دار وہی ہوتا ——

فتو اور کلیانی کے ہاتھوں میں چپو تھے۔ سیدا کشتی کی سامنے والی نوک پر بیٹھا تھا تینوں

کے چہرے کسی طور خوشی کا اظہار نہیں کر رہے تھے۔ لگتا تھا سخت ذہنی دباؤ ہے۔ وہ تینوں دریا کے جس حصے سے گزر رہے تھے۔ جانتے تھے کہ یہاں جگہ جگہ ریتلے ٹیلے ہیں۔ دل ہی دل میں دعائیں مانگتے وہ کشتی کو بڑی احتیاط سے چلا رہے تھے۔ شہنشاہ کا حکم تھا کہ کشتی دریا کے درمیان میں چلائی جائے۔ حالانکہ کناروں کے ساتھ ساتھ چلنا یہاں زیادہ اچھا تھا ——

شہنشاہ مطمئن تھے۔ وہ تقی خان سے باتیں کر رہے تھے۔

"اگر شروع ہی سے کشتی اس طرح اور اس رفتار سے چلائی جاتی تو اب ہم پانچویں پڑاؤ سے بھی نکل چکے ہوتے۔ دو ہفتے کا سفر آٹھ نو دن میں طے کیا جا سکتا تھا —— ہم تو پڑاؤ کے بھی قائل نہیں۔ ہمارا بس چلتا تو کشتی دن رات چلانے کا حکم دیتے ——"

تقی خان نے شہنشاہ کی طرف دیکھا۔ ان کے من کی بے چینی چہرے سے عیاں تھی۔ وہ کچھ کہنے کو تھا کہ کشتی کو اک شدید دھچکا لگا۔ وہ اپنی نشست سے اچھل کر آگے کو گرا۔ شہنشاہ نے نشست کے ہتھے کو پکڑا نہ ہوتا تو یقیناً وہ بھی منہ کے بل گرتے پیچھے بیٹھے فوجی بھی ایک دوسرے پر گرے۔ کافور کے ہاتھ سے چتر سرا چھوٹتے چھوٹتے بچا ——

فتو کلیانی اور سیدا کے منہ سے بے اختیارانہ سی آوازیں نکلیں۔ فتو چیخا "کلیانی سیدے دوسری طرف کا چپو کھینچو ——"

کشتی پوری کی پوری گھوم گئی تھی۔ تقی گھبراتے ہوئے بولا "منجدھار میں تو نہیں پھنس گئے ہم لوگ ——"

"کشتی ریتلے ٹیلے میں دھنس گئی ہے سرکار" وہ اپنا چپو ریت میں دھنسنے سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا —— وہ تینوں بیحد خوفزدہ تھے۔ کشتی پھسلنی ریت میں پھنستی چلی جا رہی تھی ——

"کیا ہو رہا ہے کشتی کو؟" شہنشاہ نے زوردار آواز میں پوچھا۔

"ریتلے ٹیلے میں دھنس گئی ہے صاحب کراں" تقی بولا۔

"اوہ ـــــ" شہنشاہ کے منہ سے نکلا۔ وہ خائف نہیں تھے۔ لیکن سفر کی رفتار ٹوٹنے سے انہیں سخت کوفت ہوئی تھی ـــــ

فتو کلیانی اور سیدے نے پہریداروں کی مدد سے کشتی کو ریت سے نکالنے کی بہت کوشش کی ـــ پانی کے ریلے اتنے زوردار تھے کہ وہ کشتی سے ٹکرا ٹکرا کر اس کی لکڑی میں دراڑیں ڈال سکتے تھے۔ جس سے اس کے ڈوبنے کا قوی امکان تھا۔ تقی خان کے ساتھ دوسرے فوجی بھی ان مانجھیوں کی مدد کرنے کو آئے۔

لیکن

کشتی کو نہ نکال سکے۔ وہ نیچے ہی نیچے دھنستی چلی جارہی تھی۔ اور پرزور لہریں اس سے ٹکرا رہی تھیں۔ سوائے شہنشاہ کے سب پر گھبراہٹ مسلط تھی۔ شہنشاہ جھنجھلائے ہوئے تھے ـــــ

تقی کچھ دیر فتو سے کشتی کے نکلنے کے امکان کی باتیں کرنے کے بعد شہنشاہ کی طرف پلٹا اور عرض کی "عالم پناہ ـــــ کشتی ریتلے ٹیلے میں دھنستی جارہی ہے۔ مانجھی اسے بچانے سے قاصر ہیں ـــــ پانی کا دباؤ بڑھ رہا ہے۔"

"پیچھے سے آنے والی کشتیوں میں سے کسی ایک کو روکا جائے ـــــ ما بدولت سفر جاری رکھیں گے ـــــ"

"جو حکم عالی"

تقی خان نے ڈولتی کشتی میں بمشکل کھڑے ہو کر پیچھے سے آنے والے بیڑے کی طرف دیکھا۔ کشتیاں اتنی دور تھیں کہ ان کے یہاں پہنچنے تک یہ کشتی پوری کی پوری دریا کی لپیٹ میں آسکتی تھی ـــــ وہ چاہتا تھا کہ یہ بات شہنشاہ کے گوش گزار کرے۔ لیکن یہ جرأت گستاخی پر بھی معمول ہو سکتی تھی۔ اس لیے وہ خاموش رہا۔ اور پہریدار

سے کہا کہ وہ پچھلی کشتیوں کو روکنے کا اشارہ دے۔

کشتی رانوں پر خوف و ہراس طاری رہا۔ کشتی سواروں پر بھی گھبراہٹ طاری تھی۔ یہاں بہاؤ اتنا تیز تھا کہ آہنی وردیوں کے ساتھ تیر کر دریا عبور کرکے کنارے پر پہنچنا بھی مشکل تھا ـــــ

پہریدار اپنا پھریرا اس انداز سے ہوا میں ہاتھ اونچا کرکے لہرا رہا تھا کہ پیچھے سے آنے والوں کو پتہ چل سکتا تھا کہ معاملہ گڑبڑ ہے اور کشتی خطرے سے دوچار ہے۔

اور

عین اس وقت جب کشتی کے دائیں جھکے ہوئے پہلو سے پانی اندر آنے لگا پیچھے سے آنے والی دو تین کشتیوں نے ڈوبتی کشتی کو گھیرے میں لے لیا۔ جلدی سے پھٹے نکالے گئے اور شاہی کشتی سے دوسری کشتیوں سے لگا دیئے گئے۔ شہنشاہ تقی خان اور دوسرے لوگ ان تختوں پر بمشکل توازن قائم رکھتے ہوئے دوسری کشتیوں میں پہنچے۔ ان کشتیوں میں پہلے ہی وزن کافی تھا۔ اب ہر کشتی میں دو دو تین آدمی اور سوار ہوئے تھے۔ اس لیے دریا کی تیز رفتاری کے پیش نظر یہی فیصلہ کیا گیا کہ آگے جانے کی بجائے رخ کنارے کی طرف موڑا جائے۔ جہاں فالتو سامان اور افراد کو اتار کر پیچھے سے اور آنے والی کشتیوں میں سوار ہونے کے لیے روکا جائے۔

گو شہنشاہ وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن مجبوری تھی ـــــ

چنانچہ

کشتیوں کے رخ موڑ کر کنارے کی طرف کر دیئے گئے ـــــ

لیکن کشتیاں ابھی کنارے سے پوری طرح لگ بھی نہ پائی تھیں کہ پیچھے سے تیزی سے ایک کشتی آتی دکھائی دی۔ اس کشتی کی ساخت شاہی کشتی جیسی تھی اور اس پر لعل پرچم لہرا رہا تھا ـــــ یہ کشتی بیڑے کی کشتیوں سے مختلف تھی۔

"یہ کون آرہا ہے" تقی خان نے شہنشاہ کے کشتی سے اترنے کے بعد تختے پر پاؤں رکھتے ہوئے اپنے آپ سے کہا۔

"یہ قاصد کشتی لگتی ہے" دوسرا فوجی افسر جو تقی خان کے ساتھ تھا ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں واقعی ـــ"

"غالباً آگرے سے کوئی اہم پیغام آیا ہے"

"بیڑے میں یہ کشتی شامل نہ تھی"

"اسے ادھر ہی روکنا چاہیئے ـــ شہنشاہ بھی تو یہاں ہیں ـــ اگر کوئی پیغام ہے تو انہیں ملنا چاہیے۔

"ہاں"

"روکنے کا پھریرا لہرایا جائے"

"ٹھیک کہا تم نے ـــ"

تقی خان نے جلدی سے پہریدار کو آواز دی جو دوسری کشتی سے اتر رہا تھا۔ اسے حکم دیا کہ کشتی میں واپس سوار ہو کر جائے اور قاصد کشتی کو یہیں روک لیا جائے۔

حکم کی تعمیل کے لیے وہ پھر کشتی میں سوار ہوا اور کشتی کنارے سے ہٹنے لگی۔

تقی خان شہنشاہ کے قریب آگیا اور بولا" خدا کا شکر ہے۔ ہم سب خطرے سے نکل آئے ـــ اور کشتیاں بروقت امداد کو پہنچ گئیں ـــ"

" دیکھنا تو یہ ہے تقی خان کہ اب سفر شروع کب ہوتا ہے ـــ اور ہاں وہ کشتی دوبارہ کیوں چلدی؟"

" عالم پناہ ایک قاصد کشتی کو ہم نے آتے دیکھا ہے۔ حضور والا چونکہ یہاں ہیں اس لیے اسے روکنے کو یہ کشتی روانہ کی گئی ہے۔"

"قاصد کشتی" شہنشاہ کے ماتھے پر سوچ کی لکیریں ابھریں۔

"جی عالم پناہ"

"کیا تم نے خود دیکھی"

"جی ہاں"

"دور سے پہچان کیسے کی کہ یہ قاصد کشتی ہے"

"عالم پناہ ـــ کشتی کی ساخت ـــ اور جھنڈے کے رنگوں سے پہچانا ہے اسے"

"تو ـــ آگرے سے کوئی پیغام بھیجا گیا ہے؟"

"لگتا تو یہی ہے"

"ہوں ـــ"

شہنشاہ متفکر سے نظر آنے لگے۔ بے چینی سے انہوں نے اپنے ہاتھ ملے اور سر گھما کر اس سمت تکنے لگے جدھر سے کشتی کی آمد متوقع تھی۔

انتظار کی زحمت کچھ دیر اٹھانا پڑی ـــ بے چینی میں اضافہ ہوتا رہا اور شہنشاہ ہلن زدہ دریا کے کنارے پر مضطربانہ انداز میں ٹہلتے رہے۔

بالآخر

قاصد کشتی دوسری کشتی کی راہنمائی میں کنارے سے آلگی اور اس میں سوار تین افراد آگے پیچھے کنارے پر کودے ـــ

وہ دربار کے معتبر اور با اثر افراد تھے ـــ سبغت بیگ سب سے آگے تھا۔ اس کے پیچھے عبداللہ خان اور شمس دہلوی تھے۔ کنارے پر اترنے کے بعد انہوں نے اپنی پگڑیاں ٹھیک کیں اور قبائیں درست کر کے ان کے تکمے بند کیے۔

سپاہیوں نے انہیں بتایا کہ شہنشاہ کس طرف ہیں۔ انہوں نے سر اٹھا کر درختوں کے جھنڈ کی سمت دیکھا اور پھر تینوں اس طرف بڑھنے لگے۔ ہوائیں اب خاصی تیز ہو گئی

تھیں — اور دریا کی لہروں کا شور بڑھ گیا تھا۔ دھوپ تیزی سے چمک رہی تھی لیکن گھٹن یا حبس نہیں تھا —

شہنشاہ تمکنت سے کھڑے تھے۔ قاصدوں نے آگے بڑھ کر انہیں کورنشی انداز میں سات بار سلام کیا۔

"معلوم ہوتا ہے کوئی انتہائی اہم پیغام لائے ہو" شہنشاہ نے کہا۔

"جی عالم پناہ —"

"کہو —"

"حضور سلطان سلیمہ بیگم کا خط لائے ہیں ہم — عزت مآب مادر ملکہ کی حالت —"

"کیا ؟ ؟ ؟"

"ان کی حالت بہت خراب ہے۔ اس لیے —"

"خط پیش کرو —"

سبغت اللہ نے قبا کے اندر سے خط نکال کر دونوں ہاتھوں پر رکھا اور شہنشاہ کو پیش کرتے ہوئے بولا" زبانی پیغام بھی یہی دیا گیا ہے عالم پناہ کہ مادر ملکہ کی حالت کے پیش نظر آپ سے واپسی کی استدعا کی جائے —"

شہنشاہ نے خط کھولا۔ ان کی نظریں سطور پر رینگنے لگیں۔ خط ان کے ہاتھوں کی لرزش سے ان کے قلبی تاثرات کا اظہار ہو رہا تھا۔

مادر ملکہ کی حالت بہت خراب تھی — بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ چراغ سحری تھیں۔ ہوا کے کسی تیز جھونکے سے کسی وقت بھی یہ چراغ بجھ سکتا تھا۔ اس لیے استدعا کی گئی تھی کہ جہاں پناہ جہاں بھی ہیں۔ جلد از جلد واپس محل میں پہنچنے کی کوشش کریں۔ معرکے تو بعد میں بھی سر ہو سکتے تھے۔ لیکن ماں کی آخری گھڑیاں پھر لوٹ کر نہیں آ سکتی تھیں۔

شہنشاہ کئی لمحے شش و پنج میں رہے۔

پھر تقی خان سے مشورہ کیا — کافی دیر باہم مشورے ہوئے۔ معاملے کی سنگینی اور حالات کی نوعیت پر غور ہوا۔ تقی خان نے سلطان سلیمہ بیگم کا پیغام سنا تھا۔ اس لیے یہی رائے دی کہ سفر ملتوی کر کے واپس جایا جائے — شہزادے پر حملہ پھر بھی ہو سکتا تھا۔

"شاید ہماری قسمت میں عزیز ترین ماں سے آخری بار ملنا لکھا تھا۔ اسی لیے کشتی پھنس گئی اور ہم سفر جاری نہ رکھ سکے —" شہنشاہ نے دلفگار لہجے میں کہا اور پھر واپسی کا حکم دے دیا —

بیڑے کی باقی کشتیوں کو بھی واپس جانے کا فرمان جاری کیا گیا۔ ایک کشتی ان کے لیے یہیں چھوڑ دی گئی — شہنشاہ اور تقی خان قاصد کشتی میں سوار ہو گئے اور واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔

بیشمار مدور ستونوں اور محرابی دروں پر اٹھی شیشوں جڑی چھت جگمگا رہی تھی۔ ستونوں پر کی گئی سونے چاندی کی چتر کاری اور نقاشی دیدنی تھی۔ الہ آباد کا یہ دربار ہال صناعی کا شاہکار تھا۔ مغلوں کی نفاست طبع اور ارفع ذوق کا آئینہ دار تھا۔ ان کی جمالیاتی حس ہر شے سے آشکار تھی۔ یہ شہنشاہ اکبر نے ہی تعمیر کروایا تھا۔ ان دنوں یہاں شہزادہ سلیم جو شہنشاہ ہونے کا اعلان کر چکا تھا اپنا دربار لگاتا تھا۔ اسی جگہ رقص و سرور کی محفلیں بھی بپا ہوتی تھیں۔

اس رات بھی درباری رقاصہ مجیدن اپنے بے مثل رقص کا مظاہرہ کرنے حاضر ہوئی تھی۔ دربار ہال بڑی خوبصورتی سے سجا تھا۔ ہر چیز جگمگا رہی تھی۔ ارغوانی قالین بچھے تھے ان کا عکس ستونوں اور چھتوں میں جڑے شیشوں پر پڑ رہا تھا۔ جس سے ساری فضا ہی سرخیوں میں نہائی ہوئی تھی۔ تراشے ہوئے شیشوں سے بنے فانوسوں میں بے دود شمعیں جل رہی تھیں۔ روشنیوں کا سیلاب امنڈ رہا تھا۔ شہنشاہ لباس فاخرہ پہنے تخت پر براجمان تھے۔ حسین اور الھڑ دوشیزائیں تخت کی پشت پر جام و مینا لیے کھڑی تھیں۔ ان کے لباس جگمگا رہے تھے۔ چہرے دمک رہے تھے اور زیورات ان کے ہلنے جلنے سے بڑے ترنم سے کھنک رہے تھے۔

محرابی دروں اور مدور منقش ستونوں کے ساتھ ساتھ رکھی اونچی پشت والی منقش کرسیوں پر معزز اراکین براجمان تھے۔ ان میں نئے شہنشاہ کے منہ چڑھے دوست بھی تھے۔ موقع پرست خوشامدی بھی اور ذاتی مفاد کی خاطر شہنشاہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے والے خود پرست بھی۔ سب نے شاہانہ لباس زیب تن کر رکھے تھے۔ خوش رو کنیزیں شہنشاہ کی اجازت سے انہیں بھی مئے ناب کے چھلکتے پیمانے ہنس ہنس کر پیش کر رہی تھیں — حسن و شباب، شراب کو دو آتشہ بنا رہے تھے۔ محفل رنگین سے رنگین تر ہو رہی تھی —

کھلی جگہ پر ایک طرف گدیلوں پر مجیدن بائی کے استاد رقاص بندو خان بڑے وقار سے بیٹھے تھے۔ ان کے دائیں ہاتھ گائک شوکمار براجمان تھے اور ان کے پیچھے سازندوں کی قطار تھی۔

مجیدن تخت شاہی کے سامنے چند گز کے فاصلے پر ایستادہ بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑی تھی — اس نے آغاز رقص کا انداز اختیار کیا ہوا تھا۔ شہنشاہ کو سات بار فرشی سلام کرنے کے بعد وہ اس انداز سے کھڑی تھی — شہنشاہ کی طرف سے اجازت کا اشارہ پانے کی منتظر تھی۔

مجیدن حسن کا مرقع تھی۔ اس کا جسم تراشے ہوئے مجسمے کی طرح تھا۔ اس مجسمے میں نزاکت کی لچک تھی۔ اس نے رقص کا خاص لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ چمکیلے دھاریدار زربفت کا پاجامہ پہنا ہوا تھا جو اس کی سڈول اور خوبصورت ٹانگوں سے چپکا ہوا تھا۔ اس پر ہوائی کپڑے کا گھاگھرا تھا۔ جس پر کامدانی کام جڑا ہوا تھا۔ چیتے ایسی کمر پر گھاگھرے کی بندش دلآویز تھی۔ ننگی کمر اور پیٹ پر اس نے جڑاؤ کمر بند پہن رکھا تھا۔ جس کی سونے کی زنجیریں گھاگھرے کی پٹی پر پڑ رہی تھیں — سینے بند پر موتی جڑے تھے اور پشت پر باریک ڈوریوں سے بندھا سینہ بند اس کے جسم کے نشیب و فراز کو نمایاں کر رہا تھا۔ تنگ آستین بازوؤں کے اوپری حصے میں دھنسی ہوئی تھیں۔ کلائیاں کہنیوں تک جڑاؤ کنگنی

اور سونے کی چوڑیوں کڑوں سے بھری تھیں۔ ماتھے پر ٹیکہ تھا۔ بالوں میں موتی پروئے تھے۔ گلے میں گلوبند اور مالائیں تھیں۔ سر پر ستاروں اور کامدانی کام سے بھری ہوائی اوڑھنی تھی۔ جو اس کے جوڑے میں پھولوں کے گچھوں کے ساتھ اٹکی ہوئی پشت پر لہرا رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور پاؤں پر مہندی سے خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور سولہ سنگھار نے اس کے حسن کو لاجواب اور بے مثال بنا دیا تھا۔ آہو چشم رقاصہ کی ادائیں قاتلانہ تھیں۔ وہ اپنے حسن و فن کے حدود اربعے سے بخوبی واقف تھی۔ اس لیے اداؤں کے تیر موقعے کی مناسبت سے برسانے کے فن سے آگاہ تھی۔

شہنشاہ اس کے رقص کو بطور خاص پسند کرتے تھے۔ وہ کئی موقعوں پر اپنے فن کا مظاہرہ کر کے داد وصول کر چکی تھی۔ اس کے گلے میں شہنشاہ کی انعام میں دی ہوئی مالائیں جھول رہی تھیں۔ انعام و اکرام کی بے پناہ بارش اس پر ہوا کرتی تھی۔ اور شہنشاہ کے بعد درباری بھی اس کے فن کی داد دل کھول کر دیا کرتے تھے۔ اشرفیوں کے بھرے تھال اس پر لٹائے جاتے تھے۔ موتیوں کی بارش ہوتی تھی اور سونے چاندی کے زیورات اس کے رقص کے اختتام پر ڈھیروں کی صورت اختیار کر جاتے تھے۔ وہ خاص الخاص تقاریب ہی میں رقص کیا کرتی تھی۔ جشن کے موقع پر تو اس نے غضب ڈھایا تھا۔ اتنی داد پائی تھی اور اتنے انعامات سمیٹے تھے کہ وہ خود بھی دنگ رہ گئی تھی۔ اسے رہنے کے لیے شاہی محلات کے عقب میں واقع لال حویلی بھی تحفے میں بخشی گئی تھی۔

آج کوئی تقریب نہیں تھی۔

رقص کے لیے اسے شہنشاہ کے دل بہلانے کے لیے بلایا گیا تھا۔

نئے شہنشاہ کی طبیعت اچاٹ رہنے لگی تھی۔ پریشانی چین نہ لینے دیتی تھی مان بائی کملاوتی کی خودکشی کا انہوں نے بہت ہی زیادہ اثر لیا تھا۔ غم مٹانے کے لیے وہ کثرت سے شراب نوشی کرنے لگے تھے۔

ابھی اس غم سے سنبھلے نہیں تھے۔ کہ بھیر سنگھ ابوالفضل کا سر سونے کے تھال میں رکھ کر لے آیا تھا۔ جسے دیکھ کر انہوں نے بھیر سنگھ کو انعامات سے نوازا تھا اور داد بھی دی تھی۔

لیکن

ابوالفضل کا کٹا سر خون آلود چہرہ کھلی آنکھیں ان کا دل دہلا گئی تھیں۔ اور انہوں نے بھیر سنگھ سے یہ بھی کہا تھا۔ "ہم نے یہ کب کہا تھا کہ اسے اس بیدردی سے قتل کر دینا۔ یہ تو ہمارے باپ کا دوست تھا اور اس کی گودی میں ہم کھیلے ہوئے تھے۔"

بھیر سنگھ کچھ سمجھ نہ پایا۔ انعامات اور نوازشات کے ساتھ یہ الفاظ۔

اس دن سے شہنشاہ کی بے کلی بہت بڑھ گئی تھی۔ پریشانی پشیمانی بنتی جا رہی تھی۔ راتوں کی نیند حرام ہو گئی تھی۔ فتح کی شادمانی اور خود مختاری کا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔ جب بھی آنکھیں بند کرتے ابوالفضل کا کٹا سر آنکھوں میں کہیں سے گھس آتا۔ خون سے لتھڑے بال چہرے پر خون کے دھبے بھینچے سیاہ پڑے ہونٹ اور سب سے زیادہ سکون تباہ کرنے والی کھلی کھلی فریادی آنکھیں ——

شراب کے ساتھ اب انہوں نے افیون کھانا بھی شروع کر دی تھی۔ وہ اپنے حواس میں نہیں رہنا چاہتے تھے۔ ماحول سے فرار کی خواہش پیدا ہوتی۔ انہیں یہ بھی پچھتاوہ لگتا کہ وہ اپنے عزیز باپ سے نافرمانی کر چکے ہیں۔ انہوں نے گستاخی کی انتہا کر دی ہے۔ بہکاوے میں آ کر دل کے نازک آبگینوں کو زبردست چوٹ لگائی ہے۔ انہوں نے اپنے باپ کا خط پھاڑ ڈالا —— ان کے قاصد کو ورغلا لیا —— اپنی عزیز ترین ماں کا خط پڑھنے کی زحمت تک نہ کی۔ ان کی قاصد بیگم جہاں کو قید کر لیا۔

کس لیے؟

صرف شہنشاہ بننے کے لیے؟

کیا وہ

سچ مچ شہنشاہ بن چکے تھے۔ کیا پورے ہندوستان کی تاجداری انہیں حاصل ہو گئی تھی ـــــ کیا وہ اپنے باپ کی طرح لوگوں کے دلوں میں بسنے لگے تھے۔

اور

سب سے بڑھ کر

کیا

انہیں قلبی سکون اور دلی مسرت حاصل ہو گئی تھی۔

ان سب باتوں کا جواب نفی میں وہ دیتا جو ان کے اندر بیٹھا تھا۔

ان کا ضمیر

ان کا محاسب

وہ اس سے تو جھوٹ نہ بول سکتے تھے۔ اس سے تو غلط بات نہ کہہ سکتے تھے۔ اس کے کچوکوں کے سامنے کوئی رکاوٹ کھڑی نہ کر سکتے تھے۔

وہ بہت اکھڑے اکھڑے اور پریشان رہنے لگے تھے۔ بیگمات کے حجلوں میں بھی چین نہ ملتا۔ حسن و شباب کی یکجائی ہر محلے میں میسر تھی۔ بیشمار بن بیاہی کنیزیں اشارۂ ابرو پر دل بہلانے کے سامان مہیا کر سکتی تھیں۔

لیکن

انہیں کسی کل چین نہ پڑتا تھا۔

پہلے پہلے تو یہ ساری پریشانی انہوں نے اپنے تک ہی محدود رکھی۔ اس کے اظہار سے گریزاں رہے۔ جھنجھلاہٹ اور اکھڑپنے میں اسے چھپانے کی کوشش کی۔ لیکن کب تک۔ دل و جان سے چاہنے والی بیگمات اور رانیاں بار بار پوچھتیں ـــــ لیکن وہ کچھ بتاتے نہیں ـــــ ٹال جاتے ـــــ

رانی یشودھا سے کبھی کبھی دل کی بات کہہ لیتے تھے۔ مان بائی کے غم کا اظہار بھی اس کی گود میں منہ چھپا کر کر لیا کرتے تھے۔ اس دن ابوالفضل کے کٹے سر کا بھوت جو انہیں بدحواس اور پریشان کرتا رہتا تھا اس کے متعلق بھی اس سے کہہ دیا۔

اس رات شہنشاہ نے رانی یشودھا کو اپنی خواب گاہ میں بلایا تھا۔ وہ بڑے قاتلانہ انداز میں ہار سنگھار کر کے ان کے پاس گئی تھی۔ اس کا شباب جذبات سے دہک رہا تھا۔

شہنشاہ نے اس دن کچھ زیادہ ہی شراب پی رکھی تھی۔ یشودھا آئی تو بازو پھیلا کر اس کا استقبال کیا۔ کئی لمحے اسے بازوؤں میں لیے کھڑے رہے۔ بہکی بہکی باتیں کرتے رہے۔ مان بائی کا ذکر بھی کیا۔

یشودھا بڑے پیار سے انہیں سہارا دے کر پرآسائش چھپر کھٹ پر لے گئی۔ شہنشاہ بے سہارا ہو کر گر گئے۔ پھر یشودھا کے زانو پر سر رکھ دیا اور اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کر کے بولے "رانی ہم بہت ہی پریشان ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کریں۔ ہمارا چین و سکون غارت ہو چکا ہے اب تو شراب پی کر بھی ہم اپنے آپ سے بے خبر نہیں ہوتے۔ ہم کیا کریں رانی ـــــ کیا کریں"

"مہاراج۔ آپ حوصلہ کیوں ہار رہے ہیں۔ آپ بہادر ہیں۔ ہر چنتا کا بہادری سے مقابلہ کیجئے نا ـــــ دل کی باتیں کہہ دیا کریں۔ من کا بوجھ ہلکا ہو جائے تو شانتی ملتی ہے"

"ہمارے من پر کوئی ایک بوجھ ہو تو اتار بھی پھینکیں ـــــ"

"پتی دیو۔ داسی حاضر ہے۔ من کی ساری کٹھنائیاں میرے سامنے کھول دیجئے۔ میں آپ کے سارے دکھ اپنے اندر اتار لوں گی"

شہنشاہ نے اس کی کمر کے گرد بازو کا حلقہ اور تنگ کرتے ہوئے اسے پیار کر لیا۔ پھر اسی طرح زانو پہ سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

خوفزدہ ہو کر انہوں نے پھر آنکھیں کھول دیں۔

اور

تب ہی

انہوں نے اپنے خوف کا اظہار کر دیا ــــ ابوالفضل کا کٹا ہوا سر دیکھ کر جو کچھ انہوں نے محسوس کیا تھا اور جس طرح خوف کا بھوت ان کا تعاقب کرتا رہتا تھا۔ سب کچھ یشودھا سے کہہ دیا ــــ چند لمحے تو وہ بھی مبہوت سی رہ گئی۔ پھر شہنشاہ کے بالوں میں اپنی نرم وملائم انگلیاں پھیرنے لگی۔ وہ ان پر جھک گئی اس کے سانسوں کی مہکار شہنشاہ کے گالوں سے چھونے لگی۔

شہنشاہ ایک ننھے بچے کی طرح سہمے ہوئے تھے۔ ان کے بازو کی گرفت رانی کی کمر کے گرد سخت تھی۔ یشودھا انہیں پیار کرتی رہی ہمت بندھاتی رہی۔ مایوسی اور کم ہمتی سے مقابلہ کرنے کو اکساتی رہی ــــ

"ہم بہت اداس ہیں رانی۔ بہت اداس ہیں ــــ" شہنشاہ اسی انداز سے لیٹے بار بار سر جھٹک کر کہتے۔

وہ کبھی مان بائی کملاوتی کی باتیں کرنے لگتے اور کبھی ابوالفضل کی۔ لگتا تھا وہ رانی کی باتیں سُن ہی نہیں رہے۔

"ہمت کیجیے مہاراج۔ دل بہلانے کی کوشش کیجیے۔ راج پاٹ کے کاموں میں اپنے آپ کو مصروف رکھیے۔ اس طرح تو بھگوان نہ کرے آپ بیمار پڑ جائیں گے ــــ"

"ہم بہت تنہا ہیں یشودھا۔ بہت اکیلے ــــ"

"ایسا نہ کہیے۔ آپ کے فدائی بے شمار ہیں۔ ہم آپ کی داسیاں ہیں۔ آپ کے دوست ہیں سب ہیں ــــ"

"کوئی بھی نہیں ــــ شاید کوئی بھی نہیں ــــ"

وہ کافی دیر تک دلآویز سی باتیں کرتے رہے۔ پھر رانی ہی نے کہا "آپ گانے

کے شوقین ہیں۔ رقص آپ کو مسرت دیتا ہے۔ مجیدن بائی کو بلا بھیجئے نا ــــ دل شاد کر دے گی آپ کا۔"

پھر

اس نے اس تقریب کا اہتمام کروایا اور مجیدن رقص کے لیے حاضر ہو گئی۔

دربار سج چکا تھا۔ مجیدن اشارے کی منتظر تھی اور درباریوں کی نگاہیں اس پر مرکوز تھیں شہنشاہ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

اور

ساز وآواز کے ساتھ گھنگھرو چھنک اٹھے۔

مجیدن کے جسم کا رواں رواں بڑے حسین انداز میں تھرکنے لگا۔ حسین وخوبصورت بازو سمندروں میں تیرنے والی مچھلیوں کی طرح حرکت کرنے لگے۔ کمر کا لوچ گداز ہو گیا اور آنکھوں کی شوخیاں بڑھنے لگیں۔ اس کے پاؤں بڑی سبک رفتاری سے اٹھ رہے تھے۔ اور گھنگھرو بڑے حسین انداز میں چھن چھنا رہے تھے۔ اک اک ادا پر وہ داد پا رہی تھی۔ درباری بیساختہ واہ واہ کہہ اٹھتے تھے۔

وہ بڑے من موہ لینے والے انداز میں رقص کر رہی تھی۔ کبھی آگے بڑھنے لگتی کبھی پیچھے پلٹ جاتی۔ کبھی دائیں جھکتی کبھی بائیں گرتی چلی جاتی۔ کبھی پاؤں پر گھومتی کبھی لپکتی کبھی جھپٹتی کبھی گرتی کبھی سنبھلتی ــــ زاویے بنتے بگڑتے ــــ دائرے ابھرتے ڈوبتے۔ ہر تال پر رنگ اس کے پاؤں حرکت کرتے ــــ جوں جوں ساز وآواز تیز ہو رہے تھے اس کے رقص میں بھی تیزی آ رہی تھی۔ یہاں وہاں۔ ادھر ادھر۔ آگے پیچھے وہ لمحوں میں اپنے حسین اور خوبصورت جسم کو خم دے رہی تھی۔

تماشائی مبہوت تھے۔

اور

شہنشاہ تکیے میں کہنی دیئے اپنے آپ کو بھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔

سماں بندھا ہوا تھا ـــــ

رقص عروج پر تھا۔

وہ مست ہرنی کی طرح محو رقص تھی۔

اور

جب وہ توڑے پہ توڑے کاٹ رہی تھی۔ اس کا گھاگھرا گول دائرہ بنا رہا تھا اور اس کے بازو اُٹھ اُٹھ کر گر رہے تھے۔

تب

اچانک ہی شہنشاہ نے ہاتھ بلند کرتے ہوئے زوردار آواز میں کہا" بند کرو رقص۔ رُک جاؤ"

مجیدن گھومتے ہوئے ساکت ہوگئی۔ ساز و آواز تھم گئے۔ تماشائیوں کے دل دھڑکنا بھول گئے ـــ دربار پر خاموشی چھا گئی۔

شہنشاہ دربار برخاست کرنے کا اشارہ کر کے تخت سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ گلے میں جتنی موتیوں کی مالائیں تھیں اتار کر ساکت کھڑی مجیدن کی طرف پھینکیں۔ اشرفیوں کے بھرے تھال کنیزوں کو حکم دیا کہ مجیدن کو دے دیئے جائیں۔

پھر

وہ

اٹھ کر پشتی دروازے سے باہر نکل گئے ـــ پہریدار لپکے ـــ غلام دوڑے اور نقیب شاہ کی محل میں واپسی کا اعلان کرنے کے لیے عجلت سے بھاگا۔

درباری حیران حیران ایک دوسرے کو تکتے رہ گئے۔

مرمریں برآمدوں کے عقب میں بنے لمبے دالان میں جو عبادت گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا قرآن خوانی ہو رہی تھی۔ پورے دالان میں قالینوں پر سفید چادریں پڑی تھیں۔ پشت پر سفید گاؤ تکیئے رکھے تھے۔ بہت سے حافظ قرآن بیٹھے تھے۔ ان میں قلعہ کی شاہی مسجد کے خطیب بھی تھے۔ شہزادہ خسرو شہریار۔ حسن اور کچھ دربار کے معتبر اراکین بھی کلام پاک پڑھ رہے تھے۔

مادر ملکہ کی حالت تشویشناک تھی۔ زبان بند ہو چکی تھی۔ سانس کسی کسی وقت بالکل بے ترتیب ہو جاتی۔ یوں لگتا کہ اب گئیں کہ گئیں۔ لیکن موت، زندگی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جو وقت ان کا مقرر تھا اسی پہ زندگی کا دیا بجھنا تھا۔ چراغ کی لو تھرتھرا رہی تھی۔ آخری جھونکا اسے بجھانے کو لپکا ہی چاہتا تھا۔ شاید بیٹے اور پوتے کو دیکھنے کی آس تھی۔ جو آنکھیں بند نہیں ہو رہی تھیں۔ زندہ لاش کی طرح بستر میں پڑی تھیں۔

اور

جب تک سانس تب تک آس والی بات تھی۔ سلطان سلیمہ بیگم نے آج قرآن خوانی کروائی تھی ـــ دعا کے لیے ـــ مشکل کشائی کے لیے۔ وہ جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے ـــ کہ آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہونے سے پہلے

مادر ملکہ کی آخری خواہش پوری ہو جائے اور وہ اپنے بیٹے اور پوتے کو ایک نظر دیکھ لیں۔

سلطان سلیمہ بیگم خود بھی جہاندیدہ عورت تھیں۔ صاحب عقل و دانش تھیں۔ آثار دیکھ لیے تھے کہ اب ملکہ عالیہ کا آخری وقت آیا ہی چاہتا ہے۔ اسی لیے تو انہوں نے وزیر سلطنت کو بلا بھیجا تھا اور ان سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد شہنشاہ اکبر کی الہ آباد کی طرف پیش قدمی کو روکنے کے لیے ہرکارے دوڑائے تھے۔ ملکہ عالیہ کی جو حالت تھی۔ اس کا پورا نقشہ خط میں کھینچ کر شہنشاہ کو جلد از جلد آگرہ پہنچنے کی استدعا کی تھی۔

ایک خط شہنشاہ کو لکھ کر قاصد کشتی پر معززین کو بھیجا تھا۔ دوسرا خط انہوں نے شہزادہ شیخو کو لکھا تھا۔ یہ خط بھی انہوں نے اسی دن قاصدوں کے ہاتھ روانہ کر دیا تھا۔ تحریر اتنی درد بھری تھی کہ پڑھ کر پتھر دل بھی موم ہو سکتا تھا۔

انہوں نے شہزادے کے خط میں پوری وضاحت سے ہر بات لکھ دی تھی۔ انہیں مجبور کیا تھا کہ وہ بلا دھڑک چلے آئیں ـــ دادی کا آخری بار چہرہ دیکھ لیں۔ ورنہ یہ حسرت عمر بھر دل میں کھٹکتی رہے گی۔

خط انہوں نے اپنے بھروسے اور اعتماد کے آدمیوں کے ہاتھ بھجوایا تھا اور تاکید کی تھی کہ اپنے برق رفتار گھوڑوں پر روانہ ہو کر دن رات سفر کر کے شہزادے تک پہنچیں اور انہیں جتنی جلدی ہو سکے آگرہ آنے کی تاکید کریں۔

سلطان سلیمہ بیگم مادر ملکہ کی دیکھ بھال خود کر رہی تھیں۔ شہزادیاں بیگمات اور رانیاں بھی ان کے قریب رہتی تھیں۔ لیکن ساری ذمہ داری انہوں نے اپنے کندھوں پر لے رکھی تھی۔ رانی رات انہی کی خوابگاہ میں رہتیں۔ آرام کرنا ہوتا تو وہیں کچھ دیر کے لیے کمر بستر سے لگا لیتیں۔ مادر ملکہ سے ان کا ساتھ پرانا تھا۔ فتح پور سیکری میں دونوں ایک ہی محل میں رہتی تھیں ـــ اور ماں بیٹی کا سا پیار تھا دونوں میں ـــ

سلطان سلیمہ بیگم کی دلی خواہش تھی کہ مادر ملکہ کی آنکھیں بند ہونے سے پہلے شہنشاہ لوٹ آئیں۔ اور شہزادہ بھی سارے اختلافات اور نزاعی مسائل پس پشت ڈال کر آ جانے یہی موقع تھا جو باپ بیٹے میں مصالحت کروائی جا سکتی تھی۔ سلطان کو امید و یقین تھا کہ وہ شہزادے کو شہنشاہ سے معافی دلوا سکیں گی ـــ اور اس طرح ٹوٹا بکھرا خاندان پھر سے ایک ہو کر مضبوط ہو جائے گا۔

ادھر حافظ کلام پاک پڑھ رہے تھے۔ ادھر سلطان سلیمہ بیگم بھی مادر ملکہ کے قریب قرآن پاک کھولے بیٹھی تھیں۔ مادر ملکہ کی آنکھیں بند تھیں۔ صرف سانس آ جا رہا تھا۔ جسم بے حرکت تھا۔

خاندان کے تقریباً سبھی افراد رات بھر جاگتے رہے تھے باری باری انہیں آ کر دیکھتے رہے تھے۔ ابھی ابھی سب کو سلطان نے اپنے اپنے کمروں میں بھیجا تھا تاکہ وہ لوگ کچھ دیر آرام کر سکیں۔ خود قرآن پاک لے کر بیٹھ گئی تھیں اور مہرتاج کو ملکہ کے سرہانے رہنے کو کہا تھا۔ تاکہ وہ ان کے سانسوں کی آمد و رفت پر نظر رکھے۔

تلاوت کے بعد انہوں نے قرآن پاک بند کر کے مہرتاج کو دیا اور خود مادر ملکہ پر پھونکیں مارنے لگیں ـــ پھر جھک کر ان کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ ماتھے پر ہاتھ پھیرا اور اُٹھتے ہوئے ان کے منہ سے بے اختیارانہ نکل گیا "آہ ـــ مادر ـــ"

مہرتاج جلدی سے گھوم کر ان کے قریب آئی اور جلدی سے پوچھا "سلطان عالیہ ـــ خیر ـــ تو ـــ ہے"

"بس سانس اٹکے ہوئے ہیں۔ اللہ جانے ـــ کب یہ رابطہ ٹوٹ جائے۔ خدا کرے وہ دونوں پہنچ جائیں ـــ"

"شہنشاہ عالی کی آمد تو آج متوقع ہے"

"ہاں ـــ"

"شاید شام تک تشریف لے آئیں —"

"ایک ایک لمحہ جانگسل ہے۔ شام میں تو بہت وقت ہے ابھی —"

"خدا ہماری دعائیں قبول فرمائے گا"

"دعا قبول ہو جائے — اس کی بارگاہ میں کسی چیز کی کمی تو نہیں۔"

مہر تاج بڑی دلگرفتہ سی نظر آرہی تھی — وہ بار بار مادر ملکہ کی طرف دیکھ رہی تھی — جن کی حالت رات سے ایسی ہی تھی۔

"مہر تاج"

"جی سرکار"

"کلام پاک رکھ کر جاؤ اور دیکھو اگر ختم ہو چکا ہے تو دم کیا ہوا پانی حافظ صاحب سے لے آؤ۔"

"جی بہت بہتر"

مہر تاج نے ایک اونچے منقش طاقچے میں قرآن پاک رکھا اور پھر اُلٹے قدموں چلتی دروازے تک گئی —

"حسن آرا کو بھی یہاں بھیج دینا —"

"اچھا سلطان عالیہ —"

"تم خود کچھ دیر آرام کر لو۔ پانی کسی کنیز کے ہاتھ بھیج دینا —"

"میں خود دے جاتی ہوں سلطان عالیہ۔ مجھے آرام کی خاص ضرورت نہیں۔ رات میں نے کچھ دیر نیند کر لی تھی —"

"پھر بھی — اور کنیزیں ہیں۔ تم کچھ گھڑیاں اپنے حجلے میں چلی جاؤ۔ زیادہ وقت تمہیں ہی یہاں رہنا ہوتا ہے اور ابھی — پتہ نہیں — کتنا وقت — اسی طرح گزارنا پڑے۔"

"جو حکم عالی"

مہر تاج کمرے سے نکل گئی۔

وہ پہلے شہزادی حسن آرا کے کمرے میں گئی۔ انہیں سلطان عالیہ کا پیغام دیا حسن آرا ادھر جانے کو پہلے ہی تیار ہو رہی تھیں۔

"چلو ہم آتے ہیں"، شہزادی نے کہا۔ مہر تاج سر خم کر کے کمرے سے نکل کر اس راہداری کی طرف چلدی جو عبادت گاہ کی طرف جاتی تھی۔ وہ ابھی پہلا موڑ ہی مڑی تھی کہ سامنے سے آتی سوسن نے اسے دیکھتے ہی جست لگائی اور اس کے قریب آتے ہوئے اس کے گلے میں بازو ڈال کر جھول گئی۔ وہ بہت خوش نظر آرہی تھی۔ مہر تاج اس کے ایک دم ہی اپنے اوپر اس طرح اچھل پڑنے پر بمشکل اپنا وزن سنبھال سکی۔ گرتے گرتے بچی اور جلدی سے بولی "خیریت؟ کیا ہو گیا ہے جو اس طرح باؤلی ہو رہی ہے۔ محلوں پر اتنی سوگواری چھائی ہے اور تمہاری خوشی کا ٹھکانہ نہیں —"

"ہے نا ایسی بات"، وہ اس کے گلے میں بازو ڈال کر اسے گھمانے لگی۔

"اے ہے۔ سوسن بی — قابو رکھو اپنے آپ میں — کسی نے دیکھ لیا اتنی خوشی دکھاتے تو؟"

"بہت اچھا۔ بہت اچھا —" سوسن نے رک کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے "میں تمہیں ہی ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔"

"خیریت"

"بہت"

"اب بتا بھی چکو۔ اتنی خوش کیوں ہو"

"تمہاری خوشی کی وجہ سے"

"میری خوشی؟"

"ہاں۔ بالکل تمھاری خوشی"

"میرے نصیبوں میں خوشی کا کوئی حصہ ہے ابھی"

"بالکل ہے"

"ہونھ ——"

"مایوس نہ ہو میری بہن —— تمھیں جو بات بتانے جا رہی ہوں نا —— سُن کر خوش ہو جاؤ گی۔ تمھارا آدھا غم دور ہو جائے گا"

"بتا بھی چکو —— مجھے کام ہے۔ حافظ صاحب سے ختم والا پانی لینے جا رہی ہوں مادر ملکہ کے لیے ——"

"ان کی حالت ویسی ہی ہے؟"

"ہاں ——"

"شہنشاہ تو آج آرہے ہیں۔ شہزادہ مت آیا ——"

"کیا پتہ دادی کی کشش کھینچ ہی لائے"

"جو حالات ہیں۔ ان سے تو یہ بات مشکل ہی لگتی ہے"

"اچھا تم چھوڑو۔ ان باتوں کو۔ یہ کہو کیا بتانے والی تھیں مجھے"

"ہاں۔ مہر تاج کان قریب کرو" سوسن نے اپنا منہ اس کے کان کے قریب کر دیا پھر سرگوشی کرتے ہوئے بولی "مہر تاج وہ جو دو سپاہی پکڑے گئے تھے نا"

"سپاہی؟"

"بھئی وہی۔ جو راجہ بھیر سنگھ کے آدمیوں کے ساتھ گرفتار ہو کر آئے تھے"

"نادر کے سپاہی" مہر تاج کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

"ہاں ہاں وہی"

"کیا ہوا انھیں ——؟"

"دونوں بھاگ گئے"

"بھاگ گئے؟"

"ہاں —— بڑی لتاڑ ہو رہی تھی ان کی۔ نادر کے ٹھکانے کا پتہ کرنے کے لیے۔ نہ بچے تھے اب تک کچھ نہیں بتایا تھا"

"لیکن وہ —— بھاگ ——"

"بھاگ لیے —— بس —— جیل خانے سے فرار ہو گئے ——"

مہر تاج نے نفی میں سر ہلایا اور بڑبڑائی "مغل جیل خانے یا عقوبت خانے —— ایسے نہیں کہ ان سے فرار ——"

"بھئی یہی تو بات ہے۔ کسی کے توسط سے ہی بھاگے ہیں۔ اور اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ تمھارے نادر کے کوئی نہ کوئی حواری یہاں موجود ہیں ——"

"لیکن ——"

"زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں۔ بس وہ بھاگ لیے۔ تم خوش ہو جاؤ —— دن رات یہی فکر کھائے جا رہا تھا نا۔ کہ ان سپاہیوں نے اگر تشدد اور جبر سے گھبرا کر نادر کے ٹھکانوں کی نشاندہی کر دی تو کیا ہو گا؟"

"ہاں —— یہ فکر تو تھی ہی ——"

"بس اب خوش ہو جاؤ —— تمھارا نادر محفوظ ہو گیا"

مہر تاج نے ایک گہری سانس لی —— اور پھر قدم اٹھاتے ہوئے بولی "شکریہ سوسن۔ تم نے اچھی خبر سنائی۔ لیکن کیا خبر کہاں سے اڑائی ہو یہ خبر۔ اور مستند ہے بھی کہ نہیں ——"

"بالکل مستند ہے۔ اور بڑی ہلچل مچی ہوئی ہے۔ آج شہنشاہ کی آمد متوقع ہے اور ان کا فرار —— محافظوں اور پہریداروں کی تو جان ہوا ہو رہی ہے۔ تین دن ہو

گئے انہیں فرار ہوئے۔ ابھی تک ان کا پتہ نہیں چل سکا — سچی — بالکل صحیح خبر ہے۔ تم یقین کرلو — میں بے پر کی نہیں اڑاتی۔ صحیح بات کرتی ہوں۔"

مہر تاج نے سوسن کا گال تھپکا۔ اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھری آگے بڑھتے ہوئے بولی "تم پر مجھے بڑا مان ہے سوسن —"

"شکریہ۔ شکریہ" سوسن نے ہاتھ ماتھے تک لیجاتے ہوئے دو تین بار کہا اور پھر دوسری جانب چلدی —

مہر تاج نے بھی قدم بڑھائے —

یہ خبر اس کے لیے واقعی خوشی اور سکون کا باعث تھی۔

یوں لگتا تھا زمین پر چاند اتر آئے ہیں اور اکٹھے ہو کر شہزادہ سلیم کی بیویوں کا روپ دھار گئے ہیں۔

محل کی اوپر والی منزل کے محرابی دریچوں اور غرفوں کے آگے حریری پردے لہرا رہے تھے۔ ہوا دھیرے دھیرے چل رہی تھی۔ موسم میں خنکی اتری ہوئی تھی۔ محل کے اس حصے میں کبھی کبھی بیگمات اور رانیوں کی محفل سجا کرتی تھی۔ دریچوں سے صرصر آنے والی ہوا سے لطف لیا جاتا اور حدنگاہ تک پھیلے ہوئے باغوں کے پھولوں اور سبزے کا یہاں سے نظارہ کیا جاتا — وقت گزاری کے لیے کچھ بیگمات شطرنج کی بازیاں لگاتیں اور کچھ اپنی اپنی منہ چڑھی کنیزوں اور باندیوں سے آنکھ مچولی کھیلتیں۔ یہاں بیشمار محرابی در تھے۔ ان کے پیچھے چھپنا اور ان کے گرد دوڑنا بھاگنا انہیں اچھا لگتا۔ یہ کھیل نوعمر شہزادیاں کھیلتیں۔ لیکن ان کا ساتھ رانیاں اور بیگمات جو نوعمری کی دہلیز پار کر چکی ہوتیں دیا کرتیں۔

آج یہاں آنے اور تفریح کا منصوبہ شہزادے کی سات آٹھ بیویوں نے بنایا تھا۔ اپنے اپنے محلوں اور دالانوں میں روز کے معمولات سے وہ تنگ آ گئی تھیں۔ اسی لیے ذرا کھلی ہواؤں میں سانس لینے اور من پسند کھیل کھیلنے کے لیے اوپر آئی تھیں۔

سب حسن کے مجسمے تھیں۔ زونی کشمیرن شہزادی سرخ وسپید رنگت اور گدرائے ہوئے جسم کی بڑی دلکش عورت تھی۔ نورالنساء بیگم خالص لکھنوی تہذیب کی پروردہ تھی۔ نازک اور نفیس نقش ونگار تھے۔ رنگت صندلی تھی۔ بولنے اور اٹھنے بیٹھنے کا انداز بڑا ہی مہذب تھا ــــ رانی کرم سی راجپوتی آن بان کا مرقع تھی۔ رنگت گو سانولی تھی لیکن نین نقش بلا کے تیکھے تھے۔ جسم کسی مورتی کی طرح سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ تلنگا انداز سے جب وہ سچے ریشم کی سنہری کناروں والی ساڑھی پہنتی تو اس کے جسم کے نشیب وفراز بلاخیز ہو جاتے۔ اس کے دانت بھی بے انتہا خوبصورت تھے اور حسن پرست شاہ اکثر ان سچے موتیوں جیسے دانتوں کی تعریف کیا کرتا تھا۔

صاحب جمال صالحہ بانو، القاء، چندر کلا اور تبتی شہزادی بھی موجود تھیں۔ ان کے علاوہ وہ لونڈیاں باندیاں بھی تھیں جو شہزادے کی غیر منکوحہ بیویاں تھیں۔

بیگمات اور رانیاں سجی بنی تھیں۔ کچھ تو بالکل ہی الھڑ دوشیزائیں لگ رہی تھیں۔

کچھ دیر سب اپنے اپنے دلپسند مشاغل سے دل بہلاتی رہیں۔ ان کی مترنم ہنسی فضا میں رس گھولتی رہی۔ ان کے چمکیلے لباس جگمگاتے رہے اور زیورات کی دلفریب کھنک ماحول کو خوشگوار بناتی رہی ــــ

لیکن

جلد ہی وہ اکتا بھی گئیں۔ رانی کرم سی صالحہ بانو کے پہلو میں آکر بیٹھتے ہوئے بولی

"میرا تو جی بھر گیا ــــ"

"میں تم سے پہلے ہی یہاں آ بیٹھی ہوں ــــ کسی تفریح میں جی لگتا ہی نہیں ہے۔"

"سچی بات کہہ دی آپ نے۔" نورالنساء بیگم اپنا لمبا چوڑا دوپٹہ بازو پر ڈالے ان کے پاس آبیٹھی ــــ "ہمارے سرتاج ان دنوں مضمحل اور پریشان ہیں۔ ہمیں ایسی تفریح محظوظ کیسے کر سکتی ہے۔"

"مہاراج کو تو جانے کیا ہوتا جا رہا ہے۔" رانی چندر کلا ساڑھی کا پلو اپنی پتلی کمر کے گرد لپیٹتے ہوئے سامنے والی نشست پر آبیٹھی ــــ

"بے چین و بے کل رہتے ہیں ان دنوں۔" صالحہ بانو نے کہا۔

"ہمیں تو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ انہیں کیسے خوش کریں۔" القا اپنے حنائی ہاتھ ہلاتے ہوئے نورالنساء کی پشت پر آتے ہوئے بولی ــــ

"رانی مان بائی کملاوتی کی خودکشی نے ان کے دل ودماغ کو متاثر کیا ہے۔" نورالنساء بیگم نے کہا۔

"ہائے بائے ــــ مان بائی ہی چپک گئی ہے ان کے ذہن سے۔" رانی کرم سی نے کہا۔ "وہ اکیلی ــــ مر گئی۔ پر اب بھی ہم اتنی بہت سوں پر بھاری ہے ــــ"

"ہمارے پاس تو شہنشاہ نے آنا ہی چھوڑ دیا ہے جیسے ــــ اتنا عرصہ ہو چکا رانی کی خودکشی کو۔ جب سے اب تک صرف دو بار تشریف لائے ہمارے ہاں۔" تبتی شہزادی نے شاکی انداز میں کہا۔

"اور ہمارے پاس کون سا روز تشریف لاتے ہیں۔" رانی چندر کلا نے منہ بنایا۔ "ہفتہ ہفتہ بھر شکل نہیں دکھاتے ہمیں تو ــــ"

"ہم سب کا یہی حال ہے۔" القاء بولی۔

"کل میرے پاس آئے تھے۔" شہزادی زونی نے کہا۔

"اچھا ــــ" سب اس کی طرف متوجہ ہوئیں ــــ "کیسے تھے۔ حال احوال ہمیں بھی سناؤ ــــ"

"ہائے ہائے کیا سنائیں۔ آئے تھے تو بڑی محبت اور گرمجوشی دکھائی۔ لیکن ایکدم ہی جانے کیا ہوا اُٹھ کھڑے۔ ہم نے ہاتھ تھاما تو ہاتھ جھٹک کر یہ جا ــــ وہ جا ــــ"

"اوہو ــــ کتنے دکھ کی بات ہے۔" تقریباً سبھی بولیں ــــ

"وہ جو ــــ رانی یشودھا ہے نا ــــ" کرم سی نے ہولے سے کہا۔

"ہاں۔ ہاں ــــ ہماری سوتن ــــ" صالحہ نے مسکرا کر تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"ہاں وہی ــــ اسی کے پاس زیادہ وقت گزارتے ہیں۔" کرم سی نے نازک سی ناک کا کوکہ درست کیا۔

"مان بائی کی سہیلی تھی وہ ــــ اسی کی باتیں یاد کرواتی ہوگی۔ اسی لیے ــــ" زونی بولی۔

"یہ تو میں نہیں جانتی ــــ" کرم سی نے ہیرے کا لونگ ناک میں دو بار گھمایا۔ کوکا کچھ تکلیف دے رہا تھا۔ اس لیے وہ اسے اتارنے لگی۔

ساری رانیاں اور بیگمیں سر جوڑ کر دکھ سکھ کی باتیں کرنے لگیں۔ ہر ایک کو گلہ تھا۔ شکوہ تھا۔ لیکن شوہر نامدار سے کچھ کہہ نہ سکتی تھیں۔ اسی لیے آپس میں باتیں کر کے دل کی بھڑاس نکالنے لگیں۔

"ہم نے تو سوچا تھا الہ آباد میں ہماری عیش ہوگی۔ ناز اٹھائے جائیں گے۔ لاڈ پیار ہوگا۔ شہنشاہ کی ملکائیں بنیں گی مہارانیاں کہلوائیں گی ــــ لیکن معاملہ الٹ ہی رہا۔

"ہم جیسے آگرہ میں تھے ویسے ہی الہ آباد میں ہیں ــــ بلکہ آگرہ میں کچھ اچھے ہی تھے ــــ شہزادہ عالم جب سے شہنشاہ بنے ہیں مزاج ہی بدل گئے ہیں ــــ"

"لگتا ہے شہنشاہ بننا راس نہیں آیا۔"

"پچھتاوا تو محسوس کرتے ہی ہیں ــــ ماں باپ سے کٹ کر جینا آسان تو نہیں ہوتا ــــ"

"ماں باپ بھی وہ ــــ جن کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھے ــــ"

"بات کچھ یہی ہے ــــ"

"مان بائی تو بعد میں مری۔ اس سے پہلے بھی کونسا بہت خوش دکھائی دیا کرتے تھے"

"پشیمان پشیمان رہتے تھے ــــ"

"یہ بات نہیں بھئی ــــ بار سلطنت کچھ کم گراں نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے پریشان رہتے ہیں۔ سنا ہے ان کے دوست عبداللہ بیگ نے بڑی بے رخی دکھائی ہے۔ ساتھ چھوڑ کر چلا گیا۔"

"ہاں سنا ہے ہم نے بھی ــــ"

"اور اس خواجہ سرا موئے شاہین بانو کا قصہ بھی تو رو پذیر ہو چکا ہے ــــ"

"ہائے ہائے ــــ کتنی کڑی سزا ملی ہے اسے اغوا کرنے والوں کو ــــ"

"کھال کھنچوا دی ایک ملزم کی شاہ دالانے ــــ"

"حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جناب بکرے کی کھال کھنچتے نہیں دیکھ سکتے۔ اتنا نرم دل ہے۔ پتہ نہیں جوش میں آ کر اتنی کڑی سزا کیوں دے دی ــــ"

"اس سانحے کا بھی اثر ہے ان پر ــــ"

ساری خواتین متفکرانہ انداز میں شہزادے کے متعلق باتیں کر رہی تھیں۔ یہ حقیقت بھی تھی کہ ان دنوں وہ بہت پریشان مضمحل اور اداس دکھائی دیتے۔ لگتا تھا کہ دل و دماغ پر بہت بڑا بوجھ لیے پھرتے ہیں۔ پے در پے صدمات نے واقعی ان کی خوش مزاجی اور شگفتہ روی کی حس بیکار کر دی تھی۔ مزاج میں تندی ترشی اور وحشیانہ پن آتا جا رہا تھا۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ والی بات تھی۔

پچھلے ہی دنوں ان کے اک مقرب خواجہ سرا کو تین آدمی اغوا کر لیے گئے۔ لیکن وہ جلد ہی پکڑے گئے۔ سلیم کے غصے کا یہ عالم تھا کہ دو کو مروا دیا اور تیسرے کی کھال کھنچوا دی۔ غصے میں یہ وحشیانہ حکم دے تو دیا۔ لیکن وہ خود ہی اس ظلم و تشدد سے گھبرا گئے۔ یہ اس کے مزاج کے خلاف بات تھی۔ کچھ پہلے ہی ابوالفضل کے کٹے ہوئے سر سے خوفزدہ تھے۔ کچھ اس واقعے نے دہلا دیا۔

رانیوں اور بیگموں کے گلے اور تبصرے ٹھیک ہی تھے۔

وہ سب یہی باتیں کر رہی تھیں کہ رانی جانکی بائی بھی اوپر چلی آئی ۔۔۔ اس رانی سے بھی ان سب کی دوستی تھی۔ چنانچہ سب نے خوشدلی سے خیر مقدم کرتے ہوئے بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ نورالنساء بیگم کے پاس مخملیں نشست پر نرم گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھ گئی۔

" اتنی دیر بعد آئی ہو۔ پہلے ہی ہمارا دعوت نامہ قبول کر لیتیں ۔۔۔" صالحہ بانو نے ہنس کر کہا۔

" میرا خیال تھا تم لوگ جلدی نیچے آجاؤ گی۔ لیکن تم سب لوگ تو چپک ہی گئیں یہاں" وہ حسین مسکراہٹ سب کی طرف اچھالتے ہوئے بولی۔

" ہم دل کے دکھڑے ایک دوسری کو سُنا رہی تھیں" کرم سی ہنستے ہوئے بولی

" مہاراج کا رویہ ان دنوں تمھارے ساتھ کیسا ہے۔ تم تو بہت چہیتی ہو نا ۔۔۔"

اس نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے سر نفی میں ہلایا" پتہ نہیں مہاراج کو دن بدن کیا ہوتا جا رہا ہے"

" وہی تو ہم کہہ رہی تھیں ۔۔۔" القاء بولی" ہم سمجھے شاید تمھیں پتہ ہو گا"

" ہے تو ۔۔۔" وہ مان سے بولی۔

" کیا؟" سب قریب کھسک آئیں اور سر جوڑ کر اس کے بالکل قریب ہو گئیں۔

وہ ہنس پڑی" بھلا مجھے کیا پتہ ہو گا۔ جیسے وہ تمھارے ساتھ ویسے میرے ساتھ"

" ہمارا تو ساتھ آجکل وہ دے ہی نہیں رہے ۔۔۔"

" یشودھا کے پاس بہت جاتے ہیں ۔۔۔"

" ہاں ۔۔۔ لیکن اس کے ساتھ ہم میں سے کسی کی بھی دوستی نہیں ۔۔۔"

" یہ تو ہے"

سب پھر باتیں کرنے لگیں ۔۔۔ وہی موضوع تھا اور ہر کوئی شہزادے کی برہمی مزاج

پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی اپنی رائے دے رہی تھی ۔۔۔

" یہ سلسلہ کچھ آگرے سے ہی جڑتا لگتا ہے" جانکی نے بڑے مدبرانہ لہجے میں وثوق سے کہا۔

" وہ کیسے۔ آگرے سے تو قطع تعلق ہو چکا" صالحہ بولی۔

" اوں ہوں ۔۔۔" جانکی نے کہا" تم لوگوں کو علم ہے کہ آگرہ سے قاصد سلطان سلیمہ بیگم کا خط لے کر آئے ہیں ۔۔۔"

سب نے ایک قہقہہ لگایا اور بولیں" کوئی نئی بات بتاؤ بھئی"

" خط کے ساتھ جو بی بی جان کا حشر ہوا ہے کسے نہیں پتہ بھلا ۔۔۔" چندر کلا بولی۔

" اے نہیں" جانکی بولی" میں اس خط کا نہیں کہہ رہی ۔۔۔"

" تو کیا کوئی اور بھی خط آیا ہے" حیرانی سے تقریباً سب ہی نے سوال کیا۔

" لو تم لوگوں کو پتہ نہیں ۔۔۔" جانکی نے ان سب پر حیرت سے نگاہ ڈالی۔

" نہیں ۔۔۔" سب نے سر نفی میں ہلائے" حد ہو گئی۔ پتہ ہی نہیں تم سب کو" جانکی نے کہا۔

سب حیرانی سے اسے تکنے لگیں۔ جانکی نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر سب کو قریب کرتے ہوئے بولی ۔۔۔" دو تین دن ہوئے قاصد خط لے کر آئے ہیں ۔۔۔"

" کس کا ۔۔۔"

" سلطان سلیمہ بیگم کا ۔۔۔ حضور مریم مکانی بیگم بہت زیادہ بیمار ہیں ۔۔۔ مہاراج کو بلا بھیجا ہے ۔۔۔ ان کے بچنے کی کوئی اُمید نہیں ۔۔۔ اور وہ آخری بار پوتے کو دیکھنے کی خواہش مند ہیں"

" کیا واقعی؟"

" ہاں ۔۔۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ہمارے مہاراج کو شہنشاہ بابا سے معافی

دلوا کر صلح کروا دیں گی۔"

"سچ؟" سب کی آنکھیں پھیل گئیں ـــــ

"ہاں بھئی ـــ پتہ نہیں تم لوگ کس دنیا میں رہتی ہو ـــ" جانکی بولی" شاہ بابا اک بہت بڑے لشکر کے ساتھ حملہ کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔"

"کس پر حملہ"

"الہ آباد پر ـــ ہم پر ـــ مہاراج پر ـــ"

"ہائے ـــ پھر ـــ"

"پھر انہیں بھی سلطان سلیمہ بیگم نے واپس بلایا ہے۔ حضور مریم مکانی بیگم بس ختم ہی ہیں۔"

"اوہ ہو ـــ ہو"

"انہیں تو ہمارے پتی سے بہت پیار تھا۔ یہ بھی تو دادی کے دیوانے ہیں۔"

"اس لیے تو پتہ چلا ہے مہاراج آگرہ تشریف لے جا رہے ہیں۔"

"کب؟" سب کی اکٹھی آواز ابھری۔ یہ بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

"بس تیاری کر رہے ہیں ـــــ" وہ بولی۔ سب حیران حیران اسے تکنے لگیں۔

"ہتھیار ڈال دیں گے؟" کرم سی جلدی سے بولی۔

"ظاہر ہے" جانکی نے جواب دیا۔

"اچھی بات ہے ـــــ" کئی آوازیں ابھریں۔

"اوں ہوں ـــ اچھی بات نہیں ہے" چند آوازیں یہ بھی تھیں۔

سب اپنی اپنی رائے دینے لگیں۔ جانکی جلدی سے بولی" بھئی میرا نام نہ لگے۔ میں نے تم لوگوں کو بتا تو دیا ہے۔ پر اب بات سینوں ہی میں محفوظ رکھنا۔ دیکھتی جاؤ کیا ہوتا ہے۔"

جب

یہ سب باتیں کر رہی تھیں۔

شہزادہ سلیم اپنی نشست گاہ میں بیقراری سے ٹہل رہے تھے اور رانی یشودھا کے ہاتھ میں وہ خط تھا۔ جو شہزادہ عالم نے شہنشاہ بن کر نہیں بیٹا بن کر سلطان سلیمہ بیگم کے خط کے جواب میں لکھا تھا۔ جس میں آگرہ پہنچنے اور انہیں ملنے کی بے تابی اور دادی حضور کو دیکھنے کی تمنا کا دکھے دل سے ذکر کیا تھا اور جس میں باپ سے معافی مانگنے اور رانی ماں کی قدمبوسی کا بھی بڑے جذباتی لہجے میں تذکرہ کیا تھا۔

یہ خط قابل اعتماد شخصیت صدر جہاں کے ہاتھ آگرہ بھجوانا تھا۔

یشودھا نے خط منقش تپائی پر رکھے چاندی کے تھال میں رکھ دیا اور بولی" صدر جہاں کب یہ خط لے کر جائیں گے۔"

"آج ہی" شہزادے نے اس کے قریب رکتے ہوئے کہا" بلکہ ابھی۔ وہ آنے ہی والا ہے۔"

"اور آپ کب روانہ ہوں گے"

"پرسوں ـــ"

"آپ کو یقین ہے نا سلطان عالیہ آپ کو جمنا کنارے ثمن برج میں لینے کے لیے موجود ہوں گی ـــ" شہزادے نے ایک گہری سانس چھوڑی اور بولا" خط میں انہوں نے یہی لکھا تھا۔ میں نے بھی یہی تاکید کی ہے۔"

"وہ قول کی سچی اور پکی ہیں"

"ہاں ـــ"

"بھگوان کرے شاہ بابا سے مصالحت بھی کروا دیں ـــ"

"اس کے متعلق ـــ میں کچھ زیادہ پُر امید نہیں ـــ"

یشودھا قدرے گھبرا کر بولی "پھر بھی آپ جا رہے ہیں"

"ہاں رانی"، وہ سر ہلاتے ہوئے بولا "جو ہوگا ــــــ سو ہوگا ــــــ"

"مہاراج ــــــ"

"یشودھا ــــــ میری ساری ذہنی پریشانیوں کا صرف یہی حل ہے۔ میں ہر قسم کے حالات کے لیے تیار ہوں"

یشودھا کچھ کہنے ہی والی تھی۔ کہ دربان نے صدر جہاں کے حاضر ہونے کی اطلاع دی۔ اس کے ساتھ وزیر مملکت زمانہ بیگ جو شہزادے کا ساتھی اور قریبی دوست بھی تھا آیا تھا۔

یشودھا اجازت لے کر پچھلے دروازے سے نکل گئی۔

شہزادے نے زمانہ بیگ اور صدر جہاں کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔

سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ کوشک سراؤں پر عجیب سی اُداسی اور مہیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی ــــــ لوگ آجا بھی رہے تھے۔ بات چیت بھی کر رہے تھے۔ پھر بھی خاموشی کا وجود برقرار تھا ــــــ

مادر ملکہ حضورہ مریم مکانی کے دالان میں شہنشاہ اکبر تشریف لا چکے تھے۔ وہ گھوڑے کی پشت سے اُتر کر سیدھے ادھر ہی آئے تھے۔ بے اختیارانہ بے قراری سے آتے ہی ماں کی مسہری کے قریب دوزانو ہوتے ہوئے اپنا بایاں ہاتھ ان کے ماتھے پر اور دایاں ان کے سینے پر رکھ دیا۔

سلطان سلیمہ بیگم سرہانے کی طرف کھڑی تھیں۔ رانی جودھا بائی پائنتی کی طرف تھی، شہزادی حسن آرا اور شرف النساء بیگم مسہری کے پرلی طرف کھڑی تھیں۔ ان کی آنکھیں متورم تھیں ــــــ اکبر کی ہمشیرہ شہزادی بخت النساء بیگم شہنشاہ کے سامنے مسہری کی پٹی پر سر رکھے بیٹھی تھی۔ دالان میں خاندان کے اور لوگ بھی آ گئے تھے۔ حافظ انیسہ بانو سرہانے بیٹھی قرآنی آیات پڑھ پڑھ کر ملکہ پر پھونک رہی تھیں۔ کچھ شہزادے مسہری کے قریب تھے کچھ پرلے دروں میں کھڑے تھے۔

شہنشاہ کو اپنی ماں سے بے پناہ محبت تھی۔ وہ ان کا بیحد احترام کرتے تھے۔

اس بزرگ ہستی کی دعائیں سمیٹنا ان کے لیے باعث فخر تھا۔ اب یہ ہستی ان سے بچھڑ رہی تھی۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جا رہی تھی ـــ شہنشاہ کا دل غم سے بوجھل تھا۔ آنکھوں کے گوشے نم ہو رہے تھے ـــ وہ ماں سے آخری بار کوئی بات نہ کر سکے تھے۔ کیونکہ ان کی زبان بند ہو چکی تھی ـــ

انہوں نے ماں کے ماتھے اور سینے پر رکھے ہاتھ کئی بار ہولے ہولے ہلاتے ہوئے انہیں محبت سے پکارا ـــ آوازیں دیں۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا ـــ ان کی آواز میں اتنا درد اتنا کرب تھا کہ سننے والوں کی آنکھوں سے از خود آنسو بہنے لگے ـــ

شہنشاہ کچھ دیر اسی طرح بیٹھے ماں کو پکارتے بلاتے رہے۔ پھر سر پٹی پر ٹکا دیا۔ سلطان سلیمہ بیگم جھکیں اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں "شہنشاہ عالم حوصلے سے کام لیجیے ـــ خوش قسمت ہیں آپ کہ ماں کے دیدار کو پہنچ گئے۔"

شہنشاہ نے سر اٹھایا۔ ماں کے چہرے پر نگاہ ڈالی پھر اُٹھ کھڑے ہوئے سلطان کی طرف دیکھا اور احترام سے بولے "ہم آپ کے احسان مند ہیں سلطان۔ آپ نے بروقت اطلاع کر دی اور ہمیں واپس لوٹا لیا ـــ اگر اس وقت ہم یہاں نہ پہنچ سکتے تو ہمیں قلق و صدمہ ہوتا اور ہم باقی عمر پچھتاوے سے دوچار رہتے۔"

"آپ نے ناچیزہ کے پیغام کو اہمیت دی۔ اس کے لیے میں شکر گزار ہوں۔"

سلطان نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا ـــ

رانی جودھا بائی آگے بڑھی اور جھک کر شہنشاہ کے قدم چھوتے ہوئے بولی "ہم سب کو بہت سکون ملا ہے آپ کے آجانے سے۔"

"اب آپ کچھ دیر آرام فرما لیجیے" سلطان نے چند لمحوں کے بعد کہا۔

"بہت تھکا دینے والے سفر سے لوٹے ہیں" رانی نے ہاتھ جوڑ کر بنتی کی "چند گھڑیاں آرام کر لیجیے ـــ ہم سب یہیں ہیں ـــ"

شہنشاہ سیدھے ادھر ہی آگئے تھے۔ لباس بھی تبدیل نہیں کیا تھا۔ اور سفر کی گرد بھی نہیں پونچھی تھی ـــ اس لیے جب بیگمات اور رانی نے اصرار کیا تو ماں پر ایک نظر ڈالی۔ جھک کر ان کی پیشانی چومی اور آزردہ خاطر ہو کر دالان سے باہر نکل گئے ـــ

ان کا معتبر ملازم ملک کافور ان کی خوابگاہ کے باہر موجود تھا۔ شہنشاہ کا لباس تبدیل کروانے کا اہتمام کر چکا تھا ـــ فوجی لباس اتار کر انہوں نے شاہی لباس زیب تن کرنا تھا ـــ

ملک کافور نے ان کا لباس تبدیل کروا دیا۔ پھر پوچھا کہ کوئی مشروب پیش کیا جائے

"نہیں کافور ـــ ابھی ضرورت نہیں" وہ بولے ـــ

"تو عالم پناہ کچھ دیر آرام فرمائیں گے" ملک کافور نے پوچھا۔

"ہم آرام کی ضرورت محسوس نہیں کر رہے۔ ابھی بہت ضروری کام کرنا ہیں ہمیں۔" وہ مسند پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"جو حکم عالی" اس نے سر جھکا دیا۔

شہنشاہ کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے پھر بولے "کافور ـــ خان خاناں عبدالرحیم کو ہمارے واپس پہنچنے کی اطلاع کی جائے۔"

"بہت بہتر ـــ"

وہ جانے کے لیے قدم اٹھانے کو تھا کہ شہنشاہ بولے "انہیں فوری طور پر یہاں آنے کا پیغام دیا جائے۔ حکیم ہمام اور عزیز کوکلتاش کو بھی اطلاع بھجوائی جائے اور انہیں بھی فوری طلبی کا فرمان دیا جائے۔ ہم یہیں ان کے منتظر ہیں۔"

"بہت بہتر ظل الٰہی" کافور مؤدبانہ چند لمحے رکا۔ پھر شہنشاہ نے ہاتھ سے جانے کا اذن دیا تو وہ اُلٹے قدموں چلتا دروازے سے باہر نکل گیا۔

شہنشاہ وہیں تکئے میں کہنی دیئے مسند عالی پر بیٹھے رہے۔ ان کے ماتھے پر سوچ و فکر

کی لکیریں تھیں۔ اور آنکھوں میں پریشانی کے بوجھل سائے۔ جانے ان کا ذہن اس وقت کہاں کہاں بھٹک رہا تھا ___ دم توڑتی ماں کا خیال بھی یقیناً تھا ___ ناخلف بیٹے کی گستاخی بھی کھٹک رہی تھی۔ اپنی مہم کی ناکامی کا بھی احساس تھا اور مستقبل کے کئی منصوبے بھی ذہن میں ہلچل مچا رہے تھے۔

شام ڈھل چکی تھی۔ جب خان خاناں محلسرا میں آئے ___ وہ تھوڑی دیر کے لیے مادر ملکہ کی احوال پرسی کو بیرونی راہداری میں گئے۔

پھر
شہنشاہ کی نشست گاہ میں چلے آئے۔

حکیم ہمام اور عزیز کوکلتاش مغرب کی نماز کے لیے مسجد جا چکے تھے۔ انہیں پیغام پہنچا دیا گیا تھا۔ نماز کی ادائیگی کے بعد وہ بھی آرہے تھے۔

عبدالرحیم نے شہنشاہ کو جھک کر سلام کیا۔

"آؤ خان خاناں ___" شہنشاہ نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے انہیں بیٹھنے کے لیے کہا۔

خان خاناں مسند کے سامنے والی نشست پر بیٹھ گیا ___ شہنشاہ مسند پر سیدھے ہو بیٹھے۔

خان خاناں نے مودبانہ مزاج پرسی کی۔ پھر مادر ملکہ کی حالت پر سر نفی میں ہلاتے ہوئے چند الفاظ کہے۔

شہنشاہ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ہمیں بیحد دکھ ہے۔ لیکن ازل سے یہی ہوتا آرہا ہے ___ والدہ محترمہ ہمارے لیے دعاؤں کا مخزن ہیں ___ ہم ان دعاؤں سے محروم ہو جائیں گے ___ لیکن شکر ہے خداوند تعالیٰ کا۔ ہم انہیں دیکھنے کے لیے واپس پہنچ گئے ہیں ___"

"سلطان عالیہ بہت زیرک اور معاملہ فہم خاتون ہیں ظل الٰہی" عبدالرحیم بولا

"انہیں کے مشورے پر حضور کو واپسی کے لیے پیغام بھیجا گیا ___"

"ہاں۔ ہم ان کے شکر گزار ہیں ___"

"آپ تو تشریف لے آئے۔ اب شہزادۂ عالی بھی آجائیں تو ___"

شہنشاہ نے جلدی سے بات کاٹتے ہوئے کہا "کیا شیخو کو بھی مادر ملکہ کی حالتِ زار سے مطلع کیا گیا ہے؟"

"جی ہاں ___ سلطان عالیہ نے انہیں بھی خط لکھا تھا ___ مادر ملکہ اپنے پوتے کو دیکھنے کی خواہش و حسرت رکھتی ہیں ___ اسی کے پیش نظر انہوں نے قاصد الہ آباد بھی بھیجے۔ شاید وہ بھی ___"

"وہ نہیں آئے گا ___" شہنشاہ نے گونجدار آواز میں کہا۔

"شہزادہ عالی اپنی دادی حضور سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ وہ یقیناً آئیں گے۔"

"نہیں خان خاناں ___ وہ ان محبتوں اور خون کے رشتوں کو پس پشت ڈال چکا ہے۔ اس کا خون سپید ہو چکا ہے۔" وہ غصے سے بھناتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور دالان میں ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے بڑبڑائے "کاش مادر محترم کی حالت اچانک ہی ایسی نہ ہو جاتی اور ہم الہ آباد تک پہنچ پاتے ___"

"عالم پناہ" خان خاناں بھی اُٹھ کھڑا ہوا ___

"ہاں عبدالرحیم ___ ہم شہزادے کا دماغ ٹھکانے پر لانے کے لیے بے تاب ہیں۔ اچانک ہی ہمیں واپس لوٹنا پڑا ___ ورنہ ___"

وہ چند لمحے چپ ہوئے۔ پھر خود ہی بولے "شیخو نے ہمیں بہت دکھ پہنچایا ہے۔ بہت ذہنی اذیت دی ہے۔ اس کے جرموں کی فہرست لمبی ہو گئی ہے۔ ہماری والدہ محترمہ کو کچھ ہو گیا تو اس کی ذمہ داری بھی اسی پر ہو گی۔ وہ اسی صدمے سے بے حال ہو کر کنارِ گور پہنچ گئی ہیں ___ ہم اسے نہیں بخش سکتے عبدالرحیم نہیں بخش سکتے۔"

"عالی جاہ ——"

"ہمیں مجبوراً سفرِ واپسی اختیار کرنا پڑا۔ لیکن ہم اسے ملتوی نہیں کریں گے۔ ہماری افواج خشکی کے راستہ وہاں پہنچ جائیں گی ——"

"عالم پناہ افواج کی نقل و حرکت رکی ہوئی ہے"

"کیوں؟ —— کیا وہاں بھی مادر ملکہ کی بیماری کا پیغام بھیجا گیا ہے" شہنشاہ نے بے تابی سے پوچھا۔

"نہیں عالم پناہ ——"

"تو پھر ——"

"ہراول دستے کے سالار نے انیس ترکی کو بھیجا تھا کہ اس علاقے میں شدید بارشوں کی وجہ سے قرب و جوار میں پانی بھر گیا ہے۔ جس سے فوج کی نقل و حرکت ممکن نہیں رہی"

شہنشاہ نے حیرانی سے خان خاناں کو دیکھا اور بولے "ہمیں اس کی خبر نہیں دی گئی ——"

"انیس آج ہی یہاں پہنچا تھا عالم پناہ ——"

"ہوں ——"

خان خاناں کچھ کہنے ہی والا تھا۔ کہ دربان نے حکیم ہمام اور عزیزہ کے آنے کی اطلاع دی۔ انہیں اندر بلا لیا گیا۔ دونوں نے شہنشاہ کو سلام کیا احوال پرسی کی اور ملکہ عالیہ کی حالت زار پر اظہار رنج کیا۔

رسمی اور تکلفاتی گفتگو جلد ہی ختم ہو گئی۔ شہنشاہ اپنی غیر حاضری میں آگرہ میں سرانجام دیئے جانے والے امور کے متعلق دریافت کرنے لگے ——

عبدالرحیم نے انہیں ہر تفصیل سے آگاہ کیا ——

پھر

شہنشاہ نے انیس ترکی کو بلا بھیجا۔ جب وہ آیا تو اس سے سالار کا پیغام سنا۔ انیس سے بھی پوری روئیداد سنی۔ جو اس نے من و عن بیان کر دی۔ واقعی ان علاقوں میں بارشوں کی وجہ سے فوج کی نقل و حرکت ممکن نہ رہی تھی۔

شہنشاہ کو اس بات سے بیحد افسوس ہوا۔ اور وہ جھنجھلائے جھنجھلائے سے نظر آنے لگے۔ وہ سلیم پر ان فوجوں کی وجہ سے دباؤ ڈال سکتے تھے۔ جو موسم کی خرابی کی وجہ سے ممکن نہ رہا تھا۔ اس بات کا عزیزہ کو بھی افسوس تھا۔ وہ تو اپنے داماد خسرو کے مفاد کی خاطر یہ سب کچھ چاہتا تھا۔ اسی لیے شہنشاہ کا مزاج برہم کرنے اور شہزادہ سلیم کے خلاف بھڑکانے کے لیے گاہے گاہے شاہ کو لقمے دے رہا تھا جو خان خاناں کو ناگوار گزر رہے تھے۔ لیکن شہنشاہ کی موجودگی میں اسے کچھ کہہ بھی تو نہ سکتا تھا۔

خشکی اور دریائی دونوں راستوں سے حملے کے امکان تواب التوا میں پڑ گئے تھے۔ شہنشاہ مضطرب و بے چین تھے۔ لیکن کچھ کر نہیں سکے تھے۔

بحرحال انیس کو ضروری احکامات دے کر رخصت کیا گیا۔ افواج کو واپس بلانا ناگزیر ہو گیا تھا۔

انیس کے جانے کے بعد شہنشاہ اپنے رفیقوں سے تبادلہ خیال کرتے رہے۔ ابھی مجلس مشاورت جاری ہی تھی کہ شہنشاہ کو مادر ملکہ کی حالت زار سے مطلع کیا گیا اجلاس فوری طور پر ختم کر کے شہنشاہ مادر ملکہ کے پاس پہنچے۔ ان پر نزع کا عالم طاری تھا۔ حافظ انیسہ بلند آواز سے سورہ یاسین پڑھ رہی تھیں۔ سب دم سادھے کھڑے تھے۔ بخت النساء بیگم کو مہارانی گلے لگائے بیٹھی تھی اور سلطان سلیمہ بیگم سرہانے کھڑی قرآنی آیات کا ورد کر رہی تھیں۔ کمرے میں افسردگی کا تسلط تھا۔ موت کی خاموشی تھی۔ سوگوار فضا بڑی بوجھل تھی۔ وقت رخصت قریب تھا۔

مادر ملکہ کی رک رک کر آنے والی سانسیں اب ٹوٹ رہی تھیں۔ ان میں وقفہ بڑھ رہا

تھا ___ اور جب شہنشاہ ان کی مسہری تک پہنچ کر گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے ان پر جھکے ___ "مادر جان ___ ماں ___ "مادر جان" پکارا

تو لگتا تھا انہیں کے انتظار میں تھیں۔ یہی آواز سننے کو سانس اٹکے تھے۔

انہوں نے آخری ہچکی لی اور ان کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تھی۔

"ماں" شہنشاہ کی روہانسی گلوگیر آواز گلے میں گھٹ گئی۔ بخت النساء اور شہزادیاں چیخ اُٹھیں۔ رانیاں رو پڑیں۔ شہنشاہ نے سر پٹی پر رکھ دیا۔

"مادر محترم"، سلطان سلیمہ کے آنسو بے اختیار ہو گئے اور انہوں نے سرہانے بیٹھتے ہوئے اپنا سر پٹی پر رکھ دیا۔ ان کی سچی غمخوار ہستی دنیا سے منہ موڑ چکی تھی۔

کمرے میں اچھا خاصہ کہرام مچ گیا۔ شہزادے شہزادیاں دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ راہداریوں میں کنیزیں لونڈیاں باندیاں غلام اور خواجہ سرا جمع ہو گئے سب رو رہے تھے۔

شہنشاہ کچھ دیر وہاں ٹھہرے

پھر

وہاں سے نکل آئے۔ مادر ملکہ کی فوتیدگی کا اعلان [illegible] کر دیا گیا۔ قلعہ کے برجوں میں نقیب ان کی موت کا اعلان [illegible] سب کو مطلع کرنے لگے۔ ماتمی نوبت بار بار بجائی جانے لگی اور درباری سوگ کا سات روزہ اعلان بار بار کیا جانے لگا۔ نوبت پر ماتمی ضرب پڑنے اور گونگ بجنے سے دل آپوں آپ افسردہ ہو رہے تھے۔

وہ دہشت زدہ سی نظریں ادھر ادھر دوڑاتے محتاط بے آواز قدم اٹھاتے آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ اپنا وجود اس نے چادر میں لپیٹ رکھا تھا۔ صرف چہرہ ننگا تھا۔

آج مہینے کی آخری جمعرات تھی۔ اور وہ اک آس دل میں بسائے گرد و پیش کا خوف دل میں لیے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ پانچویں بار یہاں آئی تھی۔ ہر بار مایوسی کا سامنا ہوتا تھا۔ نگاہیں جس کی متلاشی ہوتیں وہ نظر نہ آتا۔ دل گرفتہ سی وہ کافی دیر وہاں بیٹھی رہتی۔ آس کے دیے جب بجھ جاتے تو وہ واپس ہو جاتی۔

آج بھی

وہ

دل میں آس کے دیے جلائے چلی آ رہی تھی۔ اسی ریتلے ٹیلے اور زمین سے بے ہنگم سی اُبھری چٹان کی طرف بڑھ رہی تھی ___ جہاں نادر کے ہونے کا امکان اس کا وجود مقناطیسی کشش کی طرح کھینچا کرتا تھا۔

لیکن

آج بھی

اسے مایوسی سے دوچار ہونا پڑا۔ اس نے اندھیرے ملی چاندنی کے غبار میں

آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ وہ اسے نظر نہیں آیا۔

مایوس اور افسردہ ہو کر وہ پتھر پہ بیٹھ گئی۔ اس کا دل بیحد دکھی ہو رہا تھا جی چاہ رہا تھا چیخ چیخ کر نادر کو پکارے۔ وہ کہاں چلا گیا تھا؟ کیوں چلا گیا تھا کب آئے گا۔ کبھی آئے گا بھی کہ نہیں —— وہ دکھے دل سے سوچ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آپوں آپ آنسو بہہ نکلے تھے —— اور کچھ ہی دیر بعد وہ سسکیاں بھر رہی تھی۔

"نادر —— آجاؤ نادر ——" روتے روتے بے خیالی ہی میں اس کے منہ سے نکل گیا۔

"لو میں آگیا" نادر کی آواز اچانک ہی سنائی دی۔

مہرتاج نے بے اختیارانہ اٹھتے ہوئے بازو پھیلا دیئے اور کچھ دیکھے بنا آگے بڑھی۔

لیکن

جب غور سے دیکھا تو وہاں کچھ نہیں تھا —— شاید اس کا واہمہ تھا جو اس نے نادر کی آواز کانوں میں اترتے محسوس کی۔ اس کی تنہائی کا ردعمل تھا اور اس کی دلی خواہش کا پرتو تھا۔

وہ بیدلی سے پھر پتھر پہ جا بیٹھی —— اس کی مایوسی کی انتہا نہ تھی۔ وہ ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ گرا کر پھر سسکیاں بھرنے لگی۔

پھر

اچانک ہی اس نے سر اٹھایا اور گھما کر پیچھے دیکھا۔ کوئی کھڑا تھا۔

"کون؟" وہ خوفزدہ ہو کر چیخنے کو تھی کہ وہ ہنستا ہوا سامنے آگیا۔ وہ نادر تھا۔ اس نے بازو پھیلا دیئے۔

اور

مہرتاج "اوہ نادر" کہتے ہوئے اس سے لپٹ گئی —— اس کے آنسو ملن کی خوشی کی

علامت بن کر بے اختیاری سے بہنے لگے ——

نادر اپنے مضبوط بازوؤں میں اسے تھامے اس کی پشت کو تھپتھپاتے کئی لمحے کھڑا رہا۔ مہرتاج آنسو بہا کر دل کی بھڑاس اور جدائی کے اذیت دہ قلق کو مٹانے کی کوشش کر رہی تھی —— نادر بھی کچھ ایسے ہی جذبوں کے سامنے بے بس ہو رہا تھا۔ اسی لیے کئی لمحے وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ الفاظ رہے ہی نہ تھے جو ان جذبوں کی ترجمانی کرتے۔ جو دلوں میں موجزن اور ذہنوں میں براجمان تھے۔

پھر

کئی لمحوں بعد نادر نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے مہرتاج کو بازوؤں کی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے اپنے سامنے کھڑا کیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا "بس مہرتاج۔ بس آنسو پونچھ ڈالو —— خدا کا شکر ہے میں آج تمہیں اپنے پاس پا رہا ہوں اور تم بھی مجھے دیکھ رہی ہو" مہرتاج نے سرمئی ریشمی چادر کے کنارے سے اپنی آنکھیں پونچھ ڈالیں۔ لیکن آنسو پھر بھی اُمنڈتے رہے۔

"مہرو" نادر نے اسے پکارا۔

"جی" وہ بھرائی بھرائی آواز میں بولی۔

"کیسی ہو ——"

"تم کیسے ہو"

"دیکھ لو۔ میرے حلیے سے ظاہر ہے۔ سرتا پا دھول میں اٹا ہوں۔ جمنا کا شکر گزار ہوں کہ یہاں منہ ہاتھ دھو لیا ——"

"کہاں سے آرہے ہو؟"

"کوئی ٹھکانہ تو ہے نہیں۔ جدھر ہواؤں کا رُخ ہو راستے متعین کر لیتا ہوں"

"اتنا عرصہ ہواؤں کا رُخ ادھر کو تھا ہی نہیں؟"

"ہوں ـــــ یہ راہیں بڑی پر آشوب تھیں ـــــ ادھر آنا ممکن ہی نہیں تھا ورنہ ـــــ میں تمہیں انتظار کی اذیت کبھی دیتا۔"

"میں نے گن گن کر پل گزارے ہیں نادر ـــــ دھڑکا ہی لگا رہتا تھا۔ شکر ہے تمہیں آج اپنے سامنے پا رہی ہوں ـــــ"

نادر نے مسکرا کر اس کی ٹھوڑی اپنی انگلی پر اُٹھاتے ہوئے اونچی کی اور بولا۔ "بڑا سخت جان ہوں جانم تم مجھے ہمیشہ اپنے سامنے ہی پاؤ گی ـــــ"

اس نے سر جھکاتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "خدا کبھی وہ وقت بھی لائے گا"

"ضرور لائے گا ـــــ انشاء اللہ ـــــ مہرو اندھیرا ہمیشہ نہیں رہتا۔ روشنی اس کو نگل لیتی ہے۔ تغیر زمانے کا دستور ہے۔ انقلاب ہماری زندگیوں میں بھی ضرور آئے گا۔"

"اسی سہارے تو جدائی کی اذیتیں جھیلے جا رہے ہیں ہم ـــــ"

"جدائی ملن پر ہی منتج ہوتی ہے ـــــ"

دونوں باتیں کرتے ہوئے اس ٹیلے کی ابھری چٹان پر آبیٹھے جہاں قدرتی نشست نما جگہ بنی تھی۔

"تم کہاں رہے اتنا عرصہ ـــــ" مہرتاج نے ادھر ادھر کی باتوں کے بعد پوچھا۔

"بھٹکتا پھرا۔"

"پھر بھی ـــــ ساتھی سنگی ملے؟"

"انہیں ہی جمع کرنے میں کافی وقت لگا۔"

"تمہیں پتہ ہے بھیر سنگھ نے ابوالفضل کو قتل کر دیا؟"

"شہزادہ سلیم نے قتل کروایا ہے اسے۔"

"کیا یہ بات سچ ہے؟"

"بالکل"

"اس کے کچھ آدمی پکڑے گئے تھے ـــــ"

"ساتھ دو سپاہی میرے بھی"

"ہاں۔ لیکن وہ بندی جانے سے بھاگ گئے ہیں ـــــ"

"میرے آدمی قید و بند کی صعوبتیں زیادہ عرصہ برداشت کرنے کے عادی نہیں۔"

"تمہیں ملے وہ ـــــ"

"ہاں ـــــ وہ بھاگ کر سیدھے میرے پاس ہی آئے تھے ـــــ"

"پھر تو یہاں کے کافی حالات تمہیں پتہ چل چکے ہوں گے ـــــ"

"بالکل ـــــ ان کے علاوہ میرے اور مخبر بھی ہیں۔"

"مجھے تو دھڑکا لگا ہوا تھا۔ جب وہ پکڑے گئے۔"

"ڈرتی ہوگی کہ کہیں وہ میرے بارے میں شہنشاہ کو کچھ بتا نہ دیں"

"ہاں۔ سنتی تھی نا کہ اگلوانے کے لیے ان پر بہت سختی کی جا رہی ہے۔"

"وہ میرے ساتھی تھے۔ جان دے سکتے تھے لیکن میرے متعلق ناممکن تھا کہ کچھ بتاتے ـــــ"

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اب تو حالات اور بھی خراب ہو گئے ہیں ـــــ"

[illegible]

"وہ کیسے؟"

"شہنشاہ کو واپس جو آنا پڑا ہے۔"

"ہاں مادر ملکہ کی وجہ سے بیچاری فوت ہو گئیں ـــــ شہزادے کو دیکھنے کی حسرت دل ہی میں لے گئیں" سنا تھا شہزادۂ عالم انہیں ملنے آ رہے ہیں ـــــ اب صورت حال بدل گئی ہے وہ تو مر گئیں ـــــ"

"لیکن شہزادۂ عالم اب بھی آ رہے ہیں ـــــ"

"تمھیں کیسے پتہ ــــ"

"مجھے ہر بات کا علم ہے ــــ"

"سچی ــــ"

"ہاں"

"لیکن ــــ شہزادۂ عالم اب آگرہ کیا کریں گے"

"سنا ہے باپ سے معافی مانگنے آرہے ہیں"

"ہتھیار ڈال دیں گے"

"یہی خبر ہے۔ وہ الہ آباد سے روانہ ہو چکے ہیں ــــ مادرِ ملکہ کی فوتیدگی کی خبر انہیں الہ آباد میں مل گئی تھی۔ تین دن وہاں سرکاری سوگ منایا گیا۔ اس کے بعد شہزادہ دریائی راستے سے روانہ ہوئے ہیں ــــ"

"اچھا؟"

"ہاں"

"خدا خیر کرے"

"خیر ہی ہوگی ــــ ہمارے لیے بھی کوئی راہ نکل آئے گی"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ باغی شہزادہ معافی طلب کرنے آرہا ہے"

"تو ــــ"

"تو ــ اسے معافی مل جائے گی۔ ظاہر ہے ــــ شہنشاہ اکلوتے بیٹے کی حرکت کو معاف کر دیں گے ــــ مادرِ ملکہ کے مرنے سے وہ خاصے رقیق القلب ہو رہے ہیں"

"ہاں ــــ"

"شہزادے کو معافی یقیناً مل جائے گی"

"وہ تو ظاہر ہے ــــ"

"پھر ہمارے لیے راہ ہموار ہو گئی نا ــــ"

"یعنی ــــ یعنی ــــ"

"یعنی ہم بھی معافی کے لیے درخواست دائر کر دیں گے ــــ حاضر ہو جائیں گے دربار میں"

"تمھیں یقین ہے کہ تمھیں بھی شہنشاہ معاف کر دیں گے"

"انہیں کرنا پڑے گا ــــ جو اصول شہزادے کی معافی کے لیے وضع ہوگا وہ مجھ پر بھی لاگو ہوگا ــــ"

"بالکل ــــ یہ بات تو ہے" مہرتاج نے خوشی سے مغلوب ہو کر نادر کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا "ہائے نادر میں کس بے تابی سے اس دن کا انتظار کروں گی ــــ"

"وہ دن قریب ہی ہے۔ شہزادہ چند دنوں تک یہاں پہنچ رہا ہے"

"لیکن"

"کیا؟"

"تمھیں یقین ہے کہ وہ معافی ہی مانگنے کے لیے یہاں آرہے ہیں"

"تو کیا حملہ کرنے آرہے ہیں ــــ"

"کیا خبر حالات کیا ہوں۔ خراب ہو گئے تو ــــ"

"ایسی کوئی بات نہیں ــــ شہزادہ معافی مانگنے آرہے ہیں۔ وہ سنا ہے ان دنوں بہت پریشان رہتے ہیں۔ بغاوت انہیں راس نہیں آئی۔ ان کے کچھ ساتھی جن میں عبداللہ بیگ سرفہرست ہیں دغا دے گئے ہیں۔ ساتھ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ رانی مان بائی کی خودکشی نے بھی حواس پر اثر ڈالا ہے۔ ابوالفضل کو قتل کروانے کی بھی ذمہ داری انہی کی تھی ضمیر پر بڑا بار ہے۔ اور سب سے بڑھ کر مادرِ ملکہ کے مرنے سے بہت دکھی ہو رہے ہیں، بہت چہیتے تھے نا ان کے ــــ"

"تمھیں یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں ——"

"میرے مخبر ہر جگہ پہ موجود ہیں۔ اور یہ ساری خبریں مجھ تک پہنچاتے رہتے ہیں۔"

"تم اب کہاں ہو"

"تمھارے پاس"

"میرا مطلب ہے ٹھکانہ کہاں ہے۔"

"تمھارے دل میں"

"بس کرو نا —— سیدھی سیدھی باتیں کرو ——"

"سیدھی بات یہی ہے۔ کہ چند دن اور ہیں —— پھر ——"

"پھر کیا ہوگا"

"پھر اندھیرے چھٹ جائیں گے میری جان ——" اس نے اپنا بازو مہرتاج کی چیتے ایسی کمر میں حمائل کرتے ہوئے کہا۔

مہرتاج نے بے اختیار سی ہو کر اپنا سر اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ اور خوابناک لہجے میں بولی۔

"نادر کیا واقعی اندھیرے چھٹ جانے کا وقت قریب آگیا ہے؟"

"بالکل آگیا ہے۔ شہزادے کو معافی مل جائے تو سمجھو ہم بھی آزاد ہو گئے۔ اور شہزادے کو معافی مل ہی جائے گی —— بوڑھا شہنشاہ اب شہزادے کو اپنے سے الگ نہیں کر سکتا۔ دکھ پہ دکھ جھیلنا اب ان کی بساط سے باہر ہے۔"

"ہاں ان دنوں وہ بہت دکھی ہیں ان کی ہمت لگتا ہے ٹوٹنے لگی ہے۔ اپنی ماں سے انہیں بہت پیار تھا ——"

"اور اپنے بیٹے سے بھی تو بہت پیار ہے۔"

"وہ تو سب دنیا جانتی ہے۔"

"اسی لیے معافی یقینی ہے اور معافی یقینی ہوئی تو ہماری نجات بھی یقینی ہے کیا سمجھیں"

"خدا کرے ایسا ہو جائے ——"

"ضرور ہو جائے گا ——"

"پھر —— پھر ——"

"پھر —— پھر یہ کہ نادر کی دلی خواہش پوری ہو جائے گی اور وہ تمھارا رخ زیبا دن کی روشنی میں بھی دیکھ سکے گا ——"

اس نے مہرتاج کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا —— اور چاندنی میں اس کا چہرہ غور سے دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

مہرتاج نے اس کے ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھڑاتے ہوئے اک مسکراتی نگاہ اس پر ڈالی —— اور لجاتے ہوئے بولی "دن کی روشنی کا انتظار کرو۔"

"وہ تو کرنا ہی ہے ——" وہ مسکرا کر بولا ——

پھر

دونوں اس صبح کی باتیں کرنے لگے جس کے طلوع کی اُمید بندھ گئی تھی۔

مادر ملکہ کا سوگ سرکاری طور پر سات دن منایا گیا تھا۔ درباریوں نے سفید کپڑے پہن لیے تھے۔ ہندو درباریوں نے سر منڈوا لیے تھے اور کیسری دھوتیوں پر پیلی چادریں اوڑھ لی تھیں۔ شہنشاہ اور خاندان کے دیگر افراد نے بھی ماتمی لباس زیب تن کیے ہوئے تھے اور کنیزوں نے چھن چھن کرتے زیورات اتار ڈالے تھے ـــ مادر ملکہ کا سوگ پوری مملکت میں بڑے احترام سے منایا گیا تھا۔

ملکہ کی وصیت اور خواہش کے مطابق انہیں دلی میں اپنے مرحوم شوہر شہنشاہ ہمایوں کے پہلو میں ان کے مقبرے میں دفن کیا گیا تھا۔ جنازہ آگرہ سے دلی لے جایا گیا تھا۔۔ اور خود شہنشاہ نے جنازے کو کئی کوس تک کندھا دیا تھا۔

اب درباری سوگ ختم ہو گیا تھا۔ زندگی کے معمولات اسی ڈھنگ سے چلنے لگے تھے۔

لیکن

محلوں کی فضا ابھی تک ماتمی تھی۔ شہنشاہ ابھی تک ملول و پژمردہ تھے۔ انہوں نے باقاعدہ دربار بھی نہیں لگایا تھا اور گم صم سے رہنے لگے تھے۔ ان کا آئندہ کے لیے کیا پلان تھا کسی کو پتہ نہیں تھا۔

دور دراز کے علاقوں سے دوست احباب اور سلطنت کے بہی خواہ مادر ملکہ کی

تعزیت کے لیے اب بھی آ رہے تھے۔ راجے مہاراجے اور ریاستوں کے سالار و سردار بھی اپنی وفاداری کا احساس دلانے کے لیے حاضری دے رہے تھے۔

امراء و رؤسا کی بیگمات بھی تقریباً روز ہی محلوں میں آتیں۔ مادر ملکہ کی روح کے ایصال و ثواب کے لیے قرآن خوانی ہوتی ـــ

اس دن بھی قرآن خوانی کے بعد سلطان سلیمہ تعزیت کو آنے والی بیگمات سے باتیں کر تھیں۔ مادر ملکہ کے حسن اخلاق کی باتیں ہو رہی تھیں۔ سلیمہ بیگم نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ ان کی صحبت میں گزارا تھا۔ وہ گزرے ہوئے دنوں کی کئی سہانی یادیں ان کے گوش گزار کر رہی تھیں۔ سب عقیدت و احترام سے باتیں سنتے ہوئے مادر ملکہ کی شش جہت شخصیت سے متاثر ہو رہی تھیں ـــ

شہزادی بخت النساء بیگم بھی اپنی مرحومہ ماں کی باتیں یاد کر رہی تھی۔ وہ بار بار اپنی نیلی اوڑھنی سے اپنی بھیگی آنکھیں پونچھ رہی تھی۔ ماں ضعیف تھیں۔ پھر بھی ماں تو تھیں۔ خون اور درد کے رشتے ٹوٹ جائیں تو دکھ دیتے ہی ہیں۔

"مرحومہ پیار و محبت کا سرچشمہ تھیں"

"اخلاق و مروت کا پیکر تھیں ـــ"

"ہر ایک کا خیال رکھتی تھیں۔ لونڈیوں کنیزوں تک سے مہر و محبت سے پیش آتیں"

"بچوں پر تو جان چھڑکتی تھیں۔ شہزادۂ عالم سلیم سے تو عشق تھا انہیں ـــ"

"بدنصیبی کہ وہ انہیں دیکھنے کی حسرت ہی دل میں لے گئیں"

"بڑا دکھ ہوتا ہے اس بات سے۔"

"خدا کی یہی مرضی تھی"

جب تک محفل جمی رہی یہی باتیں ہوتی رہیں ـــ

محفل برخاست ہوئی۔ سب مہمان خواتین رخصت ہو گئیں۔ سفید دالان میں سلطان

سلیمہ بیگم اور بخت النساء تکیوں کے سہارے بیٹھی رہیں۔ دونوں ملول وافسردہ تھیں۔ شہزادے کا ذکر انہیں اور سوگوار کر دیتا تھا۔

"کاش شیخو آجاتا،" سلیمہ بیگم نے اک گہری سانس چھوڑی۔

"دل پتھر ہی کر لیا ہے شیخو نے،" بخت النساء نے دلگرفتہ لہجے میں کہا۔

"میری دوسری کوشش بھی ناکام ہو گئی۔"

"شہنشاہ بھائی جانتے ہیں کہ آپ نے شیخو کو بلانے کے لیے دوبار خط لکھے اور ایلچی بھیجے"

سلیمہ بیگم نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا "میں نے اپنے طور پر ہی کوشش کی تھی۔ لیکن تجربہ تلخ ہی ہوا ـــ مصالحت کی کوشش کی تھی،"

"اب جانے کیا ہو گا ـــ"

"کچھ پتہ نہیں۔ شہنشاہ عالی کی طبیعت تاحال افسردہ واداس ہے۔ کوئی نہیں جانتا اب ان کے ذہن میں کیا منصوبہ ہے"

"خدا کرے الٰہ آباد پہ حملے کا ارادہ ہی ترک کر دیں"

"کیا کہا جا سکتا ہے"

"چالیسویں تک تو یقیناً وہ کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ اس کے بعد ـ"

"ہاں ـــ ابھی تو تعزیت کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ چالیسویں کے بعد ہی کچھ ہو گا،"

"دل ہول جاتا ہے سوچ کر"

"براہ راست تصادم کو روکنے ہی کے لیے تو میں نے دوبارہ خط لکھا اور ایلچی بھیجا تھا۔ لیکن اس طرف سے کوئی جواب آیا نہ ہی ایلچی واپس ہوا ـــ"

"کہیں خانم جان کی طرح ایلچی کو بھی تو قید نہیں کر لیا گیا،"

"لگتا تو ایسا ہی ہے"

"کتنی بُری بات ہے۔ شاہ بھائی کو پتہ چلا تو ـــ"

"تو ـــ جو کچھ ہو گا برداشت کر لوں گی میں۔ سب کچھ نیک نیتی ہی سے کیا ہے میں نے ـــ شہزادۂ عالم نے مصالحت کی کوشش کو کچھ سمجھا ہی نہیں ـــ"

"ہوں"

بخت النساء بیگم نے صرف ہوں پر ہی اکتفا کیا۔ بات کرتے کرتے رُک گئیں۔ کیونکہ مہرتاج دالان کے غربی دروازے سے اندر داخل ہو رہی تھی۔

دونوں شاہی خواتین کو جھک کر سلام کرنے کے بعد وہ آگے بڑھی اور سلیمہ بیگم کے قریب چاندنی پر دوزانو ہوتے ہوئے بولی "سلطان عالیہ۔ خواجہ سرا نذرین باریابی کی اجازت چاہتا ہے۔ وہ کوئی ضروری پیغام لے کر آیا ہے ـــ"

"آنے دو،" سلیمہ بیگم نے کہا اور تکیے کے سہارے تمکنت سے بیٹھتے ہوئے بخت النساء بیگم کی طرف دیکھا "کیا ضروری پیغام ہو سکتا ہے"

بخت النساء بیگم نے اپنا دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے کہا "خیر کا پیغام ہو ـ"

مہرتاج دروازے کی طرف مڑ گئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد خواجہ سرا نذرین اپنا نیلا دوپٹہ کندھوں پر پھیلاتے ہوئے اندر آیا۔ کورنش سلام کیا اور بولا "سلطان حضور ـــ یہ خط آپ کے لیے ہے"

اس نے دونوں ہاتھوں پر رنگین کپڑے میں لپٹا خط ان کے سامنے کر دیا۔

"کس کا خط ہے" وہ بولیں "کون لایا ہے"

"سرکار ـــ" خواجہ سرا نے ادھر ادھر دیکھا اور قدرے قریب آ کر سرگوشی کے لہجے میں بولا۔

"خط دینے والے نے اپنا نام نہیں بتایا۔ صرف یہی کہا ہے کہ خط آپ تک خاموشی سے پہنچا دیا جائے۔ وہ قابل اعتماد اور بھروسے کا آدمی ہے خط بھیجنے والے کا ـــ"

مہر تاج نے خواجہ سرا کے ہاتھوں پر دھرا خط اٹھا کر تعظیم سے سلطان سلیمہ بیگم کو دے دیا۔

"خط لانے والا کہاں ہے؟" سلیمہ بیگم نے پوچھا۔

"چلا گیا۔۔۔" وہ بولا۔

"تعزیت کا خط بھیجا ہو گا کسی نے۔" بخت النساء بیگم بولی۔

"شاید۔۔۔" سلیمہ بیگم نے کہا اور پھر زرین اور مہر تاج کو جانے کا حکم دیا۔ دونوں کمرے سے نکل گئے۔

سلطان سلیمہ بیگم نے کپڑے میں لپٹا ہوا خط نکالا۔ ایک سرسری سی نظر اس پر ڈالی اور دوسرے ہی لمحے وہ جلدی سے بولیں "بخت النساء بیگم یہ شیخو کا خط ہے۔"

"کیا واقعی" وہ بھی جلدی سے آگے کو جھک آئی۔ دونوں پر کچھ عجیب سی شادمانی بھری گھبراہٹ طاری تھی۔۔۔ دونوں کے دل بے اختیاری سے دھڑک اُٹھے تھے۔

خط الٰہ آباد سے صدر جہاں لایا تھا اور اس نے حفاظتی تدبر کے پیش نظر اپنے ایک اعتماد کے آدمی کے ہاتھ یہ خط بھیجا تھا۔ محل میں خود نہیں آیا تھا۔ وہ شہزادہ سلیم کا آدمی تھا۔ اس لیے براہ راست خط کی ترسیل نہیں کر سکتا تھا۔

خط جہاں پہنچانا تھا پہنچ گیا تھا۔۔۔

سلطان سلیمہ بیگم چرمی کاغذ پر لکھا شہزادہ سلیم کا خط غور سے پڑھ رہی تھیں بخت النساء بیگم قریب بیٹھی ان کے چہرے کے تاثرات سے خط کے مضمون کا اندازہ کر رہی تھی۔۔۔

"شکر ہے خدایا تیرا" سلیمہ نے خط سینے سے لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

"کیا لکھا ہے" بخت النساء بیگم زیادہ دیر انتظار نہ کر سکی۔

"شیخو آرہا ہے"

"کیا؟"

"ہاں۔۔۔ وہ آرہا ہے۔ لو پڑھ لو خط۔۔۔ میرے خط کا جواب لکھا ہے اس نے۔ وہ۔۔۔ وہ اپنے کیے پر نادم ہے۔ وہ آگرا اپنے شاہ بابا سے معافی مانگنا چاہتا ہے۔ اس نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں دونوں میں مصالحت کروا دوں۔ شاہ بابا سے اسے معافی دلوا دوں۔ لو خود پڑھ لو۔۔۔ یا خدا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔۔۔"

انہوں نے خط بخت النساء کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "شیخو نے جس دن یہ خط روانہ کرنا تھا۔۔۔ اسی دن اسے مادر محترم کی فوتیدگی کی اطلاع مل گئی۔۔۔ میرا بچہ۔۔۔ صدمے سے نڈھال ہو گیا۔۔۔ تین دن سوگ منانے کے بعد صدر جہاں کے ہاتھ یہ خط بھیجا ہے۔"

"لیکن صدر جہاں محل میں کیسے پہنچا۔۔۔"

"خود نہیں آیا کسی ذمہ دار آدمی کے ہاتھ پہنچایا ہے خط۔"

"اچھا۔۔۔"

"احتیاط متقاضی تھی نا۔۔۔"

"ہوں"

بخت النساء خط پڑھنے لگی۔ شیخو نے خود اپنے ہاتھوں سے خط لکھا ہوا تھا۔ آداب والقاب کے بعد بڑے احترام سے سلطان سلیمہ بیگم کا حال احوال پوچھا تھا۔ پھر اپنی ندامت اور پریشانی کا کھل کر تذکرہ کیا تھا۔ وہ پشیمان تھا۔ اسی لیے بہت جلد یہاں پہنچنا چاہتا تھا۔ آر یا پار والی کیفیت سے دوچار تھا۔ باپ سے معافی کا طلب گار تھا۔ اس کے لیے وہ ہر کٹھنائی سے گزرنے کے لیے تیار تھا۔ سلطان سلیمہ بیگم سے بزور استدعا کی تھی کہ وہ مصالحت کی ہر ممکن کوشش کریں۔

خط اتنے عجز و انکساری سے لکھا گیا تھا کہ بخت النساء کی آنکھیں نم ہو گئیں اس نے

بے اختیارانہ خط چوم کر سینے سے لگا لیا۔ پھر سلطان سلیمہ بیگم کو مخاطب کر کے بولی "خون جوش مارنے سے نہیں رہتا۔ شیخو دادی کے لیے کتنا تڑپا ہوگا۔ اس کی تحریر بول رہی ہے۔"

"ہاں ــــ خدا کا شکر ہے اسے احساس ہو گیا۔ پشیمانی اک اک لفظ سے ٹپک رہی ہے خدا کرے شہنشاہ عالی سے مصالحت ہو جائے ــــ"

"اس خط کو آپ شاہ بھائی کو دکھائیں گی؟"

"نہیں۔ فی الحال نہیں ــــ"

"شیخو کے پہنچنے کا کیسے پتہ چلے گا ــــ؟"

"وہ صدر جہاں ہی کے ہاتھ پیغام بھیجے گا۔ لکھا تو ہے صدر جہاں سے وہ رابطہ رکھے ہوئے ہے۔"

"آج کل میں شیخو بھی پہنچنے والا ہے۔"

"ہاں ــــ"

"پھر ــــ"

"میں اس کے استقبال کے لیے جمنا کنارے جاؤں گی ــــ"

"میں بھی چلوں گی ــــ"

"ہاں تم بھی ــــ یہ بات اب ہم دونوں میں ہے اور اسے ابھی صیغۂ راز میں رکھنے کی ضرورت ہوگی۔"

"مہارانی کو بھی نہیں بتائیں؟"

"میرے خیال میں ابھی کچھ بھی نہ بتایا جائے ــــ بات اڑ گئی تو کہیں شہنشاہ عالم کوئی اور قدم نہ اُٹھالیں۔ وہ بڑے غصے میں ہیں۔ پہلے انہیں رام کرنا پڑے گا تب کوئی بات بننے کی اُمید ہوگی ــــ"

"ٹھیک ہے۔"

"فی الحال ہمیں سوچنا یہ ہے کہ شیخو کو کیسے محل میں لایا جائے گا۔"

"شاہ بھائی تو آج کل سفید محل میں رہتے ہیں۔ ادھر تو آتے ہی نہیں ــ تعزیت کے لیے باہر کے لوگ ادھر ہی جاتے ہیں ــــ"

"ہاں ــ"

"رنگ محل بھی نہیں جاتے"

"ہوں ــــ"

"پھر بات کچھ مشکل تو نہیں۔ یہاں یا رنگ محل میں انہیں لایا جا سکتا ہے۔"

"سوچیں گے۔ کوئی معقول اور خفیہ طریق ہی استعمال کرنا ہوگا۔"

"ہوں"

دونوں سر جوڑ کر صلاح و مشورہ کرنے لگیں۔ سلطان سلیمہ بیگم کی آنکھوں میں سوچ و فکر کے سائے بڑے گہرے تھے۔ اندر سے کچھ مضطرب بھی تھیں۔

خط انہوں نے ایک بار نہیں کئی بار پڑھا۔

شہزادۂ عالم دریائی راستے سے آگرہ کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ ان کے ساتھ چھوٹا بیٹا شہزادہ خسرو بھی تھا۔ چند مصاحب بھی تھے ـــــ لیکن رانیوں یا بیگمات میں سے کوئی ساتھ نہیں تھا۔ رانی یشودھا نے ساتھ آنے کے لیے بہتیرا زور مارا تھا التجا کی تھی۔ لیکن رانی کو ساتھ لانا مناسب نہیں سمجھا گیا تھا۔ شہزادے نے سلطان سلیمہ بیگم سے رابطہ تو قائم کیا ہوا تھا لیکن ابھی تک مصالحت والی بات یقینی نہیں تھی۔ خدا جانے آگرہ پہنچنے پر کس قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑے ـــــ اسی خدشے کی بنا پر خواتین کو ساتھ نہیں لایا گیا تھا۔ گو شہزادہ سلیم نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ اور ہرجانے کے طور پر پیش کرنے کے لیے بھی الہ آباد کے خزانے کا بیشتر حصہ ساتھ لایا تھا۔ ہاتھی گھوڑے اور فوج کے بہترین دستے بھی خشکی کے راستے آگرہ آرہے تھے ـــــ پھر بھی اسے شاہ بابا سے اپنی گستاخانہ جرأتوں کی معافی ملنے کی قوی امید نہ تھی ـــــ امید کا دامن تو اس نے صرف سلطان سلیمہ کی وساطت سے تھاما تھا۔ جو اس کی بہترین ساتھی مونس و غمگسار اور سوتیلی ماں ہوتے ہوئے بھی سگوں سے بڑھ کر تھی۔ شہزادے نے پریشانی اور پشیمانی کو اپنے اعصاب پر بُری طرح مسلط پایا تھا۔ اس کا چین و سکون تباہ ہو چکے تھے۔ خونی رشتوں کی اہمیت کا احساس جاگ اُٹھا تھا۔ محبتیں جوش مار رہی تھیں پچھتاوے ڈس رہے تھے۔ وہ نفسیاتی مریض دکھائی دیتا تھا۔

اپنوں سے کٹ کر جینے کی تلخیاں سہنا اب اس کی برداشت سے باہر تھا۔

کشتیاں دریا کے سینے پر تیزی سے تیرتی چلی جا رہی تھیں۔ شاہی کشتی کے ملاحوں کو شہزادے نے بطور خاص تاکید کی تھی کہ وہ کشتیاں تیز چلائیں اور کم سے کم وقت میں آگرہ پہنچنے کی کوشش کریں۔ آگرہ انہیں ثمن برج کے قریب کنارے لگنا تھا۔ صدر جہاں چند اور بہی خواہوں کے ساتھ وہاں شہزادے کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ اس نے محل میں سلطان سلیمہ بیگم سے رابطہ قائم کیا ہوا تھا۔ سلطان کا حکم تھا کہ جوں ہی شہزادے کی کشتی کنارے لگے انہیں اس کی اطلاع پہنچائی جائے۔ وہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

دوپہر ڈھل رہی تھی۔ صدر جہاں اور امیر بیگ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ثمن برج سے چند گز دور جمنا کے کنارے ٹہل رہے تھے۔ سہ پہر تک شاہی کشتی کے کنارے لگنے کا امکان تھا۔ پانی میں چھپاک چھپک ہوتی تو وہ سر اٹھا کر دیکھنے لگتے۔ انہیں بے چینی نے گھیر رکھا تھا۔ کیونکہ ابھی تک اطلاعی کشتی سوار بھی یہاں تک نہیں پہنچے تھے۔

"اب تک اطلاعی سواروں کو تو پہنچ جانا چاہیئے تھا" صدر جہاں نے حد نگاہ تک نظر آنے والے پانیوں کو دیکھا۔

"خدا خیر کرے ـــــ"

"دریا تو پُرسکون ہے"

"ہاں کشتی رانی کے لیے اس سے اچھی فضا اور کیا ہو سکتی ہے"

"ہو سکتا ہے اب پڑاؤ کر لیا ہو اور کل صبح یہاں پہنچنے کا ارادہ ہو"

"نہیں۔ شہزادہ عالم کو تاخیر برداشت نہیں ـــــ"

"بڑا جرأتمندانہ قدم اٹھایا ہے شہزادۂ عالی نے"

”انہوں نے تو واقعی جرأت کر لی ہے۔ اب ردعمل کیا ہوگا۔ خدا جانے ___“

”شہزادہ عالی معافی کے خواستگار ہوں گے ___“

”لیکن شہنشاہ عالم کے مزاج برہم سے پوری توقع بھی تو نہیں رکھی جاسکتی“

”ایک بات ہے“

”کیا؟“

”شہزادہ عالم نے بغاوت کر کے اچھا نہیں کیا تھا ___“

”صرف بغاوت ہی ہوتی تو تشویش کی بات نہ تھی۔ اور بھی تو جرم سرزد ہو چکے ہیں“

”اب تو ساری امیدیں سلطان عالیہ سے وابستہ ہیں ___ وہ ضرور مصالحت کرا دیں گی“

”یہ تو وقت ہی بتائے گا امیر بیگ“

”سب ٹھیک ہو جائے گا۔ شہنشاہ عالی اب اتنے سنگدل بھی نہیں کہ بیٹے کی خطائیں معاف نہ کریں۔ ولی عہد سلطنت ہیں شہزادہ ___ باپ کے نور نظر اور لخت جگر۔ کون نہیں جانتا کہ باپ کو بیٹے سے کتنی محبت ہے“

”اسی محبت نے تو دھچکا کھایا ہے ___“

”کچھ بھی ہو۔ شہنشاہ شہزادے کو معاف کر دیں گے“

”کچھ مشکل تو پڑے گی ہی ___ اس طرح تو ہر باغی قصور معاف کروانے کا حق رکھے گا“

”عام آدمی اور شہزادوں میں فرق نہیں ہوتا؟“

”لیکن عہد اکبری میں قانون ہر ایک کے لیے یکساں ہے ___“

”صرف کہنے کی باتیں ہیں بھئی ___“

”اب تک تو ایسا ہی ہوتا آیا ہے“

”اب ایسا نہیں ہوگا ___“

”ہوں ___“

دونوں کنارے کنارے ٹہلتے باتیں کر رہے تھے۔ کبھی کبھی دوسرے مصاحب بھی ان کے ساتھ ساتھ چلتے باتیں کرتے اور شہزادے کی معافی کے متعلق قیاس آرائیاں کرتے۔

صدر جہاں نے ایک درخت تلے رک کر نظر دریا پر دوڑائی۔ باقی سب بھی رک کر اسی طرف تکنے لگے جدھر صدر جہاں دیکھ رہا تھا ___

”لگتا ہے کشتی آ رہی ہے“ صدر جہاں نے آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا سا بنا کر دور اس نقطے کی طرف دیکھا جو دریا کی سطح پر ابھرتا نظر آ رہا تھا۔

”ہاں“ علی خان نے کہا ”کشتی ہی ہے ___“

”تو گویا شہزادہ عالی کی آمد اب جلد ہی متوقع ہے“ امیر بیگ بولا۔

”یہ اطلاعی کشتی ہے“

”اس کے پیچھے ہی شاہی کشتی ہوگی“

”ہاں“

”میرے خیال میں پورا بیڑہ سہ پہر ڈھلے تک کنارے آ لگے گا ___“

”اگر یہ شاہی کشتی ہے تو یقیناً ___“

سب اسی طرف دیکھتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ نقطہ اب پھیل رہا تھا اور کشتی کی واضح شکل نظر آنے لگی تھی ___

”میرے خیال میں محل میں سلطان عالیہ کو اطلاع بھجوا دی جائے ___“ صدر جہاں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”وہ دلکشا محل میں تشریف لا چکی ہیں ___ علی خان یہی خبر لے کر آیا تھا۔ وہ شہزادے کو آج رات اسی محل میں رکھیں گی ___“

"دلکشا محل شہزادہ عالم ہی کا محل ہے۔"

"ہاں —— یہ محل قدرے الگ تھلگ ہے۔ سلطان عالیہ شہزادے کی آمد کو مخفی رکھے ہوئے ہیں۔ اسی لیے اس محل میں رکھنے کا انتظام کیا ہے۔ وہ پہلے شہنشاہ سے معافی نامہ حاصل کرنے کی کوشش کریں گی۔ بعد میں شہزادے کی آمد کا بتائیں گی۔"

"تو پھر —— علی خان کو بھیج دیا جائے ——"

"سلطان عالیہ یہاں آئیں گی؟"

"ہاں ثمن برج تلے انہوں نے شہزادے کے استقبال کے لیے تشریف فرما ہونا ہے"

"جانے آنے میں وقت لگے گا ہی۔ میرے خیال میں انہیں پیغام بھیج ہی دیا جائے"

صدر جہاں نے پھر دریا کی جانب نظر دوڑائی۔ اب اطلاعی کشتی کا پھریرا پوری طرح نظر آرہا تھا اور اس کے عقب میں دور بہت دور تیرتی ہوئی شاہی کشتی بھی نظر آنے لگی تھی ——

"علی خان"، صدر جہاں نے اپنے اردگرد کھڑے مصاحبوں میں علی خان کو ڈھونڈتے ہوئے کہا ——

"جی ——"، علی خان قریب آیا۔

"بہتر ہے تم فوراً دلکشا محل چلے جاؤ۔ اور سلطان عالیہ کو مطلع کردو کہ شہزادۂ عالم کی کشتی نظر آگئی ہے۔ وہ ثمن برج پہنچ جائیں۔"

"بہت بہتر" وہ بولا۔

"تم جاؤ۔ ہم شہزادہ عالم کا یہیں انتظار کرتے ہیں"

"بہتر ——"

وہ مڑا اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ان درختوں کی جانب بڑھنے لگا جہاں ان سب کے گھوڑے بندھے تھے۔

قریب پہنچنے پر اس کا گھوڑا ہنہنایا۔ علی خان نے اپنے گھوڑے کی گردن پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور بولا "چل یار —— سنبھل کر۔ محتاط ہو کر —— بڑا اہم کام ہے سمجھے"

وہ گھوڑے کو درختوں تلے سے نکال کر میدان میں لے آیا —— پھر اچک کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا —— گھوڑا چند قدم ہولے ہولے چلا۔ پھر تیز ہوا اور چند لمحوں بعد ہوا ہو گیا۔ باقی لوگ شہزادے کی راہ دیکھنے لگے۔

شام اُتر رہی تھی۔ سورج کی آخری کرنیں بلند و پست کو الوداعی نظروں سے تک رہی تھیں۔ آسمان کے مغربی گوشے نارنجی ہو رہے تھے۔ اور ثمن برج کے نیچے بارہ دری کے مرمریں ستونوں کے قریب شاہی بگھی سے خواتین اُتر رہی تھیں۔ ان میں سلطان سلیمہ بیگم تھیں۔ شہزادی بخت النساء بیگم بھی تھی۔ چند کنیزیں جن میں مہتاج بھی تھی اور سوسن بھی۔ سب نے لبادے اوڑھ رکھے تھے۔ سلطان عالیہ اور بخت النساء بیگم کے لبادے نیلے رنگ کے تھے۔ کنیزوں کی چادروں کے کنارے بھی نیلے تھے۔ مادر ملکہ کی فوتیدگی کی وجہ سے یہ ماتمی لباسوں کی نشاندہی کرنے والا رنگ تھا۔

خواتین بارہ دری میں چلی گئیں۔ گاڑی بان بگھی کو دوسری طرف لے گئے کنیزیں دونوں خواتین کے پیچھے کھڑی ہو گئیں۔ اور خواجہ سرا پہرہ داروں کے ساتھ بارہ دری کے اردگرد ٹہلنے لگے ——

شہزادے کی کشتی کنارے لگ چکی تھی۔ اور وہ کوئی دم میں اس بارہ دری تک آیا ہی چاہتے تھے —— خواتین ان کی منتظر تھیں —— دل دھڑک رہے تھے۔ نگاہیں بے تاب تھیں، ہر آہٹ پر شہزادے کے قدموں کی چاپ کا گمان ہوتا تھا۔

ملاقات کا نظارہ دیدنی تھا۔

شہزادہ عالم نے شاہی لباس تو زیب تن کیا ہوا تھا۔ لیکن سر پر دستار نہ تھی۔ جڑاؤ کمر بند میں تلوار بھی نہیں لٹک رہی تھی۔ نیلا رومال گلے میں ڈال رکھا تھا۔ وجیہہ و شکیل

شہزادے کے خوبصورت چہرے پر حزن وملال کے سائے بڑے گہرے تھے۔ سر سے کلغی والی دستار اور کمر بند سے تلوار نکال کر انہوں نے اپنی شکست تسلیم کرنے کا اشارہ دیا تھا۔

شہزادۂ عالم اکیلے ہی بارہ دری کے اندر آئے۔

سلطان سلیمہ بیگم نے اپنی بے تابی کا مظاہر کیے بغیر بڑی تمکنت سے قدم آگے بڑھایا۔ سلیم ان کے قریب آتے ہی اتنے جھک گئے کہ ان کا سر سلطان عالیہ کے قدموں تک آیا لگتا تھا۔

"میرے بچے" سلطان نے جلدی سے انہیں کندھوں سے پکڑ کر اٹھا لیا اور پھر بازوؤں میں بھر کر سینے سے لگا لیا ـــــ وہ سسک اٹھیں اور شہزادے کی آنکھیں بھی نم ہوگئیں۔

سلطان بڑی دیر تک انہیں سینے سے لگائے کھڑی رہیں۔ بخت النساء بیگم نے بھی شہزادے کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا ـــــ ان کے آنسو بھی بہہ رہے تھے اور وہ ان کا کندھا تھپکے جا رہی تھیں۔

اور

جب سلطان نے شہزادے کو اپنے سے الگ کیا تو بخت النساء بیگم نے انہیں اپنی طرف کر لیا۔

"پھوپھی حضور" شہزادے کی آواز رندھی تھی۔ وہ ان سے بغلگیر ہوگئے۔ سب کی آنکھیں نم تھیں۔

"میں کتنا بدبخت ہوں" شہزادے نے پھوپھی سے الگ ہوتے ہوئے نیلے رومال سے آنکھوں کے گوشے صاف کرتے ہوئے کہا" دادی حضور کو ـــــ"

ان کی آواز رندھ گئی۔ سلطان سلیمہ نے ان کا کندھا تھپکا اور ملائمت سے بولیں

"تم ان کا آخری دیدار بھی نہ کر سکے۔ کاش میرا خط ملتے ہی تم چلے آتے۔ ان کی آخری خواہش تو پوری ہو جاتی ـــــ ان کی میت کو کندھا تو دے لیتے ـــــ"

"اُف ـــــ" بخت النساء بیگم نے کہا" کتنا تڑپی ہیں وہ تمہارے لیے ـــــ"

"یہ خلش میرے سینے میں ہمیشہ رہے گی ـــــ" شہزادے نے گہری سانس لی" میں کس قدر نادم ہوں آپ شاید اندازہ بھی نہ کر سکیں۔ میں نے انہیں اور آپ سب کو بہت دکھ دیئے ـــــ شاہ بابا اور رانی ماں ـــــ امی حضور ـــــ میں کیسے ان سب کو بھول گیا تھا؟"

"میرے بچے" سلطان سلیمہ نے ان کے کندھے پر پھر ہاتھ رکھ کر ملائمت سے دبایا اور بولیں" غلطیاں انسانوں ہی سے ہوتی ہیں۔ ان کا ازالہ ندامتوں سے کر لیا جائے تو پھر ان غلطیوں کی بہت حد تک تلافی بھی ہو جاتی ہے ـــــ"

"لیکن جانے والا وقت لوٹ تو نہیں سکتا۔ اب میں کتنا بھی چاہوں مجھے دادی حضور کی قربت میسر نہیں آسکتی۔ میں ان سے معافی نہیں مانگ سکتا ـــــ تلافی نہیں کر سکتا"

"معافی اللہ سے مانگو میرے عزیز۔ وہ گناہوں کو معاف کرنے والا ہے" ہاں تلافی تم اس طرح کر سکتے ہو کہ آئندہ اس قسم کی کوئی حرکت کرنے کا خیال بھی ذہن میں نہ لاؤ"

"بہت شرمندہ ہوں امی حضور۔ یہ کہہ کر اور شرمندہ نہ کریں ـــــ" سلیم نے روہانسی آواز میں کہا کچھ دیر تینوں کھڑے یہی باتیں کرتے رہے۔ شہزادے کے رویے میں ندامت اور تاسف کا رنگ بیحد نمایاں تھا۔ دادی کے مرنے کا انہیں واقعی بیحد قلق تھا۔ وہ دادی کے انتہائی لاڈلے اور پیارے بھی تو تھے۔

"یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی" بخت النساء بیگم نے سلطان سلیمہ بیگم کے پہلو سے لگ کر کھڑے شہزادے سے کہا" اب ہمیں چلنا چاہیئے ـــــ"

"ہاں" سلطان سلیمہ بیگم نے کہا" ہمیں وہاں پہنچتے پہنچتے رات اُتر آئے گی۔ اندھیرا ہمارے حق میں اچھا ہی ہوگا"

شہزادے نے اک نگاہ ماں پر ڈالی پھر ہولے سے پوچھا" کیا آپ نے میری آمد کو

مخفی رکھا ہوا ہے"

"ہاں"

"شاہ بابا نہیں جانتے کہ میں آرہا ہوں"

"مصلحتاً یہ بات ان سے چھپائی ہے۔ تم آج رات دلکشا میں ٹھہرو گے۔ کیا تم اکیلے ہی آئے ہو کوئی بیگم رانی یا بچہ ——"

"ہاں خسرو آیا ہے میرے ساتھ۔ باقی سب اہل خانہ ابھی الہ آباد میں ہیں"

"کہاں ہے وہ —— بلاؤ اسے آنکھیں ترس گئی ہیں بچوں کو دیکھنے کے لیے"

"لاتا ہوں"

شہزادہ مڑا چند قدم بارہ دری سے دور جاکر اس نے صدر جہاں کو پکارا اور چھوٹے شہزادے کو لانے کا حکم دیا ——

آٹھ نو سالہ شہزادہ آتے ہی سلطان سے لپٹ گیا —— دونوں خواتین نے بچے کو سینے سے لگا لگا کر پیار کیا —— انہیں روتا دیکھ کر ننھا شہزادہ بھی رونے لگا۔

شام دھندلا چکی تھی۔ آسمان پر تارے چمک رہے تھے۔ اندھیرا تیزی سے پھیل رہا تھا —— رتھ نما شاہی بگھی میں خواتین کے ساتھ شہزادہ سلیم اور خسرو بیٹھے تھے۔ دوسری گھوڑا گاڑی میں کنیزیں تھیں۔ باقی لوگ گھوڑوں پر سوار تھے۔ شہزادے کے ساتھ آیا ہوا خزانہ اور دوسرا سامان صدر جہاں کی نگرانی میں کشتیوں سے اُتار کر دلکشا محل میں بھیجا جانا تھا۔

شہزادہ قدرے متفکر نظر آرہا تھا۔ اس کی آمد سے ابھی کسی کو مطلع نہیں کیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ شہنشاہ عالی کو بھی خبر نہ دی گئی تھی۔ سلطان سلیمہ بیگم نے مصالحت کی راہ یقیناً ابھی ہموار نہ کی تھی۔ ایسی صورت میں شہزادے کا شاہی محل میں جانا درست بھی تھا یا نہیں۔ وہ یہی سوچ رہا تھا۔

لیکن سلطان جس طرح انہیں پیار کر رہی تھیں دلاسے دے رہی تھیں ہمت بندھا رہی تھیں شک کی کوئی گنجائش نہ رہتی تھی۔ وہ جو کچھ کریں گی یقیناً اس میں مصلحت ہی ہوگی —— شہزادے نے سر جھٹکا اور ذہن سے سارے وسوسے نکال دیئے۔

دونوں خواتین شہزادے سے باتیں کر رہی تھیں۔ بار بار اسے پیار سے لپٹا رہی تھیں۔ کبھی پیشانی چوم لیتیں کبھی سر پر ہاتھ پھیرتیں۔ شہزادے کے من سے بوجھ اتر گئے تھے اور وہ انتہائی سکون محسوس کر رہا تھا۔

سلطان سلیمہ بیگم نے خفیہ راستے سے محل میں داخل ہونے کا منصوبہ بنایا تھا۔ انتہائی اعتماد اور بھروسے کے خدام اس فرض کی ادائیگی کے لیے مامور کیے ہوئے تھے۔ رات کے اندھیرے میں جب گاڑی محل کے پچھلے راستے سے اونچے دروازے کے سامنے آکر رُکی۔ تو چند مشعل بردار غلام آگے بڑھے۔ شہزادے کو انہوں نے تعظیم دی اور پھر صدر دروازہ کھول دیا ——

سلطان سلیمہ بیگم اور بخت النساء شہزادے کو ساتھ لیے اندر داخل ہوئیں۔ محل شعلوں اور فانوسوں سے جگمگا رہا تھا —— دونوں نے جگمگاتی روشنیوں میں شہزادے کا چہرہ ہاتھوں میں تھام تھام کر دیکھا اور پیار کیا ——

پھر دالان در دالان پار کرتے ہوئے چوڑی راہداریوں سے گزر کر شہزادے کی خوابگاہ کی طرف بڑھیں ——

"اب تم آرام کرو —— منہ ہاتھ دھو کر لباس تبدیل کر لو۔ کھانے کے دسترخوان پر باتیں ہوں گی۔ تم بے فکر اور آسودہ خاطر رہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا" سلطان نے شہزادے کی خواب گاہ کے داخلی دروازے کے قریب پہنچ کر کہا۔

"سفر کی تکان تو ہوگی تھوڑی دیر آرام کر لو ——" بخت النساء نے پھر شہزادے کی پیشانی چومی۔

اور

وہ خواب گاہ کی طرف بڑھا۔

لیکن اندر جانے سے پہلے ہی دروازے کا پردہ ہٹا۔

اور

ایک لمحہ کو سب کے دل ساکت ہو گئے ـــــ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور وجود پتھرا گئے۔

دروازے میں شہنشاہ عالم کھڑے تھے ـــــ

"مہرو"

"ہوں"

"آج تمہارے کچھ کہنے سے پہلے میں تمہیں کچھ خبریں سناؤں تو کیسا رہے"

"خبریں؟"

"ہاں آج کی خبریں"

"یعنی"

"یعنی یہ کہ آج شام ڈھلنے سے پہلے شہزادہ سلیم آگرہ پہنچ گئے ہیں۔"

"ہوں"

"اور یہ کہ انہیں ثمن برج تلے سلطان سلیمہ بیگم اور بخت النساء بیگم کے ساتھ تم بھی خوش آمدید کہنے موجود تھیں ـــ"

مہرتاج نے حیرانی سے کہا ـــ "تو ـــ تم ـــ کہیں ارد گرد ہی موجود تھے ـــ یا ـــ تمہارے کسی مخبر نے یہ خبریں تم تک پہنچائیں ـــ"

"اگر میں یہ بتا دوں کہ تم نے کون سے کپڑے پہن رکھے تھے تو کیا سمجھو گی؟"

"نادر ـــ تم وہیں کہیں تھے؟"

"ہاں"

"اتنا بڑا خطرہ مول لینے کی کیا ضرورت تھی۔ کسی کی نظر پڑ جاتی تو —"

"میں نظروں کی زد سے محفوظ تھا"

"پھر بھی — وہاں آنے کی کیا ضرورت تھی"۔

"تھی نا —"

"ایسے ہی"

"نہیں مہرو۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ شہزادہ سلیم کی واپسی کیونکر ہوتی ہے اور اس کے استقبال کے لیے کون آتا ہے۔ سلطان عالیہ کا آنا نیک فال ہے"

"ہونہہ"

"کیوں"

مہر تاج نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ چند قدم آگے بڑھی اور درخت کے دو شاخہ تلے کے درمیان بیٹھ گئی —

نادر بھی اس کے قریب آ کر اک جھولتی شاخ پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ آج بہت خوش تھا — مستقبل کے سنہری پر تو اس کی آنکھوں میں لہرا رہے تھے۔ شہزادہ سلیم آ چکا تھا۔ شاہی خواتین اسے اپنے ساتھ لے جا چکی تھیں۔ اب اس کی نظر میں شہزادے کی معافی یقینی تھی۔

اور

اگر

ایک بار شہزادے کی خطائیں معاف کر کے اسے رہائی مل جاتی ہے تو پھر نادر بھی وہی راہ عمل اختیار کر کے معافی کا طلب گار ہو سکتا ہے۔ یہی خوش کن خیال ذہن میں تھا جو وہ برابر چہک رہا تھا —

"آج میں بہت خوش ہوں مہرو —" وہ جھولتی شاخ چھوڑ کر اس کے قریب آ کر بولا۔

"کیا اس لیے خوش ہو کہ شہزادہ سلیم آ گئے ہیں"

"ہاں"—

"اس میں خوشی کی کیا بات؟"

"خوشی کی یہ بات کہ اب۔ اب مجھے اپنا مستقبل تابناک نظر آنے لگا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"بھئی کتنی بار بتاؤں — شہزادہ سلیم کی آمد — آخر کس لیے ہے۔ یقیناً وہ معافی کے طلب گار ہیں اور معافی انہیں ہر صورت ملے گی۔ اور جب انہیں معافی مل گئی تو کیا میری معافی یقینی نہیں ہو جائے گی —؟ آخر کس بنا پر وہ قانون اور اصول مجھ پہ لاگو نہیں ہو گا جو شہزادہ سلیم کے لیے برتا جائے گا —"

مہر تاج نے اک گہری سانس لی — اور تب — نادر کو احساس ہوا کہ مہر تاج کچھ ملول اور دلگرفتہ سی ہے۔

اس نے درخت کے پتوں سے چھن چھن کر آنے والی چاندنی میں جس کی زد میں مہر تاج تھی غور سے اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بے تابی سے کہا "کیا بات ہے مہرو — تم لگتا ہے کچھ افسردہ و پریشان ہو — تمہیں تو آج چہکنا چاہیے تھا۔ لیکن۔ کیا بات ہے —"

"نادر —" مہر تاج نے اداس آواز میں کہا۔

"ہوں —" وہ اسی بے تابی سے بولا۔

"ہم بعض اوقات آندھیوں میں چراغ جلانے کی کوشش کرتے ہیں"

"کیا مطلب؟"

"شہزادے کی آمد سے ہم نے بڑی خوش کن امیدیں وابستہ کر لی تھیں۔ تم نے بھی اور میں نے بھی ——"

"تو —— تو کیا غلط امیدیں باندھی تھیں"

"ہاں"

"کیونکر ——"

اس نے پھر اک گہری سانس چھوڑی اور بولی "جو ہم نے سوچا تھا وہ نہیں ہوا۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں ——"

"شہزادۂ عالی گرفتار کر لیے گئے ہیں ——"

"کیا؟ ——"

نادر کے لیے یہ خبر غیر متوقع تھی۔ اس لیے اس نے بے یقینی سے سر جھٹکا اور حیرت زدہ لہجے میں اس کے منہ سے "کیا" کا لفظ نکلا ——

مہرتاج اسی دلگرفتگی سے بولی "ہاں نادر —— انہیں گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا گیا ہے ——"

"لیکن ——" وہ ہاتھ ملتے ہوئے بولا "کیوں؟"

"وہ باغی ہیں اور شہنشاہ کے فرمان ——"

"لیکن ——" نادر نے اس کی بات کاٹی —— "وہ تو معافی کے ارادے سے آئے ہیں ——"

"یہی تو بات ہے —— شہزادہ ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ جو چاہیں کرتے پھریں اور شہنشاہ انہیں معاف کر دیں —— تم جانتے ہو شہنشاہ عالی کے فرمان اور قانون کسی لچک کے حامل نہیں ——"

نادر چند لمحے چپ رہا —— وہ بار بار سر جھٹک رہا تھا۔ بات اس کے دل نہ لگ رہی

تھی یقین ناقابل یقین تھا۔ اسی لیے پھر پوچھا "تمہیں کس نے کہا۔ کہ وہ گرفتار کر لیے گئے ہیں اور زندان میں ڈال دیئے گئے ہیں ——"

مہرتاج نے اپنی لمبی خوبصورت چوٹی جو کندھے سے ہو کر اس کی گود میں آ رہی تھی ہاتھوں سے باندھتے کھولتے کہا "نادر —— سب کچھ میرے سامنے ہی تو ہوا ہے۔"

"تمہارے سامنے"

"ہاں"

"یعنی ——"

"شہزادہ عالی کو سلطان عالیہ نے دلکشا محل میں ٹھہرانے کا بندوبست کیا تھا۔ یہ شہزادہ عالی ہی کا محل ہے"

"ہاں میں جانتا ہوں۔ ہمارے بچپن کا بیشتر حصہ اس کی چھتوں تلے تو گزرا ہے"

"وہی محل ——" وہ بولی "سلطان عالیہ نے بڑی رازداری برتی تھی۔ اس بات کو مخفی رکھا گیا تھا —— انہوں نے تو مہارانی تک کو خبر نہ ہونے دی تھی —— ثمن برج سے بگھیاں خفیہ راستوں سے اس محل میں پہنچی تھیں ——"

"پھر —— پھر کیا ہوا"

"سواریاں اتر کر جب محل کے اندر گئیں۔ تب بھی سب کچھ ٹھیک تھا —— سلطان عالیہ اور شہزادی بخت النساء بیگم نے بھی رات اسی محل میں قیام کرنا تھا —— اسی لیے وہ شہزادے کو ان کے کمرے میں چھوڑنے خود گئیں —— لیکن ——"

"کیا؟"

"جب شہزادہ عالی خواب گاہ میں داخل ہونے لگے۔ پردہ ہٹایا تو سامنے شہنشاہ عالی کھڑے تھے ——"

"کیا؟ —— واقعی؟"

"ہاں ـــــ پتہ نہیں انہیں کیسے پتہ چلا۔ کس نے مخبری کی ـــــ وہ وہاں پہلے سے موجود تھے۔"

"تو ـــــ پھر ـــــ"

"انہیں دیکھ کر تو سب بت ہی بن گئے ـــــ دل تھم گئے ـــــ شہزادہ عالی تو جیسے پتھرا ہی گئے۔"

"پھر کیا ہوا ـــــ"

"شہنشاہ عالی کی غضب ناک آواز گونجی ـــــ" تم آ گئے؟" انہوں نے گرجدار لہجے میں کہا تو سب کو جیسے ہوش آ گیا۔ شہزادہ عالی آگے بڑھے ـــــ وہ جھک نہ پائے تھے کہ اک زناٹے دار تھپڑ ان کے گال پر پڑا ـــــ"

"کیا۔ کیا شہنشاہ نے شہزادے کو تھپڑ مارا ـــــ؟"

"ہاں نادر ـــــ"

"یقین نہیں آتا۔"

"میں اپنی آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہی ہوں ـــــ"

"پھر ـــــ"

"شہنشاہ کے غیظ و غضب کا کیا رنگ تھا بتا نہیں سکتی۔ کسی کو جنبش کرنے کی ہمت نہ رہی تھی۔ سلطان عالیہ بھی گم صم تھیں اور شہزادی بخت النساء بیگم تو غش کر جانے کو تھیں۔ شہنشاہ نے گرجتے ہوئے کہا" شہزادے کو معاف کر دینے کا سوال ہی نہیں۔ وہ باغی ہیں مجرم ہیں ـــ اس لیے قانون کی زد میں آنے سے انہیں کوئی نہیں بچا سکتا ـــــ"

"اُف ـــــ"

"شہنشاہ نے وہیں کھڑے کھڑے تالی بجائی ـــ اور بندی خانے کے داروغہ اور کچھ

سپاہی جو جانے پہلے ہی سے وہاں چھپے کھڑے تھے حاضر ہو گئے ـــــ ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔"

"شہزادے نے کوئی مزاحمت کی؟"

"نہیں ـــــ سب کچھ اتنی جلدی اور اس طرح ہوا کہ کسی کی زبان سے کوئی لفظ تک نہ نکل سکا۔ بس شہنشاہ نے حکم دیا کہ شہزادے کو گرفتار کر لیا جائے اور انہیں گرفتار کر لیا گیا۔"

نادر متعجب لہجے میں بولا" یقین نہیں آ رہا ـــــ سلطان عالیہ بھی کچھ نہ کہہ سکیں۔"

"بھئی سب کچھ اتنا غیر متوقع تھا کہ سب دم بخود رہ گئے تھے ـــــ ہاں جب شہزادے کو تلواروں کے نرغے میں لے جایا جا رہا تھا تو بخت النساء بیگم بے اختیارانہ رونے لگیں ـــ اور سلطان عالیہ نے بھی آگے بڑھ کر شہنشاہ عالی کا دامن تھام کر کہا" یہ کیا کیا آپ نے عالم پناہ ـــــ"

شہنشاہ نے جھٹکے سے اپنا دامن چھڑاتے ہوئے کہا تھا" ہمیں اُمید نہ تھی کہ بیٹے کا پیار آپ جیسی خاتون کو بھی قانون سے آنکھیں چرانے پر مجبور کر دے گا ـــــ شیخو باغی ہے مجرم ہے۔ یہ بات آپ کو بھولنا نہیں چاہیے تھی ـــــ وہ بیچاری پھر اور کچھ کہہ ہی نہ سکیں ـــــ"

"بڑی بُری خبر ہے۔"

مہرتاج نے بیحد افسردہ لہجے میں کہا" شہزادے کی آمد سے ہم نے کتنی سہانی اُمیدیں وابستہ کر لی تھیں ـــــ سوچا تھا ہمارے اس تاریک دور کا خاتمہ ہو جائے گا ـــــ"

"ہوں"

نادر چپ ہو گیا ـــــ اس کی خوشیوں کا نشہ ہرن ہو گیا۔

کئی لمحے خاموشی طاری رہی۔

پھر
مہرتاج دلسوز لہجے میں بولی "تاریکیاں ہمارا مقدر بن چکی ہیں۔ اب تو امید کی ہر کرن اندھی ہو گئی ہے ــــ کتنا سہانا تھا اک آزاد زندگی کا تصور۔ آزادی۔ محلوں کی پابند زندگی سے آزادی اپنا گھر ــــ جو صرف میرا ہو۔ جہاں میں حکمرانی کروں۔ جہاں میری شخصیت میری انفرادیت کو تسلیم کیا جائے ــــ اوہ ــــ یہ سب رنگین سپنے تھے۔"

"مہرو"، نادر بے کل ہوتے ہوئے بولا "شہزادہ گرفتار ہوا ہے۔ اس سے ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے ــــ"

"خود فریبی کی انتہا نہ کرو نادر۔ ہمیں حقائق کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔ آخر کب تک تم یوں چھپتے چھپاتے رہو گے ــــ تمہاری لشکری قوت بکھر چکی ہے۔ تم میں شہنشاہ کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں۔ ایک یہی خوش آگیں خواب تھا۔ کہ شہزادے کو معافی مل گئی۔ تو تمہاری رہائی کی بھی صورت نکل آئے گی ــــ لیکن ــــ"

"مجھے یقین ہے مہرو۔ یہ صورت اب بھی نکل آئے گی۔"

"خود فریبی ہے یہ۔"

"نہیں ــــ"

"تو اور ــــ"

"دیکھو مہرتاج۔ یہ ٹھیک ہے کہ شہزادے کو گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا گیا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ شہزادہ شاہ کی آنکھوں کی روشنی ہے۔ دل کی دھڑکن ہے۔ ان کے دل کا ٹکڑا اور ان کی رگوں میں بہتا لہو ہے ــــ بوڑھے شہنشاہ کا عشق اور بڑھاپے کا سہارا بھی ہے۔ مغل سلطنت کا ولی عہد بھی وہی ہے۔ وہ باغی سہی مجرم سہی لیکن قانون کا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کو بچانے کے لیے ہر قانون ہر فرمان توڑا جائے گا ــــ"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو ــــ"

"دیکھ لینا ایسا ہی ہوگا ــــ تم سوچ سکتی ہو کہ شہزادے کی گردن ماری جائے گی یا اسے خونی ہاتھی کے اکھاڑے میں چھوڑا جائے گا ــــ؟"

وہ چپ رہی تو نادر بولا "دیکھ لینا ــــ اس کے لیے انصاف کی ہر کڑی میں لچک پیدا کی جائے گی۔ قانون کو توڑا مروڑا جائے گا ــــ مجھے تو شہزادے کی گرفتاری بھی ڈھونگ ہی لگتی ہے ــــ شہنشاہ نے قانون کے سامنے جوابدہ ہونے کے لیے یہ ڈھونگ رچایا ہے ــــ سلیم کو کبھی سزا نہیں ہو گی ــــ"

"خدا کرے ایسا ہی ہو"

"ایسا ہی ہوگا۔ اور جب ایسا ہوگا۔ تو ہمارے لیے بھی راستے کھل جائیں گے۔ تم فکرمند نہ ہو ــــ امید کا دامن مت جھٹکو ــــ خوشگوار سویرے کی توقع رکھو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

نادر اندر سے کچھ شکستہ تھا۔ لیکن مہرتاج کو تسلّی دیئے جا رہا تھا۔

شہزادے کی گرفتاری کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ جس نے سنا دھک سے رہ گیا۔ محلسراؤں پر تو جیسے ویرانی نے ڈیرے ڈال لیے۔ دل تھم گئے اور زبانیں گنگ ہو گئیں۔ صرف گرفتار ہی کیا ہوتا تو بات اتنی سنگین نہ تھی۔ انہیں تو زندان میں ڈال دیا گیا تھا ___ اور سخت گیر داروغہ کو زندان کی نگرانی پر مامور کیا گیا تھا۔ یہ سلوک سنگین قسم کے مجرموں سے کیا جاتا تھا۔ شہزادہ شراب اور افیون کا عادی تھا۔ زندان میں اس پر بھی پابندی لگا دی گئی تھی۔ سوائے عام قسم کے کھانے کے اور کوئی چیز انہیں دینے کی اجازت نہ دی گئی تھی۔

خان خاناں عبدالرحیم کو جب خبر ملی تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے دوسرے اراکین سلطنت سے رابطہ قائم کیا اور صورت حال پر تبصرہ اور تبادلۂ خیال ہوا۔ سب اس خبر سے حیرت زدہ ہوئے۔ کیونکہ وہ سب جانتے تھے کہ شہنشاہ شہزادہ سلیم کو کتنا چاہتے ہیں۔ کس طرح ٹوٹ کر پیار کرتے ہیں اور ان کی بغاوت نے شہنشاہ کے دل کو کتنی تکلیف دی تھی۔

خان خاناں نے پرخیال انداز میں کہا۔ ”شہزادے کا یوں چلے آنا خوش کن تھا۔ وہ یقیناً اپنے کیے کی معافی مانگنے آئے تھے ___“

”میرا بھی یہی خیال ہے“ حکیم ہمام نے کہا۔

”لیکن انہیں معافی دینے کی بجائے گرفتار کر لیا گیا“ فیضی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ”گرفتاری کوئی اتنی بڑی بات نہیں“ عزیز کوکلتاش جو دل میں اس خبر سے خوش تھا بولا ___ ”شہنشاہ شہزادے پر اپنے غم اور غصے کا اظہار کرنا چاہتے ہوں گے۔ دماغ ٹھکانے پر لانے کے لیے کچھ نہ کچھ تو سزا دینا ہی تھی۔ قید کر دیا ہے۔ رہا بھی کر دیں گے“

”لیکن انہیں عام قیدیوں کی طرح رکھا ہے ___“

”ہاں۔ شراب اور افیون پر بھی سختی سے پابندی لگا دی ہے ___“

”سنا تو یہی ہے“

”یہ حقیقت ہے“

”آپ نے شہنشاہ سے ملاقات کی ہے خان خاناں“

”ابھی نہیں مل سکا ___“

”آپ مل لیتے تو کچھ پتہ چلتا کہ یہ گرفتاری محض شہزادے کو سبق سکھانے کے لیے ہوئی ہے یا شہنشاہ نے فرمان اور قانون کے مطابق انہیں بھی باغی سمجھا ہے اور ___ جیسے آج تک ہر باغی کو سزا دی جاتی رہی ہے اسی طرح شہزادے کو بھی دی جائیگی“

”ایسا نہیں ہو سکتا ___ نئے فرمان کے مطابق تو باغی کی سزا موت ہے۔ اس کا سر قلم کر دیا جاتا ہے یا خونی ہاتھی کے اکھاڑے میں چھوڑا جاتا ہے۔ شہزادے کو یہ سزا کیونکر دی جا سکتی ہے ___“

”کیا کہا جا سکتا ہے۔ شہزادے کے جرموں کی فہرست کافی لمبی ہے ___“

”شاید اسی لیے انہیں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ انہیں احساس دلانے کی ضرورت ہے“

”تو گویا تم اس حق میں ہو عزیز ___“ خان خاناں نے تیکھی نظر سے اس کی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے بولا ”تم کیا کہنا چاہتے ہو خان خاناں ___ میں خاندان مغلیہ کا نمک خوار

ہوں ـــ بہی خواہ ہوں ـــ اور شہنشاہ سے میری دلی ہمدردیاں اور وفاداریاں استوار نہیں ہیں ــــ میرا رشتہ شاہ سے قریب ہے کہ میں ان کا دودھ شریک بھائی بھی ہوں"

خان خاناں نے اس وقت خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا ـــ لیکن وہ جانتا تھا کہ عزیز کوکلتاش اس خبر سے بڑا خوش اور مطمئن ہے۔ وہ اپنے داماد شہزادہ خسرو کی ولی عہدی کے لیے جو کچھ کر رہا تھا وہ خان خاناں جانتا تھا۔

معاملہ سنگین تھا ـــ

سب اپنے اپنے طور قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ شہنشاہ کا اگلا قدم کیا تھا وہ نہیں جانتے تھے۔ ان میں سے ابھی تک کوئی بھی شہنشاہ سے مل نہیں سکا تھا۔ لیکن جو بھی بہی خواہ تھے وہ بہت پریشان تھے۔ شہنشاہ کی اصول پرستی سے آگہی تھی۔ آئین و قانون کا جتنا احترام شہنشاہ کرتے تھے وہ بھی سب جانتے تھے۔

گرفتاری صرف شہزادے ہی کی عمل میں نہ آئی تھی۔ ان کے ساتھ آنے والے سارے لشکری اور اراکین گرفتار ہو چکے تھے۔ صدر جہاں اور امیر بیگ کو بھی مع سرکاری خزانہ کے حراست میں لے لیا گیا تھا۔

یہ گرفتاریاں تو آگرہ میں عمل میں آئی تھیں۔ شاید فوجوں نے تو الہ آباد کی پوری جاگیر پر قبضہ کر کے خواجہ شریف کو جسے شہزادہ سلیم ریاست کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لیے چھوڑ کر آئے تھے گرفتار کر لیا تھا۔

شہنشاہ کو ان کے قابل اعتماد مخبروں دلاور خان شمشیر ملک اور خسرو خان نے پل پل کی خبریں پہنچائی تھیں۔ صدر جہاں جو خط لے کر آیا تھا اور جس طرح یہ خط سلطان عالیہ تک پہنچا تھا سب شہنشاہ کے علم میں لایا گیا تھا۔ شہزادے کی آمد کے متعلق بھی ایک ایک لمحہ کی خبر ان کے گوش گزار ہوئی تھی۔ دلکشا محل میں ٹھہرائے جانے کے متعلق

بھی ایک ایک لمحہ کی خبر ان کے گوش گزار ہوئی تھی۔ دلکشا محل میں ٹھہرائے جانے کے متعلق بھی انہیں تفصیلات بتائی گئی تھیں۔ انہیں خبروں کی بنا پر ہی جب شہزادہ سلیم نے شاہی کشتی کے ذریعے اپنا دریائی سفر شروع کیا شاہی فوج کے خفیہ دستے شہنشاہ نے اپنے قابل اعتماد جرنیلوں کے ساتھ الہ آباد پر قبضہ کے لیے بھجوا دیئے تھے جو خشکی کے راستے دن رات کی مسافتیں طے کرتے وہاں پہنچ گئے تھے اور معمولی سی جھڑپوں کے بعد الہ آباد پر قابض ہو گئے تھے ـــ

شہنشاہ نے اپنا لائحہ عمل صیغۂ راز میں رکھا تھا۔ بظاہر مادر ملکہ کے سوگ میں محل نشین تھے۔ لیکن وہ چوکس اور باخبر تھے۔ اور یوں کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی اور الہ آباد کا معرکہ سر کر کے شہزادے اور اس کے ساتھ الہ آباد سے آگرہ آنے والے حواریوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہ گرفتاری باقاعدہ پلان کے مطابق عمل میں آئی تھی۔

لیکن سب کچھ آناً فاناً ہوا تھا۔

اسی وجہ سے اہل خانہ کے دل دہل گئے تھے۔ اور سلطنت کے بہی خواہ پریشان ہو گئے تھے۔

ہاں عزیز کوکلتاش دل ہی دل میں بہت خوش ہوا تھا۔ وہ تو چاہتا تھا کہ شہزادے کو وہی سزا ملے جو ایک باغی کے لیے مقرر ہے۔ شہزادہ سلیم اس کے راستے کا پتھر تھا۔ وہ ہٹ جائے تو شہزادہ خسرو ولی عہد بن جائے گا۔ اس کے لیے وہ پہلے بھی کافی راہ ہموار کر چکا تھا ـــ خسرو کو شہنشاہ کے انتہائی قریب کرنے اور سلیم کے متعلق کان بھرنے میں اس نے بڑی ہوشیاری سے کام کیا تھا۔ اب شہزادے کی گرفتاری اُمید کی کرن تھی ـــ اسی لیے جب وہ اپنی بیٹی عشرت جہاں کے پاس گیا۔ تو اسے سینے سے لگا کر اس کا ماتھا چوما اور خوشی سے چہکتے ہوئے بولا "میری منی سی بیٹی پورے ہندوستان کی ملکہ بنے گی۔ تیری پیشانی کی چمک یہ بات بتا رہی ہے ـــ"

عشرت جہاں نوعمر لڑکی تھی۔ لیکن اپنے باپ کی کوششوں سے بھی بے خبر نہ تھی۔

اس لیے مسکراتے ہوئے بولی" آغا جان۔ آپ یہ خواب مجھے تب سے دکھا رہے ہیں جب سے میری شادی ہوئی ہے۔"

" یہ خواب اب تعبیروں میں ڈھل جائیں گے بیٹی"

" وہ کیسے؟"

" وہ ایسے کہ شہزادہ سلیم گرفتار ہو چکا ہے۔"

" ہاں سنا تو ہے ___"

" بس اپنی بات بن گئی"

" کیسے آغا جان ___"

" شہزادہ باغی ہے ___"

" ہیں تو ___"

" اور نئے قانون کے مطابق باغی کی سزا موت ہے۔"

عشرت جہاں خوفزدہ ہو کر بولی" تو کیا۔ کیا ___ انہیں سزائے موت ___"

وہ پیار سے بیٹی کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولا" آج تک تو یہی ہوتا آیا ہے۔ شہزادے نے راجہ بھیر سنگھ کی وساطت سے ابوالفضل کو قتل کروایا۔ یوں بھیر سنگھ نے مغل حکومت سے وفاداریاں بدلیں۔ وہ پچھلے دنوں گرفتار ہو چکا ہے اور اس کی سزائے موت کا بھی اعلان کر دیا گیا ہے۔"

" ہائے ___ اللہ ___"

" شہزادے کو سزائے موت نہ بھی دی جائے۔ لیکن اب اس کا زنداں سے باہر آنا ممکن نہیں۔ اسے ممکن بنانے سے میں ہر صورت روکوں گا ___ شہزادے کی بقیہ عمر قید خانے ہی میں گزرنی چاہیئے ___"

عشرت جہاں کچھ نہ بولی ___

عزیز بولا" صرف یہی صورت تو ہے جو شہزادہ خسرو شہنشاہ کے جانشین اور ولی عہد بنائے جائیں ___ شہنشاہ اندر سے اب بالکل کھوکھلے ہو چکے ہیں۔ سلیم کی بغاوت نے انہیں اندر سے توڑ پھوڑ دیا ہے۔ وہ زیادہ دیر جی نہیں پائیں گے۔ دیکھ لینا ___ مہینوں کے اندر ختم ہو جائیں گے ___ پھر ___ پھر تخت و تاج ہمارا ہوگا ہمارا ___" اس نے سینے پر ہاتھ مارا ___

عشرت جہاں صرف اسے تکتی رہی ___

عزیز بولا" میں خسرو کو ولی عہد بنا کے رہوں گا ___ یہ کام شہنشاہ کو جلد ہی کرنا پڑے گا۔ زیادہ دیر انتظار نہیں کیا جا سکتا ___ باسٹھ برس کا شہنشاہ اور کتنی دیر جیئے گا ___؟ ہاہا ___ سمجھو کہ حکومت ہمارے ہاتھ میں آئی کہ آئی ___"

اس نے پھر قہقہہ لگایا ___

عشرت جہاں بولی" آغا جان ___ یہ بات اتنی سہل بھی نہیں لگتی۔ کیا آپ کو پکّا یقین ہے کہ شہزادۂ عالی کو موت کی سزا نہ بھی ہوئی تب بھی وہ زنداں میں باقی عمر گزاریں گے؟"

" بالکل یقین ہے ___ میں شہنشاہ کو مدتوں سے جانتا ہوں۔ ان کے فیصلے پتھر پر لکیر ہوتے ہیں ___ وہ قانون سے سرِمو انحراف نہیں کرتے۔ ایسی صورت میں جوشِ محبت نے رنگ دکھایا بھی تو یہی ہوگا کہ شہزادے کی موت کی سزا عمر قید میں تبدیل ہو جائے۔"

عشرت جہاں نے آنکھیں پھیلا کر باپ کو دیکھا۔

" مستقبل کی ملکہ عالیہ ___" عزیز نے ہنس کر بیٹی کے سر پہ ہاتھ پھیرا ___ پھر بولا" ان باتوں کی بھنک نہ پڑے کسی کان میں۔ اور ہاں تم بھی محلسراؤں کی دوسری خواتین کی طرح سوگواری کا اظہار کرتی رہنا ___ اور کوشش کرتی رہنا کہ سلطان سلیمہ بیگم یا رانی جودھا بائی کے قریب رہ کر ان کے غم میں شرکت کا اظہار کر سکو ___ سمجھتی ہو نا کہ میں کیا کہہ

رہا ہوں"

وہ مسکرا کر بولی "اچھی طرح سے سمجھتی ہوں آغا جان۔ آپ بے فکر رہیں۔ میں ایسا ہی کروں گی ــــ سلطان سلیمہ بیگم اور مہارانی کی قربت حاصل کرنا میرے لیے مشکل نہیں۔ ان کے پوتے کی دلہن ہوں ــــ سب مجھ سے پیار بھی بہت کرتی ہیں۔"

اس کی شوخی سے عزیز بہت محظوظ ہوا ــــ پھر باپ بیٹی دیر تک یہی باتیں کرتے رہے۔ عزیز نے محسوس کیا عشرت جہاں اچھی خاصی سمجھدار اور زیرک لڑکی ہے۔ اپنی عمر سے اس کا ذہن کافی آگے ہے۔ سازش میں وہ اب باپ کی پوری طرح حصے دار اور شریک بننے کے قابل تھی۔

دربار عام سے پہلے شہنشاہ نے مجلس مشاورت منعقد کی۔ اپنے چند سرکردہ اور معتبر اراکین سے صلاح و مشورہ ضروری کرنا تھا۔ کیونکہ ایک نہیں تین باغی گرفتار ہو چکے تھے۔ راجہ بھیر سنگھ تو کئی دن پہلے گرفتار ہو چکے تھے۔ راجہ بھیر سنگھ تو کئی دن پہلے گرفتار ہو چکا تھا۔ راجہ مان سنگھ شورش بنگلہ کو دبانے کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ وہاں سے اس نے سب سے پہلے ایک باغی سردار حسن سنجرانی کو گرفتار کر کے آگرہ بھجوایا تھا۔ شہزادہ سلیم کی گرفتاری بھی باغیوں کے زمرے میں آتی تھی۔

شہنشاہ بہت غضب ناک ہو رہے تھے۔ باغیوں کو عبرتناک سزائیں دینے کے فرمان پہلے سے جاری ہو چکے تھے ــــ اب شہزادہ سلیم کے گرفتار ہونے سے سب کا خیال تھا کہ سزاؤں میں تخفیف ہو گی۔ سزائے موت کو عمر قید میں بدلا جائے گا اور قید بھی کچھ نہ کچھ پر سہولت بنائی جائے گی۔ شہزادے کو سزائے موت یا عمر قید دینے کا تو کوئی سوچ ہی نہ رہا تھا۔ بہی خواہوں نے تو اس گرفتاری پر بھی دبے لفظوں میں لے دے کی تھی۔ ان کا موقف تھا کہ جب شہزادہ خود معافی کا طلب گار بن کر آیا ہے تو پھر گرفتاری کا کوئی جواز نہیں۔

شہنشاہ نے اپنے دربار کے معتبرین کو مشورے کے لیے بلایا تھا۔ دربار ہال کے

شمال مشرقی کمرے میں اجلاس ہو رہا تھا۔ شہنشاہ جلال الدین اکبر مسند شاہی پر تشریف فرما تھے ـــ صرف معتمد غلاموں کو مسند کے پیچھے کھڑے ہونے کی اجازت تھی۔ مسند کے سامنے اونچی پشتوں اور مخملی گدوں والی کرسیوں پر درباری معززین بیٹھے تھے۔ جن میں حکیم ہمام فیضی عزیز کوکلتاش راجہ بھگونداس اور دیگر لوگ تھے۔ سب کے چہروں پر سنگین سی خاموشی تھی۔ خود شہنشاہ بھی بڑے سنجیدہ نظر آرہے تھے۔ صورت حال سنگین تھی۔

شہنشاہ نے بھیر سنگھ کی سزائے موت کا اعلان تو پہلے ہی کر دیا ہوا تھا۔ اب حسن سنجرانی اور شہزادہ سلیم کا مقدمہ پیش تھا۔ حسن سنجرانی کے لیے تو کوئی اتنا متفکر نہیں تھا۔ ہاں شہزادے کے لیے سوائے عزیز کے سب متفکر تھے شہزادے کو سزا سے بچانے کے لیے ہر ایک نے کوشش کی۔ دلائل دیئے۔ مؤدبانہ گزارشیں کیں۔ شہزادہ ولی عہد تھا، عام آدمی نہیں تھا۔ اس لیے اسے معافی ملنا چاہیئے تھی۔ سب کی سنتے ہوئے شہنشاہ چند منٹ عام لہجے میں باتیں کرتے رہے۔ انہیں اب بھی اپنی ہمّت اور قوّت پر اعتماد تھا ـــ وہ ہر بغاوت فرد کرنے کی ہمت رکھتے تھے۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ جنگ و جدل کی نذر ہوا تھا۔ انہوں نے بڑے مشکل معرکے سر کیے تھے۔ بڑی سنگین جنگیں جیتی تھیں۔ ان کی حکمت عملی کا جواب نہیں تھا۔ ان کے حوصلے کے آہنی پن اور عزم کی پختگی کو دشمن بھی جانتے تھے۔ وہ اب بھی چاک و چوبند تھے اور باغیوں کے سر کچلنے کی ہمت رکھتے تھے ـــ سلیم کی بغاوت سے انہیں ذہنی دھچکا ضرور لگا تھا۔ وہ اندر ہی اندر منتشر بھی ہوئے تھے۔ دل نے گہری چوٹ بھی کھائی تھی ـــ لیکن ان ساری باتوں کے باوجود وہ کسی قسم کی جذباتی کمزوری کا شکار نہیں ہوئے تھے۔

اسی لیے۔ اراکین سلطنت کی پرجوش اور مؤدبانہ گزارشات اور سفارشات بغور سنیں۔ لیکن ان کے صلاح و مشورے قابل عمل اس لیے نہ سمجھے کہ سب محبت اور وفاداری کے جذبوں سے مجبور ہو کر انہیں قانون شکنی پر اکسا رہے تھے۔

اسی لیے جب انہوں نے بھیر سنگھ اور حسن سنجرانی کی سزائے موت کا حکم دہرایا تو شہزادہ سلیم کے لیے بھی یہی سزا سنائی اور اعلان کیا کہ تینوں باغیوں کی فرد جرم ایک جیسی ہے بلکہ شہزادہ سلیم کے جرموں کی فہرست ان دونوں سے زیادہ ہے۔ اس لیے وہ قانون کے شکنجے سے بچ نہیں سکتے۔

وہ بات ختم بھی نہ کر پائے تھے کہ درباری تھر تھر کانپنے لگے اور آداب شاہی کے خلاف بے اختیارانہ چلّا اُٹھے۔

"رحم ظل الٰہی"

"گیتی پناہ شہزادہ عالی کو بخش دیجیئے"

"مہابلی۔ چھما کیجیئے"

"شہزادہ بے شک قصوروار ہے لیکن وہ ولی عہد سلطنت ہے"

"انہیں معاف کیا جائے"

"ظل الٰہی"

"جہاں پناہ"

"شہنشاہ عالی"

"مہابلی ـــ"

"مہاراج ـــ"

"رحم ہو"

"چھما کیجیئے"

"بخش دیجیئے ـــ"

ہر طرف سے ایسی ہی التجائیں سنائی دے رہی تھیں۔ عبدالرحیم خان خاناں تو اپنی نشست سے اُٹھ کھڑا ہوا اور سینے پر ہاتھ رکھ کر سر جھکاتے ہوئے بولا "جہاں پناہ شہزادۂ عالم

کی جان بخشی کی جائے۔ وہ ولی عہد سلطنت ہیں —— دودمان مغلیہ کا نام ان کے دم سے قائم و دائم رہے گا —— ان کی سزا کے فیصلے پر نظرثانی کی جائے۔"

حکیم ہمام نے بھی اٹھ کر عرض کی" وہ معافی اور مصالحت ہی کے لیے آگرہ تشریف لائے ہیں اس لیے ان کی سزا معاف کی جائے ——"

ہر کوئی باری باری اٹھا اور عرض کی کہ شہزادے کی معافی کا حکمنامہ جاری کیا جائے شہنشاہ بڑے تحمل سے سبکی گزارشات سنتے رہے۔

لیکن ان کا ارادہ غیر متزلزل تھا۔

شہزادے کی سزا پر نظرثانی کرنے کا سوال ہی نہ تھا۔ شہنشاہ نے مسند کے ہتھے پر زور سے ہاتھ مارا —— سب اپنی اپنی جگہ دم بخود ہو کر بیٹھ گئے ——

شہنشاہ غضب ناک آواز اور کڑک دار لہجے میں بولے" سب کہہ چکے یا ابھی اور کچھ کہنا ہے ——"

"ہمیں حضور نے مشورے کے لیے یہاں بلایا ہے۔ ہمیں حق ہے کہ ہم شہزادے کی باعزت رہائی اور جان بخشی کے لیے استدعا کریں ——" بڑی جرأت اور ہمت سے عبدالرحیم بولا ——

"ہم نے مجلس مشاورت اس لیے نہیں بلائی خان خاناں" شہنشاہ گرجے" کہ شہزادے کے لیے قانون کو توڑا موڑا جائے اور ان کی رہائی کے لیے جواز پیدا کیا جائے ——"

" زندہ باد شہنشاہ جلال الدین اکبر زندہ باد" عزیز کوکلتاش نے پر زور نعرہ لگایا۔ سب اس کی طرف تکنے لگے۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور مسند کے سامنے قدرے نیچی جگہ پر کھڑا ہو کر بولا" حضور کا اقبال بلند —— آج آپ نے ثابت کر دیا کہ انصاف اور قانون کے تقاضے پورے کرنا شہنشاہیت کا فرض ہے۔ آپ کی اولوالعزمی اور استقلال کو میں سلام کرتا ہوں۔ آپ واقعی قانون کے رکھوالے اور انصاف کے امین ہیں —— ہم آپ

پر فخر کرتے ہیں —— آپ پر آنے والی نسلیں فخر کریں گی"

"عزیز ——" خان خاناں نے جلدی سے اس کی بات کاٹی ——

"مجھے کہنے دیجیے۔ اک باوقار شہنشاہ کی عظمتوں کا اقرار کرنے دیجیے ——" اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔ سب اسے گھور گھور کر تک رہے تھے۔ وہ چپ ہوا تو شہنشاہ گویا ہوئے" ہم اپنے فرض کو پہچانتے ہیں —— ہمارا فرمان جاری ہو چکا ہے —— قانون باغی کی سزا موت قرار دیتا ہے۔ ہم اپنے فیصلے پر نظرثانی کی گنجائش نہیں رکھتے —— آج تک کوئی باغی اس سزا سے نہیں بچ سکا۔ پھر شہزادے کی سزا معاف کرنے کی دہائی کیوں"

عزیز ایک قدم آگے بڑھا اور بولا" گیتی پناہ —— آپ نے جو فیصلہ فرمایا اس میں بندہ ناچیز کسی حرف گیری کا متحمل نہیں۔ پھر بھی عرض خدمت ہے۔ کہ شہزادے کو سزائے موت کی بجائے عمر قید ——"

" خاموش" شہنشاہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی گرجے" عزیز کوکلتاش تم ہر پھر کر وہی کہہ رہے ہو جو دوسرے اراکین کہہ رہے ہیں —— تم ہمیں گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو ——"

عزیز کانپ گیا جلدی سے بولا" ایسی جسارت بندہ نہیں کر سکتا عالی جاہ ——"

" تو پھر خاموش رہو۔ لب کشائی کی جرأت نہ ہو ——"

" چھما کیجیے مہابلی" چند لمحے کی خاموشی کے بعد راجہ بھگوان داس گڑگڑایا" چھما کیجیے"

" بھگوان داس —— اک شہنشاہ کو یوں نہ للکاریئے۔ ہم تخت و تاج کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ قانون اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے امانت دار ہیں ہم قانون کے محافظ ہیں غاصب نہیں —— آج تک جس قانون پر ہم نے سختی سے عمل کیا ہے —— اپنے

بیٹے کی خاطر اسے توڑ دیں۔ ہرگز نہیں۔ بخدا ایک سلیم کی جگہ دس سلیم بھی بغاوت کا جرم کرتے تو ہم انہیں بخوشی تختہ دار پر لٹکا دیتے۔"

"عالم پناہ" لوگ ایک بار پھر گھبرا کر گڑگڑائے۔

"ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ تینوں باغیوں کو خونی ہاتھی کے اکھاڑے میں چھوڑ دیا جائے اور عوام کو مطلع کیا جائے کہ وہ خونی ہاتھی کے اکھاڑے میں باغی مجرموں کے بھیانک انجام کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں ——"

ارا کین سلطنت ایک بار پھر گڑگڑائے ملتجی ہوئے۔ رحم کی بھیک مانگی اور تو اور عزیز کوکلتاش بھی چکرا گیا اور گڑگڑا گڑگڑا کر شہزادے کی معافی کی درخواست کرنے لگا —— سب نے آداب شاہی کا بھی خیال نہ کیا اور شہنشاہ کو فیصلہ بدلنے پر مجبور کرنے کے لیے کہنے لگے۔

لیکن

شہنشاہ تو پتھر کے بت کی طرح تھے۔

بت

جو

ہر قسم کے احساس سے خالی ہوتا ہے۔

فیصلہ ہو چکا تھا۔ مجلس مشاورت برخاست کر دی گئی۔ شہنشاہ نے فرمان جاری کرنے کا حکم دیا کہ بروز منگل تینوں باغیوں کو خونی ہاتھی کے اکھاڑے میں ڈالے جانے کی خبر ہر خاص و عام تک پہنچا دی جائے۔

معتبر ارا کین کی ساری کوششیں یوں اکارت گئیں کہ شہنشاہ مسند سے اٹھے اور پچھلے دروازے سے باہر چلے گئے۔ سب حواس باختہ سے ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے۔ صدمے سے سب کے دماغ جیسے ماؤف ہو گئے تھے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ شہنشاہ آئین کا پاس اس طرح کریں گے۔

محلوں کی فضا ایسی سوگوار کبھی بھی نہ ہوئی تھی۔ مادر ملکہ کی فوتیدگی نے بھی در و بام کو اتنا افسردہ اور ملول نہ کیا تھا جتنا شہزادہ سلیم کی سزا کے اعلان نے کیا تھا۔ بیگمات رانیاں شہزادیاں شہزادے قریبی رشتہ دار کنیزیں لونڈیاں مامائیں خواصیں غلام خواجہ سرا سب چشم گریاں لیے رحم کے لیے ملتجی تھے۔ کبھی در و بام آہ و فریاد سے گونجنے لگتے اور کبھی مہیب سی خاموشی چھا جاتی —— ٹولیوں کی صورت یہ سب لوگ شہنشاہ کی نشست گاہ کے باہر کئی بار جمع ہو چکے تھے۔ فریادیں کی تھیں۔ التجائیں کی تھیں۔ معافی کی بھیک کے لیے دامن پھیلائے تھے۔

لیکن

کسی کی شنوائی نہ ہوئی تھی۔ اکثر انہیں شہنشاہ اپنے معتبر غلام ملک کافور کے ہاتھ کہلوا دیتے کہ شور و شر نہ کیا جائے۔ خواب گاہ یا نشست گاہ کی راہداریوں میں انہیں اکٹھے ہونے سے بھی منع کر دیا جاتا۔

اور

جب

کبھی شہزادے شہزادیاں یا معتبر بیگمات ملک کافور کے کہنے کے باوجود وہاں سے نہ

ہٹتیں تو شہنشاہ چند لمحوں کے لیے شہ نشین پر برآمد ہو کر ان سے مخاطب ہوتے اور صرف یہی کہتے :

"فرمان جاری کیا جا چکا ہے۔ تم سب کی آہ و فریاد ہمیں انصاف سے روگرداں نہیں کر سکتی۔ ہم نے وہی کیا ہے جس کا قانون متقاضی ہے۔ ہم قانون کے پاسبان ہیں۔ یہ فیصلہ ہمارا نہیں قانون کا ہے اور ما بدولت اس کا پاس کرنے پر مجبور ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں قانون سے روگردانی کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی ـــــ"

شہنشاہ واپس لوٹ جاتے اور احتجاج کرنے والے بوجھل قدموں سے واپس ہونے لگتے۔

وقت گزرتا جا رہا تھا۔

اور

ہر طرح کے دباؤ اور کوششوں کے باوجود شہنشاہ کے آہنی فیصلے میں سر مو فرق نہیں لایا جا سکا تھا۔

محل کی معمر اور معتبر خواتین نے فرداً فرداً شہنشاہ کے حضور فریاد کی تھی۔ شہزادی بخت النساء بیگم نے تو روتے ہوئے جھولی پھیلا کر کہا تھا "شاہ بھائی میری جھولی آپ نے کبھی خالی نہیں رکھی۔ میں نے جب بھی آپ سے کچھ مانگا آپ نے دیا۔ خالی ہاتھ نہیں لوٹایا ـــ آج میں جھولی پھیلائے امیدوں کا دامن تھامے آئی ہوں۔ للہ مجھے مایوس نہ کیجیے ـــ خالی نہ لوٹائیے ـــ"

شہنشاہ نے اس کے دونوں ہاتھوں اپنے ہاتھوں میں لے کر پیار اور ملائمت سے کہا تھا "بخت النساء! ہمیں مجبور نہ کرو ـــ ہم نے جو فیصلہ کیا وہ اک شہنشاہ کو کرنا ہی چاہیے تھا ـــ تم لوگ ہمیں سہارا دو ـــ ہمیں کمزور نہ بناؤ ـــ ہمارے ہاتھ مضبوط کرو! ہم صرف باپ نہیں ہندوستان کے تاجدار ہیں۔ تخت و تاج کی ذمہ داریوں میں جکڑے

ہوئے ہیں ـــ ہم سے آج کوئی لغزش ہو گئی تو شاہان مغلیہ کا وقار خاک میں مل جائے گا ـــ لوگ ہمیں معاف نہیں کریں گے۔ آنے والی نسلیں ہمارے نام سے متنفر ہوں گی۔ قانون اور انصاف پر سے لوگوں کا اعتماد اٹھ جائے گا۔ ہم قانون شکن اور غاصب کہلائیں گے ـــ نہیں ـــ بخت النساء نہیں۔ ہم ایسا نہیں کر سکتے ـــ کرنا تو ایک طرف ہم ایسا سوچ بھی نہیں سکتے ـــ"

بخت النساء ان باتوں کو سن کر بھی دکھ سے بولی تھی "شہنشاہ بن کر نہ سوچیے شاہ بھائی ـــ باپ بنیے ـــ باپ ـــ اپنی محبتوں اور چاہتوں کو شہنشاہیت اور جاہ و جلال پر قربان نہ کیجیے ـــ"

"جاؤ۔ بخت النساء ـ چلی جاؤ ـــ ہم کچھ سننا نہیں چاہتے۔ سمجھو کہ ہمارے کانوں میں سیسہ بھر چکا ہے۔ جاؤ ـــ چلی جاؤ ـــ ہمارے لیے آزمائش نہ بنو ـــ"

بخت النساء بیگم کے علاوہ اور بھی کئی معمر خواتین حاضر خدمت ہوئی تھیں۔ حرم کی خواتین نے اپنا ہر حق استعمال کیا تھا ـــ لیکن شہنشاہ کے پائے استحکام میں لغزش نہ آئی تھی۔

سلطان سلیمہ بیگم اور مہارانی جودھا بائی بھی خون اور درد کے رشتوں سے مجبور ہو کر شہنشاہ سے استدعا کر چکی تھیں۔

لیکن

کچھ نہیں ہو سکا تھا ـــ

سب کو مایوسی ہی ہوئی تھی ـــ

خونی منگل میں چند روز ہی باقی رہ گئے تھے۔ لوگوں کی بے قراریاں بڑھ رہی تھیں۔ حواس منتشر ہوئے جا رہے تھے۔ اراکین اور عمائدین سلطنت کے وفد شہنشاہ کے حضور حاضر ہو چکے تھے۔ اب تو شہنشاہ نے ایسے وفود سے ملنے پر پابندی لگا دی تھی۔ سختی سے منع کر دیا تھا۔ اسی سختی سے انہوں نے حرم کی خواتین کو بھی اس موضوع پر آہ و فریاد کرنے سے منع

کر دیا تھا ——

یہ حکم سلطان سلیمہ بیگم اور رانی جودھا بائی کے لیے بھی صادر کیا گیا تھا۔

لیکن

اس کے باوجود اہل حرم مضطرب اور بے چین تھے —— اس دن بھی کئی خواتین شہزادیاں اور بیگمات سلطان سلیمہ بیگم کے پاس آئیں —— اور انہیں مجبور کیا کہ وہ اپنی ساری ذہنی صلاحیتیں بروئے کار لاکر ایک بار پھر شہنشاہ کو یہ خونی حکم واپس لینے پر مجبور کریں۔

"آپ خدیجۂ عصر کہلاتی ہیں"

"آپ کی عقل و دانش کے بڑے بڑے جید علماء معترف ہیں"

"آپ نے ہمیشہ اپنے فہم و فراست سے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کا حل ڈھونڈ نکالا"

"آپ اب بھی بہت کچھ کر سکتی ہیں —— خدا کے لیے کچھ کیجیے —— ورنہ دودمان مغلیہ کا شیرازہ بکھر جائے گا"

"دشمنوں کی سازشیں کامیاب ہو جائیں گی"

"تخت و تاج کے لیے رسہ کشی شروع ہو جائے گی۔ بدخواہ اس دن کا انتظار کر رہے ہیں"

"کچھ کیجیے"

"شہنشاہ کو دلائل سے قائل کیجیے ——"

"بے شک باغی کی سزا موت کا فرمان جاری ہو چکا ہے۔ نادر خان جیسے باغی کے تو سر کی قیمت بھی مقرر ہو چکی ہے۔ لیکن شہزادۂ عالم ولی عہد بھی ہیں۔ ان کے کچھ حقوق بھی ہیں۔ ان کی روشنی میں کوئی راہ نکالیے ——"

ہر کوئی سلطان عالیہ سے استدعا کر رہا تھا۔

مردوں کا ایک وفد بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں اثر و رسوخ استعمال کرنے اور شہنشاہ کو شہزادے کی معافی کا حکم جاری کرنے پر مجبور کرنے کے لیے کہنے لگا۔

سب کی نظریں ان پر تھیں اور ان کی عقل و دانش اور شہنشاہ کی قربت حاصل ہونے کی وجہ سے پُرامید تھیں۔

سلطان عالیہ ناامید ہو چکی تھیں۔ شہنشاہ کی رفاقت میں برسوں رہنے کی وجہ سے وہ ان کی مزاج آشنا تھیں۔ جانتی تھیں کہ ان کے فیصلے پتھر پر لکیر ہوتے ہیں۔ وہ قانون کی بالادستی کے قائل ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ انصاف کی سربلندی چاہی ہے۔

لیکن

جب ہر طرف سے ان کو شہنشاہ سے آخری بار ملنے اور شہزادے کی رہائی اور معافی کی کوشش کے لیے مجبور کیا گیا تو وہ اس کے لیے تیار ہو گئیں۔ شہزادہ نہ صرف یہ کہ انہیں بھی بیحد عزیز تھا بلکہ وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ شہزادے کی موت دودمان مغلیہ کے لیے انتشار کا باعث بنے گی۔ سازشی کامیاب ہو جائیں گے اور سلطنت بحران سے دوچار ہو جائے گی۔ انہیں شہنشاہ کے بہ حیثیت باپ جو جذبات تھے ان سے بھی آگاہی تھی —— اور یہ بھی قوی یقین تھا کہ اس عمر میں یہ صدمہ شہنشاہ کی برداشت سے باہر ہوگا۔ کوئی عجب نہیں کہ یہ دکھ ان کی زندگی کا چراغ ہی گل کر دے۔

اسی لیے وہ ایک بار پھر اپنے حوصلے اور ہمت کو مجتمع کر کے شہنشاہ کے لیے تیار، تیار ہو گئیں ——

اس شام جب مہرتاج شہنشاہ کی خواب گاہ اور نشست گاہ میں فانوس روشن کر کے واپس لوٹی تو سلطان عالیہ نے اسے بلا بھیجا۔

وہ شمعدان واپس رکھ کر ان کے پاس آئی۔

"آپ نے یاد فرمایا سلطان عالیہ" اس نے جھک کر سلام کرنے کے بعد پوچھا۔

"ہاں" سلطان عالیہ جالی دار چوبی منڈیر کے سہارے کھڑی تھیں۔ انہوں نے سفید بے داغ لباس پہن رکھا تھا —— اور ہر قسم کے ہار سنگھار سے عاری چہرے پر تفکر اور سوچ

کے واضح آثار تھے ___ انہوں نے سفید ریشمی چادر سے اپنا سر ڈھانپ رکھا تھا۔

"حکم ___" مہرتاج بولی ___ وہ بھی انتہائی افسردہ اور ملول نظر آ رہی تھی۔

"خوابگاہ روشن کر آئی ہو"

"جی"

"شہنشاہ عالم خواب گاہ میں تشریف فرما ہیں یا نشست گاہ میں"

"جب میں آئی وہ نشست گاہ میں تشریف رکھتے تھے"

"کوئی ملنے والا تو نہیں آیا تھا"

"سلطان محترم ___ ہر ملنے والے پر سختی سے پابندی لگی ہوئی ہے۔ کل سے کوئی بھی ان سے مل نہیں سکا ___"

"ہم ملنا چاہتے ہیں ___"

مہرتاج نے مایوس انداز میں انہیں دیکھا۔ سلطان عالیہ بولیں "جاؤ۔ عالم پناہ کو خبردار کرو ___"

"جی ___ سلطان عالیہ ___ اس بات کی اجازت نہیں ہے"

"چلو تم۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں ___"

مہرتاج متذبذب تھی۔ لیکن سلطان عالیہ کا حکم بھی ماننا تھا۔ اس لیے ان کے ساتھ چل دی۔ نشست گاہ کے باہر ملک کافور ننگی تلوار لیے موجود تھا۔ سلطان عالیہ کو دیکھ کر اس نے تلوار کی نوک زمین سے لگا دی ___

"مہرتاج ___" سلطان عالیہ بولیں "آگے بڑھو اور ہماری آمد سے شہنشاہ عالم کو خبردار کر دو ___"

مہرتاج نے ملک کافور کی طرف دیکھا۔ پھر جھجکتے ہوئے آگے بڑھی۔ زربفت کا بھاری پردہ ایک طرف سے پکڑ کر اس نے سلطان عالیہ کی آمد کی اطلاع شہنشاہ کو دی ___

سلطان عالیہ اجازت پانے کا حکم سننے بغیر ہی آگے بڑھیں اور پردہ سرکا کر اندر داخل ہو گئیں۔ شہنشاہ نشست گاہ میں ہی تھے۔ ان کی پشت دروازے کی طرف تھی اور وہ کمرے کے وسط میں کھڑے تھے۔

"شہنشاہ عالی" سلطان عالیہ نے ان کی پشت پر کھڑے ہو کر ملائمت اور دکھ بھرے لہجے میں پکارا تو وہ ایک دم پلٹے اور جلدی سے بولے "ہم نے شاید مہرتاج کو یہ جواب نہیں دیا تھا۔"

"میں جانتی ہوں ظل سبحانی ___ لیکن آپ کے پاس بلا اجازت آنے کا حق بھی بہ حیثیت شریک حیات رکھتی ہوں"

شہنشاہ چپ ہو گئے ___ سلطان عالیہ کی ہمت بندھی۔ وہ آگے بڑھ کر مسند کے دوسرے سرے پر رک گئیں ___

شہنشاہ نے ایک نگاہ ان پر نگاہ ڈالی۔ پھر گویا ہوئے "بیٹھیے ___"

"جہاں پناہ۔ آپ بھی تشریف رکھیے ___"

شہنشاہ نے کندھوں پر پڑا لبادہ درست کیا اور مسند کے ایک سرے پر بیٹھتے ہوئے سلطان کی طرف دیکھا جو دوسرے کنارے پر بیٹھ گئی تھیں۔ چند لمحے دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ احوال پرسی ہوئی۔ موسم کی بات ہوئی ___ پھر سلطان عالیہ مقصد کی طرف آنے کے لیے محلوں کی سوگوار فضا کا ذکر کرنے لگیں۔ مادر ملکہ کی وفات کا دانستہ ذکر کیا۔

شہنشاہ ان کا عندیہ سمجھ گئے۔ اس لیے مسند سے اٹھ کر ٹہلتے ہوئے بولے "سلطان سلیمہ بیگم اگر آپ شہزادے کی حمایت کے لیے کچھ کہنے آئی ہیں تو براہ مہربانی یہ گفت و گو یہیں ختم کر دیجیے"

"شہنشاہ معظم" وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں "میں آخری بار حاضر خدمت ہوئی ہوں۔

میں ضرور شہزادے کی حمایت کروں گی۔ عالم پناہ شہزادے کو آگرے لانے کی ذمہ داری میری تھی۔ وہ میری پناہ میں آئے تھے ــــ میں نے انہیں مصالحت کروانے کی امید دلائی تھی۔ میں ان سے شرمندہ ہوں وہ یقیناً مجھے غلط سمجھ رہے ہوں گے ــــ میں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا عالم پناہ کہ معافی کے خواستگار شہزادے کو یوں گرفتار کر لیا جائے گا ــــ یہ سراسر زیادتی ہے عالم پناہ۔"

"شہزادہ حکومت کو مطلوب تھا۔ وہ باغی ہے۔ اس نے مغل حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ صرف یہی نہیں اس نے اور بھی بہت سے جرم کیے ہیں۔ جن میں ابوالفضل کا قتل سرفہرست ہے۔ باغی کی گرفتاری اور سزا حکومت کا فرض تھا۔ جو پورا کیا گیا۔ آپ جیسی معاملہ فہم زیرک اور ہوشیار خاتون کو اس قسم کی باتیں زیب نہیں دیتیں سلیمہ بیگم۔ آپ کو تو ہمارے فیصلے کا احترام کرنا چاہیے۔ لیکن آپ بھی صرف جذباتی لگاؤ تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ جودھا بائی ایسا رویہ اختیار کریں تو درست تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ صرف اور صرف ماں بن کر سوچتی ہیں۔ لیکن آپ ــــ"

"میں نے شیخو کو جنم نہیں دیا عالم پناہ۔ لیکن اس کی پرورش اور تربیت میں نے ماں بن کر ہی کی ہے۔"

"ہم جانتے ہیں ــــ"

"کاش آپ ان جذبوں کو جان پاتے جو میرے دل میں شیخو کے لیے ہیں ــــ"

"سلطان ــــ کیا ہم ان جذبوں سے بے بہرہ ہیں ــــ"

"بے بہرہ نہ ہوتے تو ــــ"

"خاموش ہو جاؤ سلطان" شہنشاہ نے ان کی بات کاٹتے ہوئے بے چارگی سے کہا۔ ہم جو فیصلہ کر چکے ہیں وہ مبنی برانصاف ہے۔ آج تک ہم نے کسی باغی کو اس کی ماں اس کے باپ کی التجاؤں سے متاثر ہو کر معاف نہیں کیا ــــ آپ ہمیں کیوں مجبور کر رہی

ہیں۔ سیدھی راہ سے کیوں بھٹکانا چاہتی ہیں۔ جذباتی کمزوری کو غالب کر کے ہم سے کیوں قانون شکنی کروا کے ہمیں خود ہماری ہی نظروں سے گرانا چاہتی ہیں۔ لوگوں کی تضحیک کا نشانہ بنانا چاہتی ہیں۔ نہیں سلطان نہیں ہم ثابت قدمی سے اپنے فیصلے پر قائم ہیں۔ ہم قانون اور انصاف کے تقاضے پورے کریں گے ہم اپنے آپ کو جنت مکانی ظہیر الدین بابر اور خلد آشیانی نصیر الدین ہمایوں کی روحوں کے سامنے شرمسار نہیں کریں گے۔ قانون کی کی حرمت کا پاس ہم نے اپنے انہی بزرگوں سے سیکھا ہے۔"

سلطان نے شہنشاہ کے دلائل کو کاٹنے کی کوشش کی۔ انہیں باپ بن کر سوچنے کے لیے کہا۔ سلیم کے قتل کی صورت میں مغل حکومت میں جو ردوبدل ہو سکتے تھے ان کے متعلق احساس دلایا۔

لیکن

شہنشاہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔

سلطان عالیہ آبدیدہ ہو کر بولیں "آپ اتنے سنگدل اور بے رحم بھی ہو سکتے ہیں۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ آپ کا دل تو سمندر تھا ــــ بیٹے کی محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ــــ"

شہنشاہ جلدی سے بے تاب لہجے میں بولے "سمندر خشک ہو جائیں تو صحرا بن جاتے ہیں سلطان سلیمہ بیگم ــــ خشک ویران اور ریتیلے صحرا ــــ اب اور کچھ نہ کہیئے گا ــــ کچھ نہ کہیئے گا ــــ"

شہنشاہ وہاں کھڑے نہ رہ سکے۔ تیز قدم اٹھاتے ساتھ والے کمرے میں چلے گئے سلطان سلیمہ بیگم مایوس دل گرفتہ اور نڈھال سی ہو گئیں۔

چاندنی کا نورانی غبار بلند و پست پر پھیلا ہوا تھا۔ فضا خوشگوار تھی۔ ہوائیں سرد تھیں لیکن ابھی سردی میں شدت نہیں آئی تھی ــــ خوشگواری کا احساس جانفزا تھا ــــ جمنا کا پانی حسب معمول بہہ رہا تھا ــــ چاندنی اس کے شفاف پانیوں میں گھل رہی تھی اور یوں لگتا تھا چاندی کی چادر اوڑھے دریا بڑے پرسکون انداز میں بہے چلا جا رہا ہے۔

نادر اور مہر تاج کنارے سے ذرا ہٹ کر ٹہل رہے تھے۔ دونوں کچھ مضطرب اور پریشان تھے۔ اسی لیے نہ چاندنی کے سحر سے مسحور تھے نہ ماحول اور فضا کی خوشگواری سے متاثر۔ مہر تاج نے گرم دوشالے میں اپنا جسم لپیٹ رکھا تھا ــــ اور چہرہ ہار سنگھار سے عاری تھا۔ اس کی آواز میں حزن و ملال گھلا تھا ــــ آنکھوں میں ویرانیوں کا عکس تھا ــــ وہ چاندنی کے نور میں نادر کو صحیح طور پر نظر آ رہی تھی۔ کوئی اور موقع ہوتا تو شاید نادر اس نور سے یوں استفادہ کرتا کہ نگاہیں اس کے رُخِ زیبا سے پل بھر کو نہ ہٹاتا اور اشتیاق دید کی تسکین جی بھر کرتا۔

لیکن

آج ایسا نہیں تھا۔

دونوں پریشان اور متفکر تھے ــــ دیکھنے سے زیادہ ایک دوسرے کو سن رہے تھے۔

دونوں ہی سمجھ نہ پا رہے تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے ــــ

"میں نے جو سوچا تھا وہ نہیں ہوا ــــ" نادر گھمبیر لہجے میں بولا۔

"اب ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہم نے کیا کرنا ہے" مہر تاج نے کہا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ــــ"

"نادر"

"ہاں"

"اب وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ ہے نہ گنجائش۔

"تو ــــ"

"تو یہی کہ ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے۔"

"لیکن کہاں؟"

"کہیں بھی"

"بے مقصد بھاگتے چلے جائیں تو منزل کبھی نہیں ملتی ــــ"

"منزل کا تعین بھی کر لیں گے۔ پہلے یہاں سے نکلنے کا ارادہ تو کرو"

"مہرو ــــ یہ اتنا سہل نہیں جتنا تم سمجھتی ہو"

"اوہ خداوندا ــــ تم سمجھتے کیوں نہیں"

"سمجھتا ہوں"

"تو پھر کیا کرنا چاہتے ہو ــــ"

"یہی سوچ رہا ہوں"

"کب تک سوچتے رہو گے۔ وقت کم ہے۔"

"ہوں"

مہر تاج نے الجھتی نگاہ نادر پر ڈالی ــــ چند لمحے چپ رہی۔ پھر اس کے سامنے آتے

ہوئے بولی "نادر تم وقت اور حالات کی سنگینی سے بے خبر نہیں ہو۔ جب شہنشاہ نے اپنے عزیز ترین بیٹے کو معاف نہیں کیا تو تمہاری حیثیت اور وقعت کیا ہے"

"شہنشاہ کی اصول پرستی کو میں سلام کرتا ہوں ــــ انہوں نے یہ قدم اٹھا کر ثابت کر دیا کہ وہ ایک عظیم اور عالی مرتبت شہنشاہ ہیں۔ اور ان کی نظر میں سب برابر ہیں"

"اوہ خدایا ــــ یہ بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن تم اپنی سوچو ــــ اگر تم پکڑے گئے تو"

"تو ــــ مہرو ــــ سچی بات کہوں؟ شہنشاہ کا انصاف اور قانون کا احترام دیکھتے ہوئے تو جی چاہتا ہے خود کو ان کے حضور پیش کر دوں۔ اپنے جرم کا اعتراف کر لوں اور"

"اور شہزادہ عالی کی طرح خونی ہاتھی کے اکھاڑے میں دھکیلا جاؤں؟ ــــ کیا تم سمجھتے ہو کہ شہنشاہ کے حضور حاضر ہو کر اعتراف جرم کر لوگے تو وہ تمہیں معاف کر دیں گے؟ یہ تمہاری نافہمی ہے۔ انہوں نے شہزادے کو معاف نہیں کیا جو اسی غرض سے آگرہ آئے تھے۔ اور جن کی جان بخشی کے لیے اراکین سلطنت اور محل کے ایک ایک فرد نے ناصیہ فرسائی کی ہے ــــ تم معافی مانگ کر رہائی پانے کا تصور بھی نہ کرو نادر ــــ"

"میں باغی ہوں۔ بھگوڑا ہوں۔ مجھے بھی سزا ملنا ہی چاہیئے"

"کیسی باتیں کر رہے ہو ــــ"

"اور کوئی راہ جو سجھائی نہیں دیتی"

"ہم کہیں دور جا تو سکتے ہیں"

"حکومت کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں۔ کوئی جگہ محفوظ نہیں۔ ان دنوں تو مغل افواج چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ بھیر سنگھ کی وجہ سے بندھیل کھنڈ کے علاقے میں لشکری پھیلے ہوئے ہیں۔ دلی کی طرف نرسنگھ دیو کی وجہ سے افواج منتقل ہو رہی ہیں۔ الٰہ آباد کو ویسے ہی فوجی نرغے میں لیا گیا ہے"

"ہم بنگالا کی طرف چلے جائیں گے"

"بیگی ــــ ایک تو اس طرف نکلنا آسان کام نہیں دوسرے ادھر آجکل مان سنگھ کی قیادت میں جو شورش تھی اسے دبایا جا رہا ہے۔ مان سنگھ ہی نے تو حسن زنجرانی کو گرفتار کیا ہے ــــ کوئی سمت محفوظ نہیں ــــ"

"تو پھر ــــ"

"پھر یہی کہ تم تو آرام سے محل میں رہو۔ میں ــــ"

"نادر ــــ میں اب واپس نہیں جاؤں گی ــــ جہاں تم رہو گے وہیں میں رہوں گی ــــ اب ہم الگ نہیں ہوں گے۔ ساتھ جئیں گے ساتھ مریں گے"

"مہرو ــــ"

"ہاں نادر میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے"

"اس پر آشوب زمانے میں ــــ مہرو ــــ تمہارا میرے ساتھ رہنا ٹھیک نہیں۔ خطرات سر پر منڈلا رہے ہیں۔ میں ہو سکتا ہے چھپنے چھپانے ہی میں آشکارا ہو جاؤں۔ اب تو میری گرفتاری کی کوششوں میں اور بھی تندی اور تیزی آچکی ہے اور جانتی ہو گرفتار ہو گیا تو میرا کیا حشر ہو گا ــــ"

"نادر ــــ"

"جذباتی نہ بنو۔ سوچو اور سمجھو ــــ ایسے حالات میں میں تمہیں کیسے اپنے ساتھ لے جا سکتا ہوں ــــ"

"تم مجھے کمزور سمجھتے ہو؟ کیا میں حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتی ــــ کیا میں بزدل ہوں جو موت سے ڈرتی ہوں ــــ نہیں نادر ــــ ایسا نہیں ہے"

"میں سب جانتا ہوں مہرتاج ــــ"

"تو پھر مجھے ساتھ لے جانے پر اعتراض کیوں ہے"

"میں تمہیں ان مصائب سے دوچار نہیں کرنا چاہتا۔ جن میں گھرا ہوا ہوں"

"تم کیا سمجھتے ہو اس طرح میں خوش ہوں اور مجھے سکون و اطمینان حاصل ہے؟"

"بے شک نہیں ـــ"

"تو پھر ـــ جہاں تم وہاں میں ـــ ہم مل کر مصائب جھیلیں گے۔ دکھ سکھ میں ساتھ دیں گے۔ نادر ـــ تمہارے لیے یہ علاقے اب قطعاً غیر محفوظ ہیں۔ تم جان پر کھیل کر مجھے ملنے آتے ہو۔ آخر کب تک ـــ تمہیں اچھی طرح آگہی ہے کہ کسی وقت کسی کی نظر تم پر پڑ سکتی ہے۔ کسی وقت تمہاری موجودگی کا احساس کسی کو ہو سکتا ہے۔"

"ہاں مہرو ـــ"

"پھر بھی تم یہاں آتے ہو ـــ میرے لیے نا؟"

"ہاں ـــ"

"میرے لیے جان جوکھوں میں ڈالتے ہو ـــ موت سے کھیلتے ہو ـــ تو پھر کیوں نہیں مجھے ساتھ ہی لے جاتے ـــ"

"ڈرتا ہوں مہرو ـــ اپنے ساتھ تمہیں بھی گرفتار بلا کرنے سے ڈرتا ہوں ـــ"

"نادر ـــ یہ ہمت و جرأت تو اب کرنا ہی پڑے گی۔ ہم چھپتے چھپاتے کسی ایسے علاقے میں نکل جائیں گے جو مغل حکومت کی دسترس سے باہر ہو ـــ"

"مثلاً"

"ہم خاندیس اڑیسہ ـــ مالوہ گجرات کاٹھیاواڑ کہیں بھی جا سکتے ہیں ـــ"

نادر مہرو کی بات پر دلگرفتگی سے ہنس کر بولا "یہ ممکن نہیں مہرو ـــ"

"تو ممکن کیا ہے" وہ جل کر بولی ـــ "یہی کہ کسی کی نظر تم پر پڑ جائے اور تم اپنے انجام کو پہنچ جاؤ ـــ"

نادر اس کو پرسکون کرنے کے لیے ہنس کر بولا "نظر تو تمہاری ہی مجھ پر پڑ رہی ہے کیوں" اس نے اپنے مضبوط ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ دیئے ـــ

مہرتاج نے سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور بولی "لگتا ہے تم تھک گئے ہو ـــ تمہاری ہمت بکھر گئی ہے ـــ اور تم شکست خوردہ ہو چکے ہو ـــ"

"نہیں یہ بات نہیں ہے مہرو ـــ"

"تو پھر کیا بات ہے ـــ"

نادر نے اس کے کندھوں سے ہاتھ ہٹا لیے اور قدرے رُخ موڑ کر ہاتھ ملتے ہوئے بولا "مہرو بات دراصل یہ ہے کہ میں اپنے آپ میں بٹ رہا ہوں ـــ"

"کیا؟" مہرتاج اس کے سامنے آگئی۔

"ہاں مہرو ـــ شہنشاہ کے فیصلے نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ شہنشاہ کے مجھ پر بے پناہ احسانات ہیں ـــ میں نے بغاوت کر کے اچھا نہیں کیا تھا ـــ"

"کیا کہنا چاہتے ہو ـــ"

"میرے لشکری بکھر چکے ہیں ـــ میری فوجی قوت اب صفر بھی نہیں رہی ـــ کوئی ایسی دوست ریاست بھی نہیں ـــ جو مغل حکومت کے خلاف ہو اور مجھے پناہ دے سکے ـــ"

"تم ہار رہے ہو نادر ـــ"

"ہاں اپنے آپ سے ہار رہا ہوں"

"اس ہارنے سے کیا ہوگا۔ اس کا اندازہ بھی ہے"

"بس اسی کشمکش میں مبتلا ہوں مہرو ـــ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والی بات ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ کسی نہ کسی وقت دھر لیا جاؤں گا ـــ"

وہ جلدی سے بولی "اس لیے تو میں کہہ رہی ہوں۔ چلو کہیں دور نکل چلتے ہیں۔ بیشتر اس کے کہ کوئی ہاتھ تمہاری طرف بڑھے کوئی نظر تم پر پڑے۔ ہم یہاں سے نامعلوم سمتوں کی طرف بڑھ جائیں ـــ"

"مہرو —— بھگوڑوں کی زندگی زندگی نہیں ہوتی۔ موت کی تلوار ہر وقت سروں پر لٹکتی رہتی ہے —— انسان کو لمحے لمحے کی موت بھی مرنا پڑتا ہے۔"

"تم بہت مایوس ہو نادر —— یہ بات اچھی نہیں —— ایسی باتیں نہ کرو۔"

نادر چپ ہو گیا۔

مہرتاج بھی کچھ نہ بولی۔

دونوں اپنے اپنے طور پر کرب کی منزلوں سے گزر رہے تھے۔ مہرتاج کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ نادر کو مجبور کرے کہ وہ اسے یہاں سے لے کر کہیں چلا جائے —— نادر کی گرفتاری اب یقینی نظر آتی تھی —— شہزادے کی سزا کے حکم نے لوگوں کو یقین دلا دیا تھا کہ شہنشاہ اصول کی خاطر ان حدوں کو بھی چھو سکتے ہیں۔ اسی لیے نادر کی گرفتاری کے لیے تگ و دو کچھ زیادہ ہی ہونے لگی تھی۔ مہرتاج نے کئی لوگوں کی زبانی سنا تھا —— کہ وہ نادر کو گرفتار کرنے کے کوشاں ہیں —— اب اس لیے بھی کہ انہیں یقین تھا اس کے سر کی قیمت جو وہ چاہیں مانگ کر حاصل کر سکتے ہیں —— مہرتاج اسی لیے چاہتی تھی کہ نادر اب ان علاقوں سے دور چلا جائے —— وہ ہر قدم پر اس کا ساتھ دینے کو تیار تھی۔ محلوں کی پر آسائش زندگی چھوڑ کر اس کے سنگ ہر تکلیف برداشت کر سکتی تھی ——

لیکن

نادر ایسا نہیں چاہتا تھا —— وہ اپنے ساتھ مہرتاج کو مصائب میں گرفتار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دونوں چلتے چلتے اب پتھریلے حصے کی طرف آ گئے۔ مہرتاج پتھر پر بیٹھ گئی اور نادر ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا ——

اصرار و تکرار جاری رہی ——

لیکن

فیصلہ نہ ہو سکا ——

مہرتاج کے جانے کا وقت ہو گیا —— وہ بیدلی سے اُٹھی۔ دوشالہ ٹھیک سے اوڑھا اور بولی "اب مجھے جانا چاہیے ——"

"ناراض ہو ——" نادر قریب آیا۔

"نہیں ——"

"سچ ——"

"ہاں۔ لیکن ایک بات کہہ دوں"

"کیا؟"

"کل تمہیں فیصلہ کر کے آنا ہے ——"

"اچھا ——"

"میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں —— فیصلہ کر کے آنا ہو گا تمہیں —— کہ ہم نے کیا کرنا ہے"

"اچھی بات —— دلجمعی سے سوچوں گا۔ تم بھی سوچنا ——"

"میں نے سوچ لیا ہے۔ اور جو فیصلہ کیا ہے وہ بھی تمہیں معلوم ہے۔ کل تم نے فیصلہ کرنا ہے —— مجھے ساتھ رکھنا چاہتے ہو —— کہ نہیں ——"

اس نے جس فیصلہ کن انداز میں کہا نادر کا دل کانپ گیا۔ وہ جلدی سے آگے بڑھا اور مہرتاج کا ہاتھ تھام کر بولا —— "ہم ایک دوسرے سے الگ نہیں مہرو۔ ہم ایک ہیں —— ہمارا جینا مرنا ایک ہے —— ہم الگ نہیں ہو سکتے —— میں دو ایک دن میں پلان بنا لوں گا —— پھر —— ہم کہیں نہ کہیں نکل جائیں گے —— قسمت یاور ہوئی تو کسی محفوظ جگہ پہنچ جائیں گے۔ نہ ہوئی —— تو ——"

"اکٹھے مریں گے نادر" مہرتاج نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا ——

"ہاں" اس نے مہرتاج کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

مہرتاج نے چاندی کے شمعدان میں مشعلیں روشن کیں۔ اس کے چہرے پر روشنیوں کے عکس پڑ رہے تھے۔ وہ سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ ایک طویل عرصے سے وہ شہنشاہ کی خوابگاہ میں روشنی بکھیرنے کا فریضہ سرانجام دے رہی تھی۔ اس کے سوا اسے محلسراؤں میں اور کوئی کام نہ تھا۔ پرآسائش اور پرسہولت زندگی گزار رہی تھی۔

اب

اب

صرف آج کی رات اس نے یہ کام کرنا تھا۔ آج کی رات آخری بار

پھر

پھر اسے اپنے محبوب نادر خان کے ساتھ انتہائی خاموشی سے یہ محل یہ ماحول اور یہ فضائیں چھوڑ کر کسی ان دیکھی سمت روانہ ہو جانا تھا —— اس کے ساتھ خطرات مصائب و آلام جھیلنے کی خوشی کا اپنا ہی نشہ تھا۔

لیکن

ان فضاؤں ان فرائض اور ان جگہوں کو چھوڑنے کا دکھ بھی دل کے کسی گوشے میں سسک رہا تھا —— ان محلوں اور ان کے مکینوں کو ایسے وقت میں چھوڑ کر روپوش ہو جانا

جب وہ دکھ اور کرب کے محرابوں تلے سے روتے بلکتے گزر رہے تھے۔ آسان کام نہیں تھا۔ شہزادے کی زندگی کی آخری دو راتیں باقی رہ گئی تھیں۔ پرسوں کی صبح اک خونی صبح بن کر بیدار ہونے والی تھی۔ شہنشاہ نے عدل و انصاف کا دامن تھاما ہوا تھا اور کسی کی آہ و فریاد انہیں متاثر نہ کر سکی تھی —— مہرتاج بے حس نہیں تھی۔ غم والم کے سائے اس پر بھی مسلط تھے۔ جذباتی وابستگی اسے بھی نڈھال کر رہی تھی۔ لیکن وہ مجبور تھی۔ اس کی اپنی زندگی اور مستقبل کا بھی سوال تھا۔ اپنے محبوب کی قربتوں کے سحر میں ڈوب کر زندگی بسر کرنے کی اسے بھی تمنا تھی۔ قدم اٹھانے کے لیے یہی وقت تھا —— آج رات اس نے نادر سے مل کر وقت کا تعین کرنا تھا۔

وہ دکھے دل کو خوشیوں کے چہرے اور مسکراہٹیں دکھانے کی کوشش کرتے ہوئے اٹھی۔ شمعدان اٹھایا اور شہنشاہ کی خوابگاہ منور کرنے کے لیے چل دی ——

راہداریوں میں اسے کئی کنیزیں ملیں۔ جن کے چہرے ویران اور دل سہمے ہوئے تھے۔ آنے والے دلخراش لمحوں کی چھاپ ان کے چہروں پر ابھی سے لگ گئی تھی۔ یہ سب کنیزیں باندیاں اور خواتین اپنے شہنشاہ بیگمات رانیوں اور شہزادے کی بہی خواہ جاں نثار اور وفادار تھیں۔

دو ایک کے پاس مہرتاج رکی۔ کچھ باتیں کیں۔ کسی نے شہزادیوں کی گریہ زاری کا بتایا کسی نے شہزادوں کے سہمے ہوئے چہروں کا ذکر کیا۔ سوسن بھی ملی۔ لیکن وہ اتنی غمزدہ تھی کہ ایک لفظ منہ سے نہ نکلا ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ محرابوں تلے سے ہوتی گنبد نما چھتوں والے کمروں سے گزرتی گول ستونوں پر کھڑی منقش چھتوں تلے سے ہوتی وہ شہنشاہ کی خوابگاہ کی طرف بڑھی۔

پردہ ہٹانے سے پہلے اس نے اجازت مانگنا تھی۔ لیکن اس کے قدموں کے ساتھ اس کے ہونٹ بھی بند ہو گئے۔

وہ

نہ اجازت چاہ سکی

نہ ہی قدم بڑھا سکی۔

اندر ـــ شہنشاہ اور مہارانی جودھا بائی تھے۔ مہارانی کی سسکیوں کی آواز دل جکڑ رہی تھی ـــ

مہتاج وہیں بُت بن گئی ـــ رانی کی سسکیوں اور آہ و بقا میں اتنا درد تھا کہ کانوں میں سننے کی تاب نہ تھی ـــ

مہارانی شاید آخری بار اپنے بیٹے کی جان بخشی کے لیے شہنشاہ کے حضور ماں بن کر دامن پھیلا رہی تھی ـــ وہ رو رہی تھی گڑگڑا رہی تھی ـــ فریاد کر رہی تھی۔

مہتاج دل تھامے وہیں کھڑی رہی ـــ نہ تو اندر جا سکتی تھی۔ نہ لوٹ سکتی تھی۔ وہ پس پردہ اک دکھیاری ماں کی فریاد سننے لگی جو شہنشاہیت کے لبادے میں چھپے اک باپ کو للکار رہی تھی۔

مہارانی روتے ہوئے کہہ رہی تھی "چھما کر دیجئے۔ شہنشاہ بن کر نہیں اک باپ بن کر میری فریاد سُنیے مہاراج ـــ میرے بچے کو معاف کر دیجئے ـــ میری جھولی میں بھیک ڈال دیجئے ـــ مجھے نا راس نہ کیجئے۔ میری آس نہ توڑیئے مہابلی ـــ میرے بچے کی جان بخش دیجئے ـــ میں اک ماں ہوں۔ میری فریاد سنیئے ـــ اک ماں کی فریاد سنیے مہاراج ـــ"

تب ہی شہنشاہ کی گرج سنائی دی "مت بولو مہارانی کہ تم ایک باغی کی ماں ہو۔ باغی کی سزا موت ہے۔ یہ قانون کا فیصلہ ہے"

"قانون کو بدل دینا اک شہنشاہ کے لیے کونسا مشکل ہے"

"مہارانی۔ تم ہماری توہین کر رہی ہو۔ شہنشاہیت مذاق نہیں۔ ہم نے آج تک

کسی باغی کو اس کی ماں کی آہ و فریاد سن کر معاف نہیں کیا۔ مابدولت کا انصاف آج تک داغدار نہیں ہوا ـــ تمہیں ہمارے فیصلے کا احترام کرنا چاہیے۔ ہم کئی بار تمہیں سمجھا چکے ہیں کہ یہ فیصلہ ہمارا نہیں قانون کا ہے۔ عدل و انصاف کا ہے ـــ"

مہارانی کچھ نہیں بولی ہاں اس کی سسکیاں ہچکیاں بننے لگیں۔ وہ بے اختیار ہو ہو کر رو رہی تھی۔ شہنشاہ چند لمحے اسے تکتے رہے۔ پھر بے چین ہو گئے۔ ہاتھ ملتے ہونٹ کاٹتے ہوئے اس کی طرف بڑھے ـــ اور بے قرار ہو کر بولے "جودھا بائی۔ ہمیں کڑی آزمائش درپیش ہے۔ ہمیں سہارا دو ـــ اپنے بوڑھے اکبر کو سہارا دو ـــ ہم سے آج کوئی لغزش ہو گئی تو دودمان مغلیہ کا وقار خاک میں مل جائے گا ـــ"

"مہاراج ـــ مہابلی ـــ"

"رؤو نہیں جودھا ـــ ہم بے بس ہیں ـــ"

"مہابلی ـــ اپنے سارے اختیارات اور وسائل کے باوجود آپ بے بس ہیں؟

"ہاں ـــ"

"نہیں ـــ ایسا نہیں ـــ یہ ظلم ہے۔ ڈر ـــ کہیں اک ماں کی تڑپتی ہوئی ممتا تیری سلطنت کے ایوانوں کو برق بن کر نہ جلا ڈالے۔ جاہ و جلال کے طالب شاہ ـــ دیکھ۔ اب بھی وقت ہے۔ نام کی خاطر بیٹے کے خون سے ہاتھ نہ رنگ۔ اس کی طفلانہ حرکت کو بخش دے ـــ بخش دے۔ شہنشاہ بخش دے ـــ"

"چپ ہو جاؤ ـــ چپ ہو جاؤ مہارانی ـــ" شہنشاہ بے بسی سے چیخے۔

لیکن مہارانی چپ نہیں ہوئی جوش و غضب سے گرجی "جان ہی لینی ہے تو میری لے لے۔ میری بوٹی بوٹی نوچ لے۔ مجھے خونی ہاتھی کے اکھاڑے میں ڈال دے۔ مگر میرا بچہ مجھے واپس کر دے ـــ میں یہاں سے اس کا معافی نامہ لیے بغیر نہیں اٹھوں گی ـــ مر جاؤں گی یا اپنے بچے کو مرنے سے بچا لوں گی ـــ"

"مہارانی ___" شہنشاہ کی آواز رندھی ہوئی تھی وہ بیقراری سے ٹہلتے ہوئے بولے "مہارانی ___ کاش ہم صرف باپ ہوتے۔ تاج کی یہ گراں ذمہ داری ہمارے سر پر نہ ہوتی ___ اس خلعت زریں کی جگہ ہمارے جسم پر چیتھڑے ہوتے ___ پھر دیکھتیں کہ ہماری محبت کس طرح جوش مارتی ہے۔ ہم اپنے فرزند پر جان نچھاور کر دیتے ___"

"یہ محبت آج میرے جھنجھوڑنے پر بھی کیوں بیدار نہیں ہو رہی مہابلی۔ کہاں گلا گھونٹا ہے آپ نے اس پدری محبت کا۔ کہاں دفن کیا ہے اس پیار کو ___ چھتنار درخت کی بجائے کھجور کا درخت کیوں بن گئے ہیں جو جتنا اونچا اٹھتا جاتا ہے اتنا ہی سائے سے محروم کرتا جاتا ہے ___"

"ایسا نہ کہو جودھا بائی۔ ایسا نہ کہو۔ اگر ہمارے دل میں مچلتا ہوا طوفان پھوٹ پڑا تو قیامت بپا ہو جائے گی۔ ہماری گھٹی ہوئی آہوں نے نکلنے کی راہ پالی تو چٹانیں ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گی۔ ہمارے سینے سے کھولتی آگ اُبل گئی تو دنیا راکھ کا ڈھیر بن جائے گی۔ ہمیں ایسا طعنہ نہ دو رانی۔ ایسا طعنہ نہ دو۔ تاج و تخت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے بے بس باپ کو ایسا طعنہ نہ دو۔"

شہنشاہ کی آواز آنسوؤں سے رندھ گئی ___

اور

پس پردے کھڑی مہرتاج کا دل ڈوب گیا۔

چند لمحے صرف رانی کی سسکیاں اور ہچکیاں سنائی دیتی رہیں۔ شہنشاہ کچھ نہیں بولے ماحول اتنا دلفگار تھا کہ مہرتاج کو اپنی سانس گھٹتی محسوس ہوئی ___ اس نے زندگی میں پہلی بار شہنشاہ کو اس حالت میں دیکھا تھا۔ انتہائی دکھی بے بس اور مجبور ___ وہ تڑپ گئی ___

کئی لمحوں بعد شہنشاہ بھرائی ہوئی آواز میں بولے "ہماری حالت کا اندازہ کرو جودھابائی

ہماری ہڈی ہڈی پس رہی ہے۔ دل پھٹا جا رہا ہے۔ لیکن ہمیں تڑپنے کی مجال نہیں ___"

"مہابلی ___"

"شیخو صرف تمہارا ہی نہیں ہمارا بھی ہے۔ ہمارا تو سب کچھ وہی ہے ___ سب کچھ وہی مہارانی ___ اسے کھونے کے بعد ہمارے پاس کیا رہ جائے گا۔ سوچو تو ___ ہمارے بوڑھے جسم کی توانائی ہمارے حوصلوں کی تنومندی ہمارے عزائم کی پختگی ہماری امیدوں کی قوت ہی وہی ہے۔ وہی نہ رہا تو پھر ان کڑکڑاتی ہڈیوں میں چلتی ہوئی زندگی کی لہر ساکت نہ ہو جائے گی۔ ہم کیسے جئیں گے۔ کس کے لیے جئیں گے۔ سوچو سوچو تو مہارانی ___ سوچو تو سہی ___"

"مہاراج ___ میرے لیے نہ سہی۔ اپنے لیے سہی۔ اس مغل حکومت کے لیے سہی۔ شیخو کو معاف کر دیجئے۔ آپ یہ تو سوچئے اس حکومت کا کیا بنے گا۔ اس سلطنت کا کیا ہوگا۔ جسے آپ نے اپنے خون جگر سے سینچا۔ پھیلایا۔ وسعت دی۔ پروان چڑھایا۔"

"جو ہو رہا ہے اس کے ہم ذمہ دار ہیں۔ جو ہوگا ___ اس کے سوچنے کا وقت نہیں تم اٹھو جودھابائی۔ یہاں سے چلی جاؤ۔ ہمیں ڈر ہے کہیں تم ہمیں بہکا نہ دو۔ ہمیں اس راہ پر چلنے سے روک نہ دو ___ جس پر قانون اور انصاف کی پکار نے ہمیں چلنے پر مجبور کیا ہے۔"

"اک دکھیاری ماں کیا کرے ___"

"صبر ___"

"مہاراج!"

"روؤ نہیں۔ صبر کرو۔ اس کے بغیر چارہ نہیں جودھابائی ہماری طرف دیکھو۔ مہارانی ہماری طرف دیکھو۔ ہم نے اپنے اسی منہ سے شیخو کی موت کا حکم سنایا ہے جس سے

اس کی زندگی کے لیے تڑپ تڑپ کر دعائیں مانگی ہیں۔"

" آپ سنگدل ہیں کٹھور ہیں" رانی ایک بار پھر ہذیانی انداز میں چیخی " نام نمود کی خاطر یہ سب کیا ہے آپ نے ___ شہنشاہ ہیں آپ۔ پورے ہندوستان کے مالک ہیں اگر آپ ایسا نہ بھی کرتے تو کس کی مجال تھی جو آپ سے کچھ کہتا۔ کس نے حساب لینا تھا آپ سے۔ کس سے ڈر کر آپ نے یہ قدم اٹھایا ___"

شہنشاہ کی گھمبیر آواز گونجی" اپنے اللہ سے ___"

" مہاراج ___" مہارانی کی آواز لرز گئی۔

" ہاں جودھا بائی۔ اس اللہ کے خوف سے ہم نے ایسا کیا جس نے ہمیں اپنا سایہ بنایا اور عوام کا محافظ مقرر کیا۔ قانون اور انصاف کا ترازو ہمارے ہاتھوں میں دیا ___"

مہارانی پھر کچھ نہیں بولی ہاں بیقراری سے روئے گئی۔

شہنشاہ نے دکھی لہجے میں کہا" اٹھو مہارانی ___ جاؤ ___ حوصلے سے کام لو۔ دعا کرو اپنے بچے کی آخرت کے لیے۔ اپنے مہابلی کی بکھرتی ہمت کے لیے ___ جاؤ ___ چلی جاؤ مہارانی چلی جاؤ ___"

مہرتاج سُن ہو گئی تھی ___ جب مہارانی اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی وہ تب بھی وہیں کھڑی رہی ___

مہارانی کے جانے کے بعد شہنشاہ ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح مسند پر گر گئے۔ اور چند لمحوں بعد مہرتاج کے کانوں میں ان کی دبی دبی گھٹی گھٹی سسکیاں اترنے لگیں۔ وہ کچھ بڑبڑا رہے تھے۔ مہرتاج ہمہ تن گوش تھی۔ اس نے سنا شہنشاہ اللہ کے حضور آہ و فریاد کرتے ہوئے کہہ رہے تھے" میرے مولا مجھے ثابت قدم رکھنا ___ کہیں میں انصاف کی راہ سے ہٹ نہ جاؤں ___ میرے خون میں پدری محبت کا ابال مجھے راہ راست سے بھٹکا نہ دے۔

میری مدد ___ فرما ___ یا اللہ ___ میری مدد فرما"

شہنشاہ کی آواز ڈوب گئی ___

کئی لمحے مہرتاج بے حس و حرکت کھڑی رہی ___ لیکن اس کے ذہن کو جھٹکے لگ رہے تھے۔ اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ اور ایک ہی آواز اس کے اندر گونج رہی تھی" کاش میں ان دکھیارے ماں باپ کے لیے کچھ کر سکتی ___"

شام ڈوب چکی تھی۔ اندھیرے اتر آئے تھے۔ مہرتاج کو فانوس روشن کرنے تھے۔ یہاں کھڑے کھڑے اتنا وقت گزر گیا تھا۔ وہ سنبھلی ___ تو قدم اٹھا کر آگے بڑھی اور ہمت کر کے شہنشاہ سے باریابی کی اجازت مانگی۔

" کون؟" شہنشاہ مسند پر سیدھے ہو بیٹھے۔

" مہرتاج عالم پناہ ___"

" کیا بات ہے؟"

مہرتاج نے پردہ سرکایا اور شمعدان ہاتھوں میں لیے ہوئے بولی" فانوس روشن کرنا ہیں عالم پناہ ___"

شہنشاہ اٹھ کھڑے ہوئے اور گلوگیر آواز میں بولے" مہرتاج۔ آج سے ہماری خوابگاہ میں اندھیرا ہی رہا کرے گا"

" ظل سبحانی ___" وہ رو دی۔

" روشنی نہیں ہو گی" شہنشاہ نے کہا۔

وہ روتے ہوئے بولی" عالم پناہ اندھیرے پہلے ہی کیا کم ہیں۔ اس پر فانوس بھی روشن نہ کروں ___؟"

شہنشاہ سپاٹ لہجے میں بولے" تمہاری یہ روشنی ہماری تاریک زندگی کو روشن نہیں کر سکتی مہرتاج ___ بے فائدہ ہیں تمہارے روشن فانوس ___ لے جاؤ یہ مشعلیں رہنے

دو ہمیں اندھیروں میں ـــــ تم بے سود روشنی پھیلانے کی کوشش مت کرو۔ جاؤ۔
مہتاج چلی جاؤ ـــــ ہمیں ان اندھیروں ہی میں گم ہونا ہے ـــــ جاؤ"

مہتاج کے آنسو روانی سے بہنے لگے۔

اور

وہ

شمعدان اٹھائے واپس لوٹ گئی۔

دل و دماغ میں طوفانی ہلچل لیے ـــــ کاش وہ امنڈ آنے والے اندھیروں کو دور کر سکتی، کاش ـــــ!

زندان کے باہر مسلح سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

دو چاک و چوبند سنگین بردار اس سلاخ دار دروازے کے سامنے ٹہل رہے تھے جس کے پیچھے شہزادہ سلیم بند تھا۔ وہ دونوں باری باری سلاخ دار دروازے کے سامنے سے گزرتے اور نگاہ بھر کر شہزادے کو دیکھ لیتے۔ جو پتھریلے چبوترے پر ہاتھوں پر سر گرائے بیٹھا تھا ـــ اندر مشعل روشن تھی اور اس کی کمزور اور نا تمام روشنی کمرے کی فضا کو اور بھی وحشت ناک بنا رہی تھی ـــــ

باہر اندھیر تھا۔ اور درختوں سے چھن آنے والی چاندنی سے کچھ ملگجا سا ہو رہا تھا۔ دور محرابی دروں کے سامنے والے طاقچوں میں کچھ دیے ٹمٹما رہے تھے ـــ جن کی روشنی سامنے سے گزرنے والے پہرہ داروں پر پڑتی تھی ـــــ

سلاخ دار دروازے کے سامنے پہرہ دینے والے پہرے دار بڑے مستعد تھے۔ رات کی خاموشی میں ان کے قدموں کی نپی تلی چاپ ہی سنائی دیتی تھی۔ ورنہ دونوں چپ ہی تھے۔ ایک دوسرے کے قریب سے گزرتے ہوئے بھی وہ کوئی بات نہ کر رہے تھے۔

اس خاموشی میں

اچانک ہی:

انہیں دبے دبے قدموں کی چاپ سنائی دی تو دونوں ہی نے رک کر گردنیں گھما کر دیکھا۔

"کون ؟" دو سائے برآمدے کے محرابوں تلے سے نمودار ہوتے دیکھ کر اس نے کہا اور برق کی سی تیزی سے سنگین تان لی۔

"کوئی ہے" دوسرا بھی اس کے پہلو میں آکر اپنی تلوار نکالتے ہوئے بولا۔

"ہاں ہے" دونوں سایوں میں سے ایک سایہ آگے بڑھا۔ نسوانی آواز سن کر پہریدار نے پھر پوچھا "کون ہو تم ——"

تلوار بردار پہرے دار جلدی سے مڑا اور بھاگ کر طاق سے دیا اٹھا لایا اور روشنی سایوں پر ڈالتے ہوئے بولا "کون ہو تم دونوں —— اور یہاں کیوں آئی ہو ——"

سائے روشنی میں واضح ہو گئے۔ یہ دو خواتین تھیں۔ جنھوں نے اپنے آپ کو سیاہ لبادوں میں چھپا رکھا تھا۔ ان کی چادریں سروں پر سے چہروں پر جھک آئی ہوئی تھیں۔ جب پہرے دار نے پھر پوچھا کہ وہ کون ہیں۔

تو

پہلے سائے نے چادر چہرے سے ہٹا دی ——

اور

پہرے دار کے ہاتھ میں دیا کانپ گیا۔

دوسرے پہرے دار کے منہ سے بے اختیارانہ چیخ نما آواز نکلی "مہا —— را —— نی صاحبہ ——"

"ہاں ——" مہارانی کی گھمبیر آواز سنائی دی۔ ان کے ساتھ آنے والی لونڈی سرسوتی نے بھی اپنی چادر چہرے سے ہٹا دی ——

"آ —— پ —— مہارا —— نی —— جی —— آپ ——" پہرے دار ہکلا گیا دوسرا جلدی

سے بولا "آپ یہاں —— اس —— وقت ——"

سرسوتی مہارانی کی جگہ بولی "مہارانی صاحبہ —— شہزادہ عالم سے ملنے آئی ہیں"

"لیکن —— لیکن —— مہارانی —— جی ——" محافظ سہما سہما بولا۔

"داروغہ جی ——" مہارانی مستحکم آواز میں بولی "شاید آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ شہزادے سے ملنے کی مہاراج نے ممانعت کی ہوئی ہے ——"

دونوں پہرے دار گھگھیائے "جی حضور ——"

"لیکن ہم اپنے بیٹے سے ملیں گے" یہ مہارانی کا حکم تھا۔

"مہارانی صاحبہ ——" ایک محافظ قدرے ہمت کر کے بولا "شہنشاہ عالم کا فرمان ہے کہ صاحب عالم سے کسی کو ملنے نہ دیا جائے ——"

سرسوتی کو اس کی دیدہ دلیری پر تاؤ آ گیا جلدی سے بولی "تمہارے سامنے مہارانی کھڑی ہیں کوئی اور نہیں ——"

محافظ کے کسی جواب سے پہلے ہی مہارانی بولیں "مہارانی نہیں سرسوتی۔ اک دکھیاری ماں کہو ——"

"مہارانی جی ——" محافظ بیحد متاثر ہوا۔

"دروازہ کھول دیجئے داروغہ جی" سرسوتی نے قدرے دھیما لہجہ اختیار کیا "ایک دکھی ماں کو اپنے بیٹے سے آخری بار مل لینے دیجئے ——"

محافظ شش و پنج میں پڑ گئے —— سرسوتی نے پھر منت کی تو سنگین بردار محافظ نے دوسرے سے کہا "کھول دو دروازہ ——"

دوسرا محافظ گھبرا کر بولا "لیکن —— کسی کو —— پتہ چل گیا تو ——"

وہ بولا "کیسے پتہ چل جائے گا۔ اس وقت ہم چاروں کے سوا یہاں کون ہے۔ دوسرے پہریدار مشرقی اور مغربی سمتوں میں پہرہ دے رہے ہیں۔ یہاں اور کوئی نہیں"

دوسرے محافظ نے جلدی سے کہا" جانتے ہو۔ اس جرم کی سزا۔۔۔"

سرسوتی بولی" خواہ مخواہ ڈر رہے ہو داروغہ جی۔۔۔"

وہ تذبذب کے عالم میں تھا۔ مہارانی نے ایک قدم آگے بڑھایا اور بولیں" ہم وعدہ کرتے ہیں داروغہ جی۔۔۔ کہ ایسی کوئی بات ہوئی تو ہم اقبال جرم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے۔۔۔"

"میں نے کہا ہے نا کھول دو دروازہ۔۔۔" پہلا محافظ اپنے ساتھی سے چمک کر بولا" مہارانی صاحبہ کو مایوس نہیں کریں گے ہم کھول دو۔۔۔ دروازہ۔"

دوسرا محافظ آگے بڑھا اور لوہے کا قفل کھولتے ہوئے گڑگڑایا" مہارانی جی۔۔۔ غلام کی زندگی آپ کی امان چاہتی ہے۔"

"بے فکر رہو" مہارانی نے ہولے سے کہا اور پھر گلے سے موتیوں کی مالائیں اُتار کر ان محافظوں کی طرف پھینکیں۔

"تشریف لائیے" محافظ نے دروازہ نیم وا کرتے ہوئے ہولے سے کہا۔

مہارانی سرسوتی کے سہارے دروازے میں داخل ہوئی۔۔۔

دروازے کی کھٹکھٹاہٹ اور قدموں کی آواز سے چونک کر شہزادے نے ہاتھوں کے پیالے سے سر اُٹھا کر ادھر دیکھا۔۔۔ ناتمام روشنی میں وہ جان نہ پایا کہ اندر آنے والا کون ہے۔

لیکن

ممتا کی کشش اور تنومندی سے کون انحراف کر سکتا ہے۔

اور

چھٹی حس کی آگہی سے انکار بھی ممکن نہیں۔

شہزادے کی چھٹی حس نے اسے احساس دلایا اور مہارانی کی ممتا نے اسے اپنی

طرف کھینچا۔

دوسرے ہی لمحے شہزادہ تیر کی سی تیزی سے ماں کی طرف لپکا اور اس کے قدموں کو چھونے کے لیے جھکا۔

"رانی ماں"

"میرے بچے میرے لال" ماں نے جھکے ہوئے شہزادے کو کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور بازوؤں میں بھر کر سینے سے لگا لیا۔ شہزادہ پیار کو ترسے ہوئے ننھے سے بچے کی طرح ماں کے سینے میں سر دیئے کھڑا رہا۔ پیار کے چشموں سے سیرابی اسے بیحد تسکین دے رہی تھی۔

کئی ساعتیں ماں بیٹے کی محبتوں اور پیار کی تسکین کی نذر ہو گئیں۔

ماں والہانہ پیار کر رہی تھی" میرے بچے میرے لال" اس کے بھیگے لبوں سے بار بار نکل رہا تھا اور آنکھوں سے سیلاب اشک رواں تھا۔ چند قدم پر کھڑی سرسوتی بار بار اپنی آنکھیں پونچھ رہی تھی۔

"رانی ماں" شہزادے نے اپنا سر اٹھایا اور اپنے دونوں ہاتھ ماں کے کندھے پر رکھتے ہوئے مشعل کی مضمحل روشنی میں ماں کے چہرے پر نگاہیں جما دیں۔

"شیخو" مہارانی نے شہزادے کے گال پر ہاتھ پھیرا۔

"رانی ماں" شہزادے کی آواز رندھ گئی۔۔۔

"شیخو۔۔۔" مہارانی گھگھیائی۔

"رانی ماں۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ یہاں کیوں آئیں۔۔۔" وہ ماں کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا۔۔۔

"میرے بچے۔۔۔" مہارانی کی آنکھوں سے آنسو پھر بہہ نکلے۔۔۔" کیوں آئی ہوں؟ تجھے دیکھنے۔۔۔ تجھے ملنے۔۔۔ میری تڑپ کا اندازہ۔۔۔ تو۔۔۔ نہیں کر سکتے تم۔۔۔"

"ماں ——"

"شیخو —— تم نے کیا کر دیا ——"

"رانی ماں ——" وہ روہانسی آواز میں بولا "میں نادم ہوں ماں —— بہت نادم ہوں ——"

"سب کچھ تیرا ہی تو تھا میرے لال" مہارانی بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے رو دیے جا رہی تھی —— "یہ تخت و تاج —— سلطنت —— سب تمہارا ہی تو تھا۔ تمہارے باپ ——"

شہزادہ شرمندگی کے احساس سے مغلوب تھا۔ ماں کی بات کاٹتے ہوئے جلدی سے بولا "بس —— کچھ نہ کہیئے رانی ماں —— میں شرمندہ ہوں —— میں نے جو گستاخیاں کی ہیں ان کی سزا یہی تھی۔ میں اسی قابل تھا ——"

"تمہارے شاہ بابا اپنے فیصلے پر سختی سے کاربند ہیں۔ ساری جنتا منتیں کر کے ہار گئی۔ محل کے ایک ایک فرد نے تمہاری رہائی کے لیے داد فریاد کی۔ لیکن وہ نہیں مانے۔ تمہاری سلطان اور تمہاری رانی ماں بھی ہار گئیں —— کوئی انہیں اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور نہیں کر سکا ——"

شہزادے نے ایک گہری سانس چھوڑی اور بجھے ہوئے لہجے میں بولا "اک عادل حکمران کے شان شایاں یہی فیصلہ ہے ماں ——"

"شیخو —— میرے بچے ——" ماں بے اختیار ہو کر کہہ اُٹھی۔

"مجھے شاہ بابا کے اس فیصلے پر فخر ہے رانی ماں۔ میری محبت بھی ان کی راہ کی زنجیر نہیں بنی۔ ایسا انصاف پسند شہنشاہ رعایا کے لیے واقعی خدا کا سایہ ہوتا ہے ——"

مہارانی اُلجھ کر بولی "وقت ضائع نہ کرو —— یہ موقع نکل گیا تو پھر —— ہاتھ نہیں آئے گا —— لو جلدی کرو ——"

شہزادے نے دوشالہ ہاتھوں میں لے لیا۔ چند لمحے اسے تکتا رہا۔ پھر ہونٹوں سے لگا لیا ——

"اوڑھ لو نا ——" مہارانی جلدی سے بولی۔

شہزادے نے لبادہ پھیلایا اور پھر اسے ماں کے کندھوں پر ڈالتے ہوئے بولا "بس اب آپ واپس چلی جائیں ——"

"شیخو ——" مہارانی کانپ گئی "تم بھاگنے سے انکار کر رہے ہو ——"

"رانی ماں —— بہتر ہوگا آپ واپس چلی جائیں اور جذبات کی جس دھارا پہ بہہ کر یہ قدم اٹھانے پر مجبور ہیں اس کا رخ موڑ دیں ——"

"سلیم ——"

"رانی ماں ——" شہزادہ دکھے لہجے میں بولا —— "شاہ بابا کو پے در پے صدمے تو نہیں پہنچنے چاہئیں —— پہلے ہی ان پر کیا قیامت کم ٹوٹی ہے۔ میرا فرار انہیں دنیا کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہ چھوڑے گا۔ بیٹے کے ساتھ بیوی نے بھی غداری کی تو بوڑھے شہنشاہ کی لاج کون رکھے گا —— شہنشاہ پر اتنا ظلم تو نہیں ہونا چاہیئے ——"

"شیخو ——" مہارانی بیچارگی سے بولی۔

"آپ واپس چلی جایئے —— مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجیئے —— میں اپنے بابا پر اور ظلم نہیں کروں گا —— نہیں کروں گا"

شہزادے نے دونوں ہاتھوں پر سر گرا لیا —— اور رندھے ہوئے لہجے میں بولا

"چلی جائیں آپ رانی ماں —— اور اپنے شہنشاہ کے فیصلے پر فخر سے سربلند کریں —— مجھے اپنے بابا پر فخر ہے ماں —— میں ان کے فیصلے کی آن رکھوں گا —— رکھوں گا —— آپ جایئے —— اور اپنے بوڑھے مہاراج کو حوصلہ دیجیئے —— میرے گناہوں کی یہی سزا ہے ——"

"میرے بچے ——" مہارانی بیٹے سے لپٹ گئی اور بے اختیار ہو کر رونے لگی۔
سرسوتی بھی بے اختیار ہو گئی —— چادر میں منہ چھپا کر وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔
چند لمحے دونوں آنسو بہاتی رہیں۔ اور شہزادہ مضمحل ہو کر کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتا کبھی چبوترے پر بیٹھ جاتا۔ رانی ماں کے رویے نے اسے بیحد متاثر کیا تھا —— اسے اپنے آپ سے شرم آ رہی تھی۔ پیار کے ان بے لوث رشتوں کو اس نے کیونکر بھلا دیا تھا۔ صرف ہوس جاہ کی خاطر وہ ان مقدس بندھنوں کو توڑ گیا تھا۔

رانی ماں کی حالت دیکھ دیکھ کر اسے اپنے بوڑھے شاہ بابا کی محبتیں شفقتیں اور عنائتیں شدت سے یاد آنے لگی تھیں۔ وہ اپنے آپ کو کوس رہا تھا اور ذہنی طور پر سزا کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ اس کے دل و دماغ پر بہت بوجھ تھے۔ اس سے بڑی خطائیں سرزد ہوئی تھیں۔ قبیح جرم کیے تھے اس نے —— رانی مان بائی کملاوتی اسی کی وجہ سے مر گئی —— وہ اس کا بھی خطا وار تھا۔ اس نے زندہ انسان کی کھال کھنچوا دی —— صرف اپنے غصے اور انتقام کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اس نے ابوالفضل کو قتل کروانے کا منصوبہ بھیر سنگھ سے مل کر بنایا۔ صرف اس لیے کہ ابوالفضل شہنشاہ کا دوست اور دست راست تھا —— اس نے اپنوں کو اتنے دکھ دیئے تھے کہ ان کا خیال بھی لرزا کے رکھ دیتا تھا —— سلطان سلیمہ بیگم مہارانی اور خود شاہ بابا —— وہ ان سب کی آنکھوں کا تارا تھا۔
لیکن اتنے پیار کا صلہ اس نے کیا دیا تھا۔

دکھ

اور

صرف

دکھ

شہزادہ ہاتھوں پر سر گرائے بیٹھا تھا۔ وہ اپنی زیادتیوں کا سوچ رہا تھا۔ دماغ

ماؤف سا ہو رہا تھا۔ لیک جھپک ذہن میں کئی یادیں آ رہی تھیں —— اپنا بچپن اور لڑکپن —— جو پیار کی سہانی چھاؤں تلے گزرا تھا —— شاہ بابا تو اس پر جان نچھاور کیا کرتے تھے۔ وہ جہاں قدم رکھتا وہاں آنکھیں بچھاتے۔ اسے کبھی ذرا سی بھی تکلیف ہوتی تو خود بے چین ہو جاتے کھانا پینا چھوڑ دیتے —— نیندیں حرام کر لیتے۔ ایسے چاہنے والے باپ کو اس نے کتنے دکھ دیئے تھے؟

"اُف اس نے سر اٹھایا اور سرخ متورم آنکھوں سے رانی ماں کو دیکھا۔

"میرے بچے ——" رانی اس کی طرف بڑھی —— اور ایک بار پھر التجائی لہجے میں بولی "مت سوچ اور باتیں —— میری بات مان لے۔ وقت ہے ابھی —— نکل جا یہاں سے —— نکل جا میرے بچے —— تیری جان بچنے کی اور کوئی صورت نہیں رہی —— وہ خونی صبح طلوع ہونے سے پہلے یہاں سے نکل کر کہیں روپوش ہو جا ——"

وہ چبوترے پر شہزادے کے قریب بیٹھ گئی —— اپنا بازو شہزادے کی گردن میں حمائل کر دیا —— شہزادہ جذباتی ہو گیا۔ ماں کے کندھے سے سر لگا کر آنکھیں بند کر لیں اور بن آنسو بہائے رو دیا ——

"میرے لال ——" ماں نے اس کی پیشانی چوم لی —— "مان لے میری بات"

"نہیں" شہزادہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولا "رانی ماں —— مجھے آزمائش میں مت ڈالیے میرے بابا کے لیے مسئلے پیدا نہ کیجئے —— مجھے میری حالت پر چھوڑ دیجئے۔ اپنی ممتا کو دلاسہ دیجئے —— اور یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے اسے تقدیر سمجھ کر قبول کر لیجئے ——"

"شیخو ——" مہارانی پھر رو پڑی

"سلیم" مہارانی نے حیرانی سے بیٹے کو دیکھا۔

"ہاں رانی ماں" شہزادے نے قدرے رخ موڑتے ہوئے کہا "مجھے اپنی غلطی کا

شدت سے احساس ہو گیا تھا ـــ اور میں اسی لیے آگرے آیا تھا کہ شاہ بابا سے معافی مانگ لوں ـــ سلطان عالیہ نے مجھے یقین دلایا تھا کہ وہ ہم دونوں میں مصالحت کروا دیں گی ـــ"

"لیکن ایسا نہیں ہوا ـــ تمہیں دھوکے سے گرفتار کر لیا گیا ـــ"

"نہیں ماں ـــ شہنشاہ عالم ـــ مجھے بحر صورت گرفتار کرنے کا عزم کر چکے تھے انہوں نے جو کیا ٹھیک ہی کیا۔ مجھے میرے کیے کی سزا ملنا ہی چاہیے تھی۔ ماں مجھے تو دوہری سزا ملنا چاہیے۔ میں نے صرف سلطنت کے خلاف ہی بغاوت نہیں کی اک شفیق باپ کی بے لوث چاہت اور بیکراں محبت کو بھی روند ڈالا ـــ میں نے بہت بڑا جرم کیا ہے ماں اس کو تو شاید خدا بھی معاف نہیں کرے گا۔"

ماں سسکنے لگی ـــ

اور آنسو بہاتے ہوئے بولی "تمہیں دشمنوں نے بھڑکایا ـــ"

"نہیں ماں نہیں ـــ" شہزادے نے ہاتھ ماں کے منہ کے آگے رکھ کر کہا "میں اپنا جرم کسی دوسرے کے سر نہیں تھوپوں گا ـــ راجہ مامان سنگھ دیو اور سالار بلند بخت کے سر بھی نہیں ـــ"

"وہی مجرم ہیں" رانی گگھیائی "انہوں نے تمہیں غلط راہ دکھائی۔ اپنے مفاد کے لیے تمہیں استعمال کیا ـــ تم پھنس گئے اور وہ ـــ لیکن میں، میں تمہیں اس جال سے نکال لوں گی ـــ"

"رانی ماں" شہزادے نے متعجبانہ نگاہوں سے ماں کو دیکھا۔

"ہاں" ماں بیحد جذباتی ہو کر بولی "میں تمہیں یہاں سے آزاد کروانے آئی ہوں میرے بیٹے ـــ میں تمہیں چھڑانے آئی ہوں ـــ"

"رانی ماں ـــ"

"وقت ضائع نہ کرو۔ لو یہ دوشالہ اوڑھ لو ـــ" ماں نے اپنا سیاہ دوشالہ اتار کر شہزادے کی طرف بڑھایا۔

"ماں ـــ" شہزادے کی آواز قدرے اونچی ہو گئی۔

"جلدی کرو ـــ اوڑھ لو دوشالہ ـــ یہ باندی تمہارے ساتھ جائے گی۔ یہ مشعل کو گل کر دے گی اور محافظ سمجھیں گے کہ مہارانی واپس گئی ـــ یوں تم اس کے ساتھ زنداں سے نکل جاؤ گے ـــ کچھ ہی دور اودھے سنگھ گھوڑا لیے کھڑا ہو گا ـــ سن رہے ہو نا ـــ" مہارانی نے شہزادے کا کندھا پکڑ کر جھنجھوڑا "اودھے سنگھ تمہیں لے جائے گا شیخو ـــ وہ میرا جاں نثار اور وفادار ہے بڑے بھروسے کا آدمی ہے۔ تم بے خوف اس کے ساتھ جا سکتے ہو ـــ"

"ماں ـــ" شیخو کے لبوں سے صرف اتنا ہی نکلا۔

مہارانی مستحکم لہجے میں بولی "تم ـــ اودھے سنگھ کی راہنمائی میں اس صبح تک مغل سرحدوں سے دور نکل جاؤ گے جو اندھی بن کر طلوع ہونے والی ہے۔"

"ماں"

"تم فکر نہ کرو میری جان ـــ خاموشی سے نکل جاؤ ـــ کوئی فکر نہ کرو۔ کل جو ہو گا دیکھا جائے گا ـــ شہنشاہ کا عتاب عذاب بن کر ٹوٹے تو تمہاری ماں ہنسی خوشی اپنی زندگی قربان کر دے گی ـــ"

شہزادہ بیحد متاثر ہوا ـــ لیکن ماں کی زندگی داؤ پر لگا کر اپنے آپ کو بچانے کا وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ ماں کو دونوں بازوؤں سے تھام لیا اور بولا "رانی ماں میرے پیار میں آپ اپنا آپ بھول رہی ہوں ـــ"

وہ دوشالہ اس کے کندھوں پر ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی "باتوں میں وقت ضائع نہ کرو ـــ اس بندی خانے کے اردگرد کڑا پہرہ ہے۔ تم صرف اسی صورت

باہر جا سکتے ہو۔ میں یہاں ہی رہوں گی۔ تم اس لونڈی کے ساتھ باہر نکل جاؤ ——— جلدی کرو اوڑھ لو ——— دو شالہ ———"

"ماں ———" وہ وقت سے بولا ———" ممتا کے جوش میں میرے جرموں میں اضافہ نہ کرو رانی ماں"

"شیخو ———" ماں فرطِ حیرت سے کانپتی آواز میں بولی۔

"میرے ضمیر پر پہلے ہی کچھ کم بوجھ نہیں ہیں ———" وہ سکون سے بولا۔

"تو ——— تو ———" مہارانی حیرانی سے اسے تکتے ہوئے بولی "تو تم بھاگنے پر آمادہ نہیں ہو ———"

"نہیں ———" وہ بھرپور اعتماد سے بولا

"شیخو" مہارانی بت بن گئی ———

سلیم نے پھر ماں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے اور پیار سے بولا "ممتا کی واقعی آنکھیں نہیں ہوتیں۔ میرے پیار میں آپ ان حدوں کو چھو لیں گی میں نہیں جانتا تھا ——— ماں ——— آپ صرف ماں نہیں۔ ایک وفا شعار بیوی بھی ہیں۔ کیوں اپنی عمر بھر کی وفاداریوں پر اس فعل سے کالک پھیر دینا چاہتی ہیں ———"

"مجھے اس کی پرواہ نہیں میرے لال" وہ جذباتی لہجے میں بولی "میں صرف بیوی نہیں ایک ماں بھی ہوں۔ اور تم شاید آگاہ نہیں کہ ممتا کے سمندر میں جب اُبال آجائے تو ہر چیز تباہی کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔"

"میں پہلے ہی گناہ گار ہوں ——— مجھے اور گناہ گار نہ کریں ماں ———"

شہزادہ ماں کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا ———

چند لمحے وہ بے کل سا کھڑا ماں کو تکتا رہا ——— پھر رانی ماں کو کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا۔ اپنے سامنے کھڑا کرتے ہوئے بولا "بس۔ بہت رو لیا آپ نے ——— اب واپس جائیے ———

آپ نے آ کر اچھا ہی کیا۔ میرا دل آپ کو دیکھنے کے لیے بے تاب تھا۔ میں اپنے قصور کی معافی بھی آپ سے مانگنا چاہتا تھا رانی ماں مجھے معاف کر دینا۔ میں نے آپ کا دل دکھایا ——— بہت دکھ دیئے میں نے آپ کو ———"

وہ ماں کے قدم چھونے کو جھکا۔ ماں نے جلدی سے اُسے اُٹھایا اور سینے سے لگا لیا۔ وہ لپٹائے ممتا کی آگ بجھانے کی کوشش میں آنسو بہاتی رہی ———

اور

جب

اسے اپنے سے علیحدہ کیا تو دکھیاری ماں ایک دفعہ پھر ملتجی ہوئی "بھاگ جاؤ"

"نہیں ماں ——— نہیں ———" شہزادے نے ماں کے ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگا لیے۔

پھر

وہ ماں کو سہارا دے کر سرسوتی کے قریب لایا ——— "رانی ماں کو تھام کر لے جاؤ ———"

"جو حکم ———" سرسوتی نے رانی ماں کا بوجھل وجود بازوؤں میں تھام لیا ———

"جاؤ" شہزادے نے کہا ———

سرسوتی مہارانی کو سنبھالے قدم قدم چلی ——— مہارانی بے بسی سے بیٹے کو تکتی کوٹھڑی سے باہر نکل گئی ———

پہریدار نے جلدی سے سلاخ دار دروازہ بند کر دیا ———

شہزادے نے ان سلاخوں سے ماتھا لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

رانی ماں کی سسکیاں اسے سنائی دے رہی تھیں۔

وہ جوں جوں سوچ رہی تھی اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ آج اس نے شہنشاہ کا ایک نیا روپ دیکھا تھا ـــــ پابند مجبور اور بے بس انسان۔ جو پورے ہندوستان کا مالک تھا ـــــ قوت اور جرأت رکھتا تھا۔ لیکن ـــــ اپنے لخت جگر کے لیے کچھ نہ کر سکتا تھا۔ عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس کے دل کے تقاضے اور تھے ـــــ جوش مارتا ہوا پدری خون کچھ اور چاہتا تھا۔

لیکن

وہ اس باپ کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ جس کی رگ رگ میں بیٹے کی محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن تھا ـــــ

اس نے اپنے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دی تھی۔ اور سب کچھ قربان کرنے پہ تل گیا تھا۔

کتنا عظیم تھا یہ انسان

کتنا افضل تھا یہ آدمی۔

مہرتاج جب سے شہنشاہ کی خواب گاہ سے فانوس روشن کیے بغیر لوٹی تھی تب سے بے چین اور اداس تھی ـــــ

وہ سوچ رہی تھی۔

بار بار سوچ رہی تھی۔

کاش اس کے بس میں ہوتا کہ وہ شہنشاہ کی اندھیری دنیا میں روشنی کا نور پھیلا سکتی ـــــ اس بوڑھے شہنشاہ کے اندر جو ایک باپ ڈھے رہا تھا اس کو سہارا دے سکتی ـــــ ان ویران ہوتے محلوں کی رنگینیاں اور گہما گہمیاں لوٹا سکتی ـــــ مہرتاج نے انہی محلوں اور کوشک سراؤں میں زندگی گزاری تھی۔ شہنشاہ کی شفقتوں اور محبتوں سے سیراب ہوئی تھی۔ اسی شہنشاہ کی کرم فرمائی کی بدولت اس نے یہاں اک منفرد مقام پایا تھا۔ اسے شاہی خاندان کے ایک فرد کا سا رتبہ ملا تھا۔ وہ شہزادیوں بیگمات اور رانیوں کی منظور نظر بنی تھی۔ اسے کبھی بھی یہ احساس نہیں دلایا گیا تھا کہ وہ ان تابندہ اور درخشاں ستاروں کے سامنے اک ذرۂ حقیر ہے۔ اس خاندان کے اس پر بہت احسانات تھے۔ اس کے والدین پر احسانات تھے۔ وہ جب تک زندہ تھے ـــــ ان کی عزت و قدر کی جاتی رہی تھی ـــــ ان کے مرنے کے بعد مہرتاج کے سر پر شفقت اور محبتوں کے سائے اس طرح کر دیئے گئے تھے کہ اس نے ان بچھڑنے والوں کی زیادہ کمی محسوس نہ کی تھی۔ وہ اک خوشگوار زندگی گزار رہی تھی۔ وہ ہندوستان کے عظیم شہنشاہ کی براہ راست سرپرستی میں تھی۔ یہ بہت بڑا احسان تھا اس پر شہنشاہ کی نوازشات کی وہ ممنون احسان تھی۔

لیکن

اب

جبکہ

اس کا عظیم محسن دکھ اور کرب کی منزلوں سے گزر رہا تھا۔ وہ چاہنے کے باوجود اس کے لیے کچھ نہ کر سکتی تھی۔

وہ سہمی ہوئی تھی۔ اس کا دل پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ شہزادے کی موت کے بعد یہ دکھیارا باپ بھی جی نہ سکے گا۔ وہ پیار کی ان شدتوں سے آگاہ تھی جو شہنشاہ کے دل میں اپنے بیٹے کے لیے تھیں۔

اور

اگر

شہنشاہ کو یہ دھچکا لے ڈوبا۔۔۔۔ وہ جی نہ سکے۔۔۔۔

تو

تو

کیا ہوگا۔۔۔ اس عظیم سلطنت کا کیا ہوگا۔ جس کو اس باہمت شہنشاہ نے اپنے خون جگر سے سینچا ہے۔ جس کو بڑھایا ہے پروان چڑھایا ہے۔۔۔۔

کیا دشمنوں کی مرادیں بر آئیں گی۔۔۔۔؟

سازشی کامیاب ہو جائیں گے۔؟

ہندو راجے جو دلوں میں بغض وعناد کے طوفان چھپائے بیٹھے ہیں۔ پل نہ پڑیں گے؟

اس عظیم سلطنت کا شیرازہ نہ بکھیر دیں گے؟

"نہیں۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔" مہرتاج نے اپنا سر دونوں ہاتھوں پر گرا لیا اور بے اختیار چیخ اٹھی۔

"مہرتاج۔۔۔ مہر۔۔۔ تاج۔۔۔ کیا ہوا۔۔۔ کیا ہوا؟" سوسن اور سرسوتی جو اسی لمحے کمرے میں داخل ہوئی تھیں گھبرا کر اس کی طرف بڑھیں۔

"ٹھیک تو ہو نا مہرتاج۔۔۔" سوسن نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

مہرتاج نے سرخ اور متورم آنکھوں سے اسے دیکھا۔۔۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے نا" سوسن گھبرا کر بولی۔۔۔

"سوسن۔۔۔" وہ روہانسی ہو کر اس سے لپٹ گئی۔

"کیا ہوا ہے اسے" سرسوتی نے اس پر جھکتے ہوئے کہا۔

"پتہ نہیں۔۔۔" سوسن نے اس کو اپنے سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ پھر اسے تکیے کے ساتھ ٹیک لگا کر بٹھایا۔ خود پلنگ کی پٹی پر بیٹھتے ہوئے اس کی ٹھوڑی انگلی پر اٹھاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔۔۔ "نادر سے لڑائی تو نہیں ہو گئی۔۔۔"

"نادر" سرسوتی نے ایک دم ہی حیران ہو کر کہا "کون نادر۔۔۔"

سوسن کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ جلدی سے بولی "اس کا خیالی محبوب۔۔۔"

سرسوتی نے بھنویں اچکائیں۔ سوسن پھر مہرتاج کی طرف متوجہ ہو گئی۔۔۔

مہرتاج بیحد جذباتی ہو رہی تھی۔۔۔ دونوں ہاتھوں پر چہرہ گراتے ہوئے بولی

"کیا ہونے والا ہے۔۔۔ جانے کیا ہونے والا ہے۔۔۔"

سوسن نے اک گہری سانس چھوڑتے ہوئے کہا "فضا پہلے ہی کیا کم اداس ہے مہرتاج ہر طرف ویرانی ہی ویرانی نظر آ رہی ہے۔ میں تو ابھی سلطان عالیہ کے پاس سے ہو کر آئی ہوں۔۔۔ دیکھا نہیں جاتا ان کی طرف۔۔۔ کتنی دکھی ہو رہی ہیں وہ۔۔۔"

سرسوتی جلدی سے بولی "تم مہارانی کا سوچو۔۔۔ ماں ہیں وہ۔۔۔ اور پتہ ہے؟"

"کیا؟" سوسن جلدی سے بولی۔

سرسوتی پہلے تو کچھ ہچکچائی۔۔۔ پھر ادھر ادھر دیکھ کر بولی "بھئی کسی کو پتہ نہ چلے۔"

"کیا؟" مہرتاج نے بھی دونوں ہاتھوں پر سے سر اٹھایا۔

"مہارانی شہزادۂ عالم سے ملنے بندی خانے گئی تھیں۔۔۔" سرسوتی بولی۔

اور

پھر

ساری روئیداد ان کے گوش گزار کر دی۔ دونوں گنگ سی ہو گئیں۔

”شہزادے نے بھاگنے سے انکار کردیا؟“ مہرتاج کھلی کھلی آنکھوں سے بے یقینی کے عالم میں سرسوتی کو تکنے لگی۔

”ہاں ــــ انھوں نے مہارانی کو واپس بھیج دیا۔ شہزادہ عالم اپنی سزا بھگتنے کو تیار ہیں ــــ“ سرسوتی بڑے دکھ سے بولی۔

”اللہ“ مہرتاج نے ماتھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ”کیا ہوگا ــــ“

”سب جانتے ہیں کیا ہوگا“ سوسن نے بجھے بجھے لہجے میں کہا ”کل کا دن باقی ہے۔ پھر ــــ“

”اس دن کو آنے سے روک لو ــــ“ مہرتاج چیخنے کے لہجے میں بولی۔

”ہونہہ ــــ“ سوسن بولی ”حکومت کے کرتا دھرتا اور محلوں کے سرکردہ افراد نہ روک سکے تو ہم کس باغ کی مولی ہیں مہرتاج ــــ ہم کیا کر سکتے ہیں ــــ“

”کچھ کرنا چاہیے سوسن ــــ ورنہ ــــ قیامت ٹوٹ پڑے گی“

سوسن نے مہرتاج کا چہرہ ہاتھوں میں تھام لیا اور بولی ”تم باؤلی سی ہو رہی ہو ــــ حوصلہ رکھو ــــ اس طرح کرنے سے کیا ہوگا۔ تم کچھ زیادہ ہی متاثر نظر آ رہی ہو۔ مجھے دیکھو میں سلطان عالیہ کے پاس سے آ رہی ہوں۔ سرسوتی مہارانی جی کے ساتھ بندی خانے سے ہو کر آ رہی ہے ــــ“

”تم لوگوں نے وہ نہیں دیکھا جو میں نے دیکھا ہے“ مہرتاج بولی۔

سوسن اور سرسوتی حیرانگی سے اسے تکنے لگیں ــــ ”کیا دیکھا ہے تم نے ــــ“

”میں نے ــــ میں نے آج شہنشاہ کو باپ کے روپ میں دیکھا ہے سوسن ــ تاج و تخت کی زنجیروں میں جکڑا ہوا باپ ــ بے بس باپ ــــ جو درد کے وار سہہ کر بھی تڑپ نہیں سکتا۔ مہارانی کو حوصلہ دیتے ہوئے جہاں پناہ کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ سوسن ــ میں نے زندگی میں پہلی بار شہنشاہ کو روتے ہوئے دیکھا“

سرسوتی اور سوسن بے اختیار ہو کر بولیں ”شہنشاہ رو دیئے؟“

مہرتاج جذباتی لہجے میں بولی ”شہنشاہ نہیں اک باپ رویا۔ ایک محب رویا۔ اک عاشق رویا ــــ“

سوسن نے مہرتاج کو دیکھا اور بولی ”یہ بات ہے تو شہنشاہ عالم شہزادے کی جان بخشی کیوں نہیں کر دیتے ــــ“

سرسوتی نے بھی یہی بات کہی تو مہرتاج گہری گہری بے ربط سی سانسیں لیتے ہوئے بولی ”میں بھی یہی کہتی تھی لیکن شہنشاہ کی گفت گو سنی تو نظریہ بدلنا پڑا ــــ شہنشاہ بیٹے کی خاطر قانون بدل ڈالیں ــــ؟ عدل و انصاف کو روند ڈالیں؟ یہ بادشاہت کا ناجائز استعمال نہ ہوگا ــــ؟ کئی باغیوں کو سزائے موت دی جا چکی ہے۔ اب شہنشاہ بیٹے کو بچانے کے لیے کوئی راہ نکالیں تو مرنے والے باغیوں کے اعزہ و اقارب تخت شاہی کی بنیادیں نہ ہلا دیں گے؟ شہنشاہ کو خود غرض اور مفاد پرست نہ کہا جائے گا؟ لیکن آفرین ہے شہنشاہِ اعظم جلال الدین اکبر پر ــ کہ وہ غاصب نہیں محافظ ہیں قانون کے ــــ“

”لیکن بنے گا کیا؟“ سوسن بولی۔

”مجھے یہی تو فکر کھائے جا رہا ہے ــــ میں نے شہنشاہ کی جو حالت دیکھی ہے۔ اُف مشکل ہے کہ وہ ــــ میرے منہ میں خاک ــــ وہ بیٹے کے بعد جی پائیں گے“

”ہائے اللہ ــــ“ سوسن نے دل تھام لیا۔ سرسوتی بھی پریشان نظر آنے لگی۔

کچھ دیر تینوں گم صم رہیں۔ وہ سمجھ نہ پا رہی تھیں کہ کیا کریں۔ جذبۂ وفاداری اور جانثاری امنڈ رہا تھا ــــ تینوں بے حد جذباتی بھی ہو رہی تھیں۔ کچھ کر گزرنے کو بھی تیار تھیں۔ تبھی تو سوسن بولی ”ہائے ہائے۔ شہنشاہ جان کے بدلے جان لے لیں۔ تو اللہ قسم میں اپنی جان ہنسی خوشی دے دوں ــــ“

”میں خود“ سرسوتی بولی ”جان دے کر اگر راج محلوں کی فضائیں جھک سکتی ہوں۔

تو میں قربان ہونے کو تیار ہوں"

"سلطنت کا ہر بہی خواہ یہی چاہے گا ـــ اگر شہنشاہ یہ بات مان جائیں تو سب سے پہلے میں تختۂ دار پر چڑھ جاؤں گی ـــ لیکن ایسا نہیں ہوگا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"تو پھر ـــ" کئی لمحوں بعد سوسن بولی "جب ہم کچھ کر ہی نہیں سکتے تو یوں واویلا کرنے سے کیا فائدہ ـــ بڑے بڑے جغادری سردار سالار اور عمائدین سلطنت کوئی حل نہیں ڈھونڈ سکے۔ حرم کی خواتین کی آہ و زاری کوئی راہ نہ نکال سکی ـــ تو ہم حرم سرا کی معمولی کنیزیں کیا کر سکتی ہیں ـــ چلو مہرتاج لیٹ جاؤ۔ ہم بھی چلتے ہیں ـــ"

سرسوتی بھی اُٹھ کھڑی ہوئی ـــ" ہائے ہائے باتوں میں یاد ہی نہ رہا۔ مجھے تو شہزادہ پرویز کی انا سے ملنے جانا تھا ـــ"

"اتنی رات گئے؟" سوسن بولی۔

"میں جا اُدھر رہی تھی ـــ آ اِدھر گئی ـــ"

"اب تو وہ سو چکے ہوں گے ـــ"

"دیکھتی ہوں۔ مہارانی جی کا پیغام دینا تھا۔ میں جاتی ہوں ـــ حد ہو گئی۔ ذہن سے نکل ہی گئی بات" سرسوتی اپنی ساڑھی کا پلو اپنی خمیدہ کمر کی پیٹی میں اڑستے ہوئے جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئی ـــ

اس کے جانے کے بعد سوسن ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے بولی "ہائے۔ آج میرے منہ سے اس کے سامنے نادر کا نام نکل گیا ـــ ہے اک کایاں یہ لڑکی ـــ کہیں ـــ"

مہرتاج نے گہری سانس لیتے ہوئے سوسن کو دیکھا ـــ لیکن منہ سے کچھ نہیں بولی۔ ٹکر ٹکر اسے تکے گئی۔

"لیٹ جاؤ مہرتاج ـــ تم بہت ہی نڈھال ہو رہی ہو ـــ"

"سوسن کچھ سوچو۔ کچھ کرنا چاہیئے ـــ"

"پگلی ـــ میں نے کہا نا کہ سب لوگ ہار گئے ہیں۔ ہم ہیں ہی کیا؟ ہماری وقعت اور حیثیت ہی کیا ہے ـــ کچھ کرنا ہمارے بس میں کہاں۔ دعا ہی کر سکتے ہیں سو کر رہے ہیں۔ میں تو سلطان عالیہ کے ساتھ آیۂ کریمہ کے ختم میں بھی شرکت رہی ہوں ـــ"

"کچھ نہیں ہو سکتا؟"

"کچھ نہیں ـــ"

"تباہی آکے رہے گی"

"تم کیوں اس انداز میں سوچتی ہو۔ ہمارے شہنشاہ زندہ ہیں ـــ شہزادہ خسرو کی ولی عہدی کی باتیں بھی سننے میں آ رہی ہیں ـــ"

مہرتاج نے سر ادھر ادھر ہلایا ـــ اس کی آنکھوں میں رنج والم کے سائے بڑے گہرے تھے۔ سوسن کو لگ رہا تھا مہرتاج باؤلی سی ہو رہی ہے۔ اس کے دل و دماغ پر کچھ زیادہ ہی اثر ہو رہا تھا ـــ

اس نے بہتیری کوشش کی کہ مہرتاج بستر میں لیٹ جائے ـــ لیکن وہ اس کی کسی بات پر دھیان ہی نہ دے رہی تھی ـــ

سوسن نے اس کا دھیان بٹانے کو اور باتیں شروع کر دیں ـــ ہنسانے کی بھی کوشش کی ـــ

لیکن

مہرتاج کے کانوں میں شہنشاہ کے الفاظ کی گونج اُتری ہوئی تھی۔ آنکھوں میں ان کا گرتا ہوا وجود لہرا رہا تھا۔ ان کی مجبوری اور بے بسی روح کو گھائل کر رہی تھی۔

اور

وہ دل کی گہرائیوں سے چاہ رہی تھی کہ اس مظلوم شہنشاہ کے لیے کچھ کر گزرے

لیکن

کیا کرے ؟

یہ وہ سوچ نہ پا رہی تھی۔

" مہر تاج " بڑی دیر کی خاموشی کے بعد سوسن نے اسے بلایا۔

" ہوں "

" تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کسی بات کا اتنا بھی اثر لیا جاتا ہے ؟"

" میں کیا کروں سوسن ——— میرا کلیجہ منہ کو آ رہا ہے۔ میں برداشت نہیں کر پا رہی "

" تُو ——— تو مر جائے گی اس طرح۔ دیکھ تو کیا حال بنا رکھا ہے۔ میں نے کہا چھوڑ نا ان باتوں کو۔ جو بات تیرے بس و اختیار میں نہیں اس کے لیے کیوں ہلکان ہو رہی ہے۔ بے فائدہ بے سود۔ مانا کہ تو شہنشاہ کی وفادار ہے۔ لیکن یہ بھی تو سوچ کر تو چند ایک دنوں میں یہ ماحول یہ فضا یہ محلات سب کچھ چھوڑ کر اپنے محبوب کے ساتھ جانے والی ہے تب بھی تو تو شہنشاہ کی وفاداریوں سے منہ موڑے گی ——— تیرا نادر شہنشاہ کے خلاف ہے۔ وہ باغی ہے ——— اور تو ——— تو نے اس کا ساتھ دینا ہے۔ توڑ لے آج ہی سے وفا کے ناطے ——— اور بے فکر ہو کر پڑ جا بستر میں ——— "

سوسن ——— " مہر تاج خوفزدہ ہو کر کانپ اُٹھی۔

" مہر تاج ——— بھئی ——— اوہ ——— کیا ہو رہا ہے تجھے ——— بس بھی کرو۔ رات آدھی ہونے کو آئی ——— اچھا ہوتا جو آج تجھے نادر سے ملنے جانا ہوتا۔ اس کے پاس جا کر شاید تجھے کچھ سکون ملتا ——— لیکن تُو تو کل جائے گی نا اس سے ملنے ——— اس کل کا سوچ مہر تاج ——— کتنا خوبصورت کل ہے تمہارا ——— تم اور نادر ——— یہاں سے جانے کا پلان بناؤ گے۔ راہ نکالو گے ——— پھر تم ——— دونوں ——— اکٹھے ——— ہمیشہ کے لیے اکٹھے ہو جاؤ گے ——— یہاں سے ہر رابطہ توڑ کر ہی تو جاؤ گی نا ؟ ابھی سے توڑ ڈالو رابطے ——— یہاں جو کچھ ہو گا اس سے تمہیں کوئی دکھ کوئی تکلیف نہیں ہونا چاہیے۔"

" سوسن ——— میں۔ میں یہ رابطے نہیں توڑ سکتی ——— "

" کیا کہہ رہی ہو ——— ؟"

" ہاں سوسن ——— "

" تو نادر کے ساتھ فرار ہونے کے منصوبے ——— ؟"

" اُف ——— مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا سوسن ——— میرا دماغ ماؤف ہوا جا رہا ہے ——— اُف ——— تم نہیں جانتیں ——— میرے سینے میں کتنے طوفان مچل رہے ہیں ——— کاش میں کچھ کر سکتی ——— کاش میں ——— "

سوسن نے غور سے مہر تاج کو دیکھا ——— اور اس کے حوالے سے نادر کا خیال اس کے ذہن میں اک کوندے کی طرح لپکا ———

نادر باغی تھا۔ اس کے سر کی قیمت مقرر ہو چکی تھی اور اسے گرفتار کرنے والا شہنشاہ سے منہ مانگا انعام پا سکتا تھا ——— منہ مانگا انعام ———

منہ مانگا انعام۔

منہ مانگا انعام۔

منہ مانگا انعام۔

سوسن کو لگا ہر طرف سے یہی صدا آ رہی ہے۔ شور سا مچ گیا ہے۔ آوازیں ہی آوازیں آنے لگی ہیں۔ اس کی حالت متغیر ہونے لگی۔

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

اس خیال کو اس نے ذہن سے جھٹک دینا چاہا۔ سر اِدھر اُدھر پٹخا ——— کانوں پر ہاتھ رکھ لیے ——— آنکھیں میچ لیں۔ کمرے میں بے تابانہ ٹہلنے لگی۔ کبھی در میں جا کھڑی ہوتی کبھی طاقچے میں رکھے شمعدان میں گھلتی پگھلتی شمع کو تکنے لگتی۔

خیال اپنی پوری شدت و قوت سے اس کے اندر پھیل رہا تھا۔ سر اٹھا رہا تھا۔ وحشتیں

اختیار کر رہا تھا ــــ

مہرتاج اپنے آپ ہی میں کھوئی الجھی تھی۔ اسے سوسن کی طرف دیکھنے اور قیاس آرائی کرنے یا پوچھنے کی فرصت ہی نہیں تھی۔

وہ کبھی دبی آواز میں اور کبھی الجھی آواز میں وقفوں کے بعد سر کو جھٹکتے تھامتے یہی کہہ رہی تھی ــ کاش میں کچھ کر سکتی ــ کاش میں شہنشاہ کی اندھیری دنیا روشن کر سکتی"

سوسن کے اندر ہی اندر بہت کچھ پھیلتا جا رہا تھا۔ خیال مضبوط ہو رہا تھا۔ وسعت بڑھ رہی تھی اور اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی حالت اس غبارے کی سی ہو رہی ہے جس میں ہوا زیادہ سے زیادہ بھری جا رہی ہے۔ اتنی زیادہ کہ ہوا نکالی نہ گئی تو اس کے پھٹ جانے کا قوی امکان ہو جائے گا۔

اس نے بہتیرا چاہا۔ کہ اس مہلک خیال کو ذہن سے نکال دے۔ نادر مہرتاج کا محبوب تھا اور مہرتاج اس کی عزیز ترین سہیلی تھی۔ راز دار تھی ــ وہ اس کے اعتماد کو دھوکہ دینے کا کبھی سوچ بھی نہ سکتی تھی ــ

لیکن

یہ خیال ایکا ایکی اس کے ذہن میں آن ٹپکا تھا۔

نادر

باغی نادر

جس کے سر کی قیمت مقرر ہو چکی تھی۔

جس کو گرفتار کروا کے شہنشاہ سے منہ مانگا انعام پایا جا سکتا تھا۔

کیوں نہ

نادر کو گرفتار کروا کے شہنشاہ سے منہ مانگا انعام پایا جائے۔

انعام

جو اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

کہ

شہزادے کی جان بخش دی جائے۔

یوں

یوں

کایا پلٹ سکتی تھی۔

محلوں کی خوشیاں لوٹ سکتی تھیں۔

ماؤں کے سینے میں ٹھنڈک پڑ سکتی تھی۔

اور

شہنشاہ کی اندھیری دنیا روشن ہو سکتی تھی۔

شہزادے کو بچایا جا سکتا تھا۔ صرف ــ یہی راستہ تھا ــ یہی راستہ جو مہرتاج کے محبوب کی زندگی کو موت سے ہمکنار کر کے بنتا تھا۔

جو

مہرتاج کی خوشیوں کے لاشوں پر سے ہو کر گزرتا تھا۔

سوسن نے سر دونوں ہاتھوں پر گرا لیا ــ ایک بار پھر اس نے سر جھٹکا اور اس خیال کو ذہن سے نکالنے کی کوشش کی۔

لیکن

وہ کامیاب نہ ہو سکی ــ

وہ کمرے میں مجنونانہ انداز میں ٹہلتی رہی ــ

اور

جب

اس نے مہ تاج کے لبوں سے یہ الفاظ پھسلتے سنے "کاش ___ کاش میں کچھ کر سکتی" تو

سوسن رک گئی ___ غور سے مہ تاج کی طرف دیکھا اور آہستہ آہستہ چلتی اس کے قریب آ بیٹھی ___ اس کی حالت دگرگوں تھی۔

"مہ تاج" اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"سوسن ___"

"مہ تاج ___ مجھے ___ مجھے معاف کر دو گی؟"

"معاف ___ کیوں ___ کیا؟ کیا کیا ہے تو نے؟"

"مہ تاج ___ میرے ذہن میں ___ میرے ذہن میں ___ وہ خیال گھس آیا۔ جو نہیں آنا چاہیے تھا ___"

"کیا کہہ رہی ہو ___ میں کچھ نہیں سمجھ رہی ___"

"مہ تاج ___ میں کہہ دوں ___؟"

"کیا؟ ___"

"میں کہہ دیتی ہوں۔ نہ کہا تو ___ تو میرا دل و دماغ پھٹ جائے گا ___"

مہ تاج اپنے آپ سے نکل کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تو سوسن نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر کہا ___ "تو میری بڑی پیاری دوست ہے۔ مجھے یہ بات نہیں سوچنا چاہیے تھی ___ نادر تو تیری زندگی ہے نا ___"

"ہاں" مہ تاج نے گہری سانس لی ___ پھر بولی "تجھے نادر کا خیال کیوں ستانے لگا۔ اور تھوڑے غم ہیں ___"

"مجھے ان غموں کے حوالے ہی سے نادر کا خیال آیا ہے مہ تاج ___"

"غموں کے حوالے سے؟"

"ہاں ___"

"تم۔ تم کیا کہنا چاہتی ہو سوسن ___"

"جو شاید نہیں کہنا چاہیے ___"

"کہہ ہی ڈالو ___"

"تم شاید سننے کی تاب نہ لا سکو ___"

مہ تاج نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ پھر حیران سی ہو کر بولی "نادر ___"

"ہاں مہ تاج ___ نادر ___ جو باغی ہے۔ جس کے سر کی قیمت مقرر ہو چکی ہے اور جسے گرفتار کرنے والا شہنشاہ سے منہ مانگا انعام پا سکتا ہے ___"

مہ تاج دلگرفتگی سے بولی "یہ نئی بات نہیں ___ ایک دنیا جانتی ہے"

"مہ تاج ___"

"ہوں"

"تم ___ تم شہنشاہ کی اندھیری دنیا روشن کرنا چاہتی ہو"

"کاش میں کر سکتی ___"

"کر سکتی ہو"

"کیسے؟ ___"

"کیسے والا مرحلہ مشکل ہے۔ شاید تم اتنی بڑی قربانی نہ دے سکو ___ تم وہ نہ کر سکو جو میرے ذہن میں آیا ہے ___ لیکن تم ___ تم اپنی جان کی پرواہ کرنے والی نہیں ہونا"

"بالکل ___ کاش میری جان کے بدلے شہزادے کی جان بچائی جا سکتی ___"

"بچائی جا سکتی ہے مہ تاج ___ تم چاہو تو بچائی جا سکتی ___"

مہ تاج نے دوشالہ پرے پھینکتے ہوئے ہاتھ اٹھائے۔ پھر ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتے ہوئے بولی "خدا قسم ___ اگر کوئی راہ تمہیں سوجھی ہے تو ابھی بتا دو ___ میں ایک لمحہ

کو بھی نہیں سوچوں گی اور جان قربان کر دوں گی ۔۔۔"

سوسن کا چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔ آنکھیں دہک رہی تھیں ۔۔۔ اور تیز تیز سانس لینے سے نتھنے پھول رہے تھے ۔۔۔

"مہرتاج ۔۔۔" سوسن کی آواز جیسے کہیں دور سے آ رہی تھی" تم اپنی مہیں نادر کی جان کا نذرانہ دے کر ۔۔۔"

"نادر ۔۔۔" مہرتاج بے اختیارانہ کہہ اٹھی ۔۔۔

"ہاں نادر ۔۔۔" سوسن کا جوش دیدنی تھا ۔۔۔ "وہ باغی ہے اسے گرفتار کروا کے منہ مانگا انعام ۔۔۔ شہزادے کی جان بخشی کا انعام ۔۔۔"

"سو ۔۔۔ سن ۔۔۔" مہرتاج کی مٹھیاں بھینچ کر کھل گئیں ۔ اس کا وجود بے جان سا ہو گیا اور آنکھیں جیسے ایک نقطے پر مرکوز ہو کر ساکت ہو گئیں ۔

"مہرتاج ۔۔۔ مہرتاج ۔۔۔" سوسن نے گھبرا کر اس کو بازوؤں سے تھام کر ہلایا

"میں نے ۔۔۔ میں نے غلط بات کہہ دی نا ۔۔۔ تمہاری سہیلی ہوتے ہوئے مجھے ایسا سوچنا نہیں چاہیے تھا نا ۔۔۔ اُف ۔۔۔ میں نے کیوں کہا ۔۔۔ کیوں سوچا ۔۔۔ مہرتاج میں ۔۔۔ کیا کروں ۔۔۔ یہ بات میں نے خود سے نہیں سوچی ۔۔۔ یوں ہی ذہن میں آگئی مجھے معاف کر دو ۔۔۔ مجھے معاف کر دو ۔۔۔ مہرتاج ۔۔۔ مجھے یقیناً تم سے نہیں کہنا چاہیے تھا ۔۔۔ غلطی ہو گئی ۔ تم مجھ پر بھروسہ رکھو ۔۔۔ مجھ پر اعتماد کرو ۔ پتہ نہیں کیوں ۔۔۔ کیوں سوچا میں نے ۔۔۔ کیوں کہہ دی یہ بات تم سے ۔۔۔"

سوسن اپنا ہی واویلا کیے جا رہی تھی ۔۔۔

اور

مہرتاج ساکت سی بیٹھی تھی ۔۔۔ بے حس و حرکت بت کی طرح ۔ ہاں اس کی آنکھیں جیسے کسی ایک نقطے پر مرکوز تھیں ۔۔۔

یہ

نقطہ

صرف

اور

صرف

نادر تھا ۔۔۔

نادر

جو

باغی تھا ۔

جس کے سر کی قیمت مقرر ہو چکی تھی ۔

اور

جسے گرفتار کرنے والا شہنشاہ سے منہ مانگا انعام پا سکتا تھا ۔

بعض اوقات ہم چھوٹے موٹے فیصلے کرنے کے لیے بھی ایک عرصہ گنوا دیتے ہیں۔ چھان پھٹک کرتے ہیں۔ جزویات پر نگاہ رکھتے ہیں۔ غلط اور صحیح کی پہچان کرتے ہیں۔ معاملے کو تولتے ناپتے ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود فیصلہ نہیں کر پاتے ہچکچاتے ہیں ڈرتے ہیں اور یوں تذبذب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کشمکش کی منزلوں سے گزرتے ہیں۔ ہاں یا نہ کے بین بین بھٹکتے رہتے ہیں۔

اور

یوں

مہینوں

سالوں

اور قرنوں فیصلے کی منزل نہیں چھو پاتے

لیکن

بعض اوقات بڑے اہم اور بڑے ہی سنگین فیصلے بغیر کسی کشمکش اور اذیت زدہ تذبذب سے گزرے ازخود ہو جاتے ہیں۔

لمحوں میں

گھڑیوں میں

ہم ایک ہی جست سے اس سرے سے اس سرے تک پہنچ جاتے ہیں۔ نہ چھان بین کرتے ہیں نہ ناپ تول ـــــ نہ ہی غلط اور صحیح کی پہچان کے مرحلے سے گزرتے ہیں اور نہ ہی ہاں کے یا نہ کے بین بین بھٹکتے ہیں۔

فیصلے

لمحوں میں

آپوں آپ ہو جاتے ہیں۔

یہ فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔

سچے اور سُچے

ان میں بدلنے کی لچک ہوتی ہے نہ ٹوٹنے کی صلاحیت۔

ہوتے ہیں

اور بس

ہو جاتے ہیں ـــــ

انسان ان فیصلوں کی گرفت میں آ کر سحر زدہ سا ہو جاتا ہے۔ اس کے ارادوں کی اس کی شخصیت کی نفی ہو جاتی ہے ـــــ اور وہ اتنا بے بسی سے جکڑا جاتا ہے کہ وہ فیصلوں کی تکمیل نہیں کرتا۔

بلکہ

فیصلے اس کی تکمیل کرتے ہیں۔

کچھ ایسا ہی فیصلہ مہرتاج سے ہو گیا تھا ـــــ سوسن کی باتوں نے اسے اس مقام پر لا کر کھڑا کر دیا تھا ـــــ جہاں فیصلے کیے نہیں جاتے ہو جاتے ہیں

ازخود

آپوں آپ۔

پھر

کچھ سوچنے کی مہلت ملتی ہے اور نہ ہی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تقدیر پر لکیر کھینچ دینے والے فیصلے لاگو ہونے کے لیے خود بخود راہیں تراش لیتے ہیں۔

یہ

اٹل ہوتے ہیں

سچے اور سُچے ہوتے ہیں۔

اور

ان میں بدلنے کی لچک ہوتی ہے نہ ٹوٹنے کی صلاحیت۔

بلکہ

ان کے تو پورا ہونے کا بھی ایمان کی حد تک یقین ہو جاتا ہے۔

اسی لیے تو مہرتاج پر اس سنگین اور اہم ترین فیصلے کے بعد سکون اور طمانیت کے در وا ہو گئے تھے۔ وہ کسی جذباتی ٹکر سے دوچار نہیں ہوئی تھی۔ نہ ہی کسی کمزوری نے اس پر غالب آنے کو ہلہ بولا تھا۔

اس کے تو دل و دماغ روشن ہو گئے تھے ــــ اپنے آپ پر نازاں لگ رہی تھی۔

وہ کام جو اراکین سلطنت نہ کر سکے۔ جو حرم کی معتبر و معزز خواتین نہ سر انجام دے سکیں۔ جسے سلطان عالیہ کا پایہ اور مہارانی کی ممتا سر انجام نہ دے سکی۔ وہ کام۔ وہ اہم کام وہ خود کرنے والی تھی۔ اپنی خوشیوں کے چراغ گل کر کے دوسروں کی خوشیوں میں روشنی بھرنے کے احساس سے لطف اندوز تو وہ اب ہو رہی تھی۔

اپنے لیے ہر کوئی سب کچھ کرتا ہے۔

لیکن

دوسروں کے لیے اپنے آپ کو پس پشت ڈال کر کرنے میں مزہ ہی اور ہوتا ہے۔

شہزادے کی زندگی کی بظاہر یہ آخری رات تھی۔ محل اداس اور ویران تھے اور یوں لگتا تھا اس کے گوشے گوشے سے جنازے اٹھ رہے ہیں ــــ صرف محل ہی نہیں پورا شہر کیا پوری مملکت کا دل رُک رُک کر دھڑک رہا تھا ــــ کئی دفعہ آخری بار شہنشاہ کے پاس فریاد لے کر آئے اور بے نیل مرام لوٹ گئے تھے ــــ

امیدوں کے سب دیئے دھواں دے رہے تھے ــــ

ہاں

صرف مہرتاج کے من کے چراغ جگمگا رہے تھے۔ وہ بڑے تیقن کے ساتھ قدم اٹھاتی اپنے محبوب سے ملنے جا رہی تھی ــــ

محبوب جو اس کو اپنی زندگی سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ جو اس کی تقدیر کی درخشانی اور مستقبل کا سہانا پن تھا ــــ جسے پانے کے لیے اس نے درد و فراق کی اذیتیں سہی تھیں۔ اور جسے پا کر وہ اپنے آپ کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھتی تھی ــــ

چاند پورے جوبن پر تھا اور چاندنی کا نور ہر سو پھیلا تھا۔ آج مہرتاج کو کوئی دقت پیش نہ آ رہی تھی۔ اس کے قدم نور کے غبار میں اپنی منزل کی طرف بڑھے جا رہے تھے۔

آج اس کی راہ واضح اور متعین تھی۔

درختوں کے جھنڈ تلے نادر کا گھوڑا بندھا تھا اور وہ نظر آ جانے کے خوف سے خود بھی پتوں سے چھن چھن پڑنے والی ناتمام سی چاندنی میں کھڑا تھا۔ وہ آج کچھ خوفزدہ سا تھا۔ ہوا سے پتے کھڑکھڑاتے یا کوئی شاخ جھولتی تو وہ سانس تک روک کر کھڑا ہو جاتا۔

یوں گمان ہوتا کہ کہیں سے کوئی ابھی نکل آئے گا اور اس کی شناخت کر لے گا۔

مہرتاج نپے تلے قدم اٹھاتی درختوں کی طرف آئی تو نادر نے جھٹ سے اس کی کلائی پکڑی اور گھنے اندھیرے میں اسے لے آیا۔

"کیا بات ہے میں ادھر ہی آ رہی تھی۔" مہرتاج نے نامکمل روشنی میں نادر کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ جانے کیوں اس کا من اندر ہی اندر چند ساعتوں کے لیے ڈول گیا۔ لیکن اس نے جلد ہی اپنے اوپر قابو پالیا اور زمین میں قدم مضبوطی سے گاڑلیے۔

اس کے جذبات و تاثرات سے بے خبر نادر نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بے آواز سے لہجے میں کہا "آہستہ بولو ــــ شاید ــــ اردگرد کوئی ہو ــــ"

"کون ــــ" مہرتاج نے اپنی کلائی اس کی مضبوط گرفت سے چھڑائے بغیر کہا۔

"پتہ نہیں ــــ لیکن یہ جگہ محفوظ یقیناً نہیں۔ میں نے کچھ گھوڑوں کو ادھر سے ادھر جاتے آتے دیکھا ہے ــــ" پھر وہ خود ہی مہرتاج کو اور اندھیرے میں کرتے ہوئے بولا "تم آ رہی تھیں کسی نے تمہیں دیکھا تو نہیں ــــ"

"نہیں ــــ اور ــــ شاید دیکھ لیتا تو کوئی فرق نہ پڑتا ــــ"

"مہرتاج ــــ" لگتا ہے یہاں چاروں اور ــــ گھڑ سوار گھوم رہے ہیں ــــ کہیں ــــ کہیں میری مخبری تو نہیں ہو گئی ــــ"

مہرتاج نے سر ہلایا اور بولی "مخبری نہیں ہوئی ہو گی۔ آنے والے کل کے لیے حفظ ماتقدم کے طور پر ادھر پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں ــــ شاید ــــ"

"اوہ ہاں ــــ کل شہزادے اور دوسرے باغیوں کو ــــ"

"خونی ہاتھی کے اکھاڑے میں چھوڑا جائے گا ــــ"

"تو شہزادے کی سزا یقینی ہے۔ جان بخشی نہیں ہو سکی"

"نہیں ــــ"

"کمال ہے ــــ میں نہیں جانتا تھا کہ شہنشاہ یہ سب کر گزریں گے"

"انصاف اور اصول پسند شہنشاہ سے اور کیا توقع رکھی جا سکتی تھی"

"کسی کی التجا نہیں مانی ــــ مہارانی کی بھی؟"

"مہارانی صاحبہ نے تو ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر شہزادے کے فرار کا بھی منصوبہ بنایا لیکن شہزادے نے بھاگنے سے انکار کر دیا"

"کیا واقعی"

"ہاں ــــ"

مہرتاج نے سرسوتی کی زبان سے جو کچھ سنا تھا نادر کے گوش گزار کر دیا۔

"شہزادے نے بڑی جرأت اور ہمت کا مظاہرہ کیا ہے"

"جرم کیا تھا۔ سزا پانے کو اب تیار ہیں بھاگے نہیں" مہرتاج کے لہجے میں جانے کیسی چبھن تھی جو نادر کے سیدھی دل میں اتر گئی ــــ

دل شکستہ سے لہجے میں وہ خود ہی کہہ اٹھا "بھاگنا سزا پانے سے زیادہ اذیت دہ ہوتا ہے"

"واقعی"

"ہاں یہ میرا تجربہ ہے۔ موت ایک بار نہیں آتی بار بار آتی ہے اس طرح۔ آج ہی کو دیکھو ہر آہٹ پر میرا دل کانپ جاتا ہے۔ لگتا ہے ہر کوئی میرا تعاقب کر رہا ہے"

مہرتاج نے مٹے مٹے اندھیرے ملے اجالے میں نادر کی صورت دیکھنے کی کوشش کی۔ پھر بولی

"موت سے ڈرتے ہو ــــ"

نادر مہرتاج کے لہجے سے چونکا اور پھر آہستگی سے بولا "اس لمحے لمحے کی موت سے خوفزدہ ضرور ہوں ــــ"

"چھٹکارا پا سکتے ہو ــــ"

"یہی تمہیں آج بتانے والا تھا ــــ اس رات میں نے تم سے وعدہ کیا تھا نا۔ کہ تمہیں یہاں سے کہیں دور لے جاؤں گا۔ آج کل ہی میں ــــ لیکن ابھی ایسا ممکن نہیں

مہرتاج ـــــ کچھ عرصہ انتظار کرنا ہوگا۔ ابھی چاروں اور خطرات ہیں ـــ کوئی جگہ بھی میرے لیے محفوظ نہیں ـــــ میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ اپنے ساتھ تمھیں مصائب میں الجھا دوں۔ ابھی ۔ وہ وقت نہیں آیا۔ نہیں آیا مہرتاج ـــــ میں ابھی تمھیں کہیں نہیں لے جا سکتا ـــــ"

"میں جانتی ہوں ـــ تم ہندوستان کے ہر گوشے میں غیر محفوظ ہو ـــــ"

نادر ایک شکست خوردہ سی ہنسی ہنسا اور بولا "اس دن تو ـــــ"

"اس دن کی بات اور تھی" وہ جلدی سے اس کی بات کاٹ کر بولی۔

"کیوں اس دن اور کیوں تھی اور آج اور کیوں نہیں ـــــ"

مہرتاج چند لمحے چپ رہی

پھر

نادر کے دو تین بار ہلانے پر بڑی سنجیدہ اور گھمبیر آواز میں بولی "اس دن ـــ میں ـــ صرف اپنے اور تمھارے متعلق سوچ رہی تھی ـــــ"

"اور آج" وہ اس کی ٹھوڑی چھوتے ہوئے بولا ـــــ

"آج ـــــ میں اپنی ذات سے ہٹ کر سوچ رہی ہوں ـــــ دوسروں کے لیے ـــــ"

"کیا مطلب؟" نادر اس کے سنجیدہ لہجے سے متعجب ہوا۔

"نادر ـــــ" اس نے گہری مطمئن سانس لی۔

"ہوں ـــــ" وہ اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔

"ایک بات کہوں"

"ضرور کہو ـــــ"

"اگر میں کوئی فیصلہ کروں ـــ تو اُسے ـــــ" وہ رُک گئی۔ نادر جلدی سے بولا

"کہو کیا کہنا چاہتی ہو ـــــ آج ـــ تم ـــ کچھ بدلے بدلے لہجے میں کیوں بول رہی ہو ـــ بتاؤ نا۔ کونسا فیصلہ کیا ہے"

"جو بھی کروں۔ پہلے یہ بتاؤ ـــ آنکھیں بند کرکے اس پر صاد کرسکتے ہو ـــ"

"جو کہہ رہی ہوں۔ وہ اتنا مشکل نہیں کہ سمجھ نہ سکو"

"پھر بھی کھل کر کہو ـــــ"

"پہلے میری بات کا جواب دو ـــ"

"تمھاری بات میں پوری طرح سمجھ ہی نہیں پایا۔ فیصلے کئی ہو سکتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ میں ہر بات سے متفق ہو جاؤں ـــــ مثال کے طور پر اب تم یہ فیصلہ کر لو کہ مجھ سے ملنے نہ آیا کرو گی تو بولو کیا میں آنکھیں بند کرکے اس پر صاد کر دوں گا ـــــ" وہ قدرے شوخی سے بولا۔

لیکن مہرتاج پر وہی سنجیدگی مسلط تھی مستحکم لہجے میں بولی "لیت و لعل سے کام نہ لو نادر۔ میں بیحد سنجیدہ ہوں ـــ جواب دو میرے سوال کا ـــ"

"بے معنی سے سوال کا جواب کیونکر دوں ـــــ"

"بامعنی یا بے معنی تو بعد کی بات ہے"

"پھر بھی کچھ وضاحت تو کرو۔ کونسا فیصلہ کر رہی ہو ـــ جس پر مجھے آنکھیں بند کرکے صاد کرنا ہے"

وہ اب بھی سنجیدہ نہیں تھا ـــ

"نادر۔ جہاں پیار کے بندھن مضبوط ہوں وہاں ایسی توجیہات طلب نہیں کی جاتیں"

"کیا تمھیں میرے پیار کی گہرائیوں اور گیرائیوں پر شک ہے؟"

"تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو ـــ؟ ایک بات کا جواب تک دے نہیں رہے اور کیا کرو گے"

"مجھے طعنہ نہ دو مہرتاج ــــ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں ــ آج جانے کیا ہوا ہے تمھیں جو الٹی سیدھی باتیں کر رہی ہو ــــ"

"میرے لیے تم بہت کچھ کر سکتے ہو نا ــــ"

"جان تک قربان کر سکتا ہوں ــــ سمجھیں ــــ"

"صرف کہنے کی حد تک یا واقعی؟"

نادر اس کے انداز سے کچھ جھلا سا گیا ــــ اس کے سر پر ہاتھ کر۔ ادھر ادھر گھماتے ہوئے بولا "آج کیا فتور آگیا ہے اس بھیجے میں ــــ جو ڈھنگ کی بات ہی نہیں سوجھ رہی"

"میرے سوالوں کا جواب کیوں نہیں دے رہے ؟ وہ غرائی۔

"مہرتاج ــــ کیا سچ مچ تم ــــ سنجیدہ ہو ــــ"

"ہاں"

"ہوا کیا ہے ــــ مجھے آزمانے کے لیے کوئی اور وقت نہیں ملے گا"

"یہی وقت ہے ــــ"

"تو کہو کیا چاہتی ہو ــــ" اس نے کمر کے پٹکے میں اڑسی تلوار نکالی ــ "کہو لوں اپنی گردن قلم ؟ ــــ"

"نادر ــــ"

"بولو نا ــــ آزمانا چاہتی ہو کہ میں تمہارے اشارے پر جان دے سکتا ہوں یا نہیں۔ واللہ اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کروں گا ــــ"

اس نے تلوار بلند کی۔

مہرتاج نے لپک کر اس کی کلائی پکڑ کر نیچے کر لی ــــ اور بولی "تلوار میان میں کر لو ــــ"

"بس ــــ اتنا ہی آزمانا تھا ــــ یقین آگیا ــــ کہ میں تمہارے لیے جان دے

سکتا ہوں"

وہ تلوار میان میں ڈال کر اپنا بازو مہرتاج کے کندھوں کے گرد لپیٹتے ہوئے بولا۔

"ہاں" مہرتاج اسی بردوت بھرے لہجے میں بولی" نادر ــــ میرے یقین کو قائم رکھنا ــــ"

نادر پھر الجھ سا گیا ــ اسے اپنے قریب کرتے ہوئے بولا "تم آج کیسی باتیں کر رہی ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا ــــ"

وہ کچھ دیر مہرتاج کو بہلانے کے لیے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ لیکن وہ نہ تو بہلی نہ ہی سنبھلی۔

"مہرتاج۔ کیا بات ہے جانم ــ بتاؤ گی نہیں۔ میں نے تمہیں اتنا نڈھال اور اتنا پریشان پہلے تو کبھی نہیں دیکھا کوئی خاص بات ہو گئی ــــ"

"ہاں نادر ــــ"

"وہ کیا؟"

"کل کیا ہونے والا ہے"

"کل ۔ آں ۔ کل ــ کل بہت بڑا حادثہ اور جانکاہ المیہ وقوع پذیر ہونے والا ہے۔ شہنشاہ محمد جلال الدین اکبر کی نصف صدی کی حکومت کا سب سے بڑا اور اہم واقعہ"

"جو اس سلطنت خداداد کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دے گا اور کوئی عجب نہیں کہ شہنشاہ کی جان بھی لے لے ــــ"

"کیا مطلب؟"

مہرتاج روہانسی آواز میں بولی "کیا تم جانتے نہیں، کہ شہزادۂ عالی کو راستے سے ہٹانے کی پہلے ہی کتنی سازشیں ہو رہی ہیں۔ ہندو راجے مہاراجے اس مملکت کے کتنے خلاف ہیں۔ جن کی بیٹیاں مغل خاندان میں بیویاں اور بہوئیں بن کر آ چکی ہیں ان کے دلوں میں

انتقام کی آگ کس طرح بھڑک رہی ہے۔"

"ہوں۔ یہ تو ہے ـــ چتوڑ کا راجہ شکست کھا کر بھاگ گیا ہے۔ لیکن وہ پھر قوت جمع کرنے میں لگا ہوا ہے۔ میواڑ کے راجے ابھی تک ناقابل تسخیر ہیں۔ مالوہ خاندیس اور گجرات ـــ"

"تو پھر ـــ" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی "اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اتنے پیارے اور عزیز بیٹے کی موت شہنشاہ کی زندگی لے لے گی ـــ"

نادر کچھ کہنے کو تھا کہ مہرتاج نے شہنشاہ کی خوابگاہ میں فانوس روشن نہ کرنے کا واقعہ اس کے گوش گزار کر دیا ـــ اس نے اسی وقت سے یہ واقعہ بیان کیا کہ نادر بھی کچھ دل گرفتہ سا نظر آنے لگا۔

لیکن

اس نے بھی وہی بات کہی "جب شہنشاہ اتنے ہی دکھی ہیں تو وہ شہزادے کی جان بخشی کیوں نہیں کر دیتے۔ کون روکنے والا ہے انہیں ـــ"

"عدل و انصاف" مہرتاج نے کہا "آج تک باغی کو یہی سزا دی جاتی رہی ہے ـــ اب وہ بیٹے کی خاطر اسے بدل دیں؟"

"ہوں"

"شہنشاہ کو کوئی بھی تو مجبور نہیں کر سکا۔ ہر کوئی کوشش کر کے ہار گیا۔ اور ـــ تو اور سلطان عالیہ جیسی زیرک خاتون بھی شہنشاہ کو قائل نہ کر سکی۔ ممتا کی ماری مہارانی کی بھی شنوائی نہ ہوئی ـــ"

"شہنشاہ کی عدل پسندی قابل صد احترام ہے۔ میں انہیں سلام کرتا ہوں ـــ"

"صرف سلام ـــ؟"

"تو اور ـــ"

"اور کچھ نہیں کر سکتے ـــ"

"میں ـــ میں کیا کر سکتا ہوں۔ اک بھگوڑا باغی ـــ جس کی زندگی تلوار کی دھار پر مچل رہی ہے۔ جیسے ہر آہٹ پر یہی گمان ہوتا ہے کہ کوئی تعاقب کر رہا ہے ـــ"

"تم غیر محفوظ ہو ـــ تم کسی وقت بھی کسی کی نظر میں آسکتے ہو ـــ اور تمہیں گرفتار کرنے والا شہنشاہ سے منہ مانگا انعام پا سکتا ہے ـــ"

"ہاں فی الحال تو کیفیت ایسی ہی ہے ـــ"

"تم اس جال سے نکل بھی نہیں سکتے ـــ"

"تم میری زندگی کا محور نہ ہوتیں تو شاید ـــ اس جال سے کبھی کا نکل چکا ہوتا۔"

"اب یہ بھی تو حقیقت ہے کہ تم ـــ"

"چپ ـــ" نادر نے ایک دم ہی اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف گھسیٹ کر نسبتاً اندھیرے میں کر لیا اور سرگوشی کرتے ہوئے بولا "شاید ـــ پہریدار ادھر سے گزر رہے ہیں ـــ"

مہرتاج نے بھی گھوڑوں کے سموں کی ٹاپ سنی ـــ ایک نہیں کئی گھڑسوار گھنے درختوں کے پرلی طرف سے گزر رہے تھے۔

ان کے گزر جانے تک دونوں دم سادھے کھڑے رہے۔ جب آوازیں دور ہو گئیں۔ تو نادر نے بے حال ہوتے ہوئے کہا "مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے انہیں یہاں میری موجودگی کا گمان ہو گیا ہے۔"

"تلوار کی دھار ہے واقعی یہ زندگی ـــ" مہرتاج بولی ـــ "اسے یوں ضائع نہیں کرنا چاہیئے ـــ"

"تو کیا کروں ـــ تمہاری خاطر ـــ"

مہرتاج چپ ہو گئی ـــ نادر بولتا رہا۔ وہ عجب مخمصے میں پھنسا تھا۔ مہرتاج کو ساتھ

بھی نہیں لے جا سکتا تھا اور اسے چھوڑ کر جا بھی نہیں سکتا تھا ـــــ

"نادر"، ایک دم ہی مہرتاج بولی۔

"کیا؟"

"میں نے اس جھنجھٹ اور مخمصے سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا ہے ـــــ تم کو یوں ہی ضائع نہیں ہونا چاہیے میرے سامنے اک عظیم مقصد ہے اور اس کے لیے جان کا نذرانہ دے دینا کوئی بڑی بات ـــــ"

"کیا؟" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "کیا کہہ رہی ہو، کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"نادر ـــــ تمہارے بچ نکلنے کے سارے راستے بند ہو چکے ہیں۔ تم کسی وقت بھی شکنجے میں جکڑے جا سکتے ہو ـــــ تمہارا انجام بھی شہزادے سے مختلف نہیں۔ تو پھر کیوں نہ ایک عظیم مقصد کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دو ـــــ"

"کس عظیم مقصد کا ذکر کر رہی ہو؟"

"مغل حکومت کے ولی عہد شہزادہ عالی کی زندگی بچانے کا ـــــ"

"میں؟ ـــــ"

"ہاں تم ـــــ"

"وہ کیسے؟"

"نادر تم باغی ہو۔ تمہارے سر کی قیمت مقرر ہو چکی ہے اور تمہیں گرفتار کرنے والا شہنشاہ سے منہ مانگا انعام پا سکتا ہے؟"

"میں جانتا ہوں۔ لیکن مجھ میں ابھی اتنا دم خم ہے کہ اپنی طرف بڑھنے والا ہاتھ توڑ دوں"

"تو لو ـــــ توڑ دو ـــــ" مہرتاج نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

"کیا مطلب؟"

"میں تمہیں گرفتار کرنا چاہتی ہوں"

الجھن کے باوجود وہ ہنس پڑا اور بولا "اس کی ضرورت ہے؟ گرفتار تو میں مدتوں سے ہو چکا ہوں۔

"یہ مذاق نہیں نادر ـــــ"

"تو ـــــ تو ـــــ"

"تمہیں شہنشاہ کے حضور پیش کر کے شہزادہ سلیم کی جان بخشی انعام میں مانگی جا سکتی ہے"

"مہرتاج ـــــ" وہ گرجا ـــــ

"آہستہ بولو ـــــ" اس نے سکون سے جواب دیا ـــــ "میں نہیں چاہتی ـــــ میرے سوا تمہیں کوئی اور گرفتار کر کے شہنشاہ سے سیم و زر کے خزانے مانگ لے ـــــ"

نادر نے مہرتاج کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے جھنجھوڑا اور بولا "سمجھ بھی رہی ہو کہ کیا کہہ رہی ہو ـــــ"

"ایسے فیصلے جب ہو جائیں تو سوچ و سمجھ کا دخل نہیں رہتا ـــــ"

"تم سنجیدہ ہو ـــــ"

"بیحد ـــــ"

"مہرتاج"

"نادر ـــــ تم اور صرف تم ـــــ حکومت شہنشاہ اور مغل خاندان کو اس جان لیوا عذاب اور تکلیف دہ بحران سے نکال سکتے ہو ـــــ تم صرف تم ـــــ"

مہرتاج نے اسے حالات و واقعات کی روشنی میں سمجھانے کے لیے ایک دل آزار سی کوشش کی۔ شہنشاہ کے دکھ و کرب کا بتایا۔ سازشوں کا ذکر کیا۔ لیکن

نادر ـــــ کو مرعوب نہ کر سکی ـــــ وہ جوش غضب سے پھنکارتا رہا ـــــ

مہرتاج اسے آمادہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی رہی۔

لیکن

جب کامیاب نہ ہوئی تو اس نے اپنے گریبان کے اندر ہاتھ ڈال کر چھوٹا سا زہر میں بجھا خنجر نکال لیا اور فرط جوش سے کانپتے ہوئے بولی "میں نے سمجھا تھا تم میری خاطر جان کی بازی لگا سکتے ہو ـــــ لیکن نہیں ـــــ تم بزدل نکلے ـــــ"

"مہرتاج ـــــ"

"مہرتاج کی خاطر جان قربان کر دینے کا یقین دلا کر اب پیچھے ہٹ رہے ہو۔ یہ پسپائی میری برداشت سے باہر ہے۔ میں ـــــ میں اس زندگی پر موت کو ترجیح دیتی ہوں ـــــ میں جی نہیں سکتی۔ نہیں جی سکتی۔"

اس نے خنجر والا ہاتھ اونچا کیا۔ لیکن خنجر سینے میں اتارنے سے پہلے ہی اس کی کلائی نادر کے ہاتھ میں تھی ـــــ

"بیوقوف مت بنو ـــــ" نادر نے خنجر چھین کر پرے پھینک دیا ـــــ مہرتاج اسے اُٹھانے کو لپکی۔ لیکن نادر نے بڑھ کر اسے بازوؤں میں بھر لیا ـــــ

"مجھے مر جانے دو ـــــ میں نہیں جی سکتی ـــــ مجھے مر جانے دو ـــــ" وہ چلائی۔

تو نادر نے اسے کھڑا کرتے ہوئے اس کا گال تھپتھپایا "مت چیخو ـــــ ہوش میں آؤ مہرتاج ـــــ بات تو سمجھو۔ تمہاری وفاداریاں شہنشاہ سے مستحکم سہی۔ لیکن ـــــ"

"چھوڑ دو مجھے ـــــ"

"مہرتاج ـــــ" اس نے اسے جھنجھوڑا۔

مہرتاج بھربھری مٹی کی طرح اس کے بازوؤں سے نکل کر درخت کے تنے سے لگتی گرتی گئی۔ لگتا تھا اس کے اوسان خطا ہو رہے ہیں۔ حواس بجا نہیں۔ نادر گھبرا کر گھٹنوں کے بل ہو کر اس کا گال تھپتھپانے لگا۔

مہرتاج گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے "میں ہوش میں ہوں ـــ بے ہوش نہیں ہو رہی ـــ تم ہٹ جاؤ ـــ چھوڑ دو مجھے ـــ"

اس نے نادر کا ہاتھ جھٹک دیا۔

نادر اس پر جھکا رہا۔

اسے میلگجے چاندنی کے اجالے میں تکتا رہا۔

پھر

گھمبیر آواز میں بولا "تم اس شہنشاہ کی خاطر یہ سب کچھ کرنا چاہتی ہو جو میرا دشمن ہے"

"وہ تمہارا دشمن نہیں تھا نادر۔ تم اس کے دشمن بن گئے ـــــ اور پھر ـــ پھر میں تو اس بوڑھے باپ کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں جس کی زندگی کی روشنی گل ہو رہی ہے۔ جو بااختیار ہوتے ہوئے بھی بے اختیار ہے۔"

"اپنی روشنی گل کر کے ـــــ تم یہ کام کرنا چاہتی ہو ـــ"

"میری روشنی پہلے ہی اندھیروں کی زد میں ہے۔ کسی آن کسی لمحہ یہ چراغ گل ہو سکتا ہے اور جب گل ہونا ہی ہے تو کیوں نہ اک دوسرا چراغ روشن کر کے گل ہو ـــ"

"تم جو کہہ رہی ہو اسے سمجھ نہیں رہی ـــــ"

نادر اور مہرتاج میں کافی دیر بحث و تکرار ہوتی رہی ـــ وہ اسے حقیقت سے آگاہ کرنے کی کوشش کرتا رہا ـــ اور مہرتاج جو اس حقیقت سے بے خبر نہ تھی اپنی بات پر اڑی رہی ـــ اس نے تو صاف طور سے کہہ دیا کہ اگر وہ اس کا فیصلہ قبول نہیں کرے گا۔ تو وہ ـــــ زندگی سے منہ موڑ لے گی۔ ـــ خنجر سینے میں اُتار لے گی یا زہر کا گھونٹ حلق سے اُتار کر اپنی زندگی ختم کر لے گی۔

نادر

تذبذب میں تھا۔

شش و پنج میں تھا ــــ کشمکش میں تھا۔

اور

ایک بار

جب پھر گھڑسوار ادھر سے گزرے اور اب کے انہوں نے جھنڈدار درختوں کا پورا چکر لگایا تو ــــ وہ۔ گھبرا گیا۔ فیصلے کا لمحہ اس پر بھی اچانک ہی آن مسلط ہوا۔ اس نے کچھ سوچا نہیں۔ بس گھبرا گیا۔

اور

اسی گھبراہٹ میں اس نے مہرتاج کا ہاتھ تھام لیا ــــ اس نے کچھ کہا نہیں۔ مہرتاج نے کچھ پوچھا نہیں۔ ہاتھوں کے لمس اور گرفت نے ہی واضح کر دیا کہ جو کچھ وہ چاہتی ہے وہ ہو بھی سکتا ہے۔

مہرتاج نے اپنے ہاتھوں میں پکڑا اس کا ہاتھ آنکھوں سے لگا لیا اور سسکتے ہوئے بولی "نادر ہماری قربانی آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ ہوگی۔ ہم مرکر کسی دوسرے کو زندگی دے جائیں گے ــــ حکومت کا شیرازہ نہیں بکھرے گا۔ خاندان کو مسرتیں ملیں گی اور شہزادہ سلیم قربانی اور ایثار کا مطلب سمجھ پائیں گے ــــ"

نادر چپ تھا۔

مہرتاج خود ہی بولے گئی "ہم ہنسی خوشی موت کو گلے لگالیں گے نادر ــــ"

"ہم ــــ" وہ چونکا۔

"تو اور ــــ کیا میں تم سے الگ ہوں ــــ اور کیا تمہارے بغیر میں جی سکوں گی"

"مہرتاج ــــ"

"ہم ایک ساتھ جینے اور ایک ساتھ مرنے کا عہد کر چکے ہیں نادر ــــ مہرتاج کے قدم کبھی متزلزل نہ ہوں گے۔ کل خونی ہاتھی کے اکھاڑے میں ہم دونوں اکٹھے اتریں گے"

"نہیں مہرتاج ــــ" وہ بولا ــــ "ایسا نہیں ہوگا ــــ"

"ایسا ہی ہوگا ــــ" وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔ پہرے دار گھوڑے دوڑاتے ہوئے پھر ایک بار ادھر سے گزرے۔ چند لمحوں کے لیے وہ رکے بھی ــــ پھر مختلف سمتوں میں نکل گئے۔ اب تو مہرتاج کو بھی شک گزرا کہ کہیں واقعی کسی نے نادر کے یہاں ہونے کے شبہ کا اظہار نہ کر دیا ہو ــــ اس کا شک سوسن پر رکا۔ لیکن اس نے ذہن سے ہر بات جھٹک دی۔ اس کا قیدی اس کے پاس تھا ــــ اب اور کوئی ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھ سکتا تھا ــــ نادر کے بدلے سیم و زر نہیں شہزادے کی جاں بخشی جو مقصود تھی۔ پھر سوسن ایسی تو نہ تھی۔

دونوں اس رات کے آخری پہر تک اکٹھے رہے۔ جی بھر کر باتیں کیں۔ محبتوں کی چاشنی کا مزہ تو اب چکھا تھا۔ ساتھ جینے اور ساتھ مرنے کا مفہوم سمجھا تو تھا۔ لیکن اب تجربے سے گزر رہے تھے۔ سرشاری کا کچھ اپنا ہی رنگ تھا۔ وہ ہنسے بھی روئے بھی ــــ نامرادی کا احساس بھی جاگا اور بامراد ہونے کی خوشی بھی محسوس کی ــــ

پھر

دونوں نے دربار میں حاضر ہونے کا پلان بنایا ــــ خود نادر ہی نے کہا کہ پہلے انہیں خان خاناں عبدالرحیم کے پاس جانا چاہیئے ــــ سارا منصوبہ ان کے گوش گزار کرنا چاہیے۔ بات معقول تھی ــــ طے پا گئی۔ دربار میں حاضر ہونے سے پہلے خان خاناں سے مل کر منصوبہ بنانے کا فیصلہ ہو گیا۔

اور

پھر

جب نئی صبح طلوع ہونے کے لیے کسلمندی سے کروٹیں بدل رہی تھی۔ چاندنی نور کی چادر بن رہی ــــ اور فضاؤں میں مہکتی نمی گھل رہی تھی وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ

دیئے سنگ سنگ چلتے اندھیروں کا سینہ چیر کر روشنی میں آ گئے۔

روشنی

جو

مغل حکومت مغل خاندان اور مغل شہنشاہ کی تاریک پڑتی خوشیوں کو نور بخشنے والی

تھی۔

دربار عام میں ہر خاص و عام کو آنے کی دعوت دی گئی تھی۔ لوگوں کا اک جم غفیر جمع ہو گیا تھا۔ جدھر دیکھو سر ہی سر نظر آتے تھے۔ اراکین اور معتمدین سلطنت اپنی اپنی نشستوں پر سر جھکائے بیٹھے تھے۔ سب مضطرب و ہراساں تھے۔

دربار ہمیشہ کی طرح آراستہ تھا۔ شیشوں جڑی چھت مدور ستونوں پر کھڑی تھی۔ ستونوں اور محرابوں کی چتر کاری جگمگا رہی تھی۔ فرش ارغوانی قالینوں سے ڈھکے تھے۔ ان پر سنہری پشتوں والی گدے دار کرسیاں بچھی تھیں۔۔۔ کرسیوں کی پشتیں بیٹھنے والوں کے عہدوں اور اعزازوں کی مطابقت سے اونچی ہوتی چلی جاتی تھیں۔۔۔ دو رویہ کرسیوں کے درمیان کھلی جگہ چھوڑی گئی تھی۔۔۔ جہاں سے تخت شاہی کئی سیڑھیوں کی اونچائی پر رکھا نظر آتا تھا۔ تخت کے پیچھے خوش اندام کنیزیں مورچھل لیے کھڑی تھیں۔ دونوں اطراف مضبوط جسموں والے غلام صف باندھے کھڑے تھے۔۔۔ دربار کے ارد گرد ملبوس اپنی لشکری وردیوں میں متعین تھے۔ یہ لشکری دربار کے علاوہ بھی شہر کے مختلف علاقوں میں گشت کر رہے تھے۔ شہر میں امن و امان رکھنے کی غرض سے یہ فرض انہیں سونپا گیا تھا۔ لوگ جوق در جوق دربار میں شرکت کے لیے آ رہے تھے۔ آج شہزادۂ عالم کو سر عام خونی ہاتھی کے اکھاڑے میں چھوڑا جانا تھا۔۔۔ لوگ تماشائی نہیں فریادی بن کر آ رہے تھے۔۔۔ دل تھامے اس جگہ

خراش منظر کو دیکھنے کے لیے جمع ہو رہے تھے ——

تخت کے پیچھے جھروکوں میں شاہی خواتین کے بیٹھنے کی جگہیں تھیں۔ حریری پردوں کے پیچھے محلوں کی بیگمات اور معزز خواتین سینوں میں ڈوبتے دلوں کو بمشکل سنبھالے بیٹھی تھیں تخت کے عین پیچھے والے جھروکے میں مہارانی جودھا بائی سلطان عالیہ بیگم اور شہزادی بخت النساء بیگم بیٹھی تھیں۔ گنگ سی تھیں —— شہنشاہ کے فرمان کے مطابق ان کی حاضری ضروری نہ ہوتی تو شاید وہ یہاں بیٹھنے کا تردد کبھی بھی نہ کرتیں —— اب تو وہ بت بنی ہوئی تھیں۔ ایک دوسری کو سہارا دینے اور ہمت دلانے کی بھی کوشش نہیں کر رہی تھیں۔

شہنشاہ ابھی تشریف نہیں لائے تھے۔ اس لیے دربار میں ہلچل کا سماں تھا۔ ہر کوئی دوسرے سے پوچھ رہا تھا سوال کر رہا تھا "کیا ہوگا؟ شہزادے کی جان بخشی نہیں کرائی جا سکی؟" لوگ بار بار سر اٹھا اٹھا کر کبھی تخت شاہی کو تک رہے تھے اور کبھی اس اکھاڑے کو جس میں خونی ہاتھی چنگھاڑ رہا تھا —— یہ اکھاڑہ دربار شاہی سے کچھ ہی دور تھا —— اس وقت تخت شاہی سے ایوان کے بیرونی دروازوں سے باہر اکھاڑے تک لوگ ہی لوگ تھے۔ جن کے چہرے سہمے ہوئے تھے —— اور دل غم سے بوجھل تھے۔

نوبت کی آواز نے سب کو شہنشاہ کی آمد سے مطلع کیا۔ لوگ سنبھل گئے —— اپنی اپنی جگہ پہ ساکت ہو گئے —— ایک مہیب سی خاموشی چھا گئی —— امراء وزراء سرداران فوج عمال ملک مصاحبین دربار اور مغل حکومت کے وفادار منصب اور اعزاز دار اپنی اپنی نشستوں کے سامنے سینوں پر ہاتھ باندھ سر جھکا کر کھڑے ہو گئے ——

نوبت بجتی رہی

اور

نقیب کی آواز دور سے سنائی دی

باادب باملاحظہ ہوشیار۔

حد ادب۔ پیش نظر۔ آمد سلطان مظفر

عالم پناہ۔ سلطان ابن سلطان

ظل سبحانی۔ بادشاہ غازی

شہنشاہ اعظم محمد جلال الدین اکبر

تشریف لا رہے ہیں ——

نقیب کی گرجتی آواز نے دلوں پر ہیبت طاری کر دی۔ یہ آواز قصر شاہی سے دربار عالی تک گونجتی چلی جا رہی تھی اور اک پرشکوہ اور پرعظمت سناٹا دربار پر چھا رہا تھا۔

شہنشاہ اعظم شاہی لباس میں ملبوس پرجلال انداز میں نپے تلے قدموں سے راہداری سے ہوتے ہوئے دربار کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے چند قدم آگے نقیب شاہی نشان اٹھائے ان کی جلال افروز سواری کی خبر دیتے بڑھ رہے تھے۔ راہداری میں دونوں طرف بہادر نڈر اور جرار لشکری ننگی تلواریں اٹھائے پہرے پر متعین تھے۔ جوں ہی شہنشاہ قریب آتے وہ اپنی تلواروں کی نوک زمین سے لگا دیتے۔ شہنشاہ گزر جاتے تو تلواریں سونت کر کھڑے ہو جاتے۔ دربار کے موقع پر قصر شاہی سے ایوان تک یہ نڈر اور جرار لشکری چاق و چوبند کھڑے رہتے تھے۔

جب ایوان عام کے محلاتی دروازے پر "حد ادب پیش نظر آمد سلطان مظفر" کی پرشکوہ آواز گونجی تو ہزاروں نظریں ایک ساتھ اس دروازے کے جھلملاتے اطلسی پردے پر مرکوز ہو گئیں۔

محافظ خاص نے شہنشاہ کے دروازے کے قریب آتے ہی اطلسی پردہ جلدی سے سمیٹ کر ایک طرف کر دیا۔

سرنگوں نگاہیں روبرو ——

حد ادب

پیش نظر

نقیب کی آواز گونجی ـــــ

اور

اس کے ساتھ ہی شہنشاہ اعظم شاہانہ تمکنت اور رعب و وقار کے ساتھ ایوان میں داخل ہوئے ـــــ

اور

جب اہل دربار نے اپنی جھکی ہوئی گردنیں سیدھی کیں تو شہنشاہ تخت پر متمکن ہو چکے تھے۔ اور قاضی القضاۃ آئین دربار کے مطابق شہنشاہ کی جلوہ افروزی کا مقصد بیان کر رہا تھا ـــــ لوگ دم سادھے ہوئے تھے ـــــ شہنشاہ کے ہاتھ کے اشارے سے دربار عام میں جن لوگوں کو نشستوں پر بیٹھنے کی اجازت تھی وہ چپ چاپ بیٹھ گئے۔ ان میں شہزادے وکیل سلطنت علماء کرام اور اکبری نورتنوں میں سے جو حیات تھے موجود تھے۔ سرداران فوج بھی اپنی اپنی نشستوں پر براجمان ہو گئے ـــــ باقی ہزاروں لوگ بیسیوں مدور ستونوں والی ایوان عام کی چھت تلے خاموش کھڑے تھے۔ لوگ چونکہ بہت زیادہ تھے۔ اس لیے چھتوں تلے نہ سما سکتے تھے۔ دور اکھاڑے تک پھیلتے چلے گئے تھے۔

تخت شاہی پر شہنشاہ کے تشریف فرما ہونے کے بعد جب قاضی القضاۃ اس دربار کا مقصد بیان کر چکا تو وکیل سلطنت نے آگے بڑھ کر شہنشاہ کی خدمت میں باغیوں کی پابہ زنجیر حاضری کی اطلاع پیش کی ـــــ تخت کے دائیں طرف خان خاناں عبدالرحیم کی نشست تھی ـــــ وکیل سلطنت کے واپس آکر اپنی جگہ پر بیٹھتے ہی وہ اٹھا ـــــ اور بڑے سکون و اعتماد سے قدم اٹھاتا شہنشاہ کے سامنے آیا ـــــ آداب شاہی بجا لانے کے بعد اس نے عرض کیا "ظل سبحانی ـــــ غلام ایک اور باغی کی گرفتاری کا مژدہ سنانے کی اجازت چاہتا ہے ـــــ"

شہنشاہ جن کے چہرے پر پتھریلی سی سنجیدگی مسلط تھی ایک دم آگے کو ہوئے پھر

تخت کے بازو پر ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے مستحکم آواز میں بولے "کون ہے وہ بدبخت ـــــ"

شہنشاہ کی گرج سے لوگوں کے دل سہم گئے۔ اور کان اس باغی کا نام سننے کو کھڑے ہو گئے۔ جس کا خان خاناں نے ذکر کیا تھا ـــــ

خان خاناں سینے پر ہاتھ باندھ کر بولا "وہ باغی جو حکومت کو ایک عرصے سے مطلوب تھا جس کے سر کی قیمت بھی مقرر کی جا چکی تھی اور جسے زندہ گرفتار کرنے والا عالم پناہ سے منہ مانگی مراد پانے کا حقدار ہے ـــــ"

دربار میں بے چینی کی لہر سی اٹھی ـــــ ہلکی ہلکی تجسس کی آوازیں ابھریں۔

شہنشاہ کی گرفت تخت کے بازو پر اور سخت ہو گئی اور وہ پرہیبت آواز میں بولے "کیا تم ہمیں نادر خان کی گرفتاری کا مژدہ سنانے والے ہو خان خاناں ـــــ"

"نادر خان ـــــ نادر خان ـــــ" ایک بار پھر سرگوشیوں نے فضا کا سکوت توڑ دیا ـــــ لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر خان خاناں کو دیکھنے لگے۔

خان خاناں نے سینے پر ہاتھ رکھے رکھے سر جھکایا اور بولا "ظل سبحانی ـــــ نادر خان ہی کو گرفتار کیا گیا اور وہ پابہ زنجیر حاضر خدمت کیا جائے گا ـــــ"

"نادر خان ـــــ" شہنشاہ کی آواز گونجی۔ اہل دربار پر دل دہلا دینے والا سناٹا چھا گیا ـــــ

شہنشاہ کے پتھریلی سنجیدگی چھائے چہرے پر رنگ سے لہرائے اور وہ پر وقار اور متعین لہجے میں بولے "نادر خان کی گرفتاری ہمارے اور حکومت کے لیے واقعی اک مژدہ ہے ـــــ ما بدولت بیحد خوش ہیں کہ دوسرے باغیوں کے ساتھ نادر خان جیسا باغی بھی اپنے انجام کو پہنچنے کے لیے گرفتار کیا جا چکا ہے ـــــ"

شہنشاہ خاموش ہوئے تو اہل دربار کی سرگوشیاں ایک بار پھر بھنبھناہٹیں بن گئیں۔

سب نادر خان کی گرفتاری پر دبے لفظوں میں اظہار خیال کرنے لگے۔

چند لمحے اسی طرح گزر گئے

پھر

شہنشاہ نے اپنا ہاتھ بلند کر کے عوام کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ہزاروں لوگوں کا ہجوم دم بخود ہو گیا اتنی خاموشی چھا گئی کہ سانسوں کی آواز بھی سنی جانے لگی۔

پھر

شہنشاہ کے اذن پر کچھ شاہی آداب کے مطابق درباری کارروائیاں ہوئیں۔ وکیل سلطنت نے حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والوں کے لیے جاری کردہ فرامین پڑھ کر سنائے۔

لوگ خاموشی سے سنتے رہے۔ کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔

شہزادے معتمدین اور اراکین سلطنت امراء وزراء سرداران فوج منصب دار اعزاز دار اور مصاحبین سب دم سادھے بیٹھے تھے۔ لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر بھی اس طرح چپ تھا کہ لگتا تھا ایوان کے اندر اور باہر کوئی متنفس نہیں ہے۔

اس خاموشی کا سینہ چیرتی ہوئی شہنشاہ کی آواز گونجی "باغیوں کو حاضر خدمت کیا جائے"

سب خاموش رہے۔

حتیٰ کہ خان خاناں بھی چپ رہا۔

شہنشاہ پھر گرجے "حکم کی تعمیل ہو۔ تینوں باغیوں کے ساتھ نادر خان کو بھی حاضر خدمت کیا جائے ——"

"جو حکم عالی ——" سالار اعلیٰ نے تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے شہنشاہ کو تعظیم دی —— اور خان خاناں کے قریب آ کر بولا "آپ اپنے باغی کو بھی لے آیئے ——"

"نادر خان ایوان کے غربی دروازے کے باہر پابند سلاسل ہے —— دوسرے باغیوں

کے آنے پر اسے بھی لے آیا جائے گا"

سالار مڑا اور نپے تلے قدم اٹھاتے ایوان کے صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

لوگوں کی خاموش نگاہیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔

کچھ ہی ساعتوں کے بعد وہ واپس لوٹا۔ اس کے ساتھ شہزادۂ عالی بھیر سنگھ اور حسن سنجرانی زنجیروں میں جکڑے ندامت کے بوجھ سے سر جھکائے آ رہے تھے۔

لوگوں کے منہ سے بے اختیارانہ نکلا:

"فریاد ہے ظل الٰہی فریاد ہے۔ رحم کیا جائے —— خطا معاف کی جائے ——"

"خاموش" شہنشاہ کی پر وقار اور سنگین آواز گونجی —— وہ تخت سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور ان کے اٹھتے ہی اہل دربار اپنی اپنی نشستوں سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

تینوں قیدی تخت کے چبوترے کے سامنے کھڑے کر دیئے گئے۔ خان خاناں کے حکم پر نادر خان کو بھی حاضر کیا گیا۔ نادر اک وقار اور تمکنت سے قدم اٹھاتا آیا۔

لوگوں نے دیکھا اس کے جلو میں اک ماہ رو حسینہ جس نے سر تا پا سفید ریشمی لباس زیب تن کر رکھا تھا —— چلی آ رہی تھی —— وہ بڑے اعتماد سے قدم اٹھا رہی تھی اور حیران نظروں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

نادر خان کا سر دوسرے مجرموں کی طرح جھکا ہوا نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر ندامت یا خوف کے سائے بھی نہیں لہرا رہے تھے۔ وہ دربار میں اس طرح آیا تھا جیسے کوئی شیر میدان میں آتا ہے۔ اس کا مضبوط جسم اور خوبصورت چہرہ لوگ حیرت و مسرت سے دیکھ رہے تھے۔ اس کے ساتھ آنے والی حسینہ روزگار مہتاج کے سوا اور کوئی نہ تھی۔ لوگوں کی نظریں دونوں پر ٹکی تھیں اور ہجوم میں کھڑے لوگ انہیں دیکھنے کے لیے دھکم پیل پہ اتر آئے تھے۔

خان خاناں تخت کے سامنے آتے ہوئے جھکا اور مؤدبانہ بولا "نادر خان کو حاضر خدمت

کر دیا گیا ہے عالم پناہ ——"

شہنشاہ نے بڑی تمکنت سے خان خاناں کو دیکھا۔ پھر سامنے کھڑے چاروں باغیوں پر نگاہ ڈالی۔ شہنشاہ کے چہرے سے جلال ٹپک رہا تھا اور شہزادے کو پابہ زنجیر دیکھ کر جو دل کو دھچکا سا لگا تھا اب وہ اس کمزوری پر پوری طرح غالب آ چکے تھے اور تخت کے پاس کھڑے اک باپ نہیں اک پرشکوہ اور عظیم شہنشاہ نظر آ رہے تھے۔

شہنشاہ نے ایک بار پھر ایوان کے اندر اور باہر نگاہ دوڑائی۔ پھر اراکین سلطنت پر نظر ڈالی سب دم بخود کھڑے تھے۔

شہنشاہ نے شہزادہ سلیم کی طرف دیکھا اور بڑی گونجدار آواز میں بولے "شہزادہ سلیم —— آج تم پابہ زنجیر ہمارے سامنے کھڑے ہو۔ تم نے ہماری عظمتوں اور جاہ وجلال کا اندازہ کر لیا ہوگا۔ کیا تم سمجھتے تھے کہ شہنشاہ جلال الدین کو نیچا دکھانا آسان کام ہے؟"

سلیم سر تو نہ اٹھا سکا ہاں اس کی آواز تھرتھرائی "عالم پناہ ——"

شہنشاہ چند لمحے سرزنشی انداز میں بولتے رہے پھر ان کا رخ بھیر سنگھ اور حسن سنجرانی کی طرف ہو گیا۔ انہوں نے اسی لہجے میں ان کو بھی سرزنش کی۔ دونوں کچھ اور بھی جھک گئے۔

شہنشاہ نے اب نادر خان کو دیکھا۔ جس کا سینہ تنا ہوا تھا اور چہرہ بھی اک وقار سے اٹھا ہوا تھا ——

شہنشاہ غصے سے گرجتے برستے رہے پھر بولے "نادر خان تم نے یہ جانا کہ بغاوت کر کے مغل حکومت کی بنیادیں ہلا سکو گے۔؟"

نادر خان اسی انداز سے کھڑا رہا۔ شہنشاہ رعد و برق کی طرح گرجے —— "تم باغیوں نے دیکھا کہ ہماری سلطنت اور ہماری حکومت ایسی سنگلاخ چٹان ہے جس سے ٹکر لینے والا خود پاش پاش ہو جاتا ہے۔ ہماری مملکت اک فولادی دیوار ہے۔ جس سے

نبرد آزما ہونے والا اپنا ہی سر پھوڑ لیتا ہے ——"

دربار پر ہولناک سی خاموشی چھائی تھی۔ صرف شہنشاہ کی گھن گرج سنائی دے رہی تھی —— وہ پرجلال اور ہیبت ناک لہجے میں کہہ رہے تھے "تم لوگوں نے دیکھ لیا کہ ہماری حکومت کے ہاتھ کتنے لمبے ہیں —— ان کی دستبرد سے محفوظ رہنا ممکن نہیں —— تم لوگوں نے ہمارے عتاب کو چھیڑا —— ہمارے جلال کو آزمانے کی کوشش کی —— ہمارے حوصلے سے مذاق کرنے کی جرأت کی ——؟"

وہ اک لمحہ کو رکے۔ لوگوں کے سانس سینوں میں رک گئے تھے۔ آنے والے لمحے کی سنگینی سب کو دل تھام لینے پر مجبور کر رہی تھی۔

شہنشاہ گرجے —— "آج یہ عتاب۔ یہ جلال تم پر موت بن کر ٹوٹ رہا ہے"

دربار سے ایک دم ہی شور اٹھا "رحم —— ظل الٰہی۔ رحم ——"

شور بڑھتا گیا —— رحم کی التجائیں پھیلتی گئیں ——

"خاموش" شہنشاہ کی کڑک گونجی —— "مابدولت حکم فرماتے ہیں کہ چاروں مجرموں کو خونی ہاتھی کے اکھاڑے میں چھوڑ دیا جائے —— اور عوام کو تماشا دیکھنے کی اجازت دی جائے ——"

"رحم —— رحم ——" ایک بار پھر شور مچ گیا۔ اس دفعہ پچھلے جھروکوں سے خواتین کی آوازیں بھی ان پر شور التجاؤں میں گھل مل گئیں ——

تینوں مجرم سر جھکائے کھڑے خود بھی شاید رحم کی بھیک مانگ رہے تھے۔ ہاں نادر خان اک شان و انداز سے خاموش کھڑا تھا ——

شہنشاہ نے شور بڑھتا دیکھا تو بجلی کی طرح کڑکے "خاموش —— کسی کو لب کشائی کی جرأت نہ ہو —— لے جاؤ ان باغیوں کو —— اور چھوڑ دو خونی ہاتھی کے اکھاڑے میں ——"

دربار پر چند لمحے شہنشاہ کے ہیبت اور دبدبے سے سناٹا چھایا۔ لیکن جب سالار

مجرموں کو ساتھ لے جانے کے لیے آگے بڑھا تو ایک بار پھر ایوان کے در و دیوار رحم رحم کی صدائوں سے گونج گئے ــــ

" ٹھہریئے سالار ــــ" خان خاناں عبدالرحیم نے ہاتھ کے اشارے سے سالار کو روکا۔

" فرمایئے ــــ" وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

" نادر خان کو گرفتار کرنے والا شہنشاہ اعظم کی خدمت میں حاضر ہونے کا منتظر ہے۔"

پھر خان خاناں نے دو قدم آگے بڑھائے اور شہنشاہ کے سامنے آتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھا جھکا اور سر اٹھاتے ہوئے بولا" عالم پناہ ــــ"

شہنشاہ نے ایک نظر اس پر ڈالی اور بولے" اب کیا کہنا ہے عبدالرحیم"

" عالی جاہ" وہ اسی انداز سے بولا" اس سے پہلے کہ نادر خان اپنے انجام کو پہنچے اسے گرفتار کرنے والا حضور کے فرمان کے مطابق منہ مانگی مراد پانا چاہتا ہے"

"خوب یاد دلایا خان خاناں ــــ" شہنشاہ وقار سے بولے" کون ہے وہ خوش نصیب اسے ہمارے حضور پیش کیا جائے ــــ"

خان خاناں نے مؤدبانہ کہا" وہ حرم سرا کی ایک معمولی کنیز ہے ظل سبحانی"

" کنیز ــــ" شہنشاہ کی آواز کے ساتھ کئی زیرلب آوازیں گونجیں۔

"جی عالم پناہ ــــ آپ کی خوابگاہ میں فانوس روشن کرنے والی کنیز ــــ مہرتاج"

" مہرتاج ــــ؟" شہنشاہ حیران سے ہوئے۔

"تاریکیوں کو اجالوں میں بدل دینے والی مہرتاج حاضر خدمت ہے عالی جاہ ــــ" خان خاناں نے مہرتاج کو آگے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

شہنشاہ کی طرح لوگ بھی حیران تھے۔ وہ گردنیں اٹھا اٹھا کر سفید پیرہن میں ملبوس اس خوبصورت کنیز کو تکنے لگے جو بڑے اعتماد سے قدم اٹھا کر شہنشاہ کے سامنے فرشی سلام کر رہی تھی۔

شہنشاہ نے مہرتاج کو دیکھا۔ حیرانی سے بولے" اک کمزور سی لڑکی نے اتنے بڑے مجرم کو گرفتار کیا؟ مہرتاج ــــ کیا یہ حقیقت ہے؟"

" عالم پناہ" وہ آداب شاہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے مؤدبانہ انداز میں بولی "نادر خان کو حضور والا پابہ زنجیر دیکھ رہے ہیں ــــ وہ گرفتار ہو چکا ہے اور دوسرے باغیوں کے ساتھ قطار میں کھڑا ہے"

شہنشاہ نے پھر ایک نگاہ مہرتاج پر ڈالی ــــ اور پھر نادر خان کی طرف دیکھا۔ جو ایک دلیرانہ آن بان سے کھڑا تھا۔

خان خاناں نے مہرتاج سے کہا" مہرتاج ــــ عالم پناہ سے مانگو ــــ کیا مانگنا چاہتی ہو۔"

پھر اس نے شہنشاہ کی طرف رخ کر کے کہا" کنیز انعام کی طالب ہے عالی جاہ ــــ"

شہنشاہ نے اثباتی انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا" مہرتاج ــــ نادر کو کیسے گرفتار کیا گیا ہم یہ جاننا نہیں چاہیں گے اس وقت ــــ ہاں اپنی خواہش کا اظہار کرو۔ مابدولت اپنے فرمان کا پاس کرتے ہوئے تمھاری ہر خواہش پوری کریں گے۔"

مہرتاج نے پھر فرشی سلام کیا اور متانت سے بولی" ظل سبحانی۔ کنیز جانتی ہے۔ کہ عالم پناہ قانون و فرمان کی پاسداری فرماتے ہیں۔ اس لیے ــــ"

وہ چند لمحے رکی۔ اک نظر نادر پر ڈالی ــــ

" مانگ لو ــ لڑکی ــــ مانگ لو ــــ" خان خاناں نے اس کی ہمت بندھائی۔

" مانگو مہرتاج ــــ" شہنشاہ قدرے ملائمت سے بولے۔

" عالم پناہ ــــ" مہرتاج کچھ جھجکی تو شہنشاہ بولے" ڈرو نہیں لڑکی۔ بے دھڑک مانگ لو۔ خزانوں کے منہ کھول دیئے جائیں گے ــــ گھبراؤ نہیں ــــ مانگو ــــ کہو کیا چاہتی ہو ــــ"

مہرتاج نے جھکا ہوا سر اٹھایا اور مستحکم لہجے اور پر اعتماد آواز میں بولی" کنیز کی خواہش ہے کہ شہزادۂ عالم ـــــ کی ۔ جان بخشی کی جائے ۔ انہیں رہا کیا جائے"

دربار سے واہ وا کی بیساختہ آوازیں فضا کا سکوت توڑ گئیں ۔ ہجوم میں ہلچل مچ گئی۔ شہزادۂ عالم نے چونک کر اسے دیکھا اور نادر خان کے چہرے پر بشاشت لہرا گئی۔

پیشتر اس کے کہ دربار میں شور مچ جاتا شہنشاہ کی خوفناک گرج سنائی دی " خاموش"

دربار پر خاموشی چھا گئی۔

شہنشاہ مہرتاج سے مخاطب ہو کر بولے" تیری یہ جسارت مہرتاج ـــــ محل کی معمولی کنیز کا یہ حوصلہ ـــــ تو اپنی بساط سے بہت بڑھ گئی ہے ـــــ"

مہرتاج خاموش کھڑی رہی ـــــ اہل دربار بھی چپ رہے ـــــ شہنشاہ ایک لمحہ کو رکے۔ پھر قدرے نرم لہجے میں بولے" کچھ اور مانگ لے مہرتاج ۔ زر و جواہر تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دیئے جائیں گے ۔ تیرے دامن کی وسعتوں سے زیادہ تجھے دیا جائے گا ـــــ"

مہرتاج کے چہرے پر سائے سے لہرائے ۔ پھر عزم و ہمت کی قوت سے اس کا حسین چہرہ روشن ہو گیا ۔ وہ جرأت بے باکانہ سے بولی" کنیز نے جو مانگنا تھا مانگ چکی ۔ عالم پناہ ـــــ مہرتاج اب آپ کے عدل و انصاف کو پکارتی ہے"

دربار سے پھر واہ ـــــ وا ـــــ کی پر زور صدائیں بلند ہوئیں ۔ کچھ لوگوں نے" کنیز زندہ باد" کے نعرے بھی لگائے۔

شہنشاہ نے پر زور لہجے میں کہا" مہرتاج ۔ وقت ہے کچھ اور مانگ لے"

مہرتاج مستحکم لہجے میں بولی" شہزادۂ عالم کی جان بخشی کے سوا کنیز کو اور کوئی انعام نہیں چاہیے عالم پناہ ـــــ "

دربار سے ایک بار پھر تحسین و آفرین کا شور اٹھا ـــــ تخت کے پچھلے جھروکوں سے بھی داد کی آوازیں ابھریں ـــــ

شہنشاہ پر غضب ہو گئے ـــــ گرج کر بولے" خاموش"

آوازیں ایک دم ہی معدوم ہو گئیں ۔ دل سینوں میں دہل گئے ۔ دم رک سے گئے۔ لیکن مہرتاج کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی ۔ وہ اسی طرح کھڑی رہی ـــــ خان خاناں نے شہنشاہ کے حضور عرضداشت کی" عالم پناہ ـــــ کنیز شاہی فرمان کی رو سے انعام پانے کی حقدار ہے"

عبدالرحیم کی دیکھا دیکھی دوسرے مصاحبین اور ارا کین سلطنت نے بھی ہمت کی اور ہر طرف سے آوازیں اٹھیں ـــــ

" کنیز کو اس کا انعام مرحمت فرمایا جائے عالی جاہ"

" اس کی خواہش پوری کی جائے"

" شہزادۂ عالم کی جان بخشی کی جائے"

" مہرتاج کو اس کی منہ مانگی مراد فرمان کی رو سے دی جائے"

" اس کا حق دیا جائے"

" یہ فرمان شاہی عرصہ ہوا جاری کیا گیا تھا ۔ اب اس پر عمل کیا جائے ـــــ"

" شہزادے کو رہا کیا جائے"

آوازیں شور بنتی جا رہی تھیں ۔ کہ شہنشاہ کی آواز گونجی" ناممکن ـــــ"

لیکن

اس بار آوازیں مدھم پڑیں نہ معدوم ہوئیں ۔ مہرتاج کے حق کی خاطر ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں ۔ پس پردہ خواتین بھی پورے جوش سے مہرتاج کی حمایت میں بولنے لگیں۔

شہنشاہ نے مضطربانہ نگاہیں ہجوم پر ڈالیں ۔

پھر ملائمت سے مہرتاج سے بولے" مہرتاج ـــــ ہم خزانے لٹانے کو تیار ہیں"

"مجھے اور کچھ نہیں چاہیے عالم پناہ — اپنا وعدہ پورا فرمایئے — کنیز آپ کے عدل و انصاف کو پکار رہی ہے۔"

دربار سے پھر غلغلہ اٹھا "مہرتاج کو اس کا انعام دیا جائے۔ وعدہ پورا کیا جائے۔ فرمان کی لاج رکھی جائے — مہرتاج کو اس کا حق دیا جائے۔ حق نہ دینا ناانصافی ہے۔ انصاف کیا جائے۔"

شہنشاہ چند لمحے یہ شور سنتے رہے۔ پھر ایک قدم آگے بڑھایا — ہاتھ کے اشارے سے عوام کو چپ رہنے کے لیے کہا۔ وہ فرمان کی رو سے مہرتاج کا حق دینے پر مجبور ہوگئے تھے۔ اور جب شور تھم گیا، تو شہنشاہ بڑے گھمبیر لہجے میں بولے "ہم، تم سے ہار گئے مہرتاج —"

خوشی کی لہر ہر سو دوڑ گئی۔ شہنشاہ اعظم زندہ باد کے نعروں سے فضا گونج اٹھی چہرے خوشیوں سے دمک اُٹھے — حرم کی خواتین بے بہا خوشی کا بار نہ سنبھالتے ہوئے رو پڑیں — مہرتاج کے احسان نے ان کے سر جھکا دیئے —

شہنشاہ کئی لمحے چپ رہنے کے بعد بولے "مہرتاج۔ تم نے ہمارے انصاف کو للکارا ہے۔ مابدولت تمہاری خواہش پوری کرتے ہوئے حکم دیتے ہیں کہ شہزادے کی زنجیریں کاٹ دی جائیں — انہیں رہا کیا جائے —"

مُبارک سلامت کا ایک پرجوش اور ولولہ انگیز شور گونج اٹھا — پس پردہ بیگمات نے اپنے زیورات اُتار اُتار کر مہرتاج کے قدموں پر نچھاور کیے۔ وہ بت بنی کھڑی رہی۔

شہزادہ سلیم کی ہتھکڑیاں کھل گئیں — وہ سر جھکائے جھکائے تخت شاہی کے سامنے کھڑے شہنشاہ کی طرف بڑھا — زینے چڑھ کر وہ شہنشاہ کے قدموں میں جھک گیا۔ اور ندامت سے بوجھل آواز میں بولا "میں ظل الٰہی کی کرم نوازی اور نوازش کا شکر گزار ہوں۔"

شہنشاہ نے شہزادے کو کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور گھمبیر آواز میں بولے "شکریہ ہمارا نہیں۔ مہرتاج کا ادا کرو — جس نے سیم و زر کے بدلے تمہاری جان بخشی چاہی"

شہزادہ رخ موڑتے ہوئے مہرتاج سے مخاطب ہوکر بولا "ہم تمہارے ممنون احسان ہیں مہرتاج —"

"یہ شہزادہ عالم کی ذرہ نوازی ہے" مہرتاج ماتھے تک ہاتھ لے جاکر سر جھکاتے ہوئے بولی۔

دربار ایک بار پھر تحسین و آفرین کی صداؤں سے گونج اٹھا — حکورت اور دودمان مغلیہ کے بہی خواہ جہاں شہزادے کی اس معجزانہ طور پر رہائی سے خوش تھے وہاں مہرتاج جیسی عظیم لڑکی سے بھی مرعوب و متاثر تھے — اس کی جاں نثاری اور وفاداری کے سب لوگ معترف ہورہے تھے — اور دل کھول کر داد دے رہے تھے۔

جب دربار کا شور و غوغا قدرے کم ہوا تو مہرتاج چند قدم آگے بڑھ کر شہنشاہ کے سامنے سر جھکاتے ہوئے بولی "کنیز کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہے عالم پناہ"

"کہو — بے جھجک کہو لڑکی" شہنشاہ کا من اندر سے شاد ہوگیا تھا —

"التجا ہے ظل سبحانی"، وہ بولی۔

"ہاں ہم سن رہے ہیں —" شہنشاہ کے چہرے پر اندرونی خوشی کے پرتو پڑ رہے تھے۔

"عالم پناہ — میں — میں چاہتی ہوں کہ جب نادر خان کو خونی ہاتھی کے اکھاڑے میں اتارا جائے — تو اس کنیز کو بھی ساتھ اترنے کی اجازت دی جائے"

شہنشاہ چونکے "کیا مطلب؟"

نادر خان تڑپ کر بولا "نہیں عالم پناہ — نہیں — مہرتاج کو زندہ رہنا ہے"

شہنشاہ اور اہل دربار حیران ہوکر مہرتاج اور نادر خان کو تکنے لگے۔ کچھ سرگوشیاں ہوئیں کچھ بھنبھناہٹیں ابھریں۔ تجسس سب کے چہروں سے ہویدا تھا — تب ہی خانِ خاناں

نے شہنشاہ کی خدمت میں گوش گزار کیا کہ نادر اور مہرتاج دونوں ایک تصویر کے دو رُخ ہیں ——

شہنشاہ سمجھ گئے تھے وہ بے حد متاثر نظر آرہے تھے۔

خان خاناں بولا" عالم پناہ یہ دونوں ایک دوسرے کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ لیکن کسی ایک نے بھی اپنی جان کو ہندوستان کے ولی عہد کی جان سے زیادہ عزیز نہیں جانا —— شہنشاہ عالم نادر خان حکومت کو مطلوب تھا۔ اس کو گرفتار کرنے والا حضور سے منہ مانگی مراد پا سکتا تھا —— جب شہزادے کی جان بخشی کسی صورت نہ ہوسکی تو اس بلند حوصلہ جانثار لڑکی نے فیصلہ کرلیا کہ وہ شہزادے کو ہر قیمت پر بچائے گی۔ وہ فانوس روشن کرکے عالم پناہ کی خواب گاہ روشن کرتی تھی —— اس نے یہ روشنی حضور کے سُونے من میں اتارنے کے لیے اپنے مستقبل کے خواب کو قربان کردینے کا فیصلہ کرلیا۔"

"مرحبا ——" دربار سے آوازیں اٹھیں۔

" اور آفرین ہے نادر خان پر —— اس بہادر نوجوان نے خود کو ہندوستان کے مستقبل پر قربان کرنے کے لیے پیش کردیا —— ایثار کا یہ جذبہ بے مثال ہے عالم پناہ"

دربار سے پھر پرجوش آوازیں اٹھیں —— پس پردہ خواتین بھی واہ۔ واکہہ اٹھیں۔

شہنشاہ نے بے ساختہ کہا" بے شک خان خاناں۔ یہ جذبۂ ایثار بے مثال ہے۔"

خان خاناں بولا" مہرتاج کا تار حیات نادر خان سے جڑا ہوا ہے ظل سبحانی۔ اسی لیے یہ نادر کے ساتھ خونی —— ہاتھی کے ——"

شہنشاہ نے ہاتھ اونچا کیا —— لوگ ایک دم خاموش ہوگئے۔ مہرتاج اور نادر نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

شہنشاہ بولے" مہرتاج اور نادر خان کے تار حیات جڑے ہوئے ہیں تو یہ تار ہمارے ہاتھوں ٹوٹنے نہ پائیں گے۔ ما بدولت حکم فرماتے ہیں کہ نادر خان کی زنجیریں کاٹ دی

جائیں۔ ہم اس بہادر نوجوان کو باعزت رہا کرتے ہیں —— اس کا ہر جرم معاف فرماتے ہیں۔"

سالار نے آگے بڑھ کر نادر خان کی ہتھکڑیاں کھول دیں۔ دربار میں اک پرجوش سا غلغلہ مچ گیا۔

شہنشاہ اعظم زندہ باد —— نادر خان زندہ باد اور مہرتاج زندہ باد کے نعرے بڑی دیر تک گونجتے رہے۔ شہنشاہ نے عوام کو خراج عقیدت پیش کرنے کی اجازت دے دی۔

نادر خان آگے بڑھا اور شہنشاہ کے سامنے دوزانو ہوکر بولا" میں اپنے جرم بغاوت پر شرمندہ ہوں۔ عالی جاہ ——"

"تم نے اب جو کچھ کیا ہے وہ بہت عظیم ہے نادر خان" شہنشاہ نے اسے اٹھا کر اپنے قریب کرتے ہوئے کہا۔" تم دونوں نے ولی عہد پر ہی نہیں اپنے بوڑھے شہنشاہ پر بھی احسان کیا ہے۔"

پھر وہ شہزادہ سلیم سے مخاطب ہوکر بولے" شیخو —— سبق سیکھو وفاداری اور جانثاری کا ان سے —— ان بہادروں سے جو قربانی کے چراغوں کو اپنے لہو سے فروزاں رکھنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں —— یہ تمہارے اور ہمارے کچھ نہیں لگتے۔ لیکن انہوں نے تمہاری ہماری خاطر اپنی جانیں داؤ پر لگادیں۔ حکومتیں اور سلطنتیں ایسے جانبازوں ہی کی وجہ سے قائم رہتی ہیں۔ یہ عظیم لوگ ہمارا سرمایہ ہیں ——"

شہنشاہ نے نادر خان اور مہرتاج کو دل کھول کر خراج عقیدت پیش کیا۔

ان دونوں کے سر تعظیم اور احترام سے جھک جھک گئے —— اتنی تعریف اور وہ بھی شہنشاہ اعظم محمد جلال الدین اکبر کی زبان سے —— نادر اور مہرتاج کیف مسرت سے سرشار ہوگئے —— شہنشاہ چپ ہوئے۔ تو شہزادہ سلیم نے اپنی ناسمجھی اور نافرمانی کا ایک بار پھر اقرار کیا۔ شہنشاہ کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور آگے بڑھ کر نادر کا ہاتھ تھام کر بولا

" اس بہادر نوجوان نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میں اس کا ممنون احسان ہوں۔"

شہنشاہ ہشاش بشاش سے نظر آنے لگے۔

لوگ اب بھی نعرہ زن تھے ـــــ

شہنشاہ نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ اپنے دائیں ہاتھ شہزادہ عالی کو بائیں ہاتھ نادر خان کو کھڑا کرتے ہوئے مہرتاج سے مخاطب ہوئے "مہرتاج تم نے ہمارے دل میں جگہ بنالی ہے۔ شہنشاہ اکبر کی کوئی بیٹی نہ تھی۔ آج ہم خدائے قدوس کے شکر گزار ہیں جس نے ہمیں اتنی پیاری اور ایسی جانباز بیٹی عطا فرمائی۔ پردے میں ہو جاؤ مہرتاج ـــ تم آج سے اکبر اعظم کی اکلوتی بیٹی ہو ـــ"

اب تو دربار سے جو واہ وا اور تحسین و آفرین کی آوازیں اٹھیں ـــ ایوان کے در و دیوار گونج اٹھے ـــ لوگ تو جیسے خوشی سے باؤلے ہو گئے۔ جھروکوں میں خوشگوار ہلچل مچ گئی ـــ کنیزوں کو سلطان اور مہارانی نے فوراً بھیجا کہ مہرتاج کو ان کے پاس لے آئیں۔

مہرتاج اور نادر خان پر سرشاری کی عجیب و غریب سی کیفیت طاری تھی اور جب شہزادہ سلیم نے زینے اُتر کر مہرتاج کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "میری بہن ـــ جھروکے میں چلو ـــ" تو لوگوں کے فرط انبساط سے لگائے ہوئے نعروں سے لگتا تھا ایوان کی چھت اڑ جائے گی۔

مہرتاج کو خود ولی عہد جھروکے میں لے گئے۔ کنیزیں ان کے پیچھے پیچھے آئیں۔

اور

جب حرم کی خواتین شہزادے اور مہرتاج کو ٹوٹ کر پیار کر رہی تھیں خوشی کا اظہار آنسوؤں اور ہچکیوں سے کر رہی تھیں ـــ گلے مل رہی تھیں۔ پیشانیاں چوم رہی تھیں مہرتاج کو بیٹی اور بہن کے اعزاز سے نواز رہی تھیں تب شہنشاہ عالم مسرت کے اس موقعے پر قیدیوں کی رہائی کا مژدہ سنا رہے تھے۔ ان میں بھیر سنگھ اور حسن سنجرانی بھی تھے جو جان بخشی

پر شہنشاہ کے قدموں میں گر گئے تھے۔

اس کے ساتھ ہی شہنشاہ اعلان فرما رہے تھے کہ اگلے ماہ کی چودھویں شب مہتاب شاندار جشن منانے کا اہتمام کیا جائے گا

اور

اسی شب وہ اپنی بیٹی مہرتاج کا عقد نادر خان سے کریں گے۔

مہرتاج اور نادر خان کی شادی جس دھوم دھام اور تزک و احتشام سے ہوئی چشم فلک
نے ایسی شادی شاید ہی کبھی دیکھی ہو۔۔۔ شہنشاہ نے مہرتاج کو بیٹی بنایا تھا۔ اسے بیٹی
ہی کی طرح چاہا اور شادی کی ۔۔۔ حرم کی خواتین میں وہ معتبر اور معزز گردانی گئی ۔۔۔ شہزادے
نے اسے حقیقی بہن کا درجہ اور پیار دیا ۔۔۔ شہزادے کی ساری بیویاں الہ آباد سے اس
شادی میں شرکت کے لیے آئیں ۔۔۔ اور ہر ایک نے اس شادی کی خوشی میں بڑھ چڑھ کر
حصہ لیا۔۔۔ یشودھا رانی تو اس سے اتنی بے تکلف ہو گئی کہ نادر کے حوالے سے اس
سے چھیڑ چھاڑ کرتی رہی ۔۔۔

سلطان سلیمہ بیگم اور شہزادی بخت النساء بیگم نے شادی تک مہرتاج کو اپنے
پاس رکھا۔ مہارانی جودھا بائی بھی کچھ دنوں کے لیے اسے اپنے رنگ محل میں لے گئی۔ مہرتاج
کو سلطان عالیہ نے محسنہ کا لقب دیا۔۔۔

نادر خان کی جاگیر بحال کر دی گئی۔ اسے کئی پرگنوں کی سرداری بھی بخشی گئی۔ شہنشاہ
نے اپنی تلوار خاص بھی اسے شادی کے موقع پر تحفے میں دی۔

مہرتاج کی شادی کا جشن کئی دن جاری رہا۔ محلوں کی گھما گھمی دیدنی تھی۔ رونقیں
لوٹ آئی تھیں۔ چہرے شگفتہ اور بشاش تھے۔ ہنسیوں کی پھواریں پڑتی تھیں۔ اور مسرت

کے قہقہے گونجتے تھے ۔۔۔ یہ سب کچھ مہرتاج کی وجہ سے تھا۔ اسی لیے سب اس کے
احسان مند تھے ۔۔۔ اور اسی لیے سب اپنے جذبات کا اظہار شادی میں بھرپور حصہ لے کر
کر رہے تھے۔

نادر خان دولھا بن کر آیا تو اسے شہنشاہ کے داماد ہی کی حیثیت دی گئی۔ محلوں میں
اس کی آؤ بھگت شان شایاں طریق سے ہوئی۔ رانیوں اور شہزادیوں نے اس پر پھول
برسائے اور بیش قیمت نذرانے پیش کیے ۔۔۔ اس سے ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ میں بھی
پیش پیش رہیں۔۔۔

مہرتاج دلہن کے روپ میں اک قیامت نظر آ رہی تھی۔ حسن خداداد پر جب زیبائش
کا رنگ چڑھا ہیرے موتیوں میں بسی ۔۔۔ عروسی جوڑا جس پر انتہائی خوبصورت کام اور
سونے موتی کے پھول ٹکے تھے، پہنا تو اس پر نظر نہ ٹھہرتی تھی۔ خوشی اور طمانیت کا اپنا ہی
رنگ ہوتا ہے۔ اس کے پرتو حسن کو نکھار دیتے ہیں ۔۔۔ وہ تو آج خوشی اور طمانیت کی دنیا
بسائے ہوئے تھی۔ ہر طرف سے پیار ہی پیار مل رہا تھا۔ وہ خوشی سے پھولی نہ سما رہی تھی۔
پیار کا اظہار ہر طرف اور ہر طریق سے ہوا۔

شہنشاہ نے سجا سجایا قصر احمر جہاں خدمت کے لیے بیسیوں لونڈیاں اور خدام تھے،
مہرتاج کو جہیز میں دیا۔ نادر خان کے لیے گھوڑے اور ہاتھی بھجوائے۔ مہارانی جودھا بائی
سلطان سلیمہ بیگم شہزادی بخت النساء بیگم اور سلیم کی رانیوں اور بیگموں نے اتنا کچھ دیا
کہ دامن کی وسعتیں بھی تنگ لگنے لگیں۔

سب سے بڑا اعزاز تو یہ تھا۔

کہ

شہنشاہ محمد جلال الدین اکبر تاجدار ہند نے مہرتاج کی پیشانی کو شفقت پدری سے
چوما اور شہزادۂ عالم نے بھائی کی طرح اسے پالکی میں سوار کر دیا۔۔۔

یوں
مہر تاج اکبری محلات سے رُخصت ہوئی
اور
دعاؤں کے سائے میں نادر خان کے ساتھ قصر احمر میں آ گئی۔
ان دونوں نے اک طویل خوشگوار اور مسرت بھری ازدواجی زندگی گزاری۔ شہنشاہ اکبر کے بعد شہنشاہ نورالدین سلیم جہانگیر نے بھی اس رشتے کو احترام اور محبت سے نبھایا.....۔
یہ دونوں
مغل خاندان کے محسن تھے۔
اس لیے
اہل خانہ کے سر ان کے سامنے ہمیشہ خم رہے۔

رضیہ بٹ
۲۳۶۔ ڈیفنس سوسائٹی لاہور